

شیعہ سُنی اختلافات

اور

صراطِ مستقیم



حضرت مولانا محمد یوسفؒ لُہیانوی شہید

مکتبہ لُہیانوی



شیعہ سنی اختلافات

اور
طرحِ مستقیم

محمد یوسف لدھیانوی

مکتبہ لدھیانوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محمد رسول اللہ والذین معہ

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِيمًا بَيْنَهُمْ تُرْهِمُهُمْ رُكْعًا مُجَبَّدًا يُبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا نَسِيحًا هُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ الْجُبُونِ
ذَلِكَ مِثْلَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمِثْلَهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ نَجَّ كَزَرْجٍ
أَخْرَجَ شَطْرَهُ فَأَزْرَهُ فَاسْتَقْلَطَ فَاسْتَوَى عَلَى سَوْقِهِ
يُحِبُّ الزَّرَّاعَ لِيَكْبِتَ بِهِمُ الْكُفَّارُ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ
محمد رسول اللہ کا، اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں، زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں
آپس میں۔ تو دیکھئے ان کو رکوع میں اور سجود میں، دھندلے ہتھ ہیں اللہ کا نفس اور اس کی
خوشی۔ نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے، جودہ کے اثر سے۔ یہ شان ہے ان کی
تورات میں، اور ان کی انجیل میں۔ جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پتھا، پھر اس کی
کمر مضبوط کی، پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر، خوش گناہے کھیتی والوں کو،
تاکہ خلائے ان سے جی کافروں کا۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو یقین لائے ہیں
اور کیے ہیں بھلے کام، معافی کا اور بڑے ثواب کا۔

ترجمہ از شیخ الحدیث مولانا محمود حسن نور اللہ مدظلہ



مقدمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نعمده ونستعينه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا،
من يده الله فلا مضل له، ومن يضل فلا هادي له،
ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن
سيدنا محمدا عبده ورسوله، أرسله الله تعالى إلى كافة
الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا،
صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وسلم تسليما
كثيرا.
أما بعد:

مکثرین خلائق بندہ محمد یوسف لدھیانوی غفا اللہ عنہ و عافہ برادران اسلام کی خدمت میں
عرض رسا ہے کہ اس ناکارہ نے ۱۳۹۹ھ میں ایک سوال کے جواب میں رسالہ
”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ لکھا تھا، جس میں ایک مختصر سائٹ ”شیعہ سنی
اختلاف پڑ بھی تھا۔ اس میں شیعہ مذہب کے ان تین بنیادی عقائد کا ذکر تھا جو زبان زد
عام و خاص ہیں، اور جو شیعہ مذہب کے مسلمات اور اصول موضوعہ کی حیثیت رکھتے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قاتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ
نے اپنے دور خلافت میں اور دار الخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں
فرمایا کہ لوگو! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس
امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ اور اگر میں تیسرے
کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے
کہ منبر سے اترتے ہوئے فرمایا، پھر عثمانؓ، پھر عثمانؓ۔“

(البداية والنهاية ج ۸، ص ۱۳)

ہیں۔ یہ رسالہ شائع ہوا تو جناب مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی مرحوم نے یہ حصہ مابنامہ ”الرشید“ سابیوال میں شائع کر دیا، اس پر حضرات شیعہ نے سابیوال کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ فاضل رشیدی مرحوم نے مقدمہ کی نقل اور پیشی کی تاریخ اس ناکارہ کو بھجوائی، راقم الحروف نے شیعہ کتب کے حوالے جمع کر کے مقررہ تاریخ پر عدالت میں پیش کر دیئے، عدالت نے حوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے بعد دعویٰ خارج کر دیا اور معاملہ رفت و گزشت ہوا۔

تیرہ چودہ سال بعد میرے محسن جناب محترم سید محمد حسن الایمانی صاحب نے اسی مختصر نوٹ پر ایک طویل عنایت نامہ راقم الحروف کے نام رقم فرمایا، جس میں بندہ کی تحریر پر بست سے مناقشات فرمائے۔ ان مناقشات کا مختصر سا جواب دیا جاسکتا تھا، لیکن خیال ہوا کہ موصوف کے پیش کردہ نکات پر بقدر ضرورت تفصیلی گفتگو ہو جائے، اس لئے متعلقہ کتب دوبارہ فراہم کی گئیں۔ اور چند مہینے کے ”علمی امکاف“ کے بعد یہ جواب مرتب ہوا۔ اسے احباب کی خدمت میں بطور ارمغان پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب محمد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اطہر اور اصحاب اخیار (رضی اللہ عنہم) کے صدقے اس بضاعت مزجات کو شرف قبول سے مشرف فرمائیں، اور اہل دانش و علم سے التجا کرتا ہوں کہ اس کو بنظر انصاف ملاحظہ فرما کر جہاں اس کو تاہ قلم کے قلم سے لغزش ہوئی ہو اس کی اصلاح سے دریغ نہ فرمائیں۔

﴿إِنْ أَرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

مقصود شروع کرنے سے پہلے چند امور کا بطور تقریب سخن گوش گزار کرنا مناسب ہوگا۔

۱..... شیعہ سنی اختلاف کا دائرہ بست وسیع ہے۔ اور دونوں طرف سے اس پر بڑے بڑے دفاتر مرتب و مدون کئے جا چکے ہیں۔ لیکن راقم الحروف نے ”اختلاف امت اور

صراط مستقیم“ کے محولہ بالا نوٹ میں بنیادی طور پر تین مسائل سے تعرض کیا تھا، یعنی عقیدہ امامت، صحابہ کرام، اور قرآن کریم۔ زیر قلم مجالہ میں بھی محور سخن ہی تین موضوع رہے۔ البتہ بعض ضمنی مباحث، جو جناب اجتماعی صاحب نے چھیڑے، ان سے بھی تعرض ناگزیر ہوا۔ اس لئے اس رسالہ کو چار ابواب پر تقسیم کرنا پڑا۔

باب اول: مباحث امامت

باب دوم: مباحث متعلقہ صحابہ کرام

باب سوم: مباحث متعلقہ قرآن کریم

باب چہارم: متفرقات

۲..... اوپر عرض کیا گیا کہ فریقین کے اختلاف کا دائرہ بڑا وسیع ہے، اور دونوں کے متنازع فیہ مسائل حد شمار سے باہر ہیں۔ لیکن ان میں بنیادی امور صرف تین ہیں، جن پر ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں مختصر سا نوٹ لکھا گیا تھا۔ اگر اس دائرہ اختلاف کو مزید سمیٹا جائے تو بنیادی مسئلہ صرف ایک رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ آیا صحابہ کرام من حیث الجماعت لائق اعتماد ہیں یا نہیں؟ اگر اس نکتہ کا تصفیہ ہو جائے تو اختلافات کے غیر محدود فاصلے آن واحد میں سمٹ سکتے ہیں، اور دونوں فریق متفق و متحد ہو سکتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے اپنی ”آپ بیتی“ کا ایک واقعہ درج کر دوں:

قائم ۱۹۴۹ء کا قصہ ہے، یہ ناکارہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر میں ہادیہ اولین کے درجہ کا طالب علم تھا، سن و سال یہی کوئی ۱۸-۱۹ کے درمیان رہا ہوگا۔ اچانک بیمار ہوا، جس سے نظام ہضم میں خلل آگیا۔ والد مرحوم کو تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔

روح پدرم شاد کہ یہ گفت باستان
فرزند مرا عشق بیاموز دگر بیچ

انہوں نے فرمایا کہ میں حسن شاہ صاحب ایچھے طیب ہیں، ان سے مشورہ کر لیا جائے۔ یہ ہمارے علاقے کے ایک اثنا عشری بزرگ تھے، ہمارے گاؤں سے چند میل کے فاصلے پر ہمارے عزیزوں کا ایک گاؤں تھا، میں صاحب نے اس گاؤں کو مرکز تبلیغ بنارکھا تھا۔ چونکہ سید بادشاہ تھے اس لئے بلا تفریق مسلک و مشرب بھی لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ اور موصوف اپنی وجاہت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیہاتی عوام میں (جو مذہب کے اصول و فروع سے عموماً واقف نہیں ہوتے) اپنے مسلک کی خوب تبلیغ و اشاعت فرماتے۔ حق تعالیٰ شانہ نے زبان و بیان اور افہام و تفہیم کا اچھا ملکہ عطا فرمایا تھا، تدرج صحابہؓ ان کا سب سے لذیذ اور دل کش موضوع رہا کرتا تھا، اور وہ صحابہؓ کے عیوب و نقائص بیان کر کے عوام کے قلوب کی زمین شیعہ مذہب کے لئے تیار کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

میں صاحب والد مرحوم سے واقف تھے، لیکن اس ناکارہ کو شاہ صاحب کی زیارت و لقا کا شرف حاصل نہیں تھا۔ اس لئے والد مرحوم نے میرے پھوپھی زاد بھائی جناب مولانا حکیم محمد حسین مرحوم کو میرے ساتھ کر دیا اور چلتے ہوئے بطور خاص ہدایت فرمائی کہ میں صاحب بڑے جماندیدہ بزرگ ہیں، اور تم ابھی بچے ہو۔ دیکھو! ان سے مذہبی گفتگو نہ کرنا۔ والد مرحوم کو اندیشہ تھا کہ اگر میں صاحب نے اس بچے کو مذہبی گفتگو میں بند کر دیا تو عزیزوں میں ہماری سبکی ہوگی۔

الغرض ہم دونوں میں صاحب کے مستقر پر پہنچے۔ محفل آراستہ تھی، اور میں صاحب اس کے صدر نشین تھے۔ علیک سلیک کے بعد تعارف کرایا، اور حاضری کا بدعا عرض کیا۔ میں صاحب نے حاضری پر اظہارِ مسرت فرمایا۔ لیکن ہمارے معروضہ پر توجہ فرمانے کے بجائے مذہبی بحث چھیڑ دی، اور بڑے معصومانہ انداز میں فرمایا کہ اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں۔ امت کو اختلافات نے غلت کر دیا ہے، تباہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کا حل نکلنا چاہئے۔ وہ دیر تک اسی نوعیت کی گفتگو فرماتے رہے، اور بار بار یہی فقرہ دہراتے رہے کہ ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں، اختلافات کو ختم ہونا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ناکارہ

والد مرحوم کی فہمائش کے مطابق مہرب لب رہا۔ جب خاصی دیر ہو گئی تو میں نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب کی فصاحت و اخلاص کا سلسلہ شب بھر اور اور زلفِ محبوب کی طرح دراز ہوا جاتا ہے، اس لئے مناسب ہو گا کہ موضوع گفتگو کو بدلا جائے۔ چنانچہ عرض کیا کہ میں صاحب! آپ کس اختلاف کی بات کر رہے ہیں؟ میرے خیال میں تو ہم میں اور آپ میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ میں صاحب نے فرمایا کہ نہیں بھئی! اختلاف تو ہے۔ اب یہ ناکارہ اصرار کر رہا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور میں صاحب بار بار دہرا رہے ہیں کہ اختلاف تو ہے۔ اس تکرار و اصرار کو سن کر تمام حاضرین ہنسنے لگے کہ اس بچے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف ہے۔ چند لمحے یہ تکرار و اصرار جاری رہا۔ تو میں نے کہا، ”ہاں! ذرا سا اختلاف دونوں کے درمیان ضرور ہے، بس ذرا سا اختلاف۔“ میں صاحب نے چونک کر فرمایا، وہ کیا؟

عرض کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں؟ فرمایا، بے شک۔

عرض کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپؐ کے لائے ہوئے دین کو، آپؐ کی لائی ہوئی کتاب کو اور آپؐ کی لائی ہوئی ہدایت کو قیامت تک قائم و دائم رہنا ہے؟ فرمایا، بے شک!

عرض کیا کہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان اختلاف بس یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۳ سال کی محنت و جانفشانی سے جو جماعت تیار کی، آپؐ اپنے دین، اپنی کتاب اور اپنی لائی ہوئی ہدایت کو جس جماعت کے سپرد کر کے دنیا سے تشریف لے گئے، اور آپؐ کی تیار کی ہوئی جس جماعت کو آپؐ کے درمیان اور بعد میں آنے والی قیامت تک کی امت کے درمیان اولین واسطہ بنایا گیا، ہم کہتے ہیں کہ یہ جماعت لائقِ اعتماد ہے۔ اور آپؐ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی یہ جماعت لائقِ اعتماد نہیں۔ اب اگر یہ جماعت لائقِ اعتماد ہے

جیسا کہ ہمارا موقف ہے تو ان حضرات نے جو کچھ بھی کیا وہ صحیح ہے، اور ان پر اعتراض اور نکتہ چینی فضول ہے۔ لیجئے! اسی سے خلافت کا جھگڑا بھی طے ہو گیا، اور باغ فزک کا قضیہ اور دیگر تمام اختلافی مسائل بھی حل ہو گئے۔

اور اگر یہ جماعت لائق اعتماد نہیں تھی، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، تو اس کے نتیجہ کے طور پر ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ:

الف: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت (نعوذ باللہ) رائیگاں گئی۔

ب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (نعوذ باللہ) بے فاصلہ ہو گئی۔

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی (نعوذ باللہ) دین اسلام کا خاتمہ ہو گیا، دین اسلام آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گیا، وہ آپ کے بعد ایک دن کیا ایک لمحہ بھی آگے نہیں چلا۔

د: اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی جماعت لائق اعتماد نہیں تھی تو اس ناقابل اعتماد جماعت کے ذریعے ہمیں جو قرآن پہنچا وہ بھی لائق اعتماد نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی لائق اعتماد نہ رہی۔ اور دین اسلام کی کسی چیز پر بھی اعتماد ممکن نہ رہا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب آپ کی نبوت اور آپ کے لئے ہوئے دین کی ایک ایک چیز ہمیں اسی جماعت کے ذریعے ملی ہے۔

یہ تقریر معقول تھی اس لئے سامعین اس سے متاثر ہوئے، اور میاں صاحب نے اس پر جرح و قدح نہیں فرمائی۔ اس کے بعد کچھ مزید گفتگو بھی ہوئی، جو بڑی دلچسپ تھی۔ اور جس نے بالآخر شاہ صاحب قبلہ کو موضوع گفتگو بدلنے پر آمادہ کر دیا۔ مگر اس کا یہاں نقل کرنا غیر متعلق ہو گا، اس لئے اسے قلم زد کرتا ہوں۔

۳۔۔۔۔۔ بعض اوقات کسی بڑی چیز کی بنیاد نہایت معمولی ہوتی ہے، لیکن آثار و نتائج بڑے دور رس ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً برگد کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تنادر اور کتنا بڑا ہے۔ اور اس کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر اس کے بیج کو دیکھو تو وہ رائی کے دانے سے بھی شرمندہ نظر آئے گا۔ یہی مثل اختلاف کی ہے۔ اس کا نقطہ آغاز نہایت معمولی بلکہ غیر مرئی ہوا کرتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اختلاف کی خلیج

وسیع سے وسیع تر ہوتی رہتی ہے۔ یہی قصہ ”شیعہ سنی اختلاف“ کو پیش آیا۔ ہونے والوں نے امت کے قلوب میں قدح صحابہ کا غیر مرئی بیج بو دیا، رفتہ رفتہ اس کی شاخیں پھوٹنے لگیں، اور بڑھتے بڑھتے اس نے ایک ایسے جنگل کی شکل اختیار کر لی جس کے کاٹنے کے لئے شاید عمر نوح بھی کافی نہ ہوگی۔ یہی خواہان ملت اس ناپسندیدہ اختلاف اور اس ناخوشگوار فرقہ واریت سے پریشان و تالاں اور متفکر نظر آتے ہیں، اس کے خلاف ہر طرف سے صدائے ”الاتحاد! الاتحاد!“ بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی ہے، لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اختلاف کا کیا حل نکالا جائے؟ اور اس درد بے درماں کا کیا علاج کیا جائے؟ یہ ذرہ بے مقدار بھی خواہان ملت اور درد مند قوم کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ اس عقدہ لایحل کا حل یہی ہے کہ اس ناخوشگوار اختلاف کی جڑوں کو امت کے قلوب سے اکھاڑ پھینکا جائے، اور اس جماعت کو، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت اور فیضان تربیت سے تیار ہوئی، لائق اعتماد بلور کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں اسی جماعت کے بارے میں بار بار اعلان فرمایا ہے: رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ

یعنی: ”راضی ہوا اللہ ان سے، اور وہ راضی ہوئے اللہ سے“۔

یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ”دو طرفہ رضامندی“ کا اعلان ہے۔ اسی اعلان کا اثر ہے کہ عام طور سے اہل ایمان جب کسی صحابی کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ ”رضی اللہ عنہ“ کے الفاظ ان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کے اس اعلان رضامندی کے بعد کسی شخص کو، جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، صحابہ کرام سے ناراضی کا حق نہیں رہتا۔ اور جو شخص اس کے بعد بھی ناراض ہو وہ گویا اعلان خداوندی پر ایمان نہیں رکھتا۔

۴۔۔۔۔۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی ”نے“ الاصابہ کے دیباچہ میں امام ابو زرعہ رازی کا قول نقل کیا ہے:-

إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله

ﷺ فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وإنما أدى إلينا ذلك كله الصحابة، وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا، ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة. (الإصابة: ص ۱۰، ج ۱)

ترجمہ..... ”جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندقہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے، وہ برحق ہے۔ اور یہ ساری چیزیں ہم تک صحابہؓ نے پہنچائی ہیں، لہذا صحابہؓ ہمارے لئے رسالت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوة وسلام کے گواہ ہیں اور یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کر کے کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا یہ لوگ خود لائق جرح ہیں، اور یہ بد دین زندقہ ہیں۔“

خلاصہ یہ کہ ہمارا دین حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے نازل ہوا ہے اور چند واسطوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ دین پر اعتماد اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ہم تک لائق اعتماد واسطوں سے پہنچا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور بعد کی امت کے درمیان سب سے پہلا واسطہ صحابہ کرامؓ ہیں اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی۔ لہذا صحابہ کرامؓ کے اعتماد کو مجروح کرنا درحقیقت دین کے اعتماد کو مجروح کرنا ہے۔

۵..... حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کائنات میں سے منتخب فرمایا، اس لئے آپؐ زبدہ کائنات ہیں، سید البشر، خیر البشر اور فخر اولاد آدم ہیں۔ آپؐ کی کتاب خیر الکتب ہے، آپؐ کا دین خیر الدیان ہے، آپؐ کی امت خیر الامم ہے، اور آپؐ کا زمانہ خیر القرون ہے۔ لازماً آپؐ کے اصحاب بھی ”خیر الاصحاب“ ہیں

(رضی اللہ عنہم)۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں بسند صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے:

عن عويم بن ساعدة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: إن الله تبارك وتعالى اختارني، واختار لي أصحابا، فجعل لي منهم وزراء وأنصارا وأصهارا، فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه يوم القيامة صرف ولا عدل - هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبي ”صحيح“.

(مستدرک حاکم: ص ۶۴۲، ج ۲)

ترجمہ..... ”حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے چن لیا، اور میرے لئے اصحاب کو چن لیا، پس ان میں بعض کو میرے وزیر، میرے مددگار اور میرے سرکاری رشتہ دار بنادیا۔ پس جو شخص ان کو برا کہتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سارے انسانوں کی لعنت۔ قیامت کے دن نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا، نہ نفل۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدمؑ میں سے چھانت کر منتخب فرمایا اسی طرح لائق ترین افراد کو چھانت کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس انتخاب خداوندی کے نتیجہ میں یہ حضرات، جن کو صحبت نبویؐ کے لئے چنا گیا، اپنی علو استعداد اور اپنے جوہری کمالات کے لحاظ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل تھے۔ اسی بنا پر ان کو اللہ تعالیٰ نے ”خیر امت“ کا خطاب دیا۔ پس اگر صحابہ کرامؓ سے بہتر و افضل کوئی اور انسان ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و صحبت کے لئے ان کو منتخب فرماتے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کی تنقیص صرف ”صحبت نبویؐ“ کی تنقیص

نہیں، بلکہ اسی کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے انتخاب کی بھی توبہ و تنقیض ہے۔ اور جو شخص صحبت نبویؐ کی تحقیر اور انتخاب خداوندی کی تنقیض کرتا ہو اس کے بارے میں شدید سے شدید وعید بھی قرآن قیاس ہے۔

۱..... صحبت نبویؐ کی عظمت تاثیر پر ایک دوسرے زاویے سے غور کیجئے۔ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو ”سراج منیر“ بنا کر بھیجا، یعنی نبوت کا وہ آفتاب عالم تاب، جو مطلع انوار ہدایت پر اقیامت درخشاں رہے گا۔ آپؐ سے پہلے پورا عالم کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ یکایک فدا کی چوٹیوں سے یہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی کرنیں اطراف عالم کو محیط ہو گئیں، بزم عالم جگمگا اٹھی، اور سارا جہان بقعہ نور بن گیا۔ آپؐ کی ذات رسالت تاب نور کا کرہ تھی جس کی کشش ثقل نے بعید روحوں کو اپنی طرف اس طرح کھینچا، جس طرح مقناطیس آہن پاروں کو کھینچ لیتا ہے۔ پھر آپؐ کے اعجاز نبوت نے ان کے قلوب کو فوق العادت جلا و ضیاء بخشی، اور ان ذروں کو آفتاب بنا دیا۔ انہوں نے جمال جہاں آرائے محبوبؐ کو ایسا جذب کیا کہ ان کا سراپا حسن محبوبؐ کا مرقع بن گیا، اور ان کے رگ و پے سے حسن محبوبؐ کی خوشبوئیں بکھرنے لگیں، اور وہ زبانِ حال و مقال سے پکار اٹھے:

جسے چنا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست نازِ ساقی کا ہے سے خانہ
یہاں تک بڑھ گئی وا رفتگی شوق نظارہ
حجاباتِ نظر سے پھوٹ نکلا، حسن جانانہ

ہمار حسن کو یوں جذب کر لوں دیدہ و دل میں
محبت میں مرا ذوقِ نظر معیار ہو جائے
مری آنکھوں میں چشم مست ساقی کا وہ عالم ہے
نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں سے خوار ہو جائے

وہ آفتاب محمدیؐ، جس کی ضیا پاشیاں آج بھی امت کے عشاق کے دلوں کو گرما اور چکار ہی ہیں، غور کیجئے کہ جن کے گھروں میں یہ آفتاب نبوت نور کی کرنیں بکھیر رہا ہو گا ان کی نورانیت و تابانی کا کیا عالم ہو گا؟ سبحان اللہ! حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خوش بختی و سعادت کا کیا کتنا کہ وہ آج تک روضہ مقدسہ میں خورشید بداماں ہیں، اور قیامت تک اس دولت کبریٰ سے بہرہ اندوز رہیں گے۔

از پاک دامناں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفته بیک بستر آئند

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما، جن کے پہلو میں آج تک آفتاب نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) درخشاں ہے، اور قیامت تک فروزاں رہے گا، ان کی نورانیت و تابانی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اور یہ سعادت، جس کے مقابلہ میں کونین کی نعمتیں بھی بیچ ہیں، ان دونوں بزرگوں کے سوا کس فرد بشر کے حصہ میں آئی؟ فطوئیٰ لہما ثم طوئیٰ لہما۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ و مقدسہ میں مدفون ہیں، اور یہ روضہ شریفہ و بقعہ مقدسہ ”رشتک صد جنت“ ہے۔ اور حضرات شیخین اسی ”رشتک صد جنت“ میں محو استراحت و آسودہ خواب ہیں۔ اور جنت کی شان یہ ہے کہ جو شخص مرنے کے بعد اس میں ایک بار داخل ہو جائے اسے وہاں سے نکلا نہیں جاتا، پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اکابر کو مدت العمر اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا، اور برزخ میں بھی ان کو اپنے پہلوئے مبارک میں جگہ دے کر بقعہ مبارکہ اور روضہ مقدسہ میں ان کو شرف معیت بخشا تو یقین ہے کہ فردائے قیامت اور جنت الفردوس میں بھی ان کو شرف معیت نصیب ہو گا۔

(ولو کرہ الکفار ہون -)

آنان کہ بنظر خاک را کیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بنا کنند

(صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ واتباعہ وبارک وسلم)

۷..... شیعہ حضرات جن اکابر کو ”ائمہ اہل بیت“ کہتے ہیں ہمارے نزدیک وہ اہل سنت کے اکابر ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شمار خلفائے راشدین میں ہے اور عقیدہ اہل سنت کے مطابق حضرات خلفائے راشدین علی الترتیب سب صحابہ سے افضل ہیں۔ حضرات حسین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول اور جوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔ لہذا ان دونوں سے (اور ان کے والدین ماجدین سے) محبت رکھنا حبیب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

من أحبَّ الحسن والحسين فقد أحبَّني، ومن أبغضهما فقد أبغضني

ترجمہ..... ”جس نے حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“

ان کے بعد کے اکابر بھی اپنے اپنے دور کے اکابر و افضل اہل سنت تھے۔ اہل سنت کے نزدیک ان تمام اکابر کی محبت جزو ایمان ہے۔ اس ناکارہ نے ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں ”شیعہ سنی اختلاف“ کی بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا:-

”میں تمام آل و اصحاب کی محبت و عقبت کو جزو ایمان سمجھتا ہوں، اور ان میں سے کسی ایک بزرگ کی تنقیص کو، خواہ اشارے کنائے کے رنگ میں ہو، سلب ایمان کی علامت سمجھتا ہوں۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔ اور میں اسی عقیدہ پر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں“

زیر قلم رسالہ میں شیعہ روایات پر گفتگو کرتے ہوئے اگر کوئی ایسا لفظ نظر پڑے جس سے ان اکابر کے حق میں ادنیٰ سوئے ادب بھی مترشح ہوتا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ گفتگو شیعہ روایات کے مطابق ہے۔ ورنہ یہ ناکارہ اس سے سو بار برأت کا اظہار کرتا ہے۔

۸..... اس ناکارہ نے ہر بحث میں جناب محمد حسن الاجتہادی صاحب کے خط کے متعلقہ اقتباس درج کر دیئے تھے۔ اس کے باوجود مناسب سمجھا گیا کہ ان کے پورے خط کا عکس رسالہ کے شروع میں درج کر دیا جائے کیونکہ علمی امانت کا تقاضا ہے کہ جس شخص کی تحریر پر گفتگو کی جائے اس کی تحریر کا پورا متن قدیمین کے سامنے آجائے۔ اس لئے پہلے آپ اجتہادی صاحب کے گرامی نامہ کا عکس ملاحظہ فرمائیں گے، اس کے بعد اس ناکارہ کی کج معج تحریر ملاحظہ عالی سے گزرے گی۔

۹..... اہل تشیع کی کتابوں کے اقتباسات نقل کرنے کے بجائے بیشتر اصل کتابوں کے فوٹو دیئے گئے ہیں، اس میں دو مصلحتیں پیش نظر تھیں، ایک یہ کہ اصل کتاب کا فوٹو قاری کے لئے زیادہ اطمینان بخش ثابت ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ طویل عربی عبارتوں کی تصحیح بڑا مشکل کام ہے، اصل کتاب کا فوٹو دینے سے تصحیح کے مختصہ سے نجات مل جاتی ہے۔

۱۰..... حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف سے اس عجلہ کو قبول فرمائیں اور اپنی رضا و محبت اور اپنے محبوب و مقبول بندوں کی رفاقت و معیت نصیب فرما کر اپنے اس ارشاد کا مصداق بنا دیں:-

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَأَدْخِلِي فِي عِبَادِي. وَأَدْخِلِي جَنَّتِي﴾.

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى إخوانه من النبيين، وعلى آله وأصحابه الطيبين الطاهرين.

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

فہرست

باب اول

عقیدہ امامت

۳۵

۳۶

۳۷

۳۸

۳۹

۴۰

۴۱

۴۲

۴۳

۴۴

۴۵

۴۶

۴۷

۴۸

۴۹

۵۰

۵۱

۵۲

۵۳

۵۴

۵۵

۵۶

۵۷

۵۸

۵۹

۶۰

۶۱

۶۲

۶۳

۶۴

۶۵

۶۶

۶۷

۶۸

۶۹

۷۰

۷۱

۷۲

۷۳

۷۴

۷۵

۷۶

۷۷

۷۸

۷۹

۸۰

۸۱

۸۲

۸۳

۸۴

۸۵

۸۶

۸۷

۸۸

۸۹

۹۰

۹۱

۹۲

۹۳

۹۴

۹۵

۹۶

۹۷

۹۸

۹۹

۱۰۰

۱۰۱

۱۰۲

۱۰۳

۱۰۴

۱۰۵

۱۰۶

۱۰۷

۱۰۸

۱۰۹

۱۱۰

۱۱۱

۱۱۲

۱۱۳

۱۱۴

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۲

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۹

۱۳۰

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۸

۱۳۹

۱۴۰

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۴

۱۴۵

۱۴۶

۱۴۷

۱۴۸

۱۴۹

۱۵۰

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۹

۱۶۰

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۲

۱۷۳

۱۷۴

۱۷۵

۱۷۶

۱۷۷

۱۷۸

۱۷۹

۱۸۰

۱۸۱

۱۸۲

۱۸۳

۱۸۴

۱۸۵

۱۸۶

۱۸۷

۱۸۸

۱۸۹

۱۹۰

۱۹۱

۱۹۲

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۶

۲۳۷

۲۳۸

۲۳۹

۲۴۰

۲۴۱

۲۴۲

۲۴۳

۲۴۴

۲۴۵

۲۴۶

۲۴۷

۲۴۸

۲۴۹

۲۵۰

۲۵۱

۲۵۲

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۵

۲۵۶

۲۵۷

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

۲۶۴

۲۶۵

۲۶۶

۲۶۷

۲۶۸

۲۶۹

۲۷۰

۲۷۱

۲۷۲

۲۷۳

۲۷۴

۲۷۵

۲۷۶

۲۷۷

۲۷۸

۲۷۹

۲۸۰

۲۸۱

۲۸۲

۲۸۳

۲۸۴

۲۸۵

۲۸۶

۲۸۷

۲۸۸

۲۸۹

۲۹۰

۲۹۱

۲۹۲

۲۹۳

۲۹۴

۲۹۵

۲۹۶

۲۹۷

۲۹۸

۲۹۹

۳۰۰

۳۰۱

۳۰۲

۳۰۳

۳۰۴

۳۰۵

۳۰۶

۳۰۷

۳۰۸

۳۰۹

۳۱۰

۳۱۱

۳۱۲

۳۱۳

۳۱۴

۳۱۵

۳۱۶

۳۱۷

۳۱۸

۳۱۹

۳۲۰

۳۲۱

۳۲۲

۳۲۳

۳۲۴

۳۲۵

۳۲۶

۳۲۷

۳۲۸

۳۲۹

۳۳۰

۳۳۱

۳۳۲

۳۳۳

۳۳۴

۳۳۵

۳۳۶

۳۳۷

۳۳۸

۳۳۹

۳۴۰

۳۴۱

۳۴۲

۳۴۳

۳۴۴

۳۴۵

۳۴۶

۳۴۷

۳۴۸

۳۴۹

۳۵۰

۳۵۱

۳۵۲

۳۵۳

۳۵۴

۳۵۵

۳۵۶

۳۵۷

۳۵۸

۳۵۹

۳۶۰

- چھٹا ذریعہ: علم جفر
 ساتواں ذریعہ: مصحف فاطمہ
 مصحف فاطمہ کیا چیز ہے
 آٹھواں ذریعہ: نور کاستون
 نواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے بالشفاف ملاقات
 دسواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے الہام والقاء
 گیارہواں ذریعہ: ہفت وار معراج
 بارہواں ذریعہ: شب قدر میں نازل ہونے والی کتب
 تیرہواں ذریعہ: علم نجوم
 چھٹی بحث: امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر
 شیعہ مذہب کے عالمانہ عقائد اور حضرات خلفائے راشدین کی کرامت
 پہلا غلو: ائمہ، انبیاء کرام سے افضل ہیں
 دوسرا غلو: ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں
 تیسرا غلو: انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر ساری مخلوق کی تخلیق ائمہ کی خاطر ہوئی
 چوتھا غلو: انبیاء کرام علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عندیہ لیا گیا
 پانچواں غلو: انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت اقرار ولایت کی وجہ سے ملی
 چھٹا غلو: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت ائمہ کا اقرار لیا
 ساتواں غلو: انبیاء کرام، ائمہ کے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے
 آٹھواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ تمام انبیاء کرام سے آگے ہوں گے
 نواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ کی کرسی
 دسواں غلو: انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں اماموں کے طفیل قبول ہوں گی
 گیارہواں غلو: حضرت آدم علیہ السلام کا اماموں کے مرتبہ پر حسد
 بارہواں غلو: پہلے نبوت، پھر قلت، پھر امامت
 تیرہواں غلو: ”حلہ اصطفا“ اماموں کی ولایت کی وجہ سے
 چودہواں غلو: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر ائمہ کی طاعت واجب ہوتی
 پندرہواں غلو: حضرت ایوبؑ کا ولایت علیؑ میں شک اور اس پر سزا
 سولہواں غلو: حضرت یونسؑ کا ولایت علیؑ سے انکار اور سزا

- سترہواں غلو: حسب علیؑ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی منکر نقصان نہیں دیتا
 اٹھارہواں غلو: ازواج مطہرات کی طلاق علیؑ کے سپرد تھی
 انیسواں غلو: کر بلا کی تخلیق کعبہ شریف سے پہلے ہوئی
 سترہویں بحث: امامت میں الوہیت کی جھلکیاں
 ۱۔ زمین اللہ کی ہے یا ائمہ کی
 ۲۔ جانا اور مارنا
 ۳۔ اول و آخر، ظاہر و باطن
 ۴۔ سینوں کے بھید جاننے والا
 ۵۔ روز جزا کا مالک
 ۶۔ تقسیم الجنة و النار
 ۷۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر نگرانی حکومت
 آٹھویں بحث: کیا عقیدہ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا
 شیعہ کے نزدیک ابو الائمہ سے بھی دین و ملت کی حفاظت نہ ہو سکی
 دوسرے ائمہ کی امامت
 نویں بحث: خلافت راشدہ واقعی اقامت دین کا ذریعہ ثابت ہوئی
 ۱۔ امامت کے معنی
 اول: امام بہ معنی خلیفہ برحق
 دوم: امام بہ معنی دینی مقتدا و پیشوا
 سوم: امام بہ معنی مطلق حاکم
 ۲۔ خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے
 ۳۔ خلیفہ کا انتخاب اہل حل و عقد کی بیعت سے ہوتا ہے
 ۴۔ امام اول حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے، حضرت علی مرتضیٰؑ نہیں
 خلفائے راشدین اللہ تعالیٰ کے موعود خلفاء تھے
 پہلی پیش گوئی: مظلوم مہاجرین کی تحکیم اور ان کے ذریعہ اقامت دین
 دوسری پیش گوئی: اہل ایمان سے استخفاف کا وعدہ
 تیسری پیش گوئی: مرتدین سے قتال

- چوتھی پیش گوئی: خلفائے ثلاثہ کے حق میں
 قرآنی پیش گوئیوں کی تائید چار احادیث نبویہ سے
 ان پیش گوئیوں کی تائید میں جناب امیرؑ کے چار ارشادات
 خلافت راشدہ کی پیش گوئیاں کتب سابقہ میں
 ۱۔ حضرت صدیقؑ کے بارے میں پیش گوئی
 ۲۔ فتح بیت المقدس کا واقعہ
 ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ
 دسویں بحث: امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر
 نظر بازگشت
 امام مدنیؒ کے بارے میں اسلامی تصور
 گیر ہویں بحث: عقیدہ امامت پر ترقیہ کا شامیانہ
 ترقیہ کے ہولناک نتائج
 ایک نفیس بات
 دوسری نفیس بات
 باب دوم
 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
 بحث اول: اتباع صحابہؓ
 تمہیدی نکات کا خلاصہ
 حافظ ابن حزمؒ اور صراط مستقیم
 صراط مستقیم صحابہؓ کا راستہ ہے، اس کے مزید دلائل
 پہلی آیت
 دوسری آیت
 تیسری آیت
 چوتھی آیت
 صحابہ کرامؓ من حیث القوم
 خلفائے راشدینؓ کا اجماع

- خلفائے راشدینؓ کے فیصلے بھی اجماع ہیں
 خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کے برحق ہونے کا قرآنی ثبوت
 اتباع صحابہؓ کے بارے میں تین مباحث
 بحث اول: اتباع صحابہؓ واجب ہے، اہل علم کا مسلک
 اجماع سکوتی
 اجماع مرکب
 ایک شکایت
 ابن حزمؒ کے نظریہ تقلید صحابی پر تنقید
 حضرت ابو بکرؓ کی خطا کا واقعہ
 حضرت عمرؓ کی تاویل کا واقعہ
 ابو السائبؓ کا واقعہ
 حضرت علیؓ کا فتویٰ
 دوسری بحث: صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں، اس کے قطعی دلائل
 اتباع صحابہؓ قرآن کریم کی نظر میں
 پہلی آیت
 دوسری آیت
 تیسری آیت
 اتباع صحابہؓ احادیث نبویہ کی روشنی میں
 پہلی حدیث
 دوسری حدیث
 تیسری حدیث
 چوتھی حدیث
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد
 حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا ارشاد
 تیسری بحث: اتباع صحابہؓ کے وجوب پر عقلی دلائل
 چوتھی عقلی دلیل

بحث دوم

۳۵۲

"

۳۵۵

۳۶۰

۳۶۳

۳۶۷

۳۶۸

۳۷۰

"

۳۷۲

۳۷۳

"

۳۷۸

"

۳۷۹

۳۸۱

۳۸۳

۳۸۶

۳۸۹

۳۹۰

۳۹۲

۳۹۳

۳۹۶

۴۲۰

۴۲۳

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں سنی عقیدہ

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

اہل تشیع کے مہدوح صحابہؓ کا حال

حضرت عباسؓ اور ابن عباسؓ

صحابہ کرامؓ کے بارے میں شیعہ کے آٹھ اصول

اول: صحابہ کرامؓ اور منافقین

قرآن کریم کی شہادت کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا

پہلی شہادت

دوسری شہادت

تیسری شہادت

چوتھی شہادت

ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "صدیق" تھے

ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے بیعت کرتے ہیں

۲۔ صحابہ کرامؓ اور مرتدین

جن صحابہؓ نے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا وہ ارتداد سے محفوظ تھے

۳۔ صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے لیکن محفوظ تھے

پہلا واقعہ

دوسرا واقعہ

تیسرا واقعہ

صحابہ کرامؓ سے معاصی کے صدور کی حکمرانی

۴۔ مشاہیرات صحابہؓ

۵۔ فتویٰ عزیزی میں صحابہ کلم عدول کی بحث

۶۔ مقام صحابہؓ: از مفتی محمد شفیعؒ

۴۲۵

صحابہؓ کی سیرت، سیرت نبویؐ کا جز ہے

باب سوم

۴۲۷

شیعہ اور قرآن

۴۲۹

کسی شیعہ کا قرآن پر ایمان نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ اس کی تین وجوہ

"

۴۳۱

۴۳۳

۴۳۵

۴۳۷

۴۴۰

۴۵۱

۴۶۳

۴۷۸

۴۸۱

۴۸۲

۴۸۶

۴۸۷

۴۸۸

۴۹۰

۴۹۳

۴۹۷

۵۰۰

۵۰۲

۵۰۳

پہلی وجہ

دوسری وجہ

تیسری وجہ

قرآن کریم میں کم کئے جانے کی روایات

قرآن شریف میں بڑھائے جانے کی روایتیں

قرآن شریف کے حروف و الفاظ کے بدلے جانے کی روایتیں

علمائے شیعہ کے تین اقرار

شیعوں کے مشائخ اربعہ جو تحریف کے منکر ہیں

ان شیعہ اکابر کا انکار تحریف محض تفسیر پر مبنی ہے

پاک و ہند کے شیعہ اکابر کا عقیدہ

ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی

ترجمہ سید فرمان علی

۱۔ آیت تطہیر میں تحریف

۲۔ آیت رحمت و برکات میں تحریف

۳۔ سورہ الم نشرح میں تحریف

۴۔ تحریف شدہ قرآن کی تلاوت کرو۔ امام کا حکم

۵۔ آیت "وَاللَّهُ لَظَنُّونَ" میں تحریف

۶۔ آیت ہذا صراط علی مستقیم میں تحریف

ترجمہ فرمان علی کے اقتباسات کا خلاصہ

شیعوں کی تاویل باطنی یا تحریف معنوی

حصہ دوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ و مقام اور ان کے بارے میں سنی اور شیعہ نقطہ نظر۔

حصہ سوم: تحریف قرآن کے بارے میں شیعہ عقیدہ اور آنجناب کی تحریر پر گفتگو۔

حصہ چہارم: آنجناب کے چند متفرق سوالات کا جواب۔

آنجناب کے اخلاق کریمانہ سے توقع رکھتا ہوں کہ اس کج معج تحریر کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں گے، اگر کوئی بات صحیح نظر آئے تو اس کو قبول کرنے سے دریغ نہیں فرمائیں گے، اور اگر کہیں غلطی ہوئی ہو تو اس کی اصلاح فرمائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلست والیہ انیب۔

باب اول

عقیدہ امامت

اس باب میں گیارہ مباحث ہیں :

- | | |
|----------------|--|
| پہلی بحث : | عقیدہ امامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے۔ |
| دوسری بحث : | عقیدہ امامت کا موجد اول عبد اللہ بن سبا یہودی تھا۔ |
| تیسری بحث : | عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔ |
| چوتھی بحث : | ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات۔ |
| پانچویں بحث : | ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟ |
| چھٹی بحث : | امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر؟ |
| ساتویں بحث : | امامت میں الوہیت کی جھلکیں۔ |
| آٹھویں بحث : | کیا عقیدہ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟ |
| نویں بحث : | خلافت راشدہ واقعی اقامت دین کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ |
| دسویں بحث : | امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر۔ |
| گیارہویں بحث : | عقیدہ امامت پر تقیہ کا شامیانہ۔ |

پہلی بحث: عقیدہ امامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے

اس ناکارہ نے عقیدہ امامت کو شیعیت کی بنیاد اور شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا تھا۔ اس پر آنجناب کو اعتراض ہے کہ:

”شیعہ عقائد کی کتابوں میں عقیدہ امامت کا نمبر پانچواں ہے۔ جس کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) توحید (۲) نبوت (۳) معاد (۴) عدل (۵) امامت۔ عدل سے مراد عدل خداوندی ہے۔“

جواباً گزارش ہے کہ اس ناکارہ نے عقیدہ امامت کو شیعیت کا اصل الاصول قرار دینے کی جو گستاخی کی ہے، اس کی چند وجوہ ہیں:

عقیدہ امامت خود شیعہ کی نظر میں، پہلی وجہ:

اگرچہ حضرات شیعہ، عقائد کی ترتیب میں اس کو پانچویں نمبر پر بیان کرتے ہیں، لیکن ان کی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اسی عقیدہ کو اپنے مذہب کی اصل بنیاد سمجھتے ہیں۔ شیخ حلی جن کی تحریر کا آنجناب نے حوالہ زیب رقم کیا ہے، وہ اپنے رسالہ ”منہاج الکرامہ“ کا آغاز ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

”أما بعد فهذه رسالة شريفة ، ومقالة لطيفة ، اشتملت على أهم المطالب في أحكام الدين ، وأشرف مسائل المسلمين ، وهي مسألة الإمامة ، التي يحصل بسبب ادراكها نيل درجة الكرامة ، وهي أحد أركان الإيمان ، المستحق بسببه الخلود في الجنان ، والتخلص من غضب الرحمن ، فقد قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من مات ولم يعرف إمام زمانه مات ميتة جاهلية“

(بحوالہ منہاج السنہ، ص: ۱۶۰، ج: ۱)۔

اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے:

”یہ رسالہ جس مسئلہ پر مشتمل ہے، یعنی مسئلہ امامت، وہ دین کے احکام میں سب سے اہم چیز ہے۔ اور اسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہے۔ اسی پر سعادت اخروی اور دائمی جنت کے حصول کا مدار ہے۔ اور اس کی معرفت کے بغیر مرنا، حدیث نبوی کے مطابق جاہلیت کی موت ہے۔“

انصاف فرمائیے کہ جو مسئلہ شیخ حلی کے بقول احکام دین میں سب سے اہم اور اسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہو، جس کا اقرار دائمی جنت کا موجب ہو اور جس کی معرفت کے بغیر مرنا جاہلیت کی موت ہو، اگر اس ناکارہ نے اس کو ”اصل الاصول“ کہہ دیا تو کیا برا کیا؟

بلکہ شیخ حلی کی عبارت کے مین السطور کا باریک مطالعہ بتاتا ہے کہ توحید و عدل اور نبوت کے مباحث بھی شاید عقیدہ امامت ہی کی تمہید تھے۔ ملاحظہ فرمائیے:

”الفصل الأول في نقل المذاهب في هذه المسألة، ذهبت الإمامية إلى أن الله عدل حكيم ، لا يفعل قبيحا ولا يخل بواجب ، وأن أفعاله إنما تقع لغرض صحيح وحكمة ، وأنه لا يفعل الظلم ولا العبث ، وأنه رؤوف رحيم بالعباد ، يفعل بهم ما هو الأصلح لهم والأأنفع ، وأنه تعالى كفهم تخيرا لا إجبارا ، ووعدهم الثواب وتوعدهم العقاب على لسان أنبيائه ورسله المعصومين بحيث لا يجوز عليهم الخطأ ولا النسيان ولا المعاصي ، وإلا لم يبق وثوق بأقوالهم وأفعالهم ، فتنتفي فائدة البعثة ، ثم أردف الرسالة بعد موت الرسول بالإمامة ، فنصب أولياء معصومين منصوبين ليأمن الناس من غلظهم وسهوهم وخطئهم ، فينقادون إلى أوامرهم ، لئلا يخلي الله العالم من لطفه ورحمته“

(منہاج السنہ، ص: ۳۰۰، ج: ۱)۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ :

”چونکہ خدا عادل و حکیم ہے، لطف اس کے ذمہ لازم و ضروری ہے اور بندوں کے حق میں جو چیز نافع و اصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ (یہ عدل خداوندی کی تفسیر ہوئی) لہذا ناممکن تھا کہ خدا تعالیٰ کی زمین معصوموں سے خالی ہوئی، ورنہ ظلم و جور لازم آتا اور خدا غیر عادل محسوس ہوتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو سلسلہ نبوت جاری کرنا پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ سلسلہ نبوت بند کر دیا گیا، لہذا اللہ تعالیٰ کو سلسلہ امامت کا جاری کرنا ناگزیر ہوا۔“

گویا لطف و عدل کا عقیدہ، تمہید نبوت ہے اور نبوت، تمہید امامت۔ ان تمام مطالب میں اہم المطالب بس امامت ہے۔

عقیدہ امامت پر تمام انبیاء سے عمل لیا گیا

شیعہ راویوں نے ان بزرگوں سے، جن کو ”امام معصوم“ کہا جاتا ہے، اس مضمون کی روایات بھی بڑی فراوانی سے نقل کی ہیں کہ عقیدہ امامت پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عمل لیا گیا۔ یہ روایات شیعہ تفسیروں کے علاوہ ”بحار الانوار“ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں بطور مثال ”بحار الانوار“ سے ایک روایت نقل کرتا ہوں جسے بحار الانوار، کتاب الامامة ”باب تفضیلہم علی الانبیاء“ میں کراچی کی کتب خانہ سے نقل کیا ہے :

۶۳۔ کنز : الحسن بن ابی الحسن الدیلمی باسنادہ عن فرج بن ابی شیبہ قال : سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام وقد تلا هذه الآية : « وَاِذَا اخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ » ، يعني رسول الله صلى الله عليه وآله « و لتنصرتن ، يعني وبيته أمير المؤمنين علي عليه السلام ، ولم يبعث الله نبيا ولا رسولا الا و اخذ عليه الميثاق بالنبوة و لملئ بالامامة (۱) .

(بحار الانوار ج ۲۰ ص ۶۷)

ترجمہ : ”امام جعفر“ نے سورہ آل عمران کی آیت ۷۳ تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ ”تؤمنن بہ“ سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کو حکم ہوا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اور ”ولتنصرنہ“ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی یعنی حضرت علیؑ کی مدد کریں۔ امام جعفر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس رسول اور نبی کو بھی بھیجا اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اور علیؑ کی امامت کا عمل لیا۔“

انسان بس عقیدہ امامت ہی کے مکلف ہیں

اور ”معصوم اماموں“ سے اس مضمون کی روایات بھی نقل کی ہیں کہ لوگ بس امام کو پہچاننے اور اس کی ماننے ہی کے مکلف ہیں۔ چنانچہ علامہ کلینی نے اصول کافی کتاب الحجۃ ”باب التسليم وفضل المسلمين“ میں اس مضمون کی سات روایات نقل کی ہیں۔ یہاں پہلی روایت درج کی جاتی ہے۔

❖ (التسليم وفضل المسلمين) ❖

۱۔ عده من أصحابنا ، عن أحمد بن محمد بن عيسى ، عن ابن سنان ، عن ابن مسكن عن شدیر قال : قلت لأبي جعفر عليه السلام : إنني تركت مواليك مختلفين ينبرون بعضهم من بعض قال : فقال : وما أنت وذاك ، إنما كلف الناس ثلاثة : معرفة الأئمة ، والتسليم لهم فيما ورد عليهم ، « الرُّدُّ إليهم فيما اختلفوا فيه .

(اصول کافی صفحہ ۳۹۰ جلد ۱)

ترجمہ : ”شدیر کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کے شیعوں کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر تہرا کرتے ہیں۔ فرمایا، تجھے اس سے کیا پڑی، لوگ صرف تین باتوں کے مکلف ہیں۔

(۱) اماموں کو پہچانیں۔

(۲) اماموں کی طرف سے جو حکم ہو اس کو مانیں۔

(۳) اور جس بات میں ان کا اختلاف ہو، اسے اماموں کی طرف

لوٹائیں۔“

جس عقیدہ کے بغیر خدا — نعوذ باللہ — عدل و لطف کی صفات سے محروم ہو جاتا

ہو، جس عقیدہ کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے، تمام فرشتوں سے اور تمام انسانوں سے عبد لیا گیا ہو اور تمام انسانوں کو بس اسی ایک عقیدہ کا مکلف بنایا گیا ہو، اگر اس ناکارہ نے اس عظیم ترین عقیدہ کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دے دیا تو انصاف فرمائیے کہ کیا میں نے بے جا بات کسی؟ نہیں، بلکہ انجناب کے مذہب کی صحیح ترجمانی کی۔

شیعہ سنی افتراق کا نقطہ آغاز مسئلہ امامت ہے، دوسری وجہ:

اس ناکارہ نے جو عقیدہ امامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں فریقوں (شیعہ اور سنی) کے درمیان اختلاف و افتراق کی ایک طویل و عریض خلیج واقع ہے اور حضرات شیعہ نے کلمہ، نماز اور حج و زکوٰۃ وغیرہ تمام اصول و فروع میں اپنا الگ تشخص قائم کر لیا ہے، لیکن اگر غور و تأمل سے اس افتراق کا منبع تلاش کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں کے درمیان افتراق کا نقطہ آغاز مسئلہ امامت ہے۔ اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی قیادت و سربراہی کا فریضہ علی الترتیب چار بزرگوں نے انجام دیا جن کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہم۔ شیعہ مذہب نے اپنے مذہب کی بسم اللہ یہاں سے کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، خلافت بلا فصل انہی کا حق تھا، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے انحراف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت و نیابت اور اپنے بعد امت کی امامت کے لئے جس شخصیت کو نامزد کیا تھا، صحابہ کرامؓ نے اس کو چھوڑ کر ایک اور بزرگ کو خلیفہ بنالیا۔ ان کے بعد پھر ایک اور کو، ان کے بعد پھر ایک اور کو۔ تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نامزد کردہ شخصیت کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ افسوس کہ اس کے بعد بھی امت ان کی امامت پر مجتمع نہ ہو سکی۔

الغرض شیعیت کی ابتدا ”نظریہ امامت“ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ علی منہاج الکرامہ میں اسی نقطہ آغاز کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأنه لما بعث الله محمدا ﷺ قام بشقل الرسالة

ونص على أن الخليفة بعده علي بن أبي طالب عليه السلام، ثم من بعده علي ولده الحسن الزكي، ثم علي ولده الحسين الشهيد، ثم علي بن الحسين زين العابدين، ثم علي محمد بن علي الباقر، ثم علي جعفر بن محمد الصادق، ثم علي موسى بن جعفر الكاظم، ثم علي بن موسى الرضا، ثم علي محمد بن علي الجواد، ثم علي بن محمد الهادي، ثم علي الحسن بن علي العسكري، ثم علي الخلف الحجة محمد بن الحسن المهدي عليهم الصلاة والسلام، وأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يت إلا عن وصية بالإمامة، قال وأهل السنة ذهبوا إلى خلاف ذلك كله..... وأن الإمام بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أبو بكر بن أبي قحافة بمبايعة عمر بن الخطاب له برضا أربعة: أبي عبيدة بن الجراح وسالم مولى أبي حذيفة وأسيد بن حضير وبشير بن سعد بن عبادہ، ثم من بعده عمر بن الخطاب بنص أبي بكر عليه، ثم عثمان بن عفان بنص عمر علی ستہ هو أحدہم، فاختاره بعضهم، ثم علي بن أبي طالب لمبايعة اخلق له“ (منہاج السنۃ، ص: ۳۰ ج: ۱)۔

حاصل ترجمہ یہ کہ: ”شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور ان کے بعد علی الترتیب دیگر اماموں کو۔ لیکن اہل سنت کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکرؓ خلیفہ تھے، ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ۔“

پس چونکہ شیعیت کا نقطہ آغاز مسئلہ امامت و ولایت ہے، اس لئے اس ناکارہ نے اس کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول اور سنگ بنیاد قرار دیا۔

شیعیت کے تمام اصول و فروع کا مدار ”امامت“ پر ہے، تیسری وجہ: نظریہ امامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دینے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ شیعہ مذہب کے تمام اصول و فروع کا مدار ”عقیدہ امامت“ پر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اولہ احکام علی الترتیب چار ہیں۔

- ۱۔ کتاب اللہ
- ۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ۳۔ اجماع امت
- ۴۔ مجتہدین امت کا اجتہاد و قیاس (جو ان تین دلائل میں سے کسی ایک پر مبنی ہو)

لیکن حضرات شیعہ کے نزدیک شرع کے دلائل صرف تین ہیں۔

- ۱۔ کتاب اللہ
- ۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ۳۔ ائمہ معصومین کے اقوال و ارشادات

ان کے نزدیک امام معصوم کے بغیر اجماع باطل ہے، تاہم قیاس چہ رسد؟ یہ تو ایک ظاہری اصول ہے۔ اگر ذرا گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ شیعہ کے نزدیک ان تین دلائل کا مرجع اور خلاصہ بھی صرف ایک ہے، یعنی قول امام۔ چنانچہ کتاب اللہ کی فلاں آیت کا قول خداوندی ہونا ان کے نزدیک قول امام سے معلوم ہو گا۔ اگر امام معصوم یہ ارشاد فرمائیں کہ یہ آیت یوں نہیں، یوں ہے تو شیعہ کے نزدیک قول معصوم کی بنا پر اس آیت کو اسی طرح ماننا ضروری ہے جس طرح امام نے فرمایا۔ (اس کی تفصیل انشاء اللہ تیسرے باب میں آئے گی)۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کلام الہی ہے، مگر قرآن کریم کی کسی آیت کا قول خداوندی اور کلام الہی ہونا شیعہ کے نزدیک امام معصوم کی تصدیق و تصویب پر موقوف ہے۔

جہاں تک ارشادات نبویہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ ہے، شیعہ کے نزدیک وہ بھی صرف اس صورت میں معتبر ہیں جبکہ وہ ائمہ معصومین کے ذریعے پہنچی ہوں یا اقوال ائمہ کے موافق ہوں ورنہ چونکہ ان کے نزدیک صحابہ کرام عادل و ثقہ نہیں، لہذا ان کی ایسی روایات جو ائمہ معصومین کے ذریعے نہ پہنچی ہوں یا قول معصوم ان کی تائید نہ کرتا ہو، وہ شیعہ کے نزدیک ساقط الاعتبار ہوں گی۔ چنانچہ شیعوں کے محدث اعظم علامہ باقر مجلسی کی کتاب ”بحار الانوار“ جزو دوم (طبع جدید) کتاب العلم میں باب (۲۸) کا عنوان ہے:

﴿ما رويہ العامة من أخبار الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ ، وأن الصحيح من ذلك﴾
 ﴿عندہم علیہم السلام ، والنہی عن الرجوع الى أخبار المخالفين﴾
 ﴿وفیہ ذکر الکذابين﴾
 (بحار الانوار..... صفحہ ۲۱۴ جلد ۲)

ترجمہ: ”جو احادیث غیر شیعہ کی روایت سے ہوں ان میں سے صحیح وہی ہیں جو ائمہ کے پاس ہوں اور مخالفین کی روایت کردہ کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے۔ اور اس باب میں جھوٹی روایتیں کرنے والوں کا بھی ذکر ہے۔“

اس باب میں اس مضمون کی ۱۳ روایات نقل کی ہیں کہ امام کی تائید و تصدیق کے بغیر دوسروں کی روایت کا اعتبار نہیں۔ اسی باب کی روایت (۱۱) میں امام جعفر کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

۱۱۔ ل: الطالقانی، عن الجلودی، عن محمد بن زکریا، عن جعفر بن محمد بن عمادۃ قال: سمعت جعفر بن محمد یقول: ثلاثة كانوا یکتذبون علی رسول اللہ ﷺ أبو هريرة، وأنس بن مالك، وامرأة. لیان: یعنی نائضہ.

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

ترجمہ: ”تین صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے تھے۔ ابو ہریرہؓ، انس بن مالکؓ اور ایک عورت“ (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ غرض باندھ)

اور اس سے اگلے صفحہ پر روایت ۱۴ امام باقرؑ سے نقل کی ہے :

۱۴۔ أقول : وجدت في كتاب سليم بن قيس الهلالي أن أبان بن أبي عتياش راوي الكتاب قال : قال أبو جعفر الباقر عليه السلام : لم يزل أهل البيت منذ قبض رسول الله ﷺ نذراً ونقصاً ونحرم وفتل ونطرد ، ووجد الكذابون لكذبهم موضعاً يقرّون إلى أوليائهم وقضائهم ومآلهم في كل بلدة بعد كون عدونا وولاتهم الماضين بالأحداث الكاذبة الباطلة ، وبعد كون دبرون عظامنا نقل ، تهجيناً منهم لنا ، وكذباً منهم علينا ، وقرّناً إلى دلائلهم وقضائهم بالزور والكذب ،

(بحار الانوار صفحہ ۲۱۸ جلد ۲)

ترجمہ : ”جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ، ہم اہل بیت کو ہمیشہ ذلیل کیا جاتا رہا ، دور کیا جاتا رہا ، محروم کیا جاتا رہا ، قتل کیا جاتا رہا اور دھتکارا جاتا رہا۔ اور جھوٹوں نے اپنے جھوٹ کے لئے یہ موقع پایا کہ وہ اپنے دوستوں ، قاضیوں اور حاکموں کا ہر شرم میں تقرب حاصل کریں ، دو ہندے دشمنوں اور ان کے گزشتہ دوستوں کے پاس باطل اور جھوٹی احادیث بیان کرتے اور ہماری جانب سے ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو ہم نے نہیں کہیں۔ جس سے ان کا مقصد ہماری توہین کرنا ، ہم پر جھوٹ پانڈھنا اور جھوٹ طوفان کے ذریعہ اپنے دوستوں اور قاضیوں کا تقرب حاصل کرنا ہے۔“

ائمہ معصومین کے ان گرانقدر ارشادات کو پڑھنے کے بعد کون عقلمند ہو گا جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ کی نقل کردہ احادیث پر اعتماد کرے گا؟ الغرض کسی آیت کا ارشاد خداوندی ہونا اور کسی حدیث کا ارشاد نبویؐ ہونا شیعہ کے نزدیک قول امام پر منحصر ہے۔ لہذا اصل الاصول وہی ”مسئلہ امامت“ ٹھہرا۔

شیعہ کا لقب ”امامیہ“، چوتھی وجہ :

ان تمام امور سے قطع نظر کیجئے تو شیعہ کا لقب ”امامیہ“ خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس فرقہ کا امتیازی نشان عقیدہ امامت ہے۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو ایسے لقب سے

ملقب کیا کرتا ہے جو اس کے اعتقادی و نظریاتی نشان کا پتا دے۔ ”اہل السنۃ و الجماعۃ“ کا لقب بتاتا ہے کہ ان کے اعتقالات کا قطب ”ما انا علیہ واصحابی“ ہے اور ان کا اعتقادی، عملی، اخلاقی اور نفسیاتی نظام سنت نبوی علی صاحبہا الف الف صلوة و سلام اور سنت صحابہؓ کے مدار پر گردش کرتا ہے۔ معتزلہ اپنے آپ کو ”اصحاب التوحید والعدل“ کہتے تھے، کیونکہ ان کے خیال میں ان کا اعتقادی فلسفہ توحید و عدل کے گرد گھومتا تھا (ان کے یہاں توحید و عدل کی جو بھی تفسیر ہو)۔ اسی طرح حضرات شیعہ اپنے آپ کو ”امامیہ“ اور ”اثنا عشریہ“ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں تو اس سے ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے اصول و فروع اور اعمال و اخلاق کی چچی قطب امامت کے گرد گھومتی ہے۔ باوجود اس کے کہ توحید و عدل کی بعض تعبیرات میں شیعہ اور معتزلہ کے درمیان اتفاق ہے لیکن شیعہ معتزلہ کی طرح اپنے آپ کو ”ارباب العدل والتوحید“ نہیں کہلاتے۔ کیونکہ عقیدہ امامت ان کے نزدیک توحید و عدل کی ان تعبیرات سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دوسری بحث: عقیدہ امامت کا موجد اول عبداللہ بن سبا یسودی تھا

آجانب تحریر فرماتے ہیں:

”صفحہ ۲۰ پر آپ نے یہ تاثر قائم کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا نامی یسودی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا وہ فرقہ شیعہ کا موجد ہے۔ یہ وہ رٹی رٹلی بات ہے جو عرصے سے کسی جارحی ہے، حالانکہ تحقیقاً علمائے اہل سنت نے عبداللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس کے عقائد و نظریات نہ کسی کتب میں منقول ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ آپ جیسے فاضل کے لئے میرے خیال میں یہ روا نہیں کہ وہ اس قسم کی بے فکری باتیں نقل کرتا رہے۔ شیعہ مذہب عقائد و نظریات اور فقہی مسائل کا مستقل مکتب ہے جس میں نہ عبداللہ بن سبا کا کوئی وجود ہے نہ ہی اس کے نظریات کو بیان کر کے انہیں بطور حجت پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا نے محترم آپ اس بات کو تو تسلیم کریں گے کہ معتد علیہ علماء کے بیانات سے استدلال کرنا ہی کسی فرقے کی کتب کا پتہ دیتا ہے، اور عالم کا کتب فکر طے کرتا ہے۔ اگر شیعہ فرقے میں عبداللہ بن سبا کو موجد کی حیثیت حاصل ہوئی تو ان کی کتابوں میں اس ملعون کے نظریات سے استدلال کیا جاتا جبکہ اس مردود کا کسی کتب میں حوالہ نہیں ملتا۔ آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہو تو حقیر کو ضرور مطلع فرمائیے گا۔ آپ یقیناً ایسا نہ کر سکیں گے۔“

اس ناکارہ نے نظریہ ”ولایت علی“ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ حضرت علیؑ

کی امامت و ولایت اور وصایت کے جو نظریات شیعہ مذہب کا نقطہ آغاز ہیں:
”ان عقائد و نظریات کے اولین موجد وہ یسودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بہن کر کباب ہو گئے تھے۔“

آجانب نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”یہ رٹی رٹلی بات ہے جو عرصہ سے کسی جارحی ہے۔“

جواباً گزارش ہے کہ یہ اگر ”رٹی رٹلی بات“ ہے تو معاف کیجئے! یہ آپ ہی کے گھر سے رٹلی گئی ہے: چنانچہ علامہ مامقانی ”تنقیح المقال“ میں اور علامہ مجلسی ”بحار الانوار“ میں ”رجل کشی“ سے نقل کرتے ہیں:

و ذکر (۱) بعض أهل العلم أن عبد الله بن سبا كان يهودياً فأسلم و والى علياً عليه السلام وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن اون وصي موسى بالفلو فقال في إسلامه بعد وفاة رسول الله ﷺ في علي بن أبي طالب مثل ذلك .
وكان أول (۲) من أشهر بالقول بفرض إمامة علي بن أبي طالب وأظهر البراءة من أعدائه وكاشف مخالفه وأكثرهم (۳) . فمن ههنا قال من خالف الشيعة : أصل التشيع والرفض مأخوذ من اليهودية . (۴)

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۷ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یسودی تھا، پس اسلام لے آیا اور حضرت علیؑ کی ”ولایت“ کا قائل ہوا۔ یہ اپنی یسودیت کے زمانے میں یوشع بن اون بن نون علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہیں، پس اسلام لانے کے بعد اسی قسم کی بات وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ آپ کے وصی تھے۔“

”یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے یہ مشہور کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں پر (جس سے اس ملعون کی مراد خلفاء راشدین تھے) اعلانیہ تہرا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو واشگاف کیا اور ان کو کافر کہا۔“

”ہمیں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ تشیع اور

رافضیت، یہودیت کا چہرہ ہے۔“

علامہ کشی چوتھی صدی کے اکابر شیعہ میں تھے اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شیعہ اسماء الرجال پر قلم اٹھایا، ”رجال کشی“ اور ”رجال نجاشی“ جن سے علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں استفادہ کیا ہے، ان دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

و کتابا الرجال علیہما مدار العلماء الأخبار فی الأعصار والأعصار.

(بحار الانوار، صفحہ ۳۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”رجال کی یہ دونوں کتابیں، انہی پر پسندیدہ علماء کا مدار ہے، تمام

زمانوں میں اور تمام شروں میں۔“

الغرض جو کتاب تمام اعصار و امصار میں علمائے اخیار کا مدار چلی آتی ہے، اسی میں یہ بتایا گیا ہے کہ نظریہ امامت کا سب سے پہلا موجد و مبلغ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا جس کو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء و زیارت کا شرف حاصل تھا۔ بعد میں جس کسی نے بھی ”نظریہ امامت“ پیش کیا اس نے اپنے پیشوا ابن سبا یہودی کے وضع کردہ سنگ بنیاد پر مسئلہ امامت کی بلند و بالا عمارت تعمیر کی۔ اب اگر آپ اپنے ولی نعمت اور مرشد اول سے کفران نعمت فرمائیں تو اس کا کیا علاج ہے؟

کیا عبد اللہ بن سبا کا وجود فرضی ہے؟

اور آجنگاہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ:

”تحقیقا علمائے اہل سنت نے عبد اللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا

ہے۔“

گویا آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا تو محض ایک فرضی نام ہے، محققین اس کے وجود ہی کا انکار کر رہے ہیں، ”شیعہ مذہب کا موجد“ کہہ کر مفت میں اس غریب کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آجنگاہ نے کن علماء اہلسنت کی یہ تحقیق نقل فرمائی ہے اور یہ کہ ان کا علمی مرتبہ و مقام کیا ہے؟ جہاں تک اس ناکارہ کا علم ہے اکابر علماء اہلسنت نے وہی بات نقل کی ہے جو علامہ کشی نے کسی ہے اور جسے ابھی

علامہ مجلسی کی ”بحار الانوار“ اور علامہ مامقانی کی ”تنقیح المقال“ کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ”کہتے ہیں:

”ذکر غیر واحد منهم أن أول من ابتدع الرفض

والقول بالنص على وعصمته كان منافقا زنديقا،

أراد فساد دين الإسلام، وأراد أن يصنع بالمسلمين ما صنع

بولص بالنصاري، لكن لم يتأت له ما تآتى لبولص،

لضعف دين النصاري وعقلهم، فإن المسيح ﷺ رفع ولم

يتبعه خلق كثير يعلمون دينه ويقومون به علما وعملا،

فلما ابتدع بولص ما ابتدعه من الغلو في المسيح اتبعه

على ذلك طوائف، وأحبوا الغلو في المسيح، ودخلت معهم

ملوك، فقام أهل الحق خالفوهم وأنكروا عليهم، فقتلت

الملوك بعضهم، وداهن الملوك بعضهم، وبعضهم اعتزلوا في

الصوامع والديارات - وهذه الأمة والله الحمد لا يزال فيها

طائفة ظاهرة على الحق فلا يتمكن ملحد ولا مبتدع من

إفساده بغلو وانتصار على الحق، ولكن يفضل من يتبعه

على ضلالة“ (منهاج السنة ص ۲۶۱ ج ۲)

ترجمہ: ”اور شیعہ جو اہلسنت کے خلاف امام معصوم وغیرہ کے دعوے

کرتے ہیں یہ دراصل ایک منافق زندق کا اختراع ہے، چنانچہ بہت سے اہل

علم نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے رفض ایجاد کیا اور جو سب سے

پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و عصمت کا قائل ہوا وہ ایک منافق

زندیق (عبد اللہ بن سبا) تھا جس نے دین اسلام کو بگاڑنا چاہا اور اس نے

مسلمانوں سے وہی کھیل کھیلتا چاہا جو پولس نے نصرائی سے کھیلا تھا، لیکن اس

کے لئے وہ کچھ ممکن نہ ہوا جو پولس کے لئے ممکن ہوا، کیونکہ نصرائی میں دین

بھی کمزور تھا اور عقل کی بھی کمی تھی، کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام (آمین)

پر اٹھائے گئے، جبکہ ان کے پیرو زیادہ نہ تھے جو لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دیتے اور ان کے علم و عمل کو لے کر کھڑے ہو جاتے، لہذا جب پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو اختراع کیا تو اس پر بہت سے گروہ اس کے پیرو ہو گئے اور وہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو کو پسند کرنے لگے اور ان غالیوں کے ساتھ بادشاہ بھی غلو میں داخل ہو گئے۔ اس وقت کے اہل حق کھڑے ہوئے، انہوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے غلو پر کٹیر کی، نتیجہ یہ کہ ان اہل حق میں سے بعض کو بادشاہوں نے قتل کر دیا، بعض نے مدافعت سے کام لیا اور ان کی ہاں میں ہاں ملائی، اور بعض گرجوں اور خلوت خانوں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور امت مسلمہ، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہی، اس لئے کسی جگہ اور کسی بدعت ایجاد کرنے والے کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ امت کو غلو کی راہ پر ڈال دے اور حق پر غلبہ حاصل کر لے۔ ہاں! ایسے جلدان لوگوں کو ضرور گمراہ کر دیتے ہیں جو ان کی گمراہی میں ان کی پیروی اختیار کر لیں۔

اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے بھی المستفی میں اسی کا خلاصہ درج کیا ہے۔ علامہ شہرستانیؒ "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں:

"السبائیة: أصحاب عبد الله بن سبأ الذي قال لعلي عليه السلام أنت أنت، يعني أنت الإله، فنفاه إلى المدائين، وزعموا أنه كان يهوديا فأسلم، وكان في اليهودية يقول في يوشع بن نون وصي موسى، مثل ما قال في علي عليه السلام، وهو أول من أظهر القول بالفرض بإمامة عليّ".

(الملل والنحل صفحہ ۱۱، جلد ۲)

ترجمہ: "سبائیہ، عبد اللہ بن سبا کے پیرو کہلاتے ہیں، جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ آپ ہیں، یعنی آپ ہی خدا ہیں۔ حضرت علیؑ نے اس کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ یہودی تھا،

اور اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی کہا کرتا تھا، جیسا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس عقیدے کا اظہار کیا کہ حضرت علیؑ کی امامت کا قاتل ہونا فرض ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ "لسان المیزان" میں لکھتے ہیں:

"عن أبي الجلاس سمعت عليا يقول لعبد الله بن سبأ والله ما أفضى إلى بشئ كتبه أحدنا من الناس، ولقد سمعته يقول: إن بين يدي الساعة ثلاثين كذابا وإنك لأحدهم. وقال أبو إسحاق الفزاري عن شعبة عن سلمة بن كهيل عن أبي الزعراء عن زيد بن وهب أن سويد بن غفلة دخل على علي في إمارته فقال إنني مررت بنفر يذكرون أبا بكر، وعمر، ورون أنك تضرر لهما مثل ذلك، منهم عبد الله بن سبأ وكان عبد الله أول من أظهر ذلك، فقال علي: ما لي ولهذا الخبيث الأسود؟ ثم قال: معاذ الله أن أضمر لهما إلا الحسن الجميل، ثم أرسل إلى عبد الله بن سبأ فسيره إلى المدائن، وقال لا يساكنني في بلدة أبدا، ثم نهض إلى المنبر حتى اجتمع الناس فذكر القصة في ثنائيه عليهما بطوله وفي آخره: ألا ولا يبلغني عن أحد يفضلني عليهما إلا جلده حد المفتري. وأخبار عبد الله بن سبأ شهيرة في التواريخ، وليست له رواية، والله الحمد، وله اتباع يقال لهم السبائية، معتقدون لإلهية علي بن أبي طالب، وقد أحرقهم علي بالنار في خلافته."

(لسان الميزان ص ۲۹۰ ج ۲)

ترجمہ: "ابو الجلاس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبد اللہ بن سبا سے یہ کہتے ہوئے خود سنا ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایسی راز کی کوئی بات نہیں بتائی جس کو کسی سے چھپایا ہو۔ اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خود سنا کہ ”قیامت سے پہلے تمیں جھوٹے ہوں گے“ تو بھی ان میں سے ایک ہے۔

ابو اسحاق فزاری نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سید بن غفلہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برائی سے یاد کر رہے تھے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ آپ بھی (یعنی حضرت علیؑ بھی) ان دونوں کے بارے میں یہی بات اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں جو وہ کہہ رہے ہیں، اس گروہ میں سے ایک عبداللہ بن سبا ہے۔ اور عبداللہ بن سبا سب سے پہلا شخص تھا جس نے اس کا (عداوت شیخینؑ کا) اہلہ کیا۔ حضرت علیؑ نے میری بات سن کر فرمایا: مجھے اس کالے غیث (عبداللہ بن سبا) سے کیا تعلق؟ پھر فرمایا کہ اللہ کی بناء کہ میں شیخینؑ کے بارے میں بھلائی اور خوبی کے سوا کوئی اور بات اپنے دل میں چھپوں۔ پھر آپ نے عبداللہ بن سبا کو بلا بھیجا، پس اس کو مدائن کی طرف چٹا کیا اور فرمایا یہ میرے ساتھ ایک شرمس نہیں رہ سکتا۔ پھر اٹھ کر منبر پر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے۔ یہاں راوی نے طویل قصہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخینؑ کی مدح و ثنا فرمائی، اس کے آخر میں حضرت علیؑ کے الفاظ یہ تھے:

”سن رکھو! جس شخص کے بارے میں بھی مجھے یہ خبر پہنچی کہ وہ مجھے شیخینؑ پر فضیلت دیتا ہے میں اس پر بہتان لگانے والے کی حد (اسی درے) جہڑی کروں گا۔“

عبداللہ بن سبا کے حلات و تاریخ میں مشہور ہیں اور الحمد للہ کہ اس کی کوئی روایت نہیں، اس کے کچھ بیروکار ہیں جن کو سبائیہ کہا جاتا ہے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلایا تھا۔

ابن سبا کے نظریات اور اس کی تعلیمات
آنجناب مزید فرماتے ہیں:

”نیز یہ کہ اس کے (ابن سبا کے) عقائد و نظریات نہ کسی کتاب میں منقول

ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

اس ناکارہ کو یہ لکھتے ہوئے نہایت رنج ہوتا ہے کہ آنجناب کا دعویٰ غلط اور دلیل غیر منطقی ہے۔ شیعی سنی دونوں کتابوں میں ابن سبا کے عقائد مذکور ہیں۔ چنانچہ:

۱۔ اس ملعون نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ حضرت شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ حضرت امیرؑ نے اس کو بلا کر سرزنش فرمائی، اس کو جلاوطن کر دیا اور برسر منبر یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آئندہ مجھے حضرت شیخینؑ پر فضیلت دے گا اس پر مفتی کی حد لگوں گا۔ علامہ مجلسی نے ”رجل کشی“ کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ کا ایک طویل ارشاد نقل کیا ہے، جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

وكان أمير المؤمنين عليه السلام أمدق من برا الله من بعد رسول الله صلى الله عليه وآله
وكان الذي يكذب عليه ويمعمل في تكذيب صدقه بما يفترى عليه من الكذب عبدالله
ابن سبا لعنه الله
(بحار الانوار..... صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

ترجمہ: ”امیر المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے سچے تھے، اور جو شخص آپ پر جھوٹ باندھتا تھا، اور جھوٹ باندھ باندھ کر آپ کے سچ کو جھوٹا ثابت کرتا تھا وہ عبداللہ بن سبا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔“

خالد اس نے حضرت امیرؑ پر جو پے در پے جھوٹ باندھے ان میں سب سے پہلا جھوٹ یہی تھا کہ امیر المومنینؑ حضرت شیخینؑ سے افضل ہیں۔ اور اس کا یہی عقیدہ تھا جس کو سن کر امیر المومنینؑ کے روگئے کھڑے ہو گئے تھے، اور اس ملعون کے اسی ملعون عقیدہ کا جب خیال آجائے تھا تو امام زین العابدینؑ کے بھی روگئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ مجلسی ہی نے ”کشی“ کے حوالے سے ان کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

لعن الله من كذب علينا ، إنني ذكرت عبد الله بن سبا فقامت كل
شجرة في جسدي لقد ادعى أمراً عظيماً ، ماله لعنه الله .

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۸۶، جلد ۲۵)

ترجمہ: "اللہ کی لعنت ہو اس پر جو ہم پر جھوٹ باندھے، میں عبد اللہ بن سبا کو یاد کرتا ہوں تو میرے بدن کے سرے روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس نے بہت بڑی بات کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کو کیا ہو گیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔"

۲۔ ابن سبا کا عقیدہ ولایت بھی اوپر آچکا ہے جس کی وہ لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنینؑ کو پوشیدہ علوم سے آگاہی بخشی تھی، کیونکہ آپ وصی رسولؐ تھے، چنانچہ خلافت و ولایت حضرت امیر المؤمنینؑ کا حق تھا اور یہ کہ ان سے پہلے کے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ حق غصب کر لیا تھا، لہذا ان سے تبرا ضروری ہے۔ "تنقیح الثقل" اور "بحار الانوار" کی وہ روایت جو اوپر نقل کر چکا ہوں اور جس میں بتایا گیا ہے کہ وصایت و ولایت علیؑ کا عقیدہ سب سے پہلے ابن سبا نے مشہور کیا تھا اور مخالفین پر تبرا سب سے پہلے اس نے شروع کیا۔ اس پر "بحار الانوار" کے فاضل محشی کا یہ حاشیہ بڑا معنی خیز ہے:

كان قبل ذلك بنون ولا يقولون ملاية تلك الامور ، فظاهر وترك التوبة والحق النول بذلك . (۲) القول بكفر المخالفين من مختصات لعنة الله عليه .

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۷ جلد ۲۵)

ترجمہ: "عبد اللہ بن سبا سے پہلے کے لوگ تقیہ سے کام لیتے تھے۔ اور ان امور کو (کہ حضرت علیؑ وصی رسولؐ ہیں، احق بالامامت ہیں، شیخینؑ سے افضل ہیں) اعلانیہ نہیں کہتے تھے۔ لیکن اس ملعون نے تقیہ چھوڑ دیا اور ان باتوں کو اعلانیہ ذکر کرنا شروع کر دیا۔ (معلوم ہوا کہ جو لوگ تقیہ کو چھوڑ کر اعلانیہ حضرت علیؑ کو وصی، احق بالامامت اور حضرات شیخینؑ سے افضل کہتے ہیں وہ ابن سبا کے مقلد ہیں، اس سے پہلے کوئی شخص ان باتوں کا اعلانیہ اظہار نہیں کرتا تھا۔ ناقل) مخالفین امامت کو کافر کہنا بھی اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

یہ بھی اوپر آچکا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا، "رجل کشی" میں حضرت صادقؑ کا ارشاد نقل کیا ہے:

لعن الله عبد الله بن سبا لانه ادعى الربوبية في امير المؤمنين ، وكان و الله امير المؤمنين ﷺ عبداً لله طامناً ، الولد لمن كذب علينا ، و إن فوماً يقولون فينا مالا نقوله في أنفسنا ، نبرأ إلى الله منهم ، نبرأ إلى الله منهم (۱)۔
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۶ جلد ۲۵)

ترجمہ: "عبد اللہ بن سبا پر اللہ کی لعنت ہو کہ اس نے امیر المؤمنین کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ اللہ کی قسم! امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے تھے۔ ہلاکت ہو اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ باندھے، کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے، ہم اللہ کے سامنے ان لوگوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں (دو مرتبہ فرمایا)۔"

۳۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے لئے نبوت کا بھی دعویٰ رکھتا تھا۔ علامہ مجلسی نے رجال کشی اور "مناقب آل ابی طالب" کے حوالے سے امام باقرؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

۳۹۔ کش: محمد بن قولوبہ عن سعد بن محمد بن عثمان عن یونس عن عبد اللہ بن سنان عن أبيه عن أبي جعفرؑ ان عبد الله بن سبا كان يدعى النبوة و يزعم أن أمير المؤمنين ﷺ هو الله ، فبلغ ذلك أمير المؤمنين ﷺ فذاع و سألوه فزعموا : نعم أنت هو ، وقد بين أنفسي في دعوي أنت أنت و أنسي مني .
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۶ جلد ۲۵)

ترجمہ: "عبد اللہ بن سبا نبوت کا دعویٰ رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہلاتر ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کو اس کی یہ بات پہنچی تو اسے بلا بھیجا، اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا اور کہا کہ ہاں! آپ وہی ہیں، میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آپ اللہ ہیں اور میں نبی ہوں۔"

ابن سبا کے پہلے تین عقیدوں کو شیعہ فرقوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ چنانچہ تفصیلی شیعوں نے اس کے پہلے عقیدے کو لے لیا، سبّی رافضیوں نے اس کے دوسرے عقیدے پر اپنے عقائد کی عملت استوار کر لی، اور غالی رافضیوں نے آخری درجہ پر جا کر دم لیا، غالباً یہ اس عید کی حکمت عملی تھی کہ ہر عقیدے کی ہر جماعت کو

جداگانہ تعلیم دی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ”تحفہ“ کے باب اول میں اس کی ان تدریجی تعلیمات و تبلیغات کو بہت تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ یہاں اس کی تلخیص کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

ترجمہ: ”جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یسود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرست کافروں کے مملکت، یہ عنایت خداوندی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاتھوں فتح ہوئے اور کفار گوند کو قتل کرنے، قید کرنے اور ان کے اموال کو غنیمت بنانے کا اتفاق ہوا اور ان کافروں کو کمال درجے کی ذلت و عداوت ہوئی تو ناچار خلیفہ ثالثؒ کے دور میں انہوں نے ایک نیا حیلہ اختیار کیا، اور مکرو فریب کی مضبوط رسی کو مضبوط تھاوا، لہذا ان کی ایک بڑی جماعت نے اسلام کا کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کی فہرست میں داخل کر دیا اور مسلمانوں میں گھس کر نور اسلام کے بجھانے اور مسلمانوں کی جماعت میں فتنہ و فساد اور بغض و عناد ڈالنے کے درپے ہوئے، اور اس مقصد کے لئے حیلہ و تدبیر کرنے لگے۔“

اس سازشی نوے کا سربراہ عبداللہ بن سبا یسودی یعنی صعلانی تھا، جس نے برسوں تک یسودیت میں تبلیغ و اضلال کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ وہ دعاؤ فریب کی شطرنج کا تجربہ کلر کھلازی تھا، فتنہ انگیزی کے سرد و گرم کو خوب چمکے ہوئے تھا، اور اس لبق و وق میدان کے نشیب و فراز طے کر رکھے تھے، الغرض فتنہ پردہ کی کاہست ہی ماہر و تجربہ کار تھا۔ اس نے اہل فتنہ میں سے ہر ایک کو ایک الگ طریقہ سے فریب دینا شروع کیا اور ہر ایک کی استعداد کے مناسب گمراہی کا بیج بونے کی بنیاد رکھی۔

پہلے تو اس نے خاندان نبویؐ سے مکمل محبت و اخلاص کا اظہار کیا اور اہل بیت سے محبت رکھنے اور اس معاملہ میں خوب چٹنگی اختیار کرنے کی ترغیب دینی شروع کی، خلیفہ برحق کی جانب کو لازم پکڑنے، دوسروں پر اس کو ترجیح دینے اور اس کے مخالفوں کی طرف جھکاؤ نہ کرنے کو بیان کرنے لگا، اس کی یہ ترغیب ہر عام و خاص میں مقبول اور تمام اہل اسلام کے لئے مرغوب ہوئی اور اس سے لوگوں کو اس کی نصیحت و خیر خواہی کا اعتقاد ہوا۔ جب ایک جماعت کو اس دام فریب میں گرفتار کر لیا تو سب سے پہلے تو انہیں یہ القاء کرنا شروع

کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریب سب سے زیادہ حاصل ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی، برادر اور داماد ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد حضرت علیؑ کی تمام صحابہؓ پر فضیلت کے قائل ہو گئے ہیں اور یہ بات ان کے ذہنوں میں خوب راسخ اور پختہ ہو گئی ہے تو اپنے خصوصی ہمرازوں اور چیدہ چیدہ دوستوں کو ایک نئے بعید کی تعلیم دی کہ حضرت مرتضیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نص مرتبہ کے ساتھ خلیفہ بنایا تھا۔ ان کی خلافت قرآن کریم کی آیت ”انما ولیکم اللہ ورسولہ“ سے مستنبط ہوتی ہے۔ لیکن صحابہؓ نے جبر و مکر سے پیغمبری و وصیت کو ضائع کر دیا۔ انہوں نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت نہیں کی، حضرت مرتضیٰؑ کے حق کو غصب کر لیا اور سب کے سب طمع دنیا کی خاطر دین سے برگشتہ ہو گئے۔ اس کے اس وسوسہ کی وجہ سے ان مسائل پر گفتگو شروع ہو گئی۔ حضرت امیرؑ کے لشکریوں میں خلفائے ثلاثہؓ پر سب و طعن کا سلسلہ جاری ہو گیا اور باہمی مزاحروں اور محاذوں کی فوج آئے لگی، یہاں تک کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ ارشاد فرمائے اور اس جماعت سے بیزارگی کا اظہار فرمایا اور کچھ لوگوں کو وعید سنائی اور ان پر حد لگانے کی دھمکی دی۔

ابن سبائے جب دیکھا کہ اس کا یہ تیر بھی نشانے پر بیٹھا اور اہل اسلام کے عقیدہ میں فتنہ و فساد راہ پانے لگا، چنانچہ مسلمان اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے آپس میں الجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی آبروریزی کر رہے ہیں تو اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اپنے خاص الخاص شاگردوں کو چنا اور دوسروں سے خلوت میں لے جا کر پہلے ان سے عہد و پیمان لیا اور پھر ایک اور بعید جو زیادہ باریک اور زیادہ نازک تھا، ان کے سامنے کھولا۔ وہ یہ کہ حضرت علیؑ سے بہت سی ایسی چیزیں صادر ہوتی ہیں جو بشر کی قدرت میں نہیں۔ یہ تمام چیزیں الوہیت کے خواص ہیں جو ان سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں، اور ناسوت کے لباس میں لاہوت جلوہ فرما ہے، لہذا خوب سمجھ لو کہ علیؑ خود خدا ہیں ان کے سوا کوئی خدا نہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ”جو بھید دو آدمیوں سے گزر جائے وہ فاش ہو جاتا ہے“ چنانچہ رفتہ رفتہ یہ قبیح نظریہ فاش ہو گیا اور حضرت مرتضیٰؑ تک پہنچا۔ آپ نے ان لوگوں کو ابن سہا کے ساتھ بلا کر آگ میں جلاتے کی دھمکی دی، ان سے توبہ کرائی، اس کے بعد اسے مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ پس حضرت امیرؑ کے اہل لشکر میں اس شیطان لعین کے وسوسہ کے رد و قبول کے نتیجہ میں چار فریق ہو گئے۔

اول: شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین، جو اہلسنت و جماعت کے پیشوا ہیں۔ یہ حضرات حضرت مرتضیٰؑ کی روش پر قائم رہے کہ مشاجرات و مقالات کے باوصف اصحاب کبارؑ اور ازواج مطہراتؑ کے حقوق کو پہنچاتے تھے، ظاہر و باطن کے لحاظ سے ان اکابر کی عزت و حرمت کے معترف تھے، ان کا سینہ کینہ و نفاق سے پاک صاف تھا۔ ان حضرات کو شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہتے ہیں۔ اور یہ گروہ مجسم ”ان عبادی لیس لک علیہم سلطان“ اس اہلبیٹ پر تبلیغ کے شر سے ہرجت سے محفوظ رہا۔ اور ان کے دامن پاک پر اس خبیث (ابن سہا) کی نجاست کا کوئی داغ و حبا نہیں آیا۔ حضرت مرتضیٰؑ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔

دوم: شیعہ تفضیلیہ، جو حضرت علی مرتضیٰؑ کو تمام اکابر صحابہؑ پر فضیلت دیتا تھا۔ یہ فرقہ اس لعین کے ادنیٰ شاگردوں میں سے تھا اور اس فرقہ نے اس ملعون کے وسوسہ کا ایک شر قبول کر لیا۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے ان کے بارے میں تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آئندہ اگر میں نے کسی کے بارے میں سنا کہ وہ مجھے حضرات شیخینؑ پر فضیلت دیتا ہے اس مفتزی پر (ہستان ہاندھنے والے کی) حد (اسی کوڑے) چلائی کروں گا۔

سوم: شیعہ سببیہ، جن کو تہرانیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ لوگ تمام صحابہؑ کو ظالم و غاصب اور کافر و منافق جانتے ہیں، اور یہ گروہ اس خبیث (ابن سہا) کے درمیانے درجے کے شاگرد ہوئے۔ اور جب اس گروہ کے خیالات حضرت مرتضیٰؑ تک پہنچے تو آپ نے متعدد خطبے ارشاد فرمائے۔ ان لوگوں کی برائیاں بیان فرمائیں اور ان لوگوں سے اپنی برکت ظاہر فرمائی۔

چہارم: غالی شیعہ، جو اس خبیث (ابن سہا) کے اجنبی مخالفہ اور اس کے خاص الخاص رازداں تھے، یہ لوگ حضرت علیؑ کی الوہیت کے قائل ہوئے۔

یہ ہے شیعہ مذہب کے پیدا ہونے کا اصل سبب۔ اور ہمیں سے معلوم ہوا کہ ارباب تشیع کے دراصل تین فرقے ہیں اور یہ سب ایک وقت میں پیدا ہوئے اور تینوں کا بانی مہدیؑ ہی خبیث باطن نفاق پیشہ سودی ہے جس نے ہر ایک کو دوسرے رنگ میں فریب دیا اور دوسرے دامن میں الجھایا۔

(تحفہ..... صفحہ ۳، ۴، ۵، ملخصاً)

اور حضرت شاہ صاحبؒ ”باب سوم در ذکر اسلاف شیعہ“ میں لکھتے ہیں: ”جانتا چاہئے کہ اسلاف شیعہ کے چند طبقے ہوئے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ لوگ جنہوں نے اس مذہب کو بلا واسطہ رئیس المصلین اہلبیٹ سے حاصل کیا، یہ منافقوں کا نولہ تھا جو اپنے دل میں اہل اسلام کی عداوت چھپائے ہوئے تھے، انہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تاکہ اہل اسلام کے زمرہ میں داخل ہونے، ان کو برکاتے اور ان کے درمیان مخالفت اور بغض و عناد پیدا کرنے کا راستہ کھل جائے۔ ان لوگوں کا مقتدا عبداللہ بن سہا سودی صنعانی ہے، جس کا ابتدائی حل تدریج طبری سے باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اس شخص نے اولاً: حضرت امیرؑ کو سب سے افضل جاننے کی لوگوں کو دعوت دی، ثانیاً: صحابہؑ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو کفر و مرتد قرار دینے کی بات کی، ثالثاً: حضرت علیؑ کے خدا ہونے کی لوگوں کو دعوت دی۔ اور اپنے پیروؤں میں سے ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اغوا و اضلال کے جال میں پھنسا، پس وہ علی الاطلاق رافضیوں کے تمام فرقوں کا مقتدا ہے کہ یہ آئین خبیث آگین، اہلبیٹ لعین کے سینہ سے لے کر اہل زمین کے دلوں میں اسی کا لایا ہوا ہے۔ اگرچہ شیعوں میں سے بہت سے لوگ اس سے کفران نعت کرتے ہیں اور اس کو برائی سے یاد کرتے ہیں اس بنا پر کہ وہ حضرت علیؑ کی الوہیت کا قائل ہو گیا تھا اس کو غالی شیعوں کا مقتدا جانتے ہیں، اور بس..... لیکن درحقیقت تمام شیعہ اسی کے شاگرد ہیں اور اسی کے چشمہ فیض سے مستفیض ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام فرقوں میں

یسودیت کے معنی صاف نظر آتے ہیں اور یسودینہ اخلاق ان میں مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا، افتراء کرنا، بستان لگانا، بزرگوں کو گالیاں دینا، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں پر طعن و تشنیع کرنا، کلام اللہ اور کلام رسول کو غیر محمل پر ڈھالنا، اہل حق کی عداوت دل میں چھپانا، خوف اور طمع کے طور پر چالوسی اور حسیق کا اظہار کرنا، نفاق کو پیشہ بنانا، اقلیہ کو ارکان دین میں شہر کرنا، بناوٹی رقعے اور جعلی خطوط تصنیف کرنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کی طرف منسوب کرنا، اپنی دنیوی اغراض فاسدہ کی خاطر حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنا۔ اور یہ جو کچھ ذکر کیا گیا "بت میں سے تھوڑا" اور "ذہیر میں سے ایک نمونہ" ہے۔ اگر کسی کو تفصیلی اطلاع منظور ہو تو اسے چاہئے کہ سورہ بقرہ سے سورہ انفال تک کا غور و فکر سے مطالعہ کرے اور یسودیوں کے مذکرہ میں جو ان کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق ذکر کئے گئے ہیں ان کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھے، پھر اس فرقہ کی صفات اور اعمال و اخلاق کا یسودیوں کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق کے ساتھ موازنہ کرے، یقین ہے کہ اس بات کے صدق کا یقین اس کے دل میں اتر جائے گا۔ اور بے ساختہ "طابق النعل بالنعل" کا فقرہ اس کی زبان سے نکلے گا۔ (یعنی دونوں ایک دوسرے سے ایسی مطابقت رکھتے ہیں جیسے ایک جوڑے کا جو تا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے)۔

(تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۹۷)

مندرجہ بالا تصریحات، خصوصاً ائمہ کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ ابن سبا کوئی مجہول یا غیر معروف شخصیت نہیں، بلکہ شیعہ عقائد کا موجد ہونے کے حیثیت سے وہ شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن سبا کے عقائد و نظریات نہ صرف مورخین اور مل و نعل کے مصنفین نے تفصیلاً قلمبند کئے ہیں، بلکہ ائمہ معصومین کی زبان الہام تر جہان سے بھی اس ملعون کے عقائد کا خلاصہ بیان ہو چکا ہے۔ دیگر اہل علم کے بیانات گویا انہی ارشادات کی شرح و تفصیل ہے۔

الغرض آنجناب کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہے کہ ابن سبا کے عقائد کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ اہلسنت کی کتابوں کے علاوہ خود ان حضرات کے ارشادات میں، جن کو شیعہ "امام معصوم" کہتے ہیں، اس "ذات

شریف" کے اصول عقائد مذکور ہیں۔ اور یہی اصول عقائد بعد میں شیعہ کے مختلف فرقوں کے اصول عقائد قرار پائے۔

رہا آنجناب کا یہ استدلال کہ "ابن سبا کی تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے" اول تو مذکورہ بالا حقائق کے بعد، جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں، جناب کا یہ استدلال محض قیاس ہے اور نصوص کے مقابلہ میں قیاس باطل ہے، امام علی مقام کا یہ ارشاد کہ اول من قاس ابلیس (اصول کلی صفحہ ۵۸، جلد ۱۔ کتاب العلم باب البدع والرائی والقیاس روایت ۲۰) یعنی سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ جناب کے ذہن میں ہو گا، امام معصوم کے اس ارشاد کی روشنی میں آنجناب کی قیاس آرائی کی خود سوچئے کہ کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ علاوہ ازیں

عبد اللہ بن سبا کی یہ تحریک اگرچہ سیاسی تھی (جیسا کہ آپ نے فرمایا) لیکن اس پر "حب اہل بیت" کا مذہبی خول چڑھایا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ "سیاسی تحریک" اسلام کے نظام خلافت بلکہ خود اسلام کے خلاف ایک بغاوت تھی اور اس مقدس دور میں جب تک اس سیاسی تحریک پر دجل و نلبیس اور کتمان و تقیہ کے دبیز غلاف نہ چڑھائے جاتے، اس کا پناہ ممکن نہیں تھا، چنانچہ ایسے نو مسلم افراد، جو اسلام کی تعلیمات سے نا آشنا اور محابہ و تابعین کے فیض صحبت سے محروم تھے، ان کو بطور خاص شکار کیا گیا، انہیں "حب اہل بیت" کے سحر سے مسحور کیا گیا اور انہیں تدریجاً "ولایت علی" سے لے کر "الوہیت علی" تک کے عقائد و نظریات کی خفیہ تعلیم دی گئی۔ الغرض آنجناب کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ یہ نفاق پیشہ تحریک سیاسی تھی مگر یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس سیاسی تحریک کا عقائد و نظریات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

آخر میں ایک لطیفہ، ایک شکوہ اور ایک شکریہ

نظریہ امامت و وصایت علی کے موجد اول — عبد اللہ بن سبا — کی بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک لطیفہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جو ایک شکوہ اور ایک شکریہ کو متضمن ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس ناکارہ نے یہ ذکر کیا تھا کہ نظریہ امامت، شیعیت کا نقطہ آغاز ہے۔ اس کے بعد امامت، ولایت اور وصایت کے نظریات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس ناکارہ نے لکھا تھا:

”ان عقائد و نظریات کے اولین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہو گئے تھے۔ انہیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سلاب کا رخ موڑنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ ذہریلے نظریات کا بیج بو کر امت اسلامیہ کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔“

لیکن آنجناب نے میری اس عبارت کا مفہوم یوں نقل کیا:

”عبداللہ بن سبا یہودی، جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا، وہ فرقہ شیعہ کا موجد ہے۔“

ایک فقرہ میں تین تبدیلیاں:

میرے اصل فقرہ کا اور آنجناب نے اس کا جو مفہوم نقل کیا ہے اس کا ایک بار مقابلہ کر کے دیکھئے۔ آپ کو اصل اور نقل میں مبینہ طور پر تین تبدیلیاں نظر آئیں گی۔

اول: میں نے ”نظریہ ولایت کے موجد“ کا لفظ لکھا تھا اور آنجناب نے اس کو بدل کر ”فرقہ شیعہ کا موجد“ بنا دیا۔

دوم: میں نے منافقین کے ایک گروہ کا ذکر کیا تھا، جن کا رئیس عبداللہ بن سبا تھا۔ آنجناب نے گروہ منافقین کا ذکر حذف کر کے سارا بوجھ تنہا عبداللہ بن سبا پر ڈال دیا۔

سوم: حضرت عثمانؓ شہید کے مظلومانہ محاصرہ کا میں نے سرے سے ذکر ہی نہیں کیا، نہ میری تحریر میں ان کی المناک شہادت کا تذکرہ ہی کہیں دور و نزدیک آیا۔ میری تحریر حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور ان کی شہادت کے ذکر سے یکسر خالی تھی۔ آنجناب نے یہ الفاظ ”جس نے حضرت عثمانؓ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا“ خود تصنیف کر کے انہیں میری طرف منسوب کر ڈالا۔

لطیفہ یہ کہ میری عبارت میں تین زبردست تبدیلیاں کر کے آنجناب اس تبدیل شدہ عبارت کو میری طرف منسوب کر کے خود میرے ہی سامنے پیش فرما رہے ہیں۔ اس جرات پر ”دروغ گویم بروئے تو“ کی مثل صادق آتی ہے۔ لیکن یہ ناکارہ ایسی گستاخی

نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ دوسرے کی عبارت پر تنقید کرنے کا تو حق ہے مگر ایسی ”اصلاح“ کا حق نہیں، جیسی آنجناب نے فرمائی ہے، یہ اصلاح و ترمیم اگر نادرست ہے تو آنجناب کے ملکہ سخن شناسی کی دلیل ہے جس کی داد دینی چاہئے۔ اور اگر نادرست ہے تو کیا عرض کروں؟

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن اکابر کو شیعہ ائمہ معصومین سے نامزد کرتے ہیں ان کی طرف شیعہ لٹریچر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں روایات کا جو طویل منسوب کیا گیا ہے اس میں شیعہ راویوں نے کیا کیا تصرفات نہ کئے ہوں گے اور کیا کیا گل نہ کھلائے ہوں گے؟

”بہ ہیں از گلستان من بدمرا“

تاہم اس تبدیلی و تصرف پر آنجناب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آنجناب نے میرے جملہ کی ”اصلاح“ فرما کر میری ذمہ داری کا کافی بوجھ ہلکا کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ میں نے ”نظریہ ولایت کے موجد“ لکھا تھا۔ آپ نے اس کی جگہ ”فرقہ شیعہ کا موجد“ لکھ کر گویا تسلیم کر لیا کہ فرقہ شیعہ کا سنگ بنیاد یہی نظریہ ولایت ہے۔ اور یہ کہ نظریہ ولایت اور شیعیت اگر ہم معنی نہیں تو کم سے کم لازم و ملزوم تو ضرور ہیں۔ اس سے اوپر کی ذکر کردہ بحث (نظریہ امامت شیعہ مذہب کا اصل الاصول ہے) از خود ولایت ہو گئی اور مجھے اس پر کسی دلیل لانے کی ضرورت نہ رہی۔ ”حق بر زبان شود جاری“ کی کیسی چچی مثل سامنے آئی۔

۲۔ ”گروہ منافقین“ کے بجائے صرف ”عبداللہ بن سبا“ کا ذکر کر کے آپ نے مجھے اس پورے گروہ کی تلاش و جستجو کی ذمہ داری سے فدرغ کر دیا، صرف ایک شخص (عبداللہ بن سبا) کی نشاندہی میرے ذمہ رہ گئی، جس کو بخوبی ادا کر چکا ہوں۔ ورت اگر پورے گروہ کی تلاش و جستجو کی ذمہ داری مجھ پر ہوتی تو مجھے کتب رجل اور کتب مل و نخل کی کافی ورق گردانی کرنا پڑتی۔ اس کے بعد ہی میں یہ بتا سکتا تھا کہ فلاں فلاں افراد و اصحاب عبداللہ بن سبا کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں کہ آپ نے بیک جنبش قلم مجھے اس زحمت سے بری کر دیا۔ (و کفی اللہ المؤمنین القتال)

۳۔ ”نظریہ ولایت و وصایت علی“ کے موجدوں کو ایک سیاسی گروہ قرار دے کر آپ نے اس نظریہ کی تائید کر دی کہ شیعہ مذہب دراصل ایک ”خفیہ سیاسی تحریک“ تھی جو خفیہ سازش کے ذریعہ مسلمانوں میں بھڑکاوٹ ڈالنے اور انہیں ”وکانوا شیعا“ کی بھٹی میں جھونکنے کے لئے کھڑی کی گئی۔ واقعتاً یہ مذہبی تحریک نہ اس وقت تھی، نہ اب ہے، یہ اول و آخر ایک سیاسی اور سازشی تحریک ہے۔

گویا جو بات میں نے نہیں کہی تھی، وہ آنجناب نے میری طرف سے خود کہہ دی۔ جزاک اللہ! مرحبا!

تیسری بحث: عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ:

”آپ کی (یعنی اس ناکارہ کی) تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نظریہ امامت عقیدہ ختم نبوت پر ایک ضرب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔

(آمین، ناقل) ہمارے نزدیک نبی کریم محمد مصطفیٰ بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی آخر الزماں یعنی خاتم النبیین تھے۔ اور جو بھی اس عقیدہ سے منحرف ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“

اس کے بعد آنجناب نے عقیدہ ختم نبوت پر علامہ طبری کی تفسیر ”مجمع البیان“، آیت اللہ طباطبائی کی تفسیر ”المیزان“، ملا فتح اللہ کاشانی کی تفسیر ”منہج الصادقین“ اور علامہ زنجلی کی کتب ”عقائد الاصلیۃ الاثنی عشریہ“ کے حوالے دے کر آخر میں لکھا ہے:

”کیا اہل سنت اس سے مختلف نظریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے میں رکھتے ہیں؟ یقیناً نہیں! پس کیسے آپ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ نظریہ امامت عقیدہ ختم نبوت پر ضرب لگانے کے لئے ایجاد کیا گیا، جبکہ ہمارے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم الانبیاء ہیں اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ عقیدہ ختم نبوت اتنا واضح و مبہن ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ورنہ ہم اپنی کتب عقائد کے حوالوں کے انہار لگا دیتے۔“

آنجناب کو اپنی کتابوں کے حوالوں کے انہار لگانے کی ضرورت نہیں تھی اور جو حوالے آنجناب نے زبیر رقم فرمائے وہ بھی مفت کی زحمت بے جا فرمائی۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا، آنجناب نے اس کا توڑ نہیں فرمایا۔ اور جو بات میں نے نہیں کہی تھی اس کی تردید پر حوالے جمع کر دیئے۔ لیجئے اب میں اپنے مدعا کی تشریح کئے دیتا ہوں۔

میں نے ائمہ کے بارے میں حضرات شیعہ کے چھ عقائد درج کئے تھے۔

- ۱۔ ان کا معصوم ہونا۔
- ۲۔ منصوص من اللہ ہونا۔
- ۳۔ مفترض الطاعت ہونا۔
- ۴۔ ان پر وحی نازل ہونا۔
- ۵۔ ان کو حلال و حرام کا اختیار ہونا۔
- ۶۔ اور یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کر سکتے ہیں۔

ان چھ عقائد کے نتیجہ کے طور پر میں نے لکھا کہ: ”جو مرتبہ ایک مستقل صاحب شریعت نبی کا ہے وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک ”امام“ کا ہے۔“ اور اس نتیجہ پر تفریع کے طور پر میں نے لکھا کہ ”شیعہ کا نظریہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔“

میری تحریر کے اس خلاصہ سے واضح ہے کہ میں نے آپ حضرات پر یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ خدا نخواستہ ختم نبوت کے منکر اور اجرائے نبوت کے قائل ہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑی شد و مد سے ختم نبوت کا اقرار و اعلان کیا کرتے ہیں۔ میرا الزام یہ ہے کہ آپ حضرات ”امام“ کے اوصاف میں ایسا مبالغہ کرتے ہیں جن سے امام کا ”ہم رتبہ نبی“ ہونا لازم آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی شخصیتوں کو تسلیم کرنا، جو کمالات نبوت کی وجہ سے ”ہم رتبہ نبی“ ہوں، درحقیقت ختم نبوت کا انکار ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ لفظاً ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور معناً انکار کرتے ہیں۔

اب اگر آنجناب کو میری ناچیز تحریر پر تنقید کرنا تھی تو اس کی صحیح صورت یا تو یہ تھی کہ آپ ان عقائد کا انکار کر دیتے اور یہ فرماتے کہ حاشا وکلاء ہم لوگ ”امام“ کو نبی کی طرح معصوم، منصوص من اللہ اور مفترض الطاعت نہیں سمجھتے، نہ امام کو نبی کا مرتبہ دیتے ہیں۔ یا یہ ثابت کرتے کہ ائمہ کو نبی کا مرتبہ دینا معنایاً ختم نبوت کا انکار نہیں ہے۔ لیکن آنجناب نے نہ یہ کیا، نہ وہ کیا۔ اب خود ہی انصاف فرمائیے کہ آپ نے اس ناکارہ پر بے

موقع حوالوں کا بوجھ لادنے کے سوا کیا تنقید فرمائی؟
جو عقائد میں نے حضرات ائمہ کی طرف منسوب کئے ہیں، آنجناب کے اطمینان کے لئے ہر ایک کا اعلیٰ الترتیب ثبوت پیش کرتا ہوں۔

پہلا عقیدہ: امام انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں

امامیوں کا یہ عقیدہ تو ہر امامی کی نوک زبانی پر رہتا ہے، اس پر کسی حوالے کی ضرورت نہیں، تاہم اس سلسلہ میں بھی چند جملے پڑھ لیجئے

۱۔ اصول کافی کتاب الحجج ”باب نادرجاع فی فضل الامام و صفاتہ“ میں امام رضا کا ایک طویل خطبہ نقل کیا گیا ہے، اس میں اماموں کے فضائل و خصائص بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الامام المہتہر من الذنوب والمہربا عن العیوب

(اصول کافی صفحہ ۲۰۰ جلد ۱)

ترجمہ: ”امام، گناہوں سے پاک اور عیوب سے مبرا ہوتا ہے۔“

۲۔ آگے اسی خطبہ میں ہے:

فہو معصوم مؤید، موفق، مدد، قد امن من الخطایا والزلزل والعتلا، یصلہ اللہ بذلك لیكون حجته علی عباده۔

(اصول کافی ص ۲۰۳ ج ۱)

ترجمہ: ”پس وہ معصوم ہے، اس کو تائید و توفیق حاصل ہے اور اسے

سیدھی راہ پر رکھا جاتا ہے۔ اور وہ غلطی اور لغزش سے امن میں ہے۔ اللہ

تعالیٰ اس کو یہ خصوصیت اس لئے عطا فرماتے ہیں کہ اس کے بندوں پر رحمت

ہو۔“

۳۔ علامہ باقر مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامامہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

عصمتہم ولزوم عصمة الإمام علیہم السلام

”یعنی امام معصوم ہوتے ہیں۔ اور امام کو عصمت لازم ہے۔“

۴۔ اس باب میں ”عیون الاخبہر“ کے حوالے سے ایک مرفوع روایت نقل کی گئی ہے، جس کے آخر میں ہے:

۲۔ ن : ماجیلوہ و أحد بن علی بن ابراهیم و ابن نافعہ جیلاً عن علی بن
 ائیمہ عن محمد بن علی التمیمی قال : حدثنی سیدی علی بن موسی الرضا علیہ السلام عن
 آبائہ ^(۱) عن علی علیہ السلام عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال : من سرہ ان ینظر إلی القصب
 الیافوت الآخر الذی غرسہ اللہ عز و جل یند و ینکون منسکاً بہ فلیتول علیاً و
 الأئمة من وادہ ، فانہم خیرہ اللہ عز و جل و صلوٰتہ و ہم المعصومون من کل ذنب و
 خطیئة . ^(۲)

(بحار الانوار صفحہ ۱۹۳ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”..... اور وہ معصوم ہوتے ہیں ہر گنہ اور غلطی سے۔“

۵۔ اسی میں امام صادق کا قول نقل کیا ہے :

۸۔ ل : فی خبر الأئمة عن الصادق علیہ السلام : الأئمة و أوصیاءہم ^(۳) لا ذنوب لہم
 لأنہم معصومون مطہرون . ^(۴)

(بحار الانوار صفحہ ۱۹۹ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”..... انبیاء و اوصیاء پر گنہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم اور پاک
 ہیں۔“

۶۔ اسی باب میں مجلسی لکھتے ہیں :

اعلم أن الإمامیة رضی اللہ عنہم اتفقوا علی عصمة الأئمة علیہم السلام من الذنوب
 صغیرها و کبیرها ، فلا یقع منہم ذنب أصلاً لاعدداً ولا نسباً ولا لخطأ فی التأویل ، ولا
 للاساء من اللہ سبحانه ولم یخالف فیہ ^(۵) إلا الصدوق محمد بن بابویہ وشيخہ ابن الولید
 ورحمة اللہ علیہما ، فابتما جوڑا الاسماء من اللہ تعالیٰ لمصلحة فی غیر ما ینتقل بالتبلیغ
 و بیان الأحکام ، لا السهو الذی یکون من الشیطان

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۹ جلد ۲۵)

ترجمہ : ” جانتا چاہئے کہ ائمہ اس پر متفق ہیں کہ امام تمام چھوٹے بڑے
 گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ لہذا ان سے اصلاً کوئی گنہ نہیں ہو سکتا، نہ
 قصداً، نہ بھول کر، نہ تاویل میں غلطی کی وجہ سے، نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے
 ان کو بھلا دینے کی وجہ سے۔ اس نکتہ میں صرف شیخ صدوق محمد بن بابویہ نے
 اور ان کے شیخ ابن الولید نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے
 اس کو جائز رکھا ہے کہ ان پر کسی مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھول

ڈال دی جائے۔ بشرطیکہ اس بھول کا تعلق تبلیغ اور بیان احکام سے نہ ہو،
 لیکن جو بھول شیطان کی طرف سے ہوتی ہے وہ ائمہ سے ہرزاد نہیں
 ہو سکتی۔“

۷۔ اسی باب میں ”اعتقادات الصدوق“ سے نقل کیا ہے :

۶۲۔ عد : اعتقادنا فی الأنبیاء و الرسل و الأئمة ^(۱) علیہم السلام انہم معصومون
 مطہرون من کل دس ، و انہم لا یذبون ذنباً صغیراً و لا کبیراً ،
 (بحار الانوار صفحہ ۲۱۱ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”انبیاء و رسل اور ائمہ کے بارے میں ہمرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ
 معصوم اور ہر گنہ کی سے پاک ہوتے ہیں۔ اور ان سے کوئی چھوٹا بڑا گنہ سرزد
 نہیں ہو سکتا۔“

ائمہ کی بعض ایسی احادیث جن میں ائمہ نے صدور ذنب کی تصریح فرمائی ہے،
 ائمہ ان کی تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد ترک اوّلیٰ ہے، جس پر ان کی شان عصمت
 کے لحاظ سے گنہ کا اطلاق کیا گیا۔ مثلاً امام جعفر صادق کا ارشاد ہے :

۲۰۔ بن : الجوهري عن حبيب النعماني قال : سمعت أبا عبد الله علیہ السلام يقول :
 إنما الذنب وسمی ثم تنوب إلی اللہ متاباً .

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۷ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”بے شک ہم گنہ کرتے ہیں اور برائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر
 اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔“

اور امام جعفر کے صاحب زادہ امام ابو الحسن موسیٰ کاظم سجدہ شکر میں یہ دعا کیا
 کرتے تھے :

۱۶۔ سمف : فائدة منية : كنت أرى الدعاء الذي كن يقولہ أبو الحسن ^(۲)
 علیہ السلام فی سجدة الشکر و هو : رب عینک بلسانی و لوشت و عزتک لأخیرمتنی
 و عینک بصری و لوشت و عزتک لأکھمتنی ^(۳) و عینک بسمعی و لوشت و عزتک
 لأصمتنی ، و عینک یدی و لوشت و عزتک لکتمتني ^(۴) و عینک بفرجی و

لَوْ شِئْتَ وَعَزَّ نَفْسُكَ لَأَعْمَتَنِي ، وَهَبْتَكَ بَرَجَلِي وَ لَوْ شِئْتَ وَعَزَّ نَفْسُكَ لَأَعْمَتَنِي ، وَهَبْتَكَ
جَمِيعَ جَوَارِحِي الَّتِي أَمْسَتْ بِهَا عَلِيٌّ وَلَمْ يَكُنْ هَذَا جِزَاءً مَعْنِي

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”اے پروردگار! میں نے اپنی زبان سے تیری نافرمانی کی۔ آپ کی عزت کی قسم! اگر آپ چاہتے تو مجھے گونگا کر دیتے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تیری نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے اندھا کر دیتے۔ اور میں نے اپنے کانوں سے تیری نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے بھرا کر دیتے۔ اور میں نے اپنے ہاتھوں سے تیری نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے لٹھا کر دیتے۔ اور میں نے اپنی شرم گاہ کے ساتھ تیری نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے نامرد بنا دیتے۔ اور میں نے اپنے پاؤں سے آپ کی نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے اپانچ کر دیتے۔ اور میں نے اپنے تمام اعضا کے ساتھ جن کا آپ نے مجھ پر انعام فرمایا، آپ کی نافرمانی کی، لیکن آپ نے مجھے یہ سزائیں نہیں دیں۔“

اسی طرح دیگر اکابر سے ان کی مناجاتیں اور دعائیں، جو انہیں مضامین کی منقول ہیں، امامیہ کے نزدیک سب مؤول ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح ان کی عصمت قطعی ہے۔

دوسرا عقیدہ: امام، انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح منصوص من اللہ ہوتے ہیں

۱۔ امامیہ کا یہ عقیدہ بھی ہر امامی کو سورۃ فاتحہ کی طرح حفظ ہے۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿مَنْ مَنِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُولُهُ عَلَى الْاٰلَمَةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاحِدًا فَوَاحِدًا﴾

ترجمہ: ”یعنی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اماموں

پر یکے بعد دیگرے ایک ایک پر نص فرمائی ہے۔“

اس کے بعد صفحہ ۲۹۲ سے صفحہ ۳۲۸ تک بارہ اماموں کی نص کے الگ الگ باب

قائم کئے ہیں۔ امامیہ کی منطق یہ ہے کہ چونکہ امام معصوم ہوتا ہے اور چونکہ عصمت ایک معنوی چیز ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ہے لہذا ضروری ہے کہ امام منصوص من اللہ بھی ہو۔

۲۔ صدوق محلی الاخبار میں لکھتے ہیں:

وَإِنَّا وَجِبَ أَنْ يَكُونَ مَعْمُومًا بَطْلَ أَنْ يَكُونَ هُوَ الْاٰمَّةُ لَمَّا يَتَنَا مِنْ اخْتِلَافِهَا فِي نَاقِلِ الْفَرَّانِ وَالْاٰخِبَارِ وَتَنَازُعِهَا فِي ذَلِكَ وَمِنْ اِكْتِفَارِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ ، وَإِنَّا نَبْتَ ذَلِكَ وَجِبَ أَنْ يَكُونَ الْمَعْمُومُ هُوَ الْوَاحِدُ الَّذِي ذَكَرْنَا هُوَ الْاِمَامُ ، وَقَدْ لَدَلْنَا عَلَى أَنَّ الْاِمَامَ لَا يَكُونُ إِلَّا مَعْمُومًا ، وَأَدَبْنَا أَنَّهُ إِذَا وَجِبَتِ الْعَصْمَةُ فِي الْاِمَامِ لَمْ يَكُنْ بَدْعًا مِنْ أَنْ يَنْصُ

النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَنَّ الْعَصْمَةَ لَيْسَتْ فِي ظَاهِرِ الْخَلْقَةِ فَيَعْرِفُهَا الْخَلْقُ بِالْمُشَاهَدَةِ فَوَاجِبٌ (۱)
أَنْ يَنْصُ عَلَيْهِمَا عَلَامُ الْغُيُوبِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، وَذَلِكَ لِأَنَّ الْاِمَامَ لَا يَكُونُ إِلَّا مَعْمُومًا عَلَيْهِ ، وَقَدْ صَحَّ لَنَا النَّصُّ بِمَا يَنْبَغُ مِنَ الْحَجَجِ وَمَا رَوَيْنَاهُ مِنَ الْاٰخِبَارِ الصَّحِيحَةِ (۲) .

(بحار الانوار صفحہ ۱۹۸ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”ہم بتا چکے ہیں کہ صرف معصوم ہی امام ہو سکتا ہے، اور جب امام کے لئے عصمت ضروری ہوئی تو یہ بھی لازم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نص فرمائیں، کیونکہ عصمت کوئی ظاہری اور محسوس چیز تو نہیں کہ مخلوق اس کو مشاہدہ سے پہچان لے۔ پس واجب ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس پر نص فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے اور جو دلائل اور اخبار صحیحہ ہم بیان کر چکے ہیں ان کے ذریعہ ہمارے لئے نص صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے۔“

۳۔ اس مضمون کی ایک روایت بھی امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

۵۔ مع: أحمد بن محمد بن عبد الرحمن المنفري عن محمد بن جعفر المنفري عن محمد بن الحسن الموصلي عن محمد بن عاصم الطريقي عن عباس بن يزيد بن الحسن النكحاني عن أبيه عن موسى بن جعفر عن أبيه عن جده عن علي بن الحسين عليه السلام قال: الإمام منّا لا يكون إلا معصوماً ، وليست العصمة في ظاهر الخلقة فيعرف بها ، ولذلك لا يكون إلا معصوماً .
(بحار الانوار صفحہ ۱۹۲ جلد ۱)

ترجمہ:..... ہم میں سے امام صرف معصوم ہو سکتا ہے۔ اور عصمت ظاہری
بیوث میں تو ہوتی نہیں کہ اس کو پہچانا جائے۔ پس امام کا مخصوص ہونا ضروری
ہوا۔

تیسرا عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کی طرح اناموں پر بھی ایمان لانا فرض ہے اور
ان کا انکار کفر ہے

جو شخصیت حق تعالیٰ شلہ کی جانب سے منصوص و مبعوث ہو ظاہر ہے کہ اس پر
ایمان لانا فرض ہو گا اور اس کا انکار کفر ہو گا۔ چنانچہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ جس طرح
انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے،
اسی طرح بارہ اماموں پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور ان میں سے کسی کا انکار بھی کفر ہے۔
ان کی کتابوں میں اس کی بے شمار تصریحات ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند حوالے ملاحظہ
فرمائیے:

۱۔ اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے:

إِنَّ الْأئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نُورُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ .

ترجمہ:..... ائمہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا نور ہیں۔

اس کے ذیل میں اپنی سند کے ساتھ ابو خلدہ کابلی کی روایت نقل کی ہے

الحسين بن محمد، عن معلى بن محمد، عن علي بن مرداس قال: حدثنا صفوان

ابن يحيى والحسن بن محبوب، عن أبي أيوب، عن أبي خالد الكابلي قال: سألت أبا

جعفر عليه السلام عن قول الله عز وجل: "وَأَمَّا نُرُوحُ رُسُلِنا فَأَنزَلْنَاهَا فِي رُسُلِنا" (۱)

فقال: يا أبا خالد النور والله الأئمة من آل محمد عليهم السلام إلى يوم القيامة، وهم والله

نور الله الذي أنزل، وهم والله نور الله في السموات وفي الأرض،

(بحار الانوار صفحہ ۱۹ جلد ۱)

"میں نے امام ابو جعفر سے حق تعالیٰ کے ارشاد: فَأَنزَلْنَاهَا فِي رُسُلِنا باللہ و

رسوله والنور الذي أنزلنا (یعنی ایمان لواللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس

نور پر جو ہم نے نازل کیا) کے بارے میں سوال کیا کہ (آیت شریفہ میں جس

نور پر ایمان لانے کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟) تو امام نے فرمایا:

"ابو خلدہ! اللہ کی قسم! نور سے مراد وہ ائمہ ہیں جو قیامت تک
آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں گے۔ اللہ کی قسم! یہی نور ہے جو اللہ نے
نازل فرمایا۔ اللہ کی قسم یہی ائمہ اللہ کا نور ہیں، آسمانوں اور زمینوں
میں۔"

۲۔ علامہ مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامتہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

✽ (تأويل المؤمنين و الايمان و المسلمين و الاسلام بهم و بولايتهم) ✽

✽ (عليهم السلام، والكفار و المشركين و الكفر و الشرك و الجبت) ✽

✽ (و الطاغوت و اللات و العزى و الاصنام باعدائهم و مخالفهم) ✽

(بحار الانوار صفحہ ۵۳ جلد ۲۳)

ترجمہ: "مؤمنین اور ایمان اور مسلمین اور اسلام کی تاویل ائمہ اور ائمہ کی

ولایت ہے۔ اور کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزی

اور اصنام (بتوں) سے مراد ان کے دشمن اور مخالف ہیں۔"

موصوف نے اس باب میں سو روایتیں نقل کی ہیں، جن میں قرآن کریم کی
آیات کو مسخ کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایمان و اسلام "ولایت ائمہ" کا نام ہے۔ اس
پر ایمان رکھنے والے مومن اور مسلمان ہیں۔ اور جو لوگ شیعوں کی اس اصطلاحی ولایت
کے (جس کا موجد اول عبد اللہ بن سہاتہ) قائل نہیں، ان کا نام لے لے کر ان کو پیٹ
بھر کر کافر و مشرک، جبت و طاغوت، لات و عزی اور اصنام کہا ہے۔

۳۔ اس باب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

الذليل: اعلم أن إطلاق لفظ الشرك والكفر على من لم يعتقد إمامة أمير

المؤمنين والأئمة من ولده عليه السلام و... نزل عليهم غيرهم يدل على أنهم كفار مخلدون

في النار، وقد مر الكلام فيه في أبواب المعاد، وسبأني في أبواب الإيمان والكفر

إنشاء الله تعالى.

(بحار الانوار صفحہ ۳۹۰ جلد ۲۳)

ترجمہ: "جاننا چاہئے کہ جو شخص امیر المؤمنین کی اور ان کی اولاد میں سے

گیارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اور دوسروں کو ان سے افضل کہتا ہو

اس پر کفر و شرک کا لفظ بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سب کافر ہیں جو

بیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ یہ مسئلہ ابواب معلو میں بھی گزر چکا ہے۔ اور

ابواب الایمان والکفر میں بھی آئے گا۔ انشاء اللہ۔

۴۔ شیخ مفید "کتاب المسائل" میں لکھتے ہیں کہ:

قال الشيخ المفيد قدس الله روحه في كتاب المسائل: اتفقت الإمامية على أن من أنكر إمامة أحد من الأئمة وجحد ما أوجبه الله تعالى له من فرض الطاعة فهو كافر ضال مستحق للخلود في النار. (بخار الانوار... صفحہ ۳۹۰ ج ۲۳)

ترجمہ: "امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص ائمہ میں سے کسی امام کی امامت کا انکار ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جو طاعت فرض کی ہے اس کا قائل نہ ہو وہ کافر ہے، گمراہ ہے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہے۔"

۵۔ شیخ مفید دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

وقال في موضع آخر: اتفقت الإمامية على أن أصحاب البدع كلهم كفار وأن على الإمام أن يستنبيهم عند التمكن بعد الدعوة لهم، وإقامة البيئات عليهم فإن تابوا من بدعهم وصاروا إلى التوب وإلا قتلهم لردتهم عن الإيمان، وأن من مات منهم على ذلك فهو من أهل النار. (بخار الانوار... صفحہ ۳۹۰ ج ۲۳)

ترجمہ: "امامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام اہل بدعت کافر ہیں۔ امام پر لازم ہے کہ اگر وہ قلابوں میں آجائیں تو ان کو دعوت دینے اور ان پر حجت قائم کرنے کے بعد ان سے توبہ کروائے۔ اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کر لیں اور راہِ راست پر آجائیں تو ٹھیک، ورنہ ان کو ایمان سے مرتد ہونے کی بنا پر قتل کرو۔ اور یہ کہ جو عقیدہ امامت کو چھوڑ کر مرے گا وہ جہنمی ہے۔"

چوتھا عقیدہ: ائمہ کی غیر مشروط اطاعت بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فرض ہے:

جب شیعہ عقیدہ کے مطابق امام، معصوم اور منصوص من اللہ ٹھہرے اور جب ان پر ایمان لانے والے مسلمان اور ان کو منصوص من اللہ نہ ماننے والے کافر و مشرک اور جبت و طاغوت قرار پائے تو اس سے از خود نتیجہ بھی نکل آیا کہ جس طرح مسلمانوں کے

نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت فرض ہے، شیعوں کے نزدیک ٹھیک اسی طرح بارہ اماموں کی بھی غیر مشروط اطاعت فرض اور اس سے انحراف کفر ہے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے:

باب فرض طاعة الأئمة یعنی "اس کا بیان کہ ائمہ کی طاعت فرض ہے۔" اس باب میں سترہ روایتیں درج کی ہیں۔ ان میں سے تین روایتیں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ الحسين بن محمد الأشعري، عن معلى بن عبد، عن الحسن بن علي الوشاء، عن أبيان بن عثمان، عن أبي الصباح قال: أشهد أنني سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول: أشهد أن علياً إمام فرض الله طاعته وأن الحسن إمام فرض الله طاعته وأن الحسين إمام فرض الله طاعته وأن علي بن الحسين إمام فرض الله طاعته. (اصول کافی... صفحہ ۱۸۶ جلد ۱)

ترجمہ: "امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی بن حسین اور حضرت محمد بن علی (رضی اللہ عنہم) یہ سب امام مقرر فرمائے گئے ہیں۔"

۲۔ عدة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد، عن عبد بن سنان، عن أبي خالد القماط، عن أبي الحسن المطار قال: سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول: أشرك بين الأوصياء والرسل في الطاعة. (اصول کافی... صفحہ ۱۸۶ جلد ۱)

ترجمہ: "امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اوصیاء اور رسولوں کے درمیان طاعت میں شراکت رکھی ہے۔"

۳۔ علي بن إبراهيم، عن صالح بن السندي، عن جعفر بن بشير، عن أبي سلمة، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: سمعته يقول: نحن الذين فرض الله طاعتنا، لا يسع الناس إلا معرفتنا ولا يعمد الناس بجهالنا، من عرفنا كان مؤمناً، ومن أنكرنا كان كافراً، ومن لم يعرفنا ولم ينكرنا كان ضالاً حتى يرجع إلى الهدى الذي افترض الله عليه من طاعتنا الواجبة فإن يمت على صلالته يفعل الله به ما يشاء.

(اصول کافی... صفحہ ۱۸۷ جلد ۱)

ترجمہ: "اہم جعفرؑ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ہماری طاعت فرض کی ہے۔ لوگوں کو ہماری معرفت کے بغیر چارہ نہیں اور ہم کو نہ جاننے کے بارے میں لوگ معذور نہیں۔ جس نے ہم کو پہچانا وہ مومن اور جو ہم سے منکر ہوا وہ کافر اور جس نے ہمارا حق نہ پہچانا اور منکر بھی نہ ہوا وہ گمراہ، یہاں تک کہ اس ہدایت کی طرف لوٹ آئے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے۔ یعنی ہماری اطاعت جو واجب ہے، اگر وہ اپنی گمراہی پر مرا تو اللہ تعالیٰ اس سے جو معاملہ چاہے کرے۔"

پانچواں عقیدہ: اماموں کے معجزے

انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا کئے جاتے ہیں جو ان کی نبوت کی دلیل ہوا کرتے ہیں۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات دیئے جاتے ہیں اسی طرح اماموں کو بھی دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار کتاب الامتہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

﴿انهم يقدرون على احياء الموتى و ابراء الاكمه والابرص﴾

﴿و جميع معجزات الانبياء عليهم السلام﴾

ترجمہ: "یعنی ائمہ مردوں کو جلائے کی، مادر زائدہ سے اور مبروص کو چنگا

کرنے کی اور انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزوں کی قدرت رکھتے ہیں۔"

اس باب کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیے:

۴۔ ۱۔ یزید بن محمد عن عمر بن عبد العزيز عن محمد بن الفضل عن الثمالی عن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ قال: قلت له: أسألك جعلت فداك عن ثلاث خصال أنبياء عيسى فيه ^(۱) للثبوت، قال: فقال: ذلك لك، قلت: أسألك عن فلان وفلان، قال: فليهما لعنة الله بلعنانه كلهما، ما نأله الله و هما كافر بن مشركين ^(۲) بالله العظيم.

ترجمہ: "قلت: الأنبياء يحيون الموتى ويبرؤون الأكمه والابرص ويمشون على الماء؟ قال: ما أعطى الله نبياً شيئاً قط إلا وقد أعطاه محمداً صلی اللہ علیہ وسلم، وأعطاه ما لم يكن عندهم، قلت: وكل ما كان عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقد أعطاه أمير المؤمنين عليه السلام؟ قال: نعم،

ثم الحسن والحسين ثم من بعدك" امام اماماً إلى يوم القيامة، مع الزيادة التي تحدث في كل سنة وفي كل شهر، أي والله ^(۳) في كل ساعة ^(۴)

(بحار الانوار صفحہ ۲۹ جلد ۲)

ترجمہ: "بصائر الدرجات میں ثمالی سے روایت ہے کہ میں نے امام زین العابدینؑ سے کہا کہ میں آپ سے تین باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ازراہ کرم! مجھ سے تفتیہ نہ کیجئے۔ فرمایا، ٹھیک ہے۔ میں نے کہا، میں آپ سے فلاں اور فلاں (یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ فرمایا، ان پر اللہ کی تمام نعمتیں ہوں۔ اللہ کی قسم! وہ دونوں کافر و مشرک مرے۔

"پھر میں نے کہا، کیا امام مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ مادر زائدہ سے اور مبروص کو چنگا کرتے ہیں؟ اور پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کسی وقت جو معجزہ بھی دیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ معجزے بھی دیئے جو کسی نبی کو نہیں دیئے تھے۔ میں نے کہا، اور جتنے معجزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، وہ سب امیر المومنین کو دے دیئے؟ فرمایا ہاں! پھر حسن کو، پھر حسین کو، پھر ان کے بعد ہر امام کو قیامت تک، مع ان زائدہ معجزات کے جو ہر سال میں ہر مہینے میں، نہیں بلکہ اللہ کی قسم! ہر گھڑی میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

۳۔ ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ان عندهم الاسم الاعظم و به يظهر منهم الغراب﴾

یعنی "ائمہ کے پاس اسم اعظم ہوتا ہے جس سے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں۔"

اس باب کی پہلی روایت:

۱۔ محمد بن یحییٰ و غیرہ، عن أحمد بن محمد، عن علي بن الحكم، عن محمد بن الفضل قال: أخبرني شريس الوائلي ^(۱)، عن جابر، عن أبي جعفر عليه السلام قال: إن اسم الله الأعظم على ثلاثة وسبعين حرفاً وإنما كان عند آصفحنها حرف واحد فتكلم به فحذف بالأرض ما بينه وبين سرير بلقيس حتى تناول السرير بيده ثم عادت الأرض كما كانت أسرع من طرفه عين ونحن عندنا من الاسم الأعظم اثنتان وسبعون حرفاً، وحرف واحد عند الله تعالى استأثر به في علم الغيب عنده، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم

ترجمہ: "جابر جعفی امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ۷۳ حروف ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کے پاس اس کا صرف ایک حرف تھا، انہوں نے وہ ایک حرف پڑھا تو ان کے درمیان اور بقیہ کے تحت کے درمیان کی زمین سمٹ گئی، یہاں تک کہ انہوں نے تخت کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اور پھر زمین اپنی حالت پر ہو گئی۔ اور یہ سب کچھ (اسم اعظم کے ایک حرف کی بدولت) صرف آنکھ جھپکنے کے وقفہ میں ہو گیا اور ہمارے پاس اسم اعظم کے ۷۳ حروف ہیں۔ (اب ہمدانی معجزہ نمائی کا خود اندازہ کر لو) اور اسم اعظم کا ایک حرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس خزانہ غیب میں رکھا ہے۔"

اسی باب کی دوسری روایت:

۲۔ عہد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد، عن الحسين بن سعيد و محمد بن خالد، عن زكريا بن عمران القمي، عن هارون بن الجهم، عن رجل من أصحاب أبي عبد الله عليه السلام لم أحفظ اسمه قال: سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول: إن عيسى ابن مريم عليه السلام أعطى حرفين كان يعمل بهما وأعطى موسى أربعة أحرف، وأعطى إبراهيم ثمانية أحرف، وأعطى نوح خمسة عشر حرفاً، وأعطى آدم خمسة وعشرين حرفاً، وإن الله تعالى جمع ذلك كله لمحمد ﷺ وإن اسم الله الأعظم ثلاثة وسبعون حرفاً، أعطى محمداً ﷺ اثنين وسبعين حرفاً وحجب عنه حرف واحد.

(اصول کافی صفحہ ۲۳۰، جلد ۱)

ترجمہ: "امام صادق فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اسم اعظم کے دو حرف دیئے گئے تھے۔ جن کو وہ کام میں لاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو چار حروف، ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ حروف، نوح علیہ السلام کو پندرہ حروف اور آدم علیہ السلام کو بیس حروف دیئے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سارے حروف جمع کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ۷۳ حروف ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ۷۲ دیئے اور ایک حرف ان سے بھی پردے میں رکھا گیا۔"

۳۔ ایک باب کا عنوان ہے:

ترجمہ: "ائمہ کے لئے بادل سحر تھے اور اسباب میسر تھے۔"

اس باب کی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے:

۲۔ مختص: ابن عیسیٰ عن الحسين بن سعيد عن عثمان بن عیسیٰ عن سماعة او غيره عن أبي بصير عن أبي جعفر عليه السلام قال: إن علياً عليه السلام ملك ما فوق الأرض وما تحتها، فمرست له سحابتان إحداهما الصعبة والأخرى الذلول، وكان في الصعبة ملك مانعت الأرض وفي الذلول ملك ما فوق الأرض، فاختر الصعبة على الذلول فدارت به سبع أرضين فوجد ثلاثاً خراباً وأربعة عواصر^(۳).

(مجلد الانوار صفحہ ۳۲ جلد ۲)

ترجمہ: "ابو بصیر امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ زمین کے اوپر کے اور نیچے کے ملک ہوئے تو آپ کے سامنے دو بادل پیش ہوئے۔ ایک دشوار، دوسرا آسان۔ دشوار میں زمین کے نیچے کی حکومت تھی اور آسان میں زمین کے اوپر کی۔ پس آپ نے آسان کے بجائے دشوار کو اختیار کیا۔ پس وہ آپ کو لے کر سات زمینوں میں گھوما۔ پس آپ نے تین زمینوں کو بے آباد پایا اور چل کر آباد۔"

۵۔ علاوہ ازیں ائمہ کے معجزات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رتہ، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، سلیمان علیہ السلام کی انگشتری، اور بنو اسرائیل کا تابوت سیکھنے بھی رہتا ہے۔ (اصول کافی ص ۲۳۳ ج ۱)

۶۔ علامہ مجلسی شیخ مفید سے نقل کرتے ہیں:

قاعدة: قال الشيخ المفيد في كتاب المسائل: فأنما ظهور المعجزات عنى الأئمة والأعلام فأنه من الممكن الذي ليس بواجب عقلاً ولا بمنع قياساً، وقد جاءت بكونه منهم كالمعجزات الأخبار على الظاهر والانتشار، فقطعت عليه من جهة السمع وصحبح الآثار، ومعنى في هذا الباب جمهور أهل الإمامة، وبنو نوبخت تغالف فيه وأباه... (مجلد الانوار صفحہ ۳۱ جلد ۲)

ترجمہ: "شیخ مفید کتاب المسائل میں لکھتے ہیں، رہا ائمہ کے ہاتھ پر معجزات کا ظاہر ہونا تو یہ چیز ممکن ہے کہ نہ عقل کی رو سے واجب ہے اور نہ قیاس کی رو سے ممتنع ہے، اور ائمہ سے معجزات کے ظہور میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لہذا میں بوجہ منقول کے اور صحیح آئمہ کے اس کا قطعی عقیدہ رکھتا

ہوں۔ اور میرے ساتھ اس مسئلہ میں جمہور ائمہ ہیں اور بنو نوحخت اس کے خلاف ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں۔

۷۔ امام مجلسی شیخ مفید کی عبارت نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ ان الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں:

والحق "أن المعجزات الجارية على أيدي غير الأئمة عليهم السلام من أصحابهم ولو أنهم إنما هي معجزاتهم كالصلاة عظمى على أيدي أولئك السلفاء لبيان صدقهم، وكلامه رحمه الله أبشاً لا يأتي عن ذلك ومذهبه النويختية، هنا في غابة السخافة والغرابة (بحار الانوار..... صفحہ ۳۱ جلد ۲۷)

ترجمہ: "اور حق یہ ہے کہ جو معجزات ائمہ کے علاوہ دوسرے لوگوں، یعنی ان کے اصحاب اور تابعین کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بھی ائمہ ہی کے معجزات ہیں، جو ان کے نمائندوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں ان کے صدق کو بیان کرنے کے لئے اور شیخ مفید کا کلام بھی اس کی نفی نہیں کرتا۔ اور نويختیوں کا مذہب اس مسئلہ میں نہایت سخیف اور غریب ہے۔"

چہنشا عقیدہ: ائمہ پر وحی کا نزول

امامیہ کا عقیدہ ہے کہ ائمہ میں "روح القدس" ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ عرش سے تحت الثریٰ تک کی ساری چیزیں جانتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ "باب فیہ ذکر الارواح الباقی فی الائمة علیہم السلام" میں جابر سے روایت ہے کہ:

"میں نے امام باقرؑ سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

جابر! انبیاء و اوصیاء میں پانچ روحيں ہوتی ہیں۔

۱۔ روح الشہوة ۲۔ روح الامیان ۳۔ روح الحیات ۴۔ روح القوة ۵۔ روح القدس۔ پس اے جابر! وہ روح القدس کے ذریعہ ماتحت العرش سے ماتحت الثریٰ تک سب کچھ پہنچاتے ہیں۔ اور پہلی چار روحوں کو حوادث زمانہ لاحق ہو سکتے ہیں مگر روح القدس ہر وقت واجب کا شکر نہیں ہوتی۔"

(اصول کافی..... صفحہ ۲۷۲، جلد ۱)

اس کے بعد مفضل بن عمر کی روایت نقل کی ہے انہوں نے امام جعفرؑ سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچ روحيں تھیں۔ مندرجہ بالا پانچ روحوں کا ذکر کرنے کے بعد روح القدس کے بارے میں فرمایا:

۳۔ الحسين بن عمار، عن المعلى بن عمار، عن عبد الله بن إدريس، عن عمار بن سنان، عن الفضل بن عمر، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: سألت عن علم الإمام بما في أقطار الأرض وهو في بيته مرخي عليه منبره، فقال: وروح القدس فيه حل النبوة فإذا قبض النبي عليه انتقل روح القدس فصار إلى الإمام، وروح القدس لا ينم ولا يغفل ولا يلهو ولا يزهو (۱) والأربعة الأرواح تنام وتغفل وتزهو وتلهو، وروح القدس كان يرى به (۲)

(اصول کافی..... صفحہ ۲۷۲ جلد ۱)

ترجمہ: "اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روح القدس کی وجہ ہی سے حامل

نبوت تھے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو روح القدس

امام کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور روح القدس نہ سوتی ہے، نہ غافل ہوتی ہے نہ

بھولتی ہے اور نہ غلطی میں پڑتی ہے۔ بقی چار روحيں ان چیزوں میں مبتلا

ہو جاتی ہیں اور روح القدس کی وجہ سے امام عرش سے فرش تک سب کچھ

دیکھتا ہے۔"

اس باب کے متصل ایک اور باب کا عنوان ہے۔ "الروح الذي يسدّد الله بها

الأئمة عليهم السلام" (یعنی اس روح کا ذکر جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ائمہ کو رولہ راست پر

رکھتے تھے) اس باب کی پہلی روایت میں ہے

۱۔ عذرة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد، عن الحسين بن سعيد، عن النضر بن

سويد، عن يحيى الحلبي، عن أبي الصباح الكناني، عن أبي بصير قال: سألت أبا عبد الله

عليه السلام عن قول الله تبارك وتعالى: "و كذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا ما كنت

تدري ما الكتاب ولا الإيمان" قال: خلق من خلق الله عز وجل أعظم من جبرئيل

وعيكائيل، كان مع رسول الله ﷺ يخبره ويسدّد به وهو مع الأئمة من بعده.

(اصول کافی..... صفحہ ۲۷۲ جلد ۱)

کہ ابو بصیر نے امام جعفر صادق سے ارشاد فرمایا کہ "و كذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الإيمان" کے بارے میں سوال کیا تو امام نے فرمایا:

”یہ روح ایک مخلوق ہے جو جبریل و میکائیل سے بڑی ہے۔ یہ روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبریں دیتی تھی اور آپ کو راہ راست پر رکھتی تھی۔ یہ روح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ کے ساتھ رہا کرتی ہے۔“
دوسری روایت میں ہے:

۲- محمد بن یحییٰ، عن محمد بن الحسین، عن علی بن اسباط، عن اسباط بن سالم قال: سأله رجل من أهل هيت (۱) - وأنا حاضر - عن قول الله عز وجل: «وَكذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا» فقال: منذ أنزل الله عز وجل ذلك الروح على محمد ﷺ ماصعد إلى السماء وإنه لفينا.

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳، جلد ۱)

ترجمہ: ”جب سے اللہ تعالیٰ نے اس روح کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا وہ کبھی آسمان پر نہیں چڑھی اور وہ ہم میں ہے۔“
تیسری روایت میں ہے:

۳- علی بن ابراہیم، عن محمد بن عیسیٰ، عن یونس، عن ابن مسکن، عن أبي بصير قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام عن قول الله عز وجل: «وَيَأْتِيكَ الرُّوحُ قُلُوبُ الرُّوحِ مِنْ أَمْرِ رَبِّي» (۲)، قال: خلق أعظم من جبرئيل وميكائيل، كان مع رسول الله ﷺ وهو مع الأئمة، وهو من الملكوت.

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳، جلد ۱)

ترجمہ: ”یہ روح ایک مخلوق ہے جو جبریل اور میکائیل سے بڑی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھی اور وہی ائمہ کے ساتھ رہا کرتی ہے اور وہ ملکوت سے ہے۔“

چوتھی روایت میں ہے:

قال: خلق أعظم من جبرئيل وميكائيل، لم يكن مع أحد من مضي، غير محمد ﷺ وهو مع الأئمة يسددهم، وليس كل ما طلب وجد.

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳، جلد ۱)

ترجمہ: ”یہ روح جو جبریل و میکائیل سے بڑی مخلوق ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ گزشتہ لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں رہتی تھی اور یہ ائمہ

کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ ان کو راہ راست پر رکھتی ہے اور ایسا نہیں کہ جو چیز طلب کی جائے وہ مل بھی جائے۔“

اصول کافی کتاب الحجج میں ایک باب کا عنوان ہے:

❖ (أن الأئمة معدن العالم و شجرة النبوة ومختلف الملائكة) ❖
(اصول کافی صفحہ ۲۲۱، جلد ۱)

ترجمہ: ”ائمہ، علم کا معدن اور نبوت کا درخت ہیں اور ان کے پاس

فرشتوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔“

اس میں بھی جانا امیر المومنین، امام علی بن حسین اور امام جعفر صادق کے اقوال اسی مضمون کے نقل کئے ہیں۔

مجلسی کی بحار الانوار میں اسی مضمون کا ایک باب ہے:

❖ (ان الملائكة نائمهم ونظائرهم وانهم يرونهم) ❖

❖ (صلوات الله عليهم اجمعين) ❖

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ملائکہ ائمہ کے پاس آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور

ائمہ، فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔“

اس باب میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ دیگر فرشتوں کے علاوہ جبریل علیہ السلام ائمہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

علامہ باقر مجلسی نے بحار الانوار کے باب ”جہات علوم“ اور دیگر ابواب میں بھی بے شمار روایات اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ فرشتے ائمہ کو علوم القاء کرتے تھے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

۱- یونس بن الحسن بن علی عن غنبة عن ابراهيم بن محمد بن حمران عن أبيه و محمد بن أبي حمزة عن سفیان بن السمط قال: حدثني أبو الخير (۱) قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام إني سألت عبد الله بن الحسن فزعم أن ليس فيكم إمام فقال: بلى والله يا ابن النجاشي إن فينا لمن ينكت في قلبه و يوقر في أذنه و يصفحه الملائكة قال قلت: فيكم؟ قال إي والله فينا اليوم إي والله فينا اليوم ثلاثاً. (۲)

(بحار الانوار صفحہ ۵۹، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابوالخیر کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ میں نے عبد اللہ بن حسنؑ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم میں کوئی امام نہیں ہے۔ یہ سن کر امام صادقؑ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص (یعنی امام) موجود ہے جس کے دل میں کلام القاء کیا جاتا ہے، جس کے کانوں میں کلام ڈالا جاتا ہے اور جس سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔ میں نے تعجب سے کہا، تم میں؟ فرمایا ہاں! اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص آج بھی موجود ہے۔ تین ہادی کی بات دہرائی۔“

۳۔ یرو: إبراہیم بن ہاشم عن محمد بن الفضل أو محمد بن رواح عن محمد بن الفضل قال: قلت لأبي الحسن علیہ السلام: روينا عن أبي عبد الله علیہ السلام أنه قال: إن علمنا غابر و مزبور و بكت في القلب و نقر في الأسماع قال: أما الغابر فما نفد من علمنا، وأما المزبور فما يأتينا، و أما النكت في القلوب فإلهام، و أما النقر في الأسماع فإلهام من الملك. (۱)

ترجمہ: ”امام صادقؑ نے فرمایا، ہمارا علم چار قسم کا ہے۔ ایک گزشتہ، ایک لکھا ہوا، ایک دل میں القاء ہونا اور ایک کانوں میں ڈالنا۔ گزشتہ سے مراد وہ علم ہے جو ہمیں پہلے حاصل ہو چکا، لکھے ہوئے سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس نیا تازہ آتا ہے، دل میں القاء سے مراد ہے الہام اور کانوں میں ڈالنے سے مراد ہے فرشتہ (جو ہمارے کانوں میں کلام القاء کرتا ہے)۔“

۳۔ و روی زرارة عن أبي عبد الله علیہ السلام قال: قلت: كيف يعلم أنه كان الملك ولا يخاف أن يكون من الشيطان إذا كان لا يرى الشخص؟ قال: إنه يلقي عليه السكينة فيعلم أنه من الملك، ولو كان من الشيطان اعتراه فزع، (۲) وإن كان الشيطان - يا زرارة - لا يتعرّض لصاحب هذا الأمر. (۳)

ترجمہ: ”زرارہ کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے کہا کہ آپ لوگوں کو کیسے پتا چلتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے (جو آپ کے کان میں باتیں کرتا ہے) اس کا اندیشہ کیوں نہیں کہ وہ شیطان ہو؟ کیونکہ اس کی شخصیت تو نظر آتی نہیں۔ فرمایا، امام پر سکینت ڈالی جاتی ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے، اگر شیطان آتا تو گھبراہٹ ہوتی، میں زرارہ! امام کے پاس شیطان نہیں آ سکتا۔“

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر نبی کے کشف والہام اور روایات صادقہ کے اہل سنت بھی قائل ہیں، لیکن نبی اور غیر نبی کے کشف والہام اور خواب میں دو وجہ سے فرق ہے۔ اول یہ کہ نبی کا کشف والہام اور خواب وحی قطعی ہے۔ اس میں اشتباہ و التباس کی گنجائش نہیں۔ جبکہ غیر نبی کا کشف والہام اور خواب قطعی نہیں، بلکہ ظنی ہے۔ اس میں اشتباہ و التباس کی بھی گنجائش ہے اور شیطان کی دغل اندازی کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے جب تک اسے میزان شرع میں تول کر نہ دیکھا جائے، تب تک اس کا قبول کرنا اور اس پر اعتماد و وثوق کرنا جائز نہیں۔

دوم یہ کہ نبی کا کشف والہام بھی اور خواب بھی حجت ملزمہ ہے، اس پر ایمان لانا لازم ہے، اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، جبکہ غیر نبی کا کشف والہام اور خواب حجت شرعیہ نہیں۔ نہ لوگ اس پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ بلکہ خود صاحب کشف والہام کے لئے بھی اس پر عمل کرنا شرعاً فرض نہیں۔

حضرات امامیہ کے نزدیک ائمہ کو جو علوم، فرشتوں کے القاء، کشف والہام اور خواب وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، ان کا درجہ وہ نہیں جو اہلسنت کے غیر نبی کے کشف والہام وغیرہ کا ہے، بلکہ ان کا درجہ بعینہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وحی مقدسہ کا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ائمہ سمونسیان اور غفلت و اشتباہ سے معصوم اور منزہ ہیں، اس لئے ان کی وحی انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کی طرح قطعی و یقینی اور ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔ اور چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح واجب الطاعت ہیں اس لئے ان کی وحی حجت قطعہ بھی ہے اور حجت شرعیہ بھی۔ علامہ مجلسی کی ایک عبارت ”عصمت“ کے ذیل میں نقل کر چکا ہوں۔ اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ ایک اور عبارت یہاں پیش کرتا ہوں۔ وہ بحار الانوار کتاب الاماتہ ”باب ننبی السمو عنہم علیہم السلام“ کی روایت (۳) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

یہاں: فبعضی القول فی المجلد السادس فی عصمتہم علیہم السلام عن السمو والنسیان و جملة القول فیہ أن أصحابنا الامامیة أجمعوا علی عصمة الأنبياء و الأئمة صلوات اللہ علیہم من الذنوب الصغیرة و الکبیرة عمدًا و خطأ و سبًا قبل النبوة و الامامة و

بعدہما بل من وقت ولادتهم إلى أن يلقوا الله تعالى ، ولم يخالف في ذلك إلا الصدوق
عند بن بابويه وشيخه ابن الوليد قدس الله روحهما فإنهما جوتا الاسماء من الله
تعالى لا السهو الذي يكون من الشيطان في غير ما يتعلق بالتبليغ وبيان الأحكام
وقالوا : إن خروجهما لا يخل بالاجماع لكونهما معروفين بالنسب
وأما السهو في غير ما يتعلق بالواجبات والمحرمات كالمباحات والمكروهات
فظاهر أكثر أصحابنا أيضاً تدقق الاجماع على عدم صدور عنهم ، واستدلوا أيضاً بكونه
سبباً لتفوق الخلق منهم وعدم الاعتداد بأفعالهم وأقوالهم وهوناً في اللطف ، وبآيات
والأخبار الدالة على أنهم **كاملون** لا يقولون ولا يفعلون شيئاً إلا بوحى من الله تعالى
(بحار الانوار صفحہ ۳۵۱، ۳۵۲ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”ہمارے مشائخ امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی اور امام تمام
چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ نہ ان سے عمدتاً گناہ ہو سکتا
ہے، نہ خطائے نہ سهو اور یہ عصمت ان کو نبوت و امامت سے قبل بھی حاصل
ہوتی ہے اور بعد میں بھی، بلکہ ولادت سے وفات تک۔ اور اس میں کسی نے
اختلاف نہیں کیا سوائے صدوق محمد بن یاقوت اور ان کے شیخ ابو الولید کے۔
ان دونوں بزرگوں نے کہا ہے کہ جو بھول شیطان کی طرف سے ہو، وہ تو نبی
اور امام کو پیش نہیں آ سکتی لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے
بھول ڈال دی جائے۔ مگر یہ بھول ایسے امور میں ہو سکتی ہے جن کا تعلق تبلیغ
اور بیان احکام سے نہ ہو۔ مثلاً نے کہا کہ ان دونوں بزرگوں کا خروج
اجماع میں خلل انداز نہیں، کیونکہ یہ دونوں معروف، المنسب ہیں۔ باقی رہا
واجبات و محرمات کے علاوہ چیزوں مثلاً مباحات و مکروہات میں بھول کا واقع
ہونا تو ہمارے اکثر اصحاب کے قول سے یہ ظاہر ہے کہ اس کے صادر نہ ہونے
پر بھی اجماع ہے۔ اور انہوں نے اس عدم صدور پر یہ استدلال بھی کیا ہے کہ
یہ چیز ان سے مخلوق کی نفرت کا سبب ہوگی اور ان کے افعال و اقوال کا اعتبار
نہیں رہے گا۔ اور یہ لطف کے منافی ہے۔ نیز انہوں نے ان آیات و
احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حضرات
وحی الہی کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور نہ کوئی کام کرتے ہیں۔“

الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حضرات امامیہ، ائمہ پر وحی قطعی کے نزول
کے قائل ہیں۔

ساتواں عقیدہ : ائمہ کو تحلیل و تحریم کے اختیارات
اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے :

﴿التفويض الى رسول الله صلى الله عليه وآله والى الائمة﴾

﴿عليهم السلام لمي أمر الدين﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۶۵ جلد ۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے امور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے اور ائمہ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں، جس چیز کو
چاہیں حرام کہیں، جس کو چاہیں ایک حکم بتائیں اور دوسرے کو دوسرا حکم بتائیں، ان پر کوئی
روک ٹوک نہیں۔ اس عقیدہ کو علمائے شیعہ نے ائمہ کی بہت سی روایات سے ثابت کیا
ہے۔ بطور نمونہ چند روایتیں ملاحظہ فرمائیے :

۱۔ ثقه، بن يحيى، عن ثقه، بن الحسن، عن يعقوب بن يزيد، عن الحسن بن
زيد، عن ثقه، بن الحسن المينعي، عن أبي عبد الله عليه السلام قال : سمعته يقول : إن الله عز و
جلّ أذنب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما أراد ثم فوض إليه فقال عز ذكره : دما آتاكم
الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا ، فمافوض الله إلي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقد فوضه إلينا.
(اصول کافی صفحہ ۲۶۸ جلد ۱)

ترجمہ : ”امام صادقؑ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کو اوب سکھایا، یہاں تک کہ اپنے ارادے کے مطابق آپ کو سید خدا
کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملات کو آپ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ
فرمایا کہ رسول تمہیں جو کچھ دے دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روک
دیں اس سے روک جاؤ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کے سپرد کیا وہ سب کچھ ہمارے سپرد کر دیا۔“

۲۔ الحسين بن محمد الأشعري، عن معلى بن محمد، عن أبي الفضل عبد الله بن
إدریس، عن محمد بن سنان قال : كنت عند أبي جعفر الثاني عليه السلام فأجريت اختلاف

الشعبة ، فقال : يا عبد الله تبارك تعالی لم یزل متفرداً بوحدايته ثم خلق عباداً وعلیاً وفالمة ، فمکنوا ألفت دهر ، ثم خلق جميع الأشیاء ، فاشهدهم خلقها وأجرى طاعتهم علیها وفوض أمرها إليهم ، فهم یحاکون مایشاؤون ویحرمون مایشاؤون ولن یشاؤوا إلا أن یشاء الله (اصول کافی صفحہ ۳۴۱ جلد ۱)

ترجمہ: ”محمد بن سنان کہتا ہے کہ میں امام ابو جعفر علی کے پاس تھا، شیعوں کے اختلافات کا تذکرہ کیا تو امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت کے ساتھ منفرد تھا۔ پھر اس نے محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا، پس وہ ہزار دہر تک ٹھہرے رہے۔ پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا تو ان کو ان چیزوں کی تخلیق پر گواہ بنایا اور سب چیزوں کے ذمہ ان کی طاعت واجب کی اور تمام اشیاء کے اختیارات ان کے سپرد کر دیئے۔ پس یہ حضرات جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ اور وہ نہیں چاہیں گے کہ کوئی چیز جو اللہ تعالیٰ چاہے۔“

سم۔ - مختص ، یز : أحمد بن عبد عن الأهوازي عن بعض أصحابنا عن ابن مبرزة عن الثمالی قال : سمعت أبا جعفر عليه السلام يقول : من أحلله شيء أصابه من أعمال الظالمين فهو له حلال لأن الأئمة منا معقون بهم . فما أحلوا فهو حلال وما حرموا فهو حرام .^(۱۰) (بحار الانوار صفحہ ۳۳۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”ثمالی کہتا ہے کہ میں نے امام باقر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے لئے ہم نے حلال کر دی وہ چیز جو اس نے ظالموں کے منصب میں سے حاصل کی وہ اس کو حلال ہے، کیونکہ یہ امر ہمارے اماموں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ پس جس چیز کو وہ حلال قرار دیں وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام کر دیں وہ حرام ہے۔“

ثم قال : يا ابن ائمة إن الله فوض إلى سليمان بن داود عليه السلام فقال : « هذا عطاؤنا فامنن أو أمسك بغير حساب »^(۱۱) و فوض إلى بيته فقال : « ما آتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا »^(۱۲) فما فوض إلى بيته فقد فوض إلينا . (بحار الانوار صفحہ ۳۳۲، ۳۳۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”امام صادق“ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلص حضرت سلیمان کے

سپرد کر دیا، چنانچہ فرمایا، یہ پہلی عطا ہے چاہو کسی کو دو، یا اپنے پاس رکھو تم سے کوئی حساب نہیں لیں گے۔ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی سپرد فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے کہ: ”رسول تم کو جو کچھ دے دیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رک جاؤ۔“ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا وہی پہلے سپرد کر دیا۔“

۳۸۔ یز : ابن المنوكل عن الحميري عن ابن عيسى عن ابن محبوب عن عبد العزيز عن ابن أبي يعفور قال : قال أبو عبد الله عليه السلام : « إن الله واحد أحد متوحد بالوحدانية متفرد بأموره ، خلق خلقاً ففوض إليهم أمر دينه ، فمنهم من با ابن أبي يعفور . (بحار الانوار صفحہ ۲۶۰ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابن ابی یعفور امام صادق“ سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ واحد ہے، یکا ہے، وحدانیت کے ساتھ متفرد ہے، اپنے حکم میں متفرد ہے۔ اس نے ایک مخلوق کو پیدا کر کے اپنے دین کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا، سو ہم وہی مخلوق ہیں۔“

ان روایات سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے بعد ائمہ کو تحلیل و تحریم کا اختیار دیا گیا ہے اور اصول کافی کے مندرجہ بالا عنوان سے واضح ہے کہ ائمہ، اپنے ائمہ کے بدلے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

آٹھواں عقیدہ : ائمہ کو احکام کے منسوخ کرنے کے اختیارات

اوپر کے عقیدہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باذن الہی بعض احکام کو منسوخ فرما سکتے تھے، اسی طرح باذن الہی ائمہ کو بھی اختیار حاصل تھا کہ جب چاہیں کسی چیز کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر فرمائیں۔ اور جب چاہیں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ ائمہ وقتاً فوقتاً اپنے اس اختیار کو استعمال بھی کرتے تھے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

پہلی مثال : قرآن کریم میں ہے کہ مرحوم شوہر جو کچھ بھی چھوڑ کر مرے اس میں زیوہ کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ ہے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

﴿وَلَهُنَّ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ أَوْ صَوْلَةٍ بَيْنَا أَوْ ذَيْنَ﴾
(النساء: ۱۲)

ترجمہ: "اور ان بی بیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ سے انھوں حصہ ملے گا وصیت نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ، یا دین کے بعد۔" (ترجمہ حضرت تھانوی)

لیکن امام کا فتویٰ یہ ہے کہ بیوہ کو شوہر کی غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ فروع کافی، کتاب الموارث "باب ان النساء لا يرثن من العقار شيئا" میں گیارہ روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں۔ چنانچہ امام باقر کا قول نقل کیا ہے:

"النساء لا يرثن من الأرض ولا من العقار شيئا"

(فروع کافی، ص: ۱۲۷، ج: ۷)۔

ترجمہ: "عورتوں کو اراضی اور غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔"

دوسری روایت میں ہے کہ:

"اس کو ہتھیاروں اور چوپایوں میں سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ ہاں املب وغیرہ کی قیمت لگا کر اس میں سے اس کا حق دے دیا جائے گا۔" (عوالہ جلا)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"امام جعفرؑ نے اس کی محرومی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ داخل ہے، نکاح کرنے لگی تو دوسرے لوگ آکر ان کی جائیداد کا ستمناہ کر دیں گے۔"

امام کے اس فتویٰ سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ قرآن کریم نے پورے ترکہ سے بیواؤں کا چوتھائی یا انھوں حصہ مقرر فرمایا۔ لیکن اماموں نے اپنے فتویٰ کے ذریعہ بیواؤں کو شوہر کے ترکہ سے محروم

کر دیا۔ بس گھر کے سامان وغیرہ میں ان کا حصہ ہے، اراضی، باغات، غیر منقولہ جائیداد، ہتھیاروں اور چوپایوں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ قرآن کریم کا حکم عام تھا، جسے اماموں نے منسوخ کر دیا۔

دوم: قرآن کریم کے حکم کے خلاف ان کو محروم قرار دینے کی امام نے عقلی وجہ بیان فرمائی کہ وہ اول تو پرانی ہوتی ہیں، پھر وہ دوسری جگہ نکاح کر کے دوسرے لوگوں کو جائیداد میں "دخل در معقولات" کا موقع دیں گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان کو غیر منقولہ جائیداد سے محروم کر کے یہ منٹائی ختم کر دیا جائے۔ حالانکہ امام عقل کے حیرت کے نہیں چلایا کرتا۔ وہ بالہام خداوندی بولتا ہے، اگر امام معصوم بھی عقل و قیاس اور اجتہاد کے ساتھ فتوے دیا کریں تو ان کے درمیان اور اہل سنت کے امام ابو حنیفہ و امام شافعی کے درمیان کیا فرق رہے گا؟ اور امام ابو حنیفہ "کو جو امام" نے تنبیہ فرمائی تھی کہ:

لا تقس فان أول من قاس إبليس (اصول کافی ص ۵۸ ج ۱)

"قیاس نہ کیا کر، کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔"

اس ارشاد کا کیا مصرف رہے گا؟

سوم: پھر امام نے جو قیاس کیا، افسوس ہے کہ وہ بھی غلط، اس لئے کہ امام کی یہی دلیل بیٹیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ وہ بھی پرانے گھر جاتی ہیں، جس کی وجہ سے غیروں کو جائیداد میں دخل اندازی کا موقع ملے گا۔ الغرض جو دلیل امام نے غریب بیواؤں کو محروم کرنے کے لئے پیش کی وہی لڑکیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ ان کو بھی محروم ہونا چاہئے۔ اور انگریزی قانون پر عمل درآمد ہونا چاہئے کہ جائیداد لڑکوں کو ملتی ہے، لڑکیوں کو ملتی ہی نہیں۔ لاجل و لا قوۃ الا باللہ۔

چہارم: یہ بھی معلوم ہوا کہ امام، بے کس و بے سہارا بیواؤں پر کیسے شفیق تھے کہ خود تو ان کی کیا دیکھتے؟ ان بے چاری بیواؤں کو قرآن نے شوہر کی جائیداد سے جو حصہ دلایا ہے، اماموں کو اس کا دلانا بھی گوارا نہیں تھا۔

ان وجوہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ائمہ کے نام پر روایتیں تصنیف کرنے والے کیسے دانشمند تھے اور انھوں نے خرافات کے کیسے کیسے طوطا کی طرف منسوب کئے

ہیں۔ جن کو شیخہ، وحی آسمانی سے کم نہیں سمجھتے۔

دوسری مثال: قرآن کریم میں قانون شہادت موجود ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے جو فروع کافی کتاب القضاء الاحکام "باب ان البینۃ علی المدعی والیہدین علی المدعی علیہ" میں نقل کیاتے:

﴿أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَهْدِينَ عَلَى الْمُدْعَى عَلَيْهِ﴾

"گو پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور یہدین مدعا علیہ پر آتی ہے۔"

(فروع کافی صفحہ ۳۱۵، جلد ۷)

لیکن امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانون شہادت کو معطل فرمادیں گے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحج میں ایک باب کا عنوان ہے "باب فی الانہ انہما اذا ظہر امرہم حکموا بحکم آل داود ولا یسألون البینۃ" (یعنی جب امرہ کی حکومت ہوگی تو حکم آل داود کے موافق فیصلہ کریں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے) اس میں امام جعفرؑ کا ارشاد نقل کیا ہے:

یا ابا عبیہ اذا قام قائم آل محمد ﷺ حکم بحکم داود وسلیمان لا یسأل بینۃ.

(اصول کافی صفحہ ۳۹۷، جلد ۱)

"جب قائم آل محمدؑ ظاہر ہوں گے تو داود و سلیمان کے حکم کے مطابق فیصلہ دیں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ عمار سہامی نے امام جعفرؑ سے پوچھا کہ آپ حضرات جب فیصلہ کرتے ہیں تو کس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

بحکم اللہ و حکم داود فاذا ورد علینا الشیء الذی لیس عندنا، تلقانا بہ روح القدس.

(اصول کافی صفحہ ۳۹۸، جلد ۱)

"اللہ کے حکم اور داؤد کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں۔ اور جب ہمارے سامنے کوئی ایسا قضیہ پیش آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہو تو روح القدس ہمیں اس کا حکم بتا دیتا ہے۔"

تیسری روایت میں ہے کہ جمید ہمدانی نے یہی سوال امام زین العابدینؑ سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

حکم آل داود، فان أعبانا شیء تلقانا بہ روح القدس

(اصول کافی صفحہ ۳۹۸، جلد ۱)

"حکم آل داؤد کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں اور اگر ہمیں کسی قضیہ میں مشکل پیش آئے تو روح القدس ہمیں بتا دیتا ہے۔"

(ایضاً حوالہ بلا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ائمہ، اپنے فیصلوں میں قرآن و حدیث کے قانون شہادت کے پابند نہیں تھے، بلکہ آل داؤد کے مطابق فیصلہ کے پابند تھے۔ اور روح القدس سے معلوم کر کے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانون شہادت معطل ہو جائے گا، اس لئے وہ کسی مقدمہ میں شہادت طلب نہیں کریں گے۔

تیسری مثال: فروع کافی کتاب العید "باب صید البزاة والصفور ونبیر ذالک" میں روایت ہے:

- أبو علی الأشعری، عن محمد بن عبد الجبار، و محمد بن إسماعیل، عن الفضل بن شاذان، جميعاً، عن صفوان بن يحيى، عن ابن مسكان، عن الحلبي، قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: كان أبي عليه السلام يفتي وكان يفتي ومن يخاف في صيد البزاة والصفور وأما الآن فإنا لا نكاف ولا نل صيدها إلا أن نذكر ذكابه فإتته في كتاب علي عليه السلام أن الله عز وجل يقول: "وما علمتم من الجوارح مكلين"، في الكلاب (۱).

(فروع کافی صفحہ ۲۰۷، جلد ۶)

روایت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ "کتاب علی" میں لکھا ہے کہ آیت شریفہ "وما علمتم من الجوارح مكلين" میں صرف کتوں کے شکار کی اجازت ہے، باز اور شاہین کا شکار حرام ہے، البتہ کہ وہ زندہ پکڑ لائیں اور شکار کو ذبح کر لیا جائے۔ امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد بنا بر تقیہ اس آیت کے خلاف باز اور شاہین کے شکار کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ لیکن اب چونکہ خوف اٹھ گیا ہے اس لئے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ باز اور شاہین کا شکار حلال نہیں۔"

باپ اور بیٹے دونوں امام معصوم ہیں۔ ایک قرآن کریم کے حکم کے

جميع من خلق الله عز وجل، المنتعقب عليه في شيء، من أحكامه كالمنتعقب على الله وعلى رسوله ﷺ والراذ عليه في صغيرة أو كبيرة على حد الشرك بالله، كان أمير المؤمنين عليه السلام باب الله الذي لا يؤتى إلا منه، وسبيله الذي من سلك بغيره هلك، وكذلك يجري لأئمة الهدى واحداً بعد واحد

ترجمہ: "مفضل بن عمر امام صادقؑ کا ارشاد نقل کرتا ہے کہ حضرت علیؑ جس چیز کو لے کر آئے ہیں میں اس کو لےتا ہوں اور جس چیز سے حضرت علیؑ نے منع فرمایا میں اس سے باز رہتا ہوں۔ علیؑ کے لئے وہی فضیلت ثابت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق پر فضیلت ہے، اور علیؑ کے کسی حکم پر نکتہ چینی کرنے والا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنے والا، اور علیؑ کی کسی چھوٹی بڑی بات کو رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والے کے حکم میں ہے۔ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ ہیں جس کے بغیر داخلہ ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ ہیں کہ جو اس کو چھوڑ کر چلے وہ ہلاک ہو جائے، جو علیؑ کی فضیلت ہے وہی ہلکی گیارہ اماموں کی فضیلت ہے۔"

اسی باب میں دوسری روایت بھی امام جعفرؑ ہی سے منقول ہے:

۲۔ علی بن محمد و محمد بن الحسن، عن سهل بن زیاد، عن محمد بن الوليد شاب الصيرفي قال: حدثنا سعيد الأعرج قال: دخلت أنا وسليمان بن خالد على أبي عبد الله عليه السلام فابتدأنا فقال: يا سليمان ماجا، عن أمير المؤمنين عليه السلام يؤخذ به ومانهى عنه ينتهى عنه جرى لعن الفضل ماجرى لرسول الله ﷺ ولرسول الله ﷺ الفضل على جميع من خلق الله، المعيب^(۱) على أمير المؤمنين عليه السلام في شيء من أحكامه كالمعيب على الله عز وجل وعلى رسوله ﷺ والراذ عليه في صغيرة أو كبيرة على حد الشرك بالله، كان أمير المؤمنين صلوات الله عليه باب الله الذي لا يؤتى إلا منه، وسبيله الذي من سلك بغيره هلك، وبذلك حدت الأئمة واحداً بعد واحد

(اصول کافی ... صفحہ ۱۵۷ جلد ۱)

ترجمہ: "سعيد اعرج سے روایت ہے کہ میں اور سليمان بن خالد ابو عبد الله

عليه السلام کی خدمت میں آئے۔ ہم کو پوچھے بغیر فرمایا: اے سليمان! جو اللہ کے

امیر المؤمنین علیہ السلام کی وسالت سے ملا ہے اسے تھاے رکھو اور جس سے آپ نے منع فرمایا رک جاؤ۔ آپ کی وہی فضیلت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تمام مخلوق پر فضیلت عطا ہوئی۔ جو شخص کسی بھی حکم میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں عیب جوئی کا مرتکب ہوا، وہ گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عیب جو ہے اور کسی بھی چھوٹے بڑے معاملے میں (امیر المؤمنین کی) حکم عدولی شریک ہونے کے مترادف ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ کا وہ دروازہ ہے کہ اسی سے دین آسکا۔ اور آپ کی راہ سے جس نے اعراض کیا وہ ہلاک ہوا۔ اور میں معاملہ کیے بعد دیگرے ہر امام میں جاری ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

۳۔ محمد بن یحیی و أحمد بن محمد جميعاً، عن محمد بن الحسن، عن علي بن الحسن قال: حدثني أبو عبد الله الرياحي

عن أبي الصامت الحلواني، عن أبي جعفر عليه السلام قال: فضل أمير المؤمنين عليه السلام^(۱) ما جاب به ومانهى عنه أن ينهى عنه، جرى له من الطاعة بعد رسول الله ﷺ ما لا يلزم الله ﷻ والفضل لمحمد ﷺ، المنتقد من يديه كالمنتقد من يدي الله ورسوله، والمنع من علي عليه السلام كالمنتقد من يدي رسول الله ﷺ والراذ عليه في صغيرة أو كبيرة على حد الشرك بالله، فإن رسول الله ﷺ باب الله الذي لا يؤتى إلا منه وسبيله الذي من سلكه وصل إلى الله عز وجل وكذلك كان أمير المؤمنين عليه السلام من بعده وجرى للأئمة واحداً بعد واحد،

(اصول کافی ... صفحہ ۱۵۸ جلد ۱)

ترجمہ: "ابو الصامت حلوانی سے روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: امیر المؤمنین علیہ السلام کی فضیلت: جو کچھ انہوں نے دیا میں نے لیتا ہوں جس سے منع کر دیا رک جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین کی اطاعت اسی طرح لازم ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کی فضیلت ہے۔ امیر المؤمنین سے (اطاعت میں) متقدم ایسا ہی ہے جیسا اللہ

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں (اپنی اطاعت کا مدعی) متقدم۔ اور آپؐ پر فضیلت کے مدعی کا حکم وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کے مدعی کا (ہونا چاہئے) اور کسی بھی چھوٹے بڑے حکم میں امیر المؤمنین کی مخالفت شرکِ بائند کا حکم رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ دروازہ ہے کہ دین اس کے سوا آجی نہیں سکتا تھا اور آپؐ کا راستہ ہی حصول الی اللہ کا واحد راستہ ہے۔ اور آپؐ کے بعد یہی مقام امیر المؤمنین علیہ السلام اور یکے بعد دیگرے ائمہ علیہ السلام کو حاصل ہوا۔

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان: ”ان الانعة علیہم السلام محدثون مفہمون“ اس میں امام جعفرؑ سے نقل کیا ہے:

۷۔ عَدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ أَحَدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَحْرٍ، عَنْ ابْنِ مَسْكَانٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ بْنِ مَسْلَمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: الْأُئِمَّةُ بِمَنْزِلَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءٍ، وَلَا يَجْعَلُ لَهُمُ مِنَ النَّاسِ مَا يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَمَّا مَا خَلَا ذَلِكَ فَهُمْ فِيهِ بِمَنْزِلَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

(اصول کافی صفحہ ۲۷۰ جلد ۱)

ترجمہ: ”محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ائمہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں، مگر وہ نبی نہیں۔ جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال تھیں، اتنی ان کے لئے حلال نہیں۔ اس کے سوا باقی تمام باتوں میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں۔“

علامہ مجلسی امام جعفرؑ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بیان: بدل ظاہراً علی اشتراكهم مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ فی سائر الخصائص سوی ما ذکر۔

(بحار الانوار صفحہ ۵۰ جلد ۲)

ترجمہ: ”امام کا یہ قول ظاہراً دلالت کرتا ہے کہ ائمہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیتوں میں آپس کے ساتھ شریک ہیں، لہذا یہ کہ ان کو چار سے زیادہ بیویاں حلال نہیں۔“

علامہ مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامتہ میں ایک باب کا عنوان ”انہ جریٰ لہم من الفضل والطاعة مثل صاحبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانہ فی الفضل سواء“ اس باب میں ۲۳ روایتیں نقل کی ہیں۔ (جلد ۲۵، صفحہ ۳۵۲ تا ۳۶۳) جن کا مضمون یہ ہے کہ ائمہ کا وہی مرتبہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

علامہ مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:

”اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آنست کہ حضرت امیر علیہ السلام و سایر ائمہ افضل اند از پیغمبران سوائی پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از ائمہ خود در این باب روایت کردہ اند۔“ (صفحہ ۷۰)

ترجمہ: ”اکثر علماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیرؑ اور باقی ائمہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی تمام پیغمبروں سے افضل ہیں، اور اس باب میں احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ ائمہ سے روایت کرتے ہیں۔“

الحمد للہ! کہ بندہ نے جتنے عقائد حضرات امامیہ کی طرف منسوب کئے تھے، ایک ایک کا باحوالہ ثبوت پیش کر دیا۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ جب ائمہ کو معصوم بھی کہا جائے، منصوب من اللہ بھی، ان پر ایمان لانا نبیوں کی طرح فرض ہو اور ان کا انکار نبیوں کے انکار کی طرح کفر ہو، ان کی اطاعت ایسی ہی فرض ہو جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ صاحب معجزات بھی ہوں، ان پر وحی قطعی بھی نازل ہوتی ہو جو ہر ایک کے لئے حجت ملزمہ ہو، وہ تحلیل و تحریم کا اختیار بھی رکھتے ہوں، ان کو قرآنی احکام کے منسوخ یا معطل کرنے کا بھی اختیار ہو اور ان کا درجہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام سے بالاتر ہو۔ اگر ان تمام امور سے میں یہ نتیجہ اخذ کروں کہ آلِ سبائے امامت کا عقیدہ ختم نبوت کا منہ چڑانے کے لئے ایجاد کیا اور یہ کہ حضرات امامیہ، امامت کے پردہ میں ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں تو ذرا یہ فرمائیے کہ کیا میرا یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

کسی کو معصوم، منصوب من اللہ اور مفترض الطاعت ماننا ہی درحقیقت ختم نبوت کا انکار ہے۔ خواہ ہزار بار قسمیں کھائیں کہ ہم ختم نبوت کے قائل ہیں۔

امامیہ، درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں، اس پر چار گواہ

میں نے امامیہ کے مندرجہ بالا عقائد سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امامیہ کا عقیدہ امامت ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت ہے، یہ گزشتہ سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم و انصاف سے بہرہ ور فرمایا ہو تو وہ اوپر کی بحث پڑھ کر اس کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا۔ تاہم جناب کے مزید اطمینان کے لئے میں اپنے اس اخذ کردہ نتیجہ پر بھی چار گواہ پیش کرتا ہوں۔ دو اکابر اہل سنت میں سے اور دو اکابر شیعہ میں سے۔

پہلی شہادت: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے رسالہ ”المقالة الوحيدة في النصيحة والوصية“ میں، جو ان کی کتاب تفہیمات المہیہ جلد دوم میں تفہیم (۲۴۶) کے عنوان سے شامل ہے، وصیت (۵) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”این فقیر از روح پر فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت چہ می فرماید در باب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند و صحابہ را بد میگویند؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی از کلام روحانی القاء فرمودند کہ مذہب ایشان باطل است و بطلان مذہب ایشان از لفظ امام معلوم می شود، چون از آنحضرت افتات دست داد در لفظ امام تامل کردم معلوم شد کہ امام باطلان ایشان معصوم مفترض الطاعت منصوب المخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویزی نمی آید، پس درحقیقت ”ختم نبوت“ را منکر اند، گو زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء می گفته باشند۔“

(تفہیمات المہیہ ص ۲۹۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے سوال کیا کہ حضرت شیعوں کے ہرے میں کیا فرماتے ہیں جو اہل بیت سے محبت کے مدعی ہیں اور صحابہ کو برا کہتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوع کے روحانی کلام کے ذریعہ القاء فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ ”امام“ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جب اس حالت سے افتاد ہوا تو میں نے لفظ ”امام“ میں غور کیا، معلوم ہوا کہ ”امام“ ان کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جس کی طاعت فرض ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ ہو، یہ لوگ ”امام“ کے حق میں ”وحی باطنی“ بھی تجویز کرتے ہیں۔ پس درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہا کرتے ہیں۔“

اور اس سے اگلی تفہیم (۲۴۷) میں مبشرہ (۹) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”سألتہ عن سؤال روحانیا عن الشيعة فأوحى إلي أن مذہبہم باطل، وبطلان مذہبہم يعرف من لفظ الإمام، ولما أفقت عرفت أن الإمام عندهم هو المعصوم المفترض طاعته الموحى إليه وحيا باطنيا، وهذا هو معنى النبى، فمذہبہم يستلزم إنكار ختم النبوة قبهم الله تعالى۔“

(تفہیمات لإمامیہ، ص: ۳۰۱ ج ۲۰)

ترجمہ: ”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعوں کے ہرے میں روحانی سوال کیا، تو مجھے القاء فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ ”امام“ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جب مجھے اس حالت سے افتاد ہوا تو میں نے غور کیا کہ ان کے نزدیک ”امام“ وہ شخص ہے جو معصوم ہو، مفترض الطاعت ہو اور جس کو باطنی وحی ہوتی ہو، اور یہی نبی کے معنی ہیں۔ پس ان کا مذہب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے۔“

دوسری شہادت : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

حضرت شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے باب ششم ”در بحث نبوت و ایمان“
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ”عقیدہ دہم“ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

”والہابیہ ہر چند بظاہر یہ قسم نبوت آنجناب اقرار کنند لیکن در پردہ یہ نبوت ائمہ
قابل ائمہ کے ائمہ راہترو بزرگ تر از انبیاء شمارند، چنانچہ در ہمیں باب یہ تفصیل
گزشتہ، تنویض امر تحلیل و تحریم کہ خلاصہ نبوت بلکہ بالاتر از نبوت است
برای ائمہ اثبات نمایند، پس در معنی منکر قسم نبوت ائمہ“
(تحفہ ص ۱۵۰)

ترجمہ : ”اور الہابیہ ہر چند کہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم نبوت
کا اقرار کرتے ہیں، لیکن در پردہ ائمہ کی نبوت کے قابل ہیں، کیونکہ ائمہ کو
انبیاء سے بہتر و بزرگ تر شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی باب میں تفصیل سے
نور اور تحلیل و تحریم کا معاملہ ائمہ کے سپرد کرتے ہیں جو کہ خلاصہ نبوت،
بلکہ بالاتر از نبوت ہے۔ پس در حقیقت قسم نبوت کے منکر ہیں۔“

اور شیعہ کے عقیدہ تنویض پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

”بائے این ایسے است فاسد کہ متلزم مفاسد بسیارست و معبد متضمن
انکار قسم نبوت است در حقیقت و جمیع الہابیہ بآن قائل ائمہ۔“
(تحفہ ص ۱۵۱)

ترجمہ : ”خلاصہ یہ کہ یہ اصول فاسد ہے جو کہ بہت سے مفاسد کو متلزم
ہے۔ علاوہ بریں در حقیقت قسم نبوت کے انکار کو متضمن ہے۔ اور تمام
الہابیہ اس کے قابل ہیں۔“

تیسری شہادت : علامہ باقر مجلسی

شیعوں کے محدث و مجدد اعظم جناب علامہ محمد باقر مجلسی کی علمی منزلت سے
آنجناب واقف ہوں گے۔ آیت اللہ العظمی روح اللہ خمینی نے ان کی کتابوں کے مطالعہ

کی شیعہ مومنین کو بطور خاص تلقین فرمائی ہے۔

جناب باقر مجلسی بحار الانوار کتاب الامامت ”باب انہم محدثون مفہمون“
میں ائمہ کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد روایت (۳۵) کے ذیل میں لکھتے ہیں :

بیان : استنباط الفرق بین النبی والامام من نلک الاخبار لا یخلو من إشکال و کذا
الجمع بینہا مشکل جدّاً

و بالجملة لا بدّ لنا من الاذعان بعدم کونہم علیہم السلام انبیاء و بأنہم اشرف و افضل من
غیر بیئنا علیہم السلام من الانبیاء والاوصیاء ولا تعرف جهة اعدم انصافہم بالنبوۃ الارعایۃ
جلالة خاتم الانبیاء ولا یصل عقولنا إلى فرق بین بین النبوة والامامة وما دلت
علیہ الاخبار فقد عرفہ .

(بحار الانوار صفحہ ۸۲ جلد ۲۶)

ترجمہ : ”ان احادیث سے نبی اور امام کے درمیان فرق کا استنباط کرنا
مشکل ہے۔ اسی طرح ان احادیث کے درمیان جمع کرنا بھی نہایت مشکل
ہے۔ مختصر یہ کہ یہ یقین تو لازم ہے کہ امام، نبی نہیں ہوتے اور یہ بھی کہ
وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر تمام انبیاء اوصیاء سے اشرف
و افضل ہیں، ہمیں ان کے موصوفہ بالنبوۃ نہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں
سوائے اس کے کہ خاتم الانبیاء کی حالات کی رعایت ہو۔ اور ہماری عقیدوں
کو نبوت اور امامت کے درمیان واضح فرق تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔
اخبار سے تو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تم جن ہی چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان
منزلت کے احوال کے حقائق کو بہتر جانتے ہیں۔“

چوتھی شہادت : شیخ مفید

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کے مندرجہ بالا باب میں روایت (۳۶) کے ذیل
میں شیخ مفید محمد بن نعمان (متوفی ۳۶۰ھ) کی ”تصحیح الاعتقاد شریعت عقائد صدوق“ سے
ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے۔ اس کے بقدر ضرورت تھے یہاں نقل کرتا ہوں :

و عندنا أنّ اللہ تعالیٰ بمع المعج بعد لبّہ علیہ السلام کلاماً بلفیہ إلیہم آی الاوصیاء

فی علم ما یكون لکنہ لا یطلق علیہ اسم الوحی لما قد مناء من إجماع المصلین
لمی أنه لا وحی لاحد بعد بیئنا ﷺ وإنه لا یقال فی شیء مما ذکرناه : إنه

وحی إلى أحد ، والله تعالى أن یبیح إطلاق الکلام أحياناً و یحظره أحياناً ، و یمنع
السمات بشیء حیناً و یطلقها حیناً ، فانما المعانی فاتها لا تنبیر عن حقائقها علی ما
قد مناء . (۱)

(بحر الانوار صفحہ ۸۳، ۸۴ جلد ۲۶)

ترجمہ : ”اور ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بعد اماموں کو ایسا کلام سناتا ہے جو ان کی طرف القاء کرتا ہے اس علم کے
بارے میں جو آئندہ آنے والا ہو، لیکن اس پر وحی کا اطلاق نہیں کیا جاتا،
کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو وحی نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ جو
چیز میں ہم نے ذکر کی ہے، ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ کسی
کی طرف وحی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ ایک وقت میں ایک لفظ کے
بولنے کو جائز رکھے اور دوسرے وقت میں اس کو منع کر دے۔ اور ایک چیز
کے ساتھ کسی چیز کو موسوم کرنا ایک وقت میں ممنوع قرار دے، اور
دوسرے وقت میں اس کو جائز قرار دے۔ باقی رہے معلیٰ! تو وہ اپنے حقائق
سے نہیں بدلتے۔“

علامہ باقر مجلسی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت و امامت کے درمیان فرق
ہماری عقل نار سے بالاتر ہے۔ باوجودیکہ ائمہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
سوا باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے اشرف و افضل ہیں۔ لیکن ختم نبوت کا لحاظ کرتے
ہوئے ان کو نبی نہیں کہا جاتا ورنہ نبوت اور امامت کے درمیان وجہ فرق ہمیں معلوم
نہیں۔

شیخ مفید کا آخری فقرہ تو نیپ کا بند ہے۔ فرماتے ہیں کہ، ”حقائق تو نہیں
بدلتے لیکن ایک وقت میں ایک لفظ کا بولنا صحیح ہوتا ہے، دوسرے وقت میں ممنوع“
مطلب یہ کہ نبوت کی حقیقت جو انبیاء کرام کو حاصل تھی وہی ائمہ کو بھی حاصل تھی۔

وحی ان پر بھی نازل ہوتی تھی اور ان پر بھی، مگر اس حقیقت پر پہلے زمانے میں نبی اور وحی
کا لفظ بولنا جائز تھا، اب جائز نہیں رہا۔ ماشاء اللہ کیا عجب تحقیق ہے۔

اس پوری بحث کو بغور و تدبر پڑھئے اور پھر فرمائیے کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا کیا
وہ بقول آپ کے محض سوء ظن کی بنا پر لکھا تھا اور محض تمہمت تراشی کی تھی، یا آپ کے
مذہب کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی تھی؟

ع ”بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر“

ہے۔ نہ انہیں غور و فکر اور اجتہاد رائے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دوسرا عقیدہ

ائمہ کو قرآن و حدیث کے علاوہ تورات، زبور اور دیگر کتب آسمانی و صحیف ربانی کا بھی کامل علم ہوتا ہے اور وہ ہر کتاب کو اس کی اصل زبان میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحج کے ایک باب کا عنوان ہے:

چوتھی بحث: ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات

❖ (ان الائمة عليهم السلام عندهم جميع الكتب التي نزلت من الله)

❖ (عند الله عز وجل وانهم يعرفونها على اختلاف ألسنتها)

(اصول کافی صفحہ ۲۴۷، جلد ۱)

ترجمہ: "ائمہ کے پاس اللہ عز و جل کی نازل کردہ تمام کتب موجود ہوتی

ہیں اور وہ جس زبان میں بھی ہوں یہ حضرات ان کو انہی طرح سمجھتے

ہیں۔"

اور علامہ مجلسی کی بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

❖ (آخر فی ان عندهم صلوات الله عليهم كتب الانبياء)

❖ (عليهم السلام يقرؤونها على اختلاف لغاتها)

(بحار الانوار صفحہ ۱۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: "یعنی ائمہ صلوات اللہ علیہم کے پاس تمام انبیاء کی کتب موجود ہیں

اور وہ کسی زبان میں ہوں یہ حضرات ان کو پڑھ لیتے ہیں۔"

اس حدیث کے ثبوت میں علامہ مجلسی نے ۲۷ روایات ذکر کر دی ہیں۔ ایک مختصر سی

۷۔ یحییٰ بن محمد بن ابرہیم عن یونس عن هشام بن الحكم عن خبر
طویل قال: جاء برهة جاثليق^(۱۰) النصارى فقال لأبي الحسن عليه السلام: جعلت فداك
أنتى لكم التوراة والابجيل و كتب الانبياء؟ قال: هي عندنا ورائة من عندهم نقرأها
كما قرأوها ونقولها كما قالوها، إن الله لا يجعل حجة في أرضه يسأل عن شيء فيقول:
لا أدري الخبر^(۱۱)
(بحار الانوار صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱، جلد ۲۶) (اصول کافی صفحہ ۲۴۷، جلد ۱)

آجناب نے آیت اللہ العظمیٰ جناب محمد جواد مغنیہ کی کتاب "الشيعة في
الميزان" (صفحہ ۳۳ تا ۳۵) سے طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ ائمہ، کتاب و سنت کے علوم کا الف سے یاتک کا کامل احاطہ رکھتے ہیں۔
۲۔ ان کے علوم کتاب و سنت تک محدود ہیں۔
۳۔ ان کا علم وہی نہیں، کبھی ہے، اور جو شخص اس کے خلاف کہے وہ۔ بقول
ان کے۔ جاہل ہے۔

۴۔ ائمہ کو علم غیب نہیں ہوتا، جن اخبار میں ان کی طرف علم غیب منسوب کیا گیا
ہے وہ "باجمل مسلمین" مردود ہیں۔

ان میں سے پہلی بات تو شیعہ عقائد کے مطابق ہے، باقی سب نلط ہیں۔ مناسب
ہے کہ پہلے ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات کے بارے میں حضرات امامیہ کا موقف ذکر
کیا جائے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ امامیہ کے نزدیک ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل
ہوتا ہے؟ اس لئے ان دونوں نکتوں کو دو الگ بحثوں میں ذکر کرتا ہوں۔ وباللہ
التوفیق۔

ائمہ کے علمی کمالات کے بارے میں شیعہ عقائد

پہلا عقیدہ

ائمہ، کتاب و سنت کے علوم کا الف سے تک ایسا کامل احاطہ رکھتے ہیں کہ ان
کو قرآن و سنت کے کسی لفظ اور کسی حکم میں نہ کبھی اشتباہ ہوتا ہے، نہ سمجھ و نسیان ہوتا

ترجمہ: "ہشام بن حکم ایک طویل روایت میں ذکر کرتے ہیں کہ ہر یہود جانیق نصرانی ابوالحسن علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ پر قربان، یہ تورات و انجیل اور دیگر کتب انبیاء آپ کے پاس کہاں سے آگئیں؟ فرمایا: ہمارے پاس یہ کتبیں انبیاء کی وراثت کے طور پر پہنچی ہیں۔ ہم ان کو اسی انداز سے پڑھ سکتے ہیں جیسے وہ حضرات پڑھتے تھے۔ اور ہم بھی انہی کی طرح ان کی تفسیر و تشریح پر قدرت رکھتے ہیں۔ (اور یہ اس بنا پر ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی ایسی شخصیت کو دنیا میں جنت نہیں پہنچاتے جو اپنے پر یہ کہہ دے کہ مجھے تو یہ معلوم نہیں۔"

تیسرا عقیدہ:

وہ تمام علوم جو انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کو الگ الگ دیئے گئے وہ سب کے سب ائمہ کو مجموعی طور پر عطا کئے گئے، اس لئے ائمہ انبیاء و ملائکہ کے علوم کے جامع ہیں۔

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ان الائمة وروا علم النبی وجميع الانبياء والاوصياء﴾

﴿الذين من قبلهم﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۲۳، جلد ۱)

ترجمہ: "ائمہ کرام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام حضرت انبیاء و اوصیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔"

بخاری الانوار کتاب الامتہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ان عندهم جميع علوم الملائكة والانبياء و انهم اعطوا ما اعطاه الله﴾

﴿الانبياء عليهم السلام و ان كل امام يعلم جميع علم الامام الذي﴾

﴿قبله ولا يبقى الارض بغير عالم﴾

(بخاری الانوار صفحہ ۱۵۹، جلد ۲)

ترجمہ: "ان حضرات کو تمام ملائکہ و انبیاء کے علوم حاصل ہوتے ہیں اور ان کو وہ سب کچھ عطا ہوتا ہے جو اللہ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے۔ اور ہر امام، اپنے سے پہلے امام کے جمع علم پر عبور رکھتا ہے۔"

اس باب کی ۶۳ روایتوں میں سے ایک مختصر سی روایت:

ع۔ قس: اُبی عن ابن اُمی عمیر عن ابن اُذینہ عن اُمی عبد اللہ رضی اللہ عنہا قال:

و قال

أمیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ: أَلَا إِنَّ الْعِلْمَ الَّذِي حَبِطَ بِهِ آدَمُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَجِيعَ مَا فَضَّلَتْ بِهِ النَّبِيِّينَ إِلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ فِي عِثْرَةِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ ^(۱).

(بخاری الانوار صفحہ ۱۶۰، جلد ۲)

ترجمہ: "امام صادق فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا: یاد رکھو، آدم علیہ السلام جو علم لے کر آسمان سے زمین پر اترے اور خاتم النبیین تک تمام انبیاء کو جس علم سے شرف بخشا گیا وہ سب خاتم النبیین کی عترت کو منتقل ہو گیا۔"

چوتھا عقیدہ

ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اصول کافی کتاب الحجہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

"ان الائمة يعلمون جميع العلوم التي خرجت الى الملائكة والانبياء والرسول"

ترجمہ: "یعنی ائمہ ان تمام علوم کو جانتے ہیں جو ملائکہ کو دیئے گئے۔ اور تمام انبیاء اور رسولوں کو اپنے اپنے وقت میں دیئے گئے۔"

بخاری الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے:

"انهم اعلم من الانبياء عليهم السلام"

(صفحہ ۱۹۳، جلد ۲)

ترجمہ: "یعنی ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔" اس دعویٰ کو موصوف نے ۱۳ روایات سے ثابت کیا ہے۔

بحر الانوار ”باب جامع فی صفات الامام و شرائط الامامة“ میں حضرت امیرؑ کی ایک طویل روایت نقل کی ہے، اس کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے:

علم الانبياء في علمهم و سر الاوصياء في سرهم و عز الاولياء في عزهم كالقنطرة في البحر و الذرة في القفر ، و السماوات و الارض عند الامام كبده من راحته يعرف ظاهرها من باطنها و يعلم برها من فاجرها و رطبها و يابسها لان الله علم نبئه علم ما كان و ما يكون و ورت ذلك السر المعلوم الاوصياء المنتجبون ، و من انكر ذلك فهو شقي ملعون ملعنه الله و ملعنه اللاعنون .

(بحر الانوار صفحہ ۱۷۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”ان ائمہ کے علم کے مقابلہ میں انبیاء کے علم کو ان کے سر (بہید) کے سامنے اوصیاء کے اسرار کو اور ان کے مرتبہ کے مقابلہ اولیاء کے مراتب کو وہی نسبت ہے جو سمندر سے قطرہ کو اور صحرا سے ایک درہ کو ہوتی ہے۔ آسمان و زمین امام کے نزدیک اس کے ہاتھ کی پتیلی کی طرح ہیں۔ وہ ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ، ان کے اچھے برے سے واقف اور ان کے خشک و تر کا عالم ہوتا ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ”ماکان وما یكون“ کا علم عطا کر دیا اور یہ منتخب اوصیاء اس محفوظ راز (بہید) کے وارث ہوتے ہیں۔ جس نے اس بات کا انکار کیا وہ شقی و ملعون ہے اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی اس پر لعنت ہو۔“

پانچواں عقیدہ

ائمہ ”ما سکان وما یكون“ کا علم رکھتے ہیں، ان سے آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

”ان الائمة یعلمون علم ماکان وما یكون و انه لا سخی

علیہم السنی صلوات اللہ علیہم“ (صفحہ ۲۶۰ جلد ۱)

ترجمہ: یعنی ائمہ ”ماکان وما یكون“ کا علم رکھتے ہیں۔ اور

ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔

بحر الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

☆ (انہم علیہم السلام لا یحجب عنہم علم السماء و الارض و الجنة و النار) ☆

☆ (وانہ عرض علیہم ملکوت السماوات و الارض و یعلمون علم ماکان) ☆

☆ (وما یكون الی یوم القیامة) ☆

(بحر الانوار صفحہ ۱۰۹ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ان سے آسمان و زمین اور جنت و دوزخ کا علم پوشیدہ نہیں ہوتا۔ آسمان اور زمین کی پوری کائنات ان کے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ وہ ”ماکان وما یكون“ کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی ابتدا سے اب تک جو کچھ ہو چکا اور جو قیامت تک ہو گا وہ سب ان کو معلوم ہے۔“

اس باب کے تحت ۲۲ روایتیں درج کی ہیں، ایک روایت ملاحظہ فرمائیں:

۲۲ - مصباح الانوار باسناده الی المفضل قال: دخلت علی الصادق علیہ السلام ذات یوم فقال لی: یا مفضل هل عرفت خدایا و علیاً و اطمة و الحسن و الحسین کا بیچارہ کنہ معرفتم؟ قلت یا سیدی و ما کنہ معرفتم؟ قال: یا مفضل من عرفهم کنہ معرفتم کان مؤمناً فی السنام الاعلیٰ .

قال: قلت: عرفنی ذلک یا سیدی، قال: یا مفضل تعلم انہم علموا ما خلق اللہ عز وجل و ذرأہ و برأہ (۱) و انہم کلمۃ التقوی و خزان السعادات و الارضین و الجبال و الرمال و البحار و علموا کم فی السماء من نجم و ملک و وزن الجبال و کیل ماء البحار و انہارها و عیولها و ما تنقط من رقة إلا علموها و لاحبۃ فی ظلمات الارض و لارطب و لا یابس إلا فی کتاب مبین و ہونی علمہم و فد علموا ذلک .

فقلت: یا سیدی قد علمت ذلک و افررت بہ و آمنت، قال: نعم یا مفضل . نعم یا مکرم، نعم یا مجبور، نعم یا طیب طبت و طابت لك الجنة و لكل مؤمن بہا (۲)

(بحر الانوار صفحہ ۱۱۲ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”مفضل سے روایت ہے کہ ایک روز میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھ سے پوچھا: اے مفضل! کیا تجھے محمد، علیؑ، فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کی معرفت کی گہرائی حاصل ہے؟ میں نے عرض کیا، یا سیدی! ان کی معرفت کی گہرائی کیا ہے؟ فرمایا: جس شخص کو ان کی معرفت کی

گہرائی حاصل ہو گئی وہی اعلیٰ پائے کا مومن شہر ہو گا۔

میں نے عرض کیا: یاسیدی! تو مجھے یہ چیز بتا دیجئے۔ فرمایا: اے مفضل! تو پھر جان لے کہ ان کو اللہ عز و جل کی ہر طرح کی پوری مخلوق کے بارے میں علم حاصل ہے۔ یہ حضرات کلمۃ التقویٰ ہیں اور آسمانوں اور زمین، پہاڑوں اور صحراؤں اور سمندروں کے خزانے ہیں۔ ان کو یہ سب معلوم ہے کہ آسمان میں کتنے ستارے ہیں، کتنے فرشتے ہیں، پہاڑ کتنے وزنی ہیں، سمندروں، دریاؤں اور چشموں کے پانی کی کتنی مقدار ہے۔ جو بھی پتہ گرتا ہے ان کے علم میں ہوتا ہے۔ زمین کے اندر حیرتوں میں کوئی ذرہ ایسا نہیں اور نہ کوئی خشک و تر ایسا جو کتاب مبین میں درج نہ ہو۔ اور ان کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا: یاسیدی! مجھے اب یہ سب معلوم ہو گیا۔ میں اس کا اقرار کرتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ فرمایا: مبارک ہو تجھے اے مفضل! مبارک ہو اے مکرم! مبارک ہو اے خوش بخت! مبارک ہو اے پاکیزہ نفس! تجھے اور اس عقیدے پر ایمان لانے والے ہر شخص کو جنت مبارک ہو۔

پچھا عقیدہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور اسی طرح دوسرے ائمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علم میں برابر کے شریک تھے۔ وہ تمام علوم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عطا کئے گئے، وہ سب حضرت علیؑ کو اور دیگر ائمہ کو بھی دیئے گئے۔ اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

"ان اللہ عز و جل لم یعلم نبیہ علماً الا امرہ ان یعلمہ"

امیر المومنین علیہ السلام و انه کان شریکہ فی العلم
ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم بھی سکھایا اس کے بارے میں آپ کو حکم دیا کہ امیر المومنین علیہ السلام کو بھی سکھادیں۔ اور امیر المومنین علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔"

اس میں حضرت صادقؑ سے نقل کیا ہے:

۱۔ علی بن ابراہیم، عن ائبہ، عن ابن ابی عمیر، عن ابن اذینہ، عن عبد اللہ ابن سلیمان، عن حمران بن أعین، عن ائبہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: - - - - - لم یعلم اللہ عز و جل علماً الا و امرہ ان یعلمہ علیاً رضی اللہ عنہ۔

(اصول کافی صفحہ ۲۶۳، جلد ۱)

ترجمہ: "میں سکھایا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم مگر آپ کو حکم دیا کہ یہ علم علی علیہ السلام کو بھی سکھادیں۔"

ایک دوسری روایت میں حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

۲۔ محمد بن یحییٰ، عن محمد بن الحسن، عن محمد بن عبد الحمید، عن منصور بن یونس، عن ابن اذینہ، عن محمد بن مسلم قال: - - - - -

فلم یعلم واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرفاً مما علمہ اللہ عز و جل الا وقد علمہ علیاً ثم انتہی العلم الینا۔ (ایضاً)

ترجمہ: "اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حرف بھی جو سکھایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو سکھایا، پھر وہ علم تم تک پہنچا۔"

ساتواں عقیدہ

ائمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہے۔ اصول کافی اور بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے:

﴿انہم یعلمون متى يموتون و انه لا يقع ذلك الا باختيارهم﴾

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۸۵ جلد ۲۷)

ترجمہ: "ائمہوں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کب مرے گے؟ اور ان کی موت ان کے اختیار کے بغیر نہیں ہوتی۔"

اس باب کی پہلی روایت:

۱۔ خص، یز: أحمد بن محمد، ع، إمام بن ائبہ محمود عن بعض أصحابنا قال:

قلت للرجاء عليه السلام : الامام يعلم إذا مات ؟ قال : نعم يعلم بالتعليم حتى يتقدم في الأمر
 قلت : علم أبو الحسن عليه السلام بالربط والربحان المسموعين للذين بعث إليه يحيى بن
 خالد ؟ قال : نعم ، قلت : فأكله و هو يعلم ؟ قال : أسماء لينفذ فيه الحكم ^(۱) .
 (بحار الأنوار صفحہ ۲۸۵ ، جلد ۲)

ترجمہ : ”امام رضا سے عرض کیا گیا کہ امام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا
 ہے ؟ فرمایا ہاں ! اللہ کے بتانے سے جانتا ہے ، تاکہ اس کی پیشگی تیاری
 کرے۔ میں نے کہا ، کیا امام ابو الحسن اس رطب و ریحان کو جانتے تھے جن
 میں زہر ملا کر یحییٰ بن خالد نے ان کے پاس بھیجا تھا۔ فرمایا ، ہاں ! میں نے کہا ،
 پھر امام نے جان بوجھ کر زہر کھایا (تو یہ تو خود کشی ہوئی) ؟ فرمایا ، اللہ نے ان
 پر بھول ڈال دی تھی تاکہ ان کے بارے میں اپنا حکم جلدی فرمائے۔“

تیسری بحث کے چھپے عقیدے کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک
 امام ، سمو و نسیان سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔ لیکن یہاں امام کی طرف نسیان کو
 منسوب کر دیا گیا تاکہ امام پر خود کشی کا الزام نہ لگے۔ بہر حال ”دروغ گورا حافظ
 نباشد“ کا عذر موجود ہے۔

آٹھواں عقیدہ

اماموں کو ہر شخص کے ایمان و نفاق کی حقیقت معلوم ہے۔ ان کے پاس جنتیوں
 اور دوزخیوں کے نام ایک رجسٹر میں لکھے رہتے ہیں۔

بحار الأنوار کے ایک باب کا عنوان ہے :

- ☆ (انہم علیہم السلام يعرفون الناس بحقیقة الايمان و بحقیقة النفاق)
- ☆ (وعندہم کتاب فیہ أسماء اهل الجنة و أسماء شیعہم و أعدائہم)
- ☆ (و انه لا یزیلہم خبر مخبر عما یعلمون من احوالہم)
- (بحار الأنوار صفحہ ۱۱۴ ، جلد ۲)

ترجمہ : ”ائمہ ، لوگوں کو حقیقت ایمان اور حقیقت نفاق کے ساتھ پہچانتے
 ہیں اور ان کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے جس میں سارے جنتیوں کے نام ،

ان کے شیعوں کے نام اور ان کے مخالفین کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ
 کسی خبر دینے والے کی خبر ان کو اس علم سے نہیں ہٹتی جو لوگوں کے حالات
 کے بارے میں وہ رکھتے ہیں۔“

اس باب کی چالیس روایتوں میں سے ایک روایت ، جو اصول کافی میں بھی موجود
 ہے ، ملاحظہ فرمائیے :

۱۔ علی بن ابراہیم ، عن أبیہ ، عن عبدالعزیز بن المہندی ، عن عبداللہ بن
 جنذب أنه كتب إليه الرضا عليه السلام :

وإن شیعنا لکذوبون بأسمائهم و أسماء آبائهم ، أخذ اللہ
 علینا و علیہم الميثاق ، یردون موردنا و یدخلون مدخلنا ، لیس علی ملة الاسلام غیرنا
 و غیرہم . (بحار الأنوار صفحہ ۱۳۳ ، جلد ۲) (اصول کافی صفحہ ۲۴۳ ، جلد ۱)

ترجمہ : ”عبداللہ بن جنذب سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے ان
 کے نام اپنے مکتوب میں تحریر کیا کہ ہمارے شیعہ کے نام مع ولدیت لکھے
 ہوئے ہیں۔ اللہ نے ہم سے اور ان سے پکا وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ
 رہیں گے اور ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ ہمارے اور ان کے
 سوا کوئی ملت اسلام پر نہیں۔“

نواں عقیدہ :

امام ، دلوں کے بھید تک جانتے ہیں ، ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔

بحار الأنوار کے ایک باب کا عنوان ہے :

- ☆ (أنہ لا یحجب عنہم شیء من احوال شیعہم و مانحتاج الیہ الامۃ من جمیع)
- ☆ (العلوم ، و انہم یعلمون ما یصیبہم من البلیا و بصیرون علیہا ولو)
- ☆ (دعوا اللہ فی دفعہا لا یمیون ، و انہم یعلمون ما فی الضمائر و علم)
- ☆ (المنایا و البلیا و فصل الخطاب و الاموالید .)
- (بحار الأنوار صفحہ ۱۳۷ ، جلد ۲)

ترجمہ : ”ان سے شیعوں کے حالات میں سے اور جن علوم کی امت کو
 ضرورت ہے ، ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ، جو مصائب ان کو پہنچتے ہیں ، وہ

ان کو جانتے ہیں ان پر صبر کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کے نالے کی دعا کرتے تو ان کی دعا قبول ہوتی، وہ لوگوں کے دلوں کے بھید جانتے ہیں، موتوں اور مصیبتوں کا علم رکھتے ہیں، ان کو فصلِ خطب کا علم ہے اور وہ پیدائشوں کو جانتے ہیں۔

اس باب کی باون روایتوں میں سے ایک روایت:

۱۶۔ بر: عبد اللہ بن عامر عن ابن امی لجبران قال: کتب أبو الحسن الرضا (علیہ السلام) رسالة و أقرأ بها قال: قال علي بن الحسين (علیہ السلام): إن محمدًا (صلی اللہ علیہ وسلم) كان أمين الله في أرضه، فلما قبض محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) كنا أهل البيت ورنه فنحن أمناء الله في أرضه، عندما علم البلايا والمنايا وأصاب العرب ومولد الاسلام، وإنا لتعرف الرجل إذا رأينا به حقيقة الايمان وحقيقة النفاق، وإن شيعتنا لمكتوبون بأسمائهم وأسماء آبائهم أخذ الله علينا وعليهم الميثاق برددون موردنا وبدخلون مدخلنا.

(بحار الانوار صفحہ ۱۳۲ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابن ابی نجران سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے ایک خط لکھا اور مجھے پڑھوایا۔ اس میں لکھا تھا کہ: علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین میں اللہ کے امین تھے۔ پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھائے گئے تو ہم اہل بیت آپ کے وارث ہوئے۔ چنانچہ زمین میں ہم اللہ کے امین ہیں، ہمیں مصائب و اموات کا بھی علم حاصل ہے اور انساب عرب و مولد اسلام کا بھی، ہم کسی شخص کو دیکھتے ہیں تو اس کے ایمان و نفاق کی حقیقت ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ ہمارے شیعہ کے نام مع ولایت لکھے ہوئے ہیں، اللہ نے ہم سے اور ہمارے شیعہ سے پکا وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہمارے ہی ٹھکانے میں ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔“

دسوال عقیدہ

امام، تمام زبانیں اور دنیا بھر کی تمام بولیاں جانتے ہیں۔

بحار الانوار ایک باب کا عنوان ہے:

”انهم يعلمون جميع اللسن واللغات ويتكلمون بها“

ترجمہ: ”امام دنیا کی ساری زبانیں اور ساری بولیاں جانتے ہیں اور تمام زبانوں میں گفتگو فرماتے ہیں۔“

اس سلسلہ کی ایک روایت:

۷۔ مختص: ابن یزید عن ابن امی حمیر عن بعض رجاله عن امی عبد اللہ (علیہ السلام) قال: قال الحسن بن علی (علیہ السلام): إن الله مدبنتين: إحداهما بالشرق، والأخرى بالمغرب، عليهما سور من حديد، وعلى كل مدينة ألف ألف باب مصراعين من ذهب فيها سبعون ألف ألف لغة يتكلم كل لغة بخلاف لغة صاحبها وأنا أعرف جميع اللغات وما فيها وما بينهما، وما عليهما حجة غیری و غیر أخي الحسين (علیہ السلام).

(بحار الانوار صفحہ ۱۹۲ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ امام حسن (علیہ السلام) نے فرمایا: اللہ کے دو شہر ہیں۔ ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں۔ ان کے گرد لوہے کی فصیل ہے۔ ہر شہر کے دس لاکھ دروازے ہیں، جن کے کواڑ سونے کے ہیں۔ ہر شہر میں سات کروڑ زبانیں بولی جاتی ہیں جو ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ مجھے ان تمام زبانوں پر بھی عبور حاصل ہے اور ان شہروں کے اندر اور ان کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے، میں اس کو بھی جانتا ہوں۔ ان دونوں شہروں پر صرف مجھے اور میرے بھائی حسین (علیہ السلام) کو ہی ”حجت“ بنایا گیا ہے۔“

شیخ مفید کی ایک عبارت نقل کر کے علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

أقول: أما كونهم عالمين باللغات فلاخبار فيه فريضة من حد التواتر وباسم الام اخبار العامة لا يبقى فيه مجال شك، وأما علمهم بالصناعات فعمومات الاخبار المستنبضة دالة عليه، حيث ورد فيها أن الحجة لا يكون جامعاً في شيء، بقول: لا أدري، مع ماورد أن عندهم علم ما كان وما يكون وأن علوم جميع الأنبياء وصل إليهم، مع أن أكثر الصناعات منسوبة إلى الأنبياء (علیہم السلام)، وقد فسر تعلیم الأسماء لآدم (علیہ السلام) بما يشمل جميع الصناعات.

وبالجملة لا ينبغي للمعتب شك في ذلك أيضاً.

(بحار الانوار صفحہ ۱۹۳ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ یہ عقیدہ کہ ائمہ کو تمام زبانوں پر عبور حاصل تھا اس بارے میں روایات حد قوت کو پہنچی ہوئی ہیں اور اگر عامہ کی (یعنی اہل سنت کی) روایات کو بھی ان کے ساتھ ملا لیں تو اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ رہا یہ کہ ان کو صناعات کا بھی علم ہوتا ہے تو روایات مشہورہ و مستفیضہ کا عموم اس کی دلیل ہے۔ جیسا کہ یہ روایت کہ ”حجت“ کسی چیز سے ثبوت نہیں ہوتا کہ یوں کہے ”مجھے معلوم نہیں“ اسی طرح اس مضمون کی روایات کہ ان کو ماکان و ما یکون کا علم حاصل تھا اور یہ کہ تمام انبیاء کے علوم بھی ان کے پاس تھے۔ جبکہ اکثر صناعات انبیاء علیہم السلام ہی کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو اہام کی جو تعلیم دی گئی اس کی تفسیر اس طرح کی گئی جو تمام صنعتوں کو شامل ہے۔ اعراس نور و فکر کرنے والے کو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

گیارہواں عقیدہ

امام، پرندوں اور چرندوں کی بولیاں بھی جانتے ہیں۔

ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ مَا يُحِبُّهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالطَّيُورِ ﴾

﴿ وَ مَا كَسَبَ عَلَى جَنَاحِ الْهَدَّيْدِ مِنْ فَضْلِهِمْ ﴾

﴿ وَ أَنَّهُمْ يَعْلَمُونَ مَنْطِقَ الطَّيُورِ وَ الْبَهَائِمِ ﴾

(بخار الانوار ... صفحہ ۲۶۱ جلد ۲)

ترجمہ: ”چوپائے اور پرندے ان سے محبت رکھتے ہیں، بدھ کے پرول پر ان کی فضیلت لکھی ہے اور وہ پرندوں اور بہائم کی بولیاں جانتے ہیں۔“

بارہواں عقیدہ

پہلے امام کی زندگی کے آخری لمحے میں اس کے بعد والے امام کو تمام علوم حاصل ہو

جاتے ہیں۔

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ وَتَمَّامَ مَا يَعْلَمُ الْإِمَامُ جَمِيعَ عِلْمِ الْإِمَامِ الَّذِي كَانَ قَبْلَهُ ﴾

عليه السلام جميعاً

(صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”امام کو اس کے پہلے امام کے تمام علوم کس وقت حاصل ہوتے ہیں؟“

اس باب میں امام صادقؑ کا ارشاد نقل کیا ہے:

۲۔ عَنْ عَبْدِ بْنِ زُرَّارَةَ وَجَاعَةَ مَعَهُ قَالُوا: سَمِعْنَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: يَعْرِفُ الَّذِي بَعْدَ

الْإِمَامِ عِلْمَ مَنْ كَانَ قَبْلَهُ فِي آخِرِ دَقِيقَةٍ تَبْقَى مِنْ رُوحِهِ.

(صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”جو شخص امام کے بعد امام بنتا ہے وہ اپنے سے پہلے امام کی زندگی کے آخری منٹ میں اس کے تمام علوم کو جان لیتا ہے۔“

اگرچہ ائمہ کے علوم کے بارے میں حضرات امامیہ کے دیگر عقائد بھی ہیں، مگر میں بارہ اماموں کے باہر کثرت عدد کی مناسبت سے فی الحال انہی بارہ عقائد کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

پانچویں بحث: ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے

حضرات امامیہ نے ائمہ کے علوم کے بہت سے ذرائع ذکر کئے ہیں۔ یہاں ان ذرائع کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے:

پہلا ذریعہ: کتاب و سنت

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب و سنت کے علوم حاصل کئے، لیکن حضرات امامیہ کے نزدیک حضرات ائمہ، قرآن و سنت کے علوم میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں جو ان کے سوا امت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ ان کی چند امتیازی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

اول: جیسا کہ جناب محمد جواد مغنیہ نے ”الشیعۃ فی المیزان“ میں لکھا ہے وہ الف سے تک قرآن و سنت کا علم محیط رکھتے ہیں۔ ہر آیت کی تزیل و تاویل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل اور تقریر انہیں سورۃ فاتحہ کی طرح ہمہ وقت یاد رہتی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی آیت کی تزیل و تاویل میں ان کا فہم چوک جائے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت ان کے حافظہ سے نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتیاز صرف انہی حضرات کو حاصل ہے، اس لئے ائمہ کو اجتہاد و قیاس کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور نہ ان کے کسی فتویٰ میں سہو و نسیان اور بھول چوک کا امکان ہے۔

دوم: امامیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم میں برابر کے شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی تھی کہ ان کو

من جانب اللہ جو بات بھی بتائی جائے وہ حضرت علیؑ کو ضرور بتائے۔ ان کے علاوہ کسی کو بتانے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لئے علوم نبویؐ میں بہت سی باتیں صرف حضرت علیؑ کو معلوم تھیں، ان کے سوا دوسرا کوئی ان کو نہیں جانتا تھا۔ اور حضرت علیؑ کا پورا علم یکے بعد دیگرے ائمہ کو منتقل ہوتا رہا۔

سوم: قرآن و سنت سے متعلق ائمہ کے علوم اسی طرح قطعی و یقینی تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم قطعی تھے۔ اس لئے صرف انہی کا علم لائق اعتماد ہے، ان کے سوا کسی کا علم لائق اعتماد نہیں۔

یہاں اصول کافی کتاب الحجہ کے چند عنوانات ملاحظہ فرمائیے:

الف: ﴿اِنَّ لَمْ يَجْمَعْ الْقُرْآنُ كُلَّهُ اِلَّا الْاِئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَالْهَمَّ﴾

﴿بَلَمَّا مَوْنُ عَلِمَهُ كُلُّهُ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۲۸ جلد ۱)

ترجمہ: ”پورے قرآن کو ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور ائمہ پورے قرآن کا علم رکھتے ہیں۔“

ب: ﴿اِنَّ اَهْلَ الذِّكْرِ الَّذِيْنَ اَمَرَ اِلٰهَ الْخَلْقِ بِاِلٰهِهِمْ هُمُ الْاِئِمَّةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۱۰ جلد ۱)

ترجمہ: ”قرآن کریم میں جن اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم آیا ہے، ان سے سوا ائمہ ہیں۔“

ج: ﴿اَنْ مِنْ وَصَفِهِ اِلٰهٌ تَعَالٰی فِیْ كِتَابِهِ بِالْاِئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۱۲ جلد ۱)

ترجمہ: ”قرآن کریم میں جن کو ”عالم“ کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔“

د: ﴿اِنَّ الرَّاٰسِخِيْنَ فِی الْعِلْمِ هُمُ الْاِئِمَّةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۱۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”قرآن کریم میں جن کو راہنیں کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔“

مختصر یہ کہ قرآن و سنت کا نزول صرف ائمہ کے لئے ہے، اور بس۔

دوسرا ذریعہ: کتب سابقہ

اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کے حامل تھے۔ ان کے پاس کتب سابقہ بھی موجود رہتی تھیں اور یہ حضرات ان کی تلاوت بھی فرماتے تھے۔ پس جس طرح ائمہ، کتاب و سنت کے علوم پر احاطہ کاملہ رکھتے تھے اسی طرح کتب سابقہ اور انبیائے سابقین علیہم السلام کے علوم پر بھی ان کا علم محیط تھا۔ اور آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب کا کوئی حرف ان سے غائب نہیں تھا۔

تیسرا ذریعہ: روح القدس

اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ کی پانچ روحوں میں سے ایک کا نام ”روح القدس“ ہے۔ اسی روح القدس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حامل نبوت تھے۔ اور اس روح کی وجہ سے ائمہ پر چودہ طبق روشن رہتے ہیں، اور وہ عرش سے فرش تک اور فرش سے تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہیں۔

چوتھا ذریعہ: روح اعظم

اس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے کہ جبریل و میکائیل اور ماٹکہ سے عظیم تر ایک مخلوق کا نام ”الروح“ ہے اور وہ ہمیشہ ائمہ کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی ”روح اعظم“ کے ذریعہ ائمہ کے علم و فہم کے تمام عقدے حل ہوتے ہیں۔

پانچواں ذریعہ: الصحیفۃ الجامعة

شیعہ روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمثالی میں ایک صحیفہ املا کرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بولتے جاتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے۔ یہاں تک کہ ”ستر گز لمبی کتاب“ تیار ہو گئی۔ اس میں تمام حلال و حرام درج تھے۔ اور وہ تمام احکام بھی جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔ حتیٰ کہ خراش کا تاوان تک اس میں درج تھا۔ اس کو ”کتاب علی“ بھی کہا جاتا ہے، ”مصحف علی“ بھی، ”الصحیفہ“ بھی اور الجامعة

بھی۔

چنانچہ اصول کافی ”باب فیہ ذکر الصحیفۃ والحنف والجامعة و مستحکم فاطمة علیہا السلام“ میں حضرت صادقؑ کے خاص محرم راز جناب ابوبصیر کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

”میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، یہاں کوئی اور تو نہیں جو میری بات سنتا ہو؟ امام نے وہ پردہ اٹھایا جو ان کے اور دوسرے گھر کے درمیان تھا اور اندر دیکھ کر فرمایا کہ اندر کوئی نہیں جو جی چاہے پوچھ سکتے ہو۔ میں نے کہا آپ کے شیعہ باتیں کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو علم کا ایک باب سکھایا تھا جس سے ہزار باب کھلتے ہیں۔ فرمایا ایک نہیں! بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو ہزار باب سکھائے تھے کہ ہر باب سے ہزار باب کھلتے تھے۔ میں نے کہا واللہ! علم تو یہ ہے۔ امام تھوڑی دیر زمین کریدتے رہے، پھر فرمایا کہ یہ علم تو ہے لیکن کچھ ایسا علم نہیں۔“

پھر فرمایا:

قال: ثم قال: يا أبا عبد! وإن عندنا الجامعة وما يندبرهم ما الجامعة؟ قال: قلت: جعلت فداك وما الجامعة؟ قال: صحيفه ملوها سبعون ذراعاً بهذا رسول الله ﷺ وإملائه (۱) من فلق فيه وخط علي بيمينه، فيها كل حلال وحرام وكل شيء يحتاج الناس إليه حتى الأرض والحدس (اصول کافی ص ۲۳۵ جلد ۱)

ترجمہ: ”اور ہمارے پاس جامعہ ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا چیز ہے؟ پوچھنے پر فرمایا کہ یہ ایک صحیفہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی پیش سے سزا تھ کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان سے املا کراتے تھے اور حضرت علیؑ لکھتے جاتے تھے۔ اس میں حلال و حرام کی تمام چیزیں ہیں اور وہ تمام چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے، حتیٰ کہ خراش کا تاوان بھی اس میں لکھا ہے۔“

ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ علم تو یہ ہے، فرمایا یہ علم تو ہے مگر کچھ ایسا علم نہیں۔

چھٹا ذریعہ: علم جعفر

مندرجہ بالا روایت میں آگے ہے کہ امام تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا:

ثم قال: وإن عندنا الجفر وما يندبهم ما الجفر؟ قال قلت: وما الجفر؟ قال: وعاء من آدم فيه علم النبيين والوصيين مدعى العلماء الذين مضوا من بني إسرائيل (اصول کافی..... صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

ترجمہ: ”اور ہمارے پاس جعفر بھی ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جعفر کیا چیز ہے؟ یہ چمڑے کا ایک برتن یا تھمیا ہے جس میں پہلے کے انبیاء اور اوصیاء کا علم ہے۔ اور بنو اسرائیل کے ان علماء کا علم ہے جو گزر چکے ہیں۔“

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ علم تو یہ ہے۔ فرمایا، یہ علم تو ہے مگر کچھ ایسا علم نہیں۔

سراواں ذریعہ: مصحف فاطمہ

اسی روایت میں آگے ہے کہ امام نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا:

قال: وإن عندنا لمصحف فاطمة ؑ وما يندبهم ما مصحف فاطمة ؑ قال: قلت: وما مصحف فاطمة ؑ؟ قال: مصحف فيه مثل قرآنكم هذا ثلاث مرات، والله ما فيه من قرآنكم حرف واحد (اصول کافی..... صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

ترجمہ: ”اور ہمارے پاس ”مصحف فاطمہ“ ہے اور لوگوں کو کیا خبر کہ ”مصحف فاطمہ“ کیا چیز ہے؟ میں نے پوچھا ”مصحف فاطمہ“ کیا چیز ہے؟ فرمایا، تمہارے اس قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ بخدا! اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔“

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ! علم تو یہ ہے۔ فرمایا، یہ علم تو ہے، مگر کچھ ایسا علم نہیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ ہمارے پاس ”ما کان وما یکون“ کا علم ہے۔ میں نے کہا واللہ! علم تو یہ ہے، فرمایا، یہ علم تو ہے مگر

کچھ ایسا علم نہیں، میں نے کہا پھر علم کیا ہے؟ فرمایا، قیامت تک جتنے امور اور جتنی چیزیں یکے بعد دیگرے وقوع میں آتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا علم۔

مصحف فاطمہ کیا چیز ہے

مندرجہ بالا روایت میں مصحف فاطمہ کا ذکر آیا ہے۔ اس کے بارے میں امام جعفر صادق ہی کا تفصیلی بیان ”اصول کافی“ کے اسی باب کی دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے! جناب ابو بصیر ہی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے اس سوال کے جواب میں کہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ (یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے) فرمایا کہ:

ترجمہ: ”اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کو اس دنیا سے اٹھایا اور آپؐ کی وفات ہو گئی تو فاطمہؑ کو ایسا رنج و غم ہوا، جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو اللہ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا جو ان کے غم میں ان کو تسلی دے اور ان سے باتیں کیا کرے۔ فاطمہؑ نے امیر المومنینؑ کو یہ بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم کو اس فرشتہ کی آمد کا احساس ہو اور اس کی آواز سنو تو مجھ کو بتا دو تو (اس کی آمد پر) میں نے ان کو ملنا دیا تو امیر المومنین نے ایسا کیا کہ جو کچھ فرشتے سے سنتے اس کو لکھتے جاتے یہاں تک کہ انہوں نے اس سے ایک مصحف تیار کر لیا۔ (یہی مصحف فاطمہ ہے)۔“

(اصول کافی..... صفحہ ۲۳۰ جلد ۱)

آٹھواں ذریعہ: نور کا ستون

شیعی روایات کے مطابق امام کو نور کا ایک ستون عطا کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ امام اپنی جگہ بیٹھا پوری دنیا میں بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ بحال الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

❦ (ان الله تعالى يرفع للامام عموداً ينظر به الى اعمال العباد) ❦
(بحال الانوار..... صفحہ ۱۳۲ جلد ۲)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ امام کے لئے ایک ستون بلند کرتے ہیں جس کے ذریعہ وہ بندوں کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔“

اس باب کی سولہ روایتوں میں سے امام باقرؑ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام، ماں کے پیٹ میں سب کچھ سنتا ہے۔ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کندھے پر آیت ”وتمت کلمۃ ربک“ لکھی ہوتی ہے۔

ثم بیعت أبا له عموداً من نور من تحت بطن العرش إلى الأرض يرى فيه أعمال الخلائق كلها ثم ينشعب له عمود آخر من عند الله إلى أذن الإمام كلما احتاج إلى مزيد الفرج فيه إفراغاً. (بحار الانوار..... صفحہ ۱۳۵ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”پھر اس کے لئے نور کا ایک ستون عرش کے نیچے سے فرش تک بلند کیا جاتا ہے۔ جس میں وہ ساری مخلوق کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ پھر اس کے لئے ایک اور ستون لگتا ہے جس کا ایک سر اللہ تعالیٰ کے پاس اور دوسرا سر امام کے کان کے پاس ہوتا ہے۔ امام کو جب کسی مزید چیز کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس ستون کے ذریعہ مغائب اللہ امام کے کان میں ڈال دی جاتی ہے۔“

فائدہ: یہ آٹھواں ذریعہ امام باقرؑ کی تصریح کے مطابق درحقیقت دو ذریعوں پر مشتمل ہے۔ ایک نور کا ستون، جس کے اندر سے امام کو تمام بندوں کے بلکہ تمام مخلوق کے اعمال اور ان کی تمام حرکات و سکنات نظر آتی ہیں، یہ تو گویا امام کے لئے نور کا خدائی ٹیلیویژن ہے۔ جس کی اسکرین پر امام کو پوری کائنات نظر آتی ہے۔ اور دوسرا ذریعہ وہ نورانی عمود ہے جس کا ایک سر اخدا کے پاس اور دوسرا امام کے کان کے پاس ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ نور کی ٹیلیفون لائن ہے جس کے ذریعہ ہمہ دم امام کا اللہ تعالیٰ سے مواصلاتی رابطہ رہتا ہے۔

نواں ذریعہ: فرشتوں سے بالمشافہ ملاقات

کبھی کبھی فرشتے ائمہ سے بالمشافہ ملاقات کرتے ہیں اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں۔ اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿أن الأئمة تدخل الملائكة بيوتهم و تطأ بطنهم و تأتيهم﴾
﴿بالاخبار عليهم السلام﴾

(اصول کافی..... صفحہ ۳۹۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”فرشتے ائمہ کے گھروں میں آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں۔“
اس باب کی ایک روایت:

عنه عن محمد بن الحسن، عن محمد بن أسلم، عن علي بن أبي حمزة، عن أبي الحسن عليه السلام قال: سمعته يقول: ما من ملك يبسطه الله في أمرنا يبسطه إلا بدأ بالإمام، فعرض ذلك عليه، وإن غنفت الملائكة من عند الله تبارك وتعالى إلى صاحب هذا الأمر.

(صفحہ ۳۹۳، جلد ۱۔ روایت نمبر ۴)

ترجمہ: ”امام ابو الحسنؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو بھی کسی کام کے لئے بھیجتے ہیں وہ سید صاحب سے پہلے امام کے پاس آتا ہے اور اس کام کو امام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور فرشتوں کی آمد و رفت اللہ تعالیٰ کے پاس سے ”صاحب امر“ کی طرف ہوتی ہے۔“

بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ان الملائكة تأتيهم و تطأ بطنهم و تأتيهم﴾

﴿صلوات الله عليهم أجمعين﴾

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۵۱ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”فرشتے ائمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتے بھی ہیں۔“

اس مدعا کے ثبوت میں ۲۶ روایتیں پیش کی ہیں۔

دسواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے الہام والقاء

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے، ”جہات علوم الائمہ“ یعنی ”ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے“ اس میں امام صادق کا ارشاد نقل کیا ہے:

۳۔ علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن محمد بن الحسن، عن الفضل بن عمر قال: قلت لأبي الحسن عليه السلام: روينا عن أبي عبد الله عليه السلام أنه قال: إن علمنا غابر وعز بود ونكت في القلوب ونقر في الأسماع فقال أما الغابر فما تقدم من علمنا، وأما المزبور فما يأتي، وأما النكت في القلوب فما لها، وأما النقر في الأسماع فأمر الملك، (اصول کافی..... صفحہ ۲۶۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”ہمارا علم کچھ تو وہ ہے جو گزر چکا، کچھ وہ ہے جو لکھا ہوا ہے، کچھ وہ ہے جو دلوں میں ڈالا جاتا ہے اور کانوں میں القاء کیا جاتا ہے۔“ جو گزر چکا“ سے مراد وہ علم ہے جو پہلے حاصل ہو چکا۔ ”جو لکھا ہوا ہے“ سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس شب و روز آتا ہے۔ ”جو دلوں میں ڈالا جاتا ہے“ اس سے مراد الہام ہے۔ اور ”جو کانوں میں القاء کیا جاتا ہے۔“ وہ فرشتے کا حکم کرنا ہے۔

بحار الانوار ”کتاب الاماتہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿جہات علومہم علیہم السلام و ما عندهم من الكتب و انه﴾

﴿ینقر فی آذانہم و ینکت فی قلوبہم﴾

(بحار الانوار صفحہ ۱۸ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ائمہ کو کن کن ذرائع سے علوم حاصل ہوتے ہیں؟ اور ان کے پاس کون کون سی کتابیں ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ ان کے کانوں میں آوازیں آتی ہیں اور ان کے دلوں میں علوم القاء کئے جاتے ہیں۔“

اس باب میں حسب عادت ۱۳۹ روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جن میں ان مضامین کو باصرار و تکرار دہرایا گیا ہے۔ نیز بحار الانوار ”کتاب تاریخ امیر المومنین“ میں ایک باب کا عنوان ہے:

”ان اللہ ناجا، صلوات اللہ علیہ، وان الروح یقی لہ، وجبریل املاہ“

(صفحہ ۱۵۱، جلد ۳۹)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے آپ سے مناجاتیں کی، روح القدس آپ کو القاء کیا کرتا تھا اور جبریل نے آپ کو املا کر لیا۔“

پھر اس مدعا کو ۱۹ روایات سے ثابت کیا ہے۔
گیارہواں ذریعہ: ہفتہ وار معراج

شیعی روایات کے مطابق ہر شب جمعہ میں ارواح ائمہ کو معراج ہوتی ہے، وہ عرش تک پہنچائے جاتے ہیں اور وہاں ان کو بے شمار علوم عطا ہوتے ہیں۔ اصول کلی میں ایک باب کا عنوان ہے، باب فی الانعمۃ یزدا دون فی لیلۃ الجمعة یعنی ”ہر شب جمعہ کو ائمہ کے علوم میں اضافہ ہوتا ہے“ اور اس کے ذیل میں امام صادق سے نقل کیا ہے:

۱۔ حدیثی أحمد بن ادریس القمّی وثقہ، بن یحیی، عن الحسن بن علی الکوفی عن موسیٰ بن سعدان، عن عبد اللہ بن آیوب، عن أبی یحیی الصنعانی، عن أبی عبد اللہ علیہ السلام قال: قال لی: یا أبا یحیی إن لنا فی لیلالی الجمعة لشیئاً من الشان، قال قلت جعلت فداک وما ذلک الشان قال: یؤذن لأرواء الانبیاء الموتی والصلوات وأرواح الاوصیاء الموتی وروح الوصی الذی بین ظہرائیکم، یمرج بہا إلی السماء حتی توافی عرش ربہا، فنطوف بہ اسبوعاً وتصلی عند کل قائمۃ من قوائم العرش رکعتین، ثم ترد إلی الأبدان التی كانت فیہا فتصبح الانبیاء والاوصیاء قد ملؤا سروراً ویصبح الوصی الذی بین ظہرائیکم و قد زید فی علمہ مثل جم الغفر۔

(اصول کافی صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴ جلد ۱)

ترجمہ: ”ہمارے لئے جمعی راتوں میں ایک عظیم شکر ہوتی ہے۔ میں نے کہا، میں آپ پر فدا ہو چلوں، وہ کیا شکر ہے؟ فرمایا وفات یافتہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح اور اس طرح فوت شدہ وصیوں کی روجوں کو اور اس زندہ وصی کی روح کو، جو تہمدے درمیان موجود ہوتا ہے، اجازت دی جاتی ہے، ان کو آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب عرش الہی تک پہنچ جاتی ہیں، وہاں پہنچ کر عرش کا سات دفعہ طواف کرتی ہیں، پھر عرش الہی کے ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتی ہیں، پھر ان سب روجوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جاتا ہے، جن میں وہ پہلے تھیں، پھر یہ تمام نبی اور وصی جو حالت میں صبح کرتے ہیں کہ سرت سے لبریز ہوتے ہیں اور وہ وصی جو تہمدے درمیان ہے اس حل میں صبح کرتا ہے کہ اس کے علم میں مثل جم غفر کے اضافہ ہو جاتا ہے۔“

بحار الانوار میں اسی مضمون کا عنوان ہے، ”باب انہم یزدا دون.... وان ارواحہم تعرج الی السماء فی لیلۃ الجمعة“ اور اس مدعا کے ثبوت میں حسب عادت ۳ روایات نقل کی ہیں۔

بارہواں ذریعہ: شب قدر میں نازل ہونے والی کتاب

شیعہ عقیدہ کے مطابق ائمہ پر ہر سال کی شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس کو فرشتے اور ”الروح“ لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ اصول

کافی "کتاب الحجہ" میں ایک باب کا عنوان ہے:

باب فی شان انا انزلناہ فی لیلۃ القدر و تفسیرہا

اس میں امام باقرؑ سے روایت نقل کی ہے:

۷۔ وعن أبي جعفر عليه السلام قال: لقد خلق الله جل ذكره ليلة القدر أول ما خلق الدنيا ولقد خلق فيها أول نبي يكون، وأول وصي يكون، ولقد قضی أن يكون في كل سنة ليلة يهبط فيها بتنسیر الأمور إلى مثلها من السنة المقبلة،

(اصول کافی..... صفحہ ۳۵۰)

ترجمہ: "امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو پیدا کیا سب سے پہلے جب دنیا پیدا کی، اور اس میں سب سے پہلا نبی اور سب سے پہلا وصی پیدا کیا۔ اور یہ تحقیق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہر سال میں ایک ایسی رات ہو جس میں ان تمام احکام کی تفسیر نازل کی جائے جو آئندہ سال کی اس رات تک پیش آنے والے ہیں۔"

اور اصول کافی کتاب التوحید "باب البداء" میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ:

"انہو نے قرآن کریم کی آیت شریفہ "یحمو اللہ ما یشاء ویثبت، وعنده علم الكتاب" کی تفسیر میں فرمایا کہ "وہی چیز مطلق جلتی ہے جو پہلے ثابت ہو اور وہی چیز ثابت کی جلتی ہے جو پہلے نہ ہو۔"

(اصول کافی..... صفحہ ۱۳۶، جلد ۱۔ روایت نمبر ۲)

علامہ غلیل قزوینی "صافی شرح کافی" میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے

ہیں:

"برائے ہر سال کتاب علیحدہ است مراد کتابیست کہ در ان تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام است تا سال دیگر، نازل شوند بآں کتاب ملائکہ و روح در شب قدر بر امام زمین، اللہ تعالیٰ باطل کذباًں کتاب آنچہ را کہ میخواند از اعتقادات امام خلایق و اثبات می کند درو آنچہ کہ می خواند از اعتقادات"

(صافی شرح کافی..... صفحہ ۲۲، جلد ۲)

ترجمہ: "ہر سال کے لئے ایک کتاب علیحدہ ہے، اس سے مراد وہ کتاب

ہے جس میں ان حوادث کی تفسیر ہوتی ہے جن کی حاجت امام کو دوسرے سال تک ہے۔ اس کتاب کو لے کر فرشتے اور روح شب قدر میں امام زمین پر نازل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے امام خلایق کے جن اعتقادات کو چاہتا ہے باطل کر دیتا ہے اور جن اعتقادات کو چاہتا ہے اس کتاب میں قائم کرتا ہے۔"

تیسرے ہواں ذریعہ: علم نجوم

ائمہ علم نجوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے۔ روضہ کافی میں ابو عبد اللہ مدائنی سے روایت ہے کہ امام صادق نے فرمایا:

۳۶۹۔ عده من أصحابنا، عن سهل بن زیاد، عن الحسن بن علی بن عثمان قال: حدثني أبو عبد الله المدائني، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: إن الله عز وجل خلق نجماً في الفلك السابع فخلق من ماء بارد وسائر النجوم السنة الجارية من ماء حار وهو نجم الأنبياء والأوصياء وهو نجم أمير المؤمنين عليه السلام بأمر بالخرج من الدنيا والزهد فيها وبأمر بالتراب والتراب وتوسد اللبن ولباس الغشن وأكل الجشب (۲) وما خلق الله نجماً أقرب إلى الله تعالى منه.

(روضہ کافی..... صفحہ ۲۵۷ جلد ۸)

ترجمہ: "اللہ نے فلک ہفتم پر ایک ستارہ پیدا کیا ہے، اس ستارے کو ٹھنڈے پانی سے پیدا کیا ہے، اور اس کے سوا اور جو چھ ستارے باقی چھ آسمانوں کے ہیں، ان کو گرم پانی سے پیدا کیا ہے، اور وہی ٹھنڈے پانی کا ستارہ انبیاء اور اوصیاء کا ستارہ ہے اور وہی امیر المؤمنین علیہ السلام کا ستارہ ہے۔ حکم کرتا ہے دنیا سے نکل جانے اور اس کو چھوڑ دینے کا، اور حکم کرتا ہے خاک پر سونے اور اینٹوں سے ٹکیہ بنانے اور مونا کپڑا پہننے اور بد مزہ طعام کھانے کا، اور ہمیں پیدا کیا ہے اللہ نے کوئی ستارہ جو اس ستارہ سے زیادہ اللہ کا مقرب ہو۔"

ائمہ ستاروں کی سعادت اور نحوست کے بھی قائل تھے۔ محمد بن حمران اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ امام صادق نے فرمایا:

"من سافر أو تزوج والعمر في العترة لم ير الحسنى"

(روضہ کافی..... صفحہ ۲۷۵، جلد ۸)

ترجمہ: ”جس نے سفر کیا یا نکل کر کیا ایسے وقت میں کہ قمر در عقرب ہو، وہ بھلائی نہ دیکھے گا۔“

ائمہ سے یہ بھی منقول ہے کہ علم نجوم کا ماہر ایک خاندان تو ہندوستان میں ہے اور ایک عرب میں۔ چنانچہ روضہ کفنی میں معلیٰ بن خنیس سے مروی ہے:

۵۰۷۔ غنبدین یحییٰ، عن سلمة بن الخطاب؛ وعدة من اصحابنا، عن سهل بن زیاد^(۷)، جمیعاً، عن علی بن حسان، عن علی بن عطیة الزبایات، عن معلی بن خنیس قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام عن النجوم أحقُّ هي، فقال: نعم إن الله عز وجل بعث المشتري إلى الأرض في صورة رجل فأخذ رجلاً من المجمع فعلمه العجوم حتى ظن أن قد بلغ ثم قال له: أنظر ابن المشتري، فقال: ما أراه في الفلك وما أدرى أين هو، قال: فنهض وأخذ يندرجل من الهند فعلمه حتى ظن أنه قد بلغ وقال: انظر إلى المشتري أين هو، فقال: إن حسابي ليدل على أنك أنت المشتري، قال: وشقيق شقيقه فمات وورث علمه أهله فالعلم هناك.

(روضہ کفنی، صفحہ ۳۳۰ جلد ۸)

ترجمہ: ”میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ نجوم حق ہے؟

انہوں نے کہا ہاں حق ہے۔ اللہ نے مشتری ستارے کو آدمی کی صورت بنا کر زمین پر بھیجا تھا، اس نے مجھ کے ایک شخص کو شاکر دینا اور اس کو نجوم سکھایا، جب مشتری کو یہ ممکن ہوا کہ یہ شخص نجوم سیکھ کر کامل ہو گیا تو اس سے پوچھا کہ بتا مشتری کہاں ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں اس کو آسمان پر نہیں دیکھتا اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟ امام نے فرمایا کہ یہ سن کر مشتری نے اس کو جدا کر دیا۔ اور ہند کے ایک شخص کا ہاتھ پکڑا اور اس کو نجوم سکھایا، جب مشتری نے جان لیا کہ وہ اس فن میں کامل ہو گیا تو اس سے پوچھا کہ مشتری کو دیکھ کہ اس وقت کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میرا حساب یہ بتاتا ہے کہ تو مشتری ہے۔ یہ سن کر مشتری نے ایک نعرہ ملا اور مر گیا۔ اس کے بعد اس ہندی نے جس نے علم سیکھ لیا تھا، اپنے خاندان کو اس علم کا وارث بنا دیا۔ پس یہ علم اسی ملک میں ہے۔“

اس کے بعد اسی کتاب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دوسری روایت

ہے کہ:

عن أبي عبد الله عليه السلام قال: مثل عن النجوم قال: ما يعلمها إلا أهل بيت من العرب وأهل بيت من الهند.

(روضہ کفنی، صفحہ ۳۳۱ جلد ۸)

ترجمہ: ”امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے

نجوم کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ نجوم کو کوئی نہیں جانتا مگر ایک خاندان عرب کا اور ایک خاندان ہند کا۔“

مولانا احتشام الدین مراد آبادی نصیحة الشيعة میں لکھتے ہیں:

”امام نے جو یہ فرمایا کہ نجوم کا جاننے والا ایک خاندان عرب میں ہے اور ایک خاندان ہند میں، تو عرب کے خاندان سے تو انہوں نے اپنا خاندان مراد لیا اور ہند میں پنڈتوں کا خاندان جو توش میں مشہور ہے۔ مشتری فقط ایک ہندی کو سکھایا گیا تھا، شاید عرب میں کسی طرح ہند سے یہ فن پہنچا ہو گا۔“ قمر در عقرب ”کی نحوست کی بھی امام نے تصریح فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کا خواص نجوم پر بھی عمل تھا۔ نعوذ باللہ منہا۔“

علامہ مجلسی نے بحار الانوار ”کتاب تاریخ امیر المومنین“ کے باب ۹۳ میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ:

”امیر المومنین علیہ السلام تمام علوم مثلاً قرأت، تفسیر، فقه، فرائض، روایت، کلام، نحو، خطابت، شعر، وعظ، فلسفہ، ہندسہ، علم نجوم، حساب، کیے، اور طب میں ساری دنیا کے امام تھے۔“ (دیکھئے صفحہ ۱۵۶ تا ۱۷۱، جلد ۳۰)

ائمہ علم نجوم کی بدولت سعد و نحس اوقات کو بھی جانتے تھے اور دنوں کی نحوست کے بھی قائل تھے۔ چنانچہ ہرمینے کے آخری بدھ کو بطور خاص منحوس جانتے تھے۔ علامہ مجلسی حیات القلوب جلد اول کے باب دوم کی فصل پنجم میں لکھتے ہیں:

”بہ سند معتبر امام رضا سے منقول ہے کہ ایک مرد شامی نے حضرت امیر المومنین سے قول خدا ”یوم یفر السوء من الخبیث“ (آیت ۳۳ سورۃ عبس پ ۳۰) کہ ”جس روز مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا۔“ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ فرمایا کہ قاتیل ہے جو اپنے بھائی بائیل

سے بھاگے گا۔ پھر روز چہل شنبہ کی نحوست کے بارے میں دریافت کیا۔
فرمایا کہ وہ آخر ماہ کا چہل شنبہ ہے جو تحت شعل میں واقع ہوتا ہے، اسی روز
قاتل نے ہاتل کو قتل کیا۔ ” (اردو ترجمہ حیات القلوب ص ۱۳۱ ج ۱)

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کتاب السماء و العالم، ”ابواب الازمہ
وانواعها وسعادتها ونحوستها“ میں بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ ائمہ کے نزدیک
سال کے کس مہینے کا کون سا دن اور کون سی گھڑی سعادت اور شمس ہوتی ہے؟ اسی میں ہر مہینے
کے آخری بدھ کی نحوست حضرت امیر المومنینؑ سے بہت مفصل نقل کی ہے۔
(صفحہ ۵۲، جلد ۵۶) یہ بھی لکھا ہے کہ ذوالحجہ کی ۲۶ تاریخ بڑی مبارک ہے۔ اس میں
روزہ رکھنے کا بڑا ثواب ہے کیونکہ اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مجوسی کے دست
بغا سے شہید ہوئے تھے:

ومن ذلك أن ابن إدريس - دہ - في سرائره بعد ذكر فضيلة أيام ذي الحجة
وما وقع فيها قال: وفي اليوم السادس والعشرين منه سنة ثلاث وعشرين من الهجرة
طلع من بين الخطاب، فينبغي للإنسان أن يصوم هذه الأيام، فإن فيها فضلاً
كثيراً وثواباً جزيلاً

(بحار الانوار صفحہ ۳۷۲ جلد ۵۵)

ترجمہ: ”اور من جملہ اس کے یہ کہ ابن ادریس نے اپنی کتاب ”سرائر“
میں ذوالحجہ کے ایام کی فضیلت اور اس ماہ کے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا
ہے کہ ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) فقی ہوئے،
پس آدمی کو چاہئے کہ ان دنوں کا روزہ رکھے، کیونکہ ان میں بڑی فضیلت اور
بڑا ثواب ہے۔“

زہے سعادت! کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہادت کے لئے ایسا
بابرکت دن نصیب ہوا۔

عجائبات میں سے ہے کہ ائمہ، مجوسیوں کے مہینوں اور دنوں کی سعادت و
نحوست بھی بیان فرماتے تھے۔ اور معلیٰ بن خنیس کی روایت کے مطابق امام صادق نے

مجوسیوں کے ”نوروز“ کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔

(بحار الانوار صفحہ ۹۲، جلد ۵۶)

ائمہ کے ان حیرت انگیز علمی کمالات اور ان کے وسیع علم کے ذرائع پر غور کیجئے،
جن کا خلاصہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور پھر انصاف کیجئے کہ آپ کے آیت اللہ محمد جواد مغنیہ کا
یہ کہنا کہ ائمہ کا علم قرآن و سنت تک محدود تھا اور یہ کہ ان کے علوم وہی نہیں بلکہ کسی
تھے، کیا یہ ائمہ کے حق میں تفسیر بلکہ گستاخی نہیں؟ جناب مغنیہ صاحب نے یہ بھی نہیں
سوچا کہ بارہویں امام تو چار پانچ سال کی عمر میں ”لوازمات امامت“ کے ساتھ روپوش
ہوئے تھے۔ انہوں نے کتاب و سنت کے علم کا اکتساب کس سے کیا تھا؟

چھٹی بحث : امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر؟

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"ہماری کتب عقائد میں "امام کی جو تعریف ہے وہ "نائب نبی" کی حیثیت

میں ہے۔ ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے فروتر ہوتا ہے۔ لہذا لا یخفی علی

اہل العلم۔"

اس کے بعد جناب نے علامہ نزاقی کی کفایۃ الحوحدین، روز بہان کی

"کلم الطیب"، شیخ علی بحرانی کی "منار الہدیٰ" اور شیخ حلی کے رسالہ

"عقائد" سے امامت کی تعریف نقل کر کے تحریر فرمایا ہے:

"غرضیکہ عقائد کی جتنی بھی کتابیں قدیم و جدید موجود ہیں، ان میں "امام"

کو نائب رسول ہی کہا گیا ہے۔"

آنجناب کا یہ ارشاد سر آنکھوں پر کہ آپ کے عقائد کی کتابوں میں "امام" کو

نائب نبی کہا گیا ہے اور یہ بھی صحیح کہ عقل سلیم کا فتویٰ یہ ہے کہ "نائب منوب عنہ سے

فروتر ہوتا ہے۔" لیکن اس کا کیا علاج کہ امامیہ، عقل سلیم کے علی الرغم انبیاء کرام علیہم

السلام پر ائمہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور وہ ائمہ کی طرف منسوب کردہ جھوٹی سچی روایات

کے مقابلہ میں نہ خدا اور رسول کی مانتے ہیں، نہ عقل کی سنتے ہیں۔ ان کے محدث اعظم

جناب باقر مجلسی نے یہ فتویٰ ہی صادر فرما دیا کہ:

"امامت بالاتر از رتبہ پیغمبری است"

"امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔"

(حیات القلوب..... صفحہ ۱۰، جلد ۳)

اور بحار الانوار کتاب الامامت کے ایک باب کا عنوان ہے:

﴿تفضیلہم علیہم السلام علی الانبیاء و علی جمیع الخلق و اخذ﴾

﴿میشاقہم عنہم و عن الملائکۃ و عن سائر الخلق، وان اولی﴾

﴿العزم اما صاروا اولی العزم بحبیہم صلوات اللہ علیہم﴾

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۶۷ جلد ۲۶)

"یعنی ۱۔" ائمہ علیہم السلام تمام انبیاء سے اور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

۲۔ ائمہ کے بارے میں انبیاء کرام سے، ملائکہ سے اور ساری مخلوق سے عمد

لایا گیا۔ ۳۔ اولو العزم انبیاء کرام صرف ائمہ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ

سے اولو العزم بنے تھے۔"

اس باب میں روایات کا ڈھیر لگانے کے بعد "عقائد صدوق" کے حوالے سے

لکھتے ہیں:

۔ عدد : یجب أن یعتقد أن الله عز وجل لم یخلق خلقا أفضل من محمد ﷺ

والأئمة علیہم السلام، وأنهم أحب الخلق إلى الله عز وجل وأكرمهم وأولهم إقراراً به

لما أخذ الله میثاق النبیین فی الذر، وأن الله تعالى أعطى (۳) کل نبی علی قدر معرفته

نبیئنا ﷺ وسبقه إلى الإقرار به، و یعتقد أن الله تعالى خلق جمیع ما خلق (۴) له

ولا أهل یسره ﷺ، وأنه لولا هم ما خلق السماء ولا الأرض ولا الجنة ولا النار ولا

آدم ولا حواء ولا الملائکة ولا شیئاً مما خلق، صلوات الله علیہم أجمعین (۵)۔

تاسکید و تائید : اعلم أن ما ذکره رحمه الله من فضل نبینا و أئمتنا صلوات الله

علیہم علی جمیع المخلوقات و کون أئمتنا ﷺ أفضل من سائر الأنبياء، هو الذی

لا یرتاب فیہ من تتبع أخبارهم ﷺ علی وجه الإذعان والیقین، والأخبار فی ذلك

أكثر من أن تحصى، وإتسا أوردنا فی هذا الباب قليلاً منها، وهي متفرقة فی الأبواب

لأئمتنا باب صفات الأنبياء و أئمتنا ﷺ، و باب أئمتنا ﷺ کلمة الله، و باب

بدو أنوارهم و باب أئمتنا أعلم من الأنبياء، و أبواب فضائل أمير المؤمنين و فاطمة

صلوات الله علیہما، و علیہم عدة الامامة، ولا یأیی ذلك إلا جامل بالأخبار۔

قال الشيخ المفید رحمه الله فی کتاب المقالات : قد قطع قوم من أهل الامامة بفضل

الأئمة من آل محمد ﷺ علی سائر من تقدم من الرسل والأنبياء سوى نبینا محمد ﷺ

و أوجب فریق منهم لهم الفضل علی جمیع الأنبياء سوى أولی العزم منهم ﷺ وأی

القولین فربق منهم آخر وقطعوا بفضل الأنبياء كلهم على سائر الأئمة عليهم السلام .
 وهذا باب ليس للمقول في إيجابه والمنع منه مجال ، ولا على أحد الأقوال إجماع
 وقد جاءت آثار عن النبي صلى الله عليه وآله في أمير المؤمنين عليه السلام وذو بنه من الأئمة عليهم السلام
 والأخبار عن الأئمة الصادقين عليهم السلام أيضاً من بعد ، وفي القرآن مواضع نفوي
 الغزم على ما قاله الفريق الأول في هذا المعنى ، وأنا ناظر فيه والله أعظم من الضلال
 انتهى (۱) .

(بحار الانوار صفحہ ۲۹ جلد ۲۶ روایت ۶۳)

ترجمہ: ”یہ عقیدہ لازم ہے کہ اللہ عز وجل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم اور ائمہ عظیم السلام سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ یہ حضرات اللہ
 عز وجل کے ہاں سب سے زیادہ محبوب و معزز ہیں اور عہد است میں یہی
 حضرات اولین اقرار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جو کچھ عطا کیا وہ
 اسی قدر عطا کیا جس قدر اس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل
 ہوئی۔ اور جس قدر اس نے آپ کا اقرار کرنے کی طرف سبقت کی اور یہ
 اعتقاد بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع مخلوقات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور
 آپ کے اہل بیت عظیم السلام کے سبب سے پیدا کیا۔ اور یہ کہ اگر یہ
 حضرات نہ ہوتے تو نہ آسمان و زمین کا وجود ہوتا، نہ جنت و دوزخ کا، نہ آدم
 و حوا کا اور نہ فرشتوں کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کو پیدا نہ فرماتا۔“

تشریح مزید: معلوم ہو کہ صدیق نے جو ذکر کیا ہے کہ ہمارے نبی اور ائمہ
 صلوات اللہ علیہم تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ کہ ائمہ عظیم السلام،
 تمام انبیاء سے افضل ہیں، یہ ایسا عقیدہ ہے کہ اعلان و یقین کے ساتھ اخبار کا
 نتیجہ کرنے والا کوئی بھی شخص اس میں شک و شبہ کا شکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس
 بارے میں روایات شہد سے باہر ہیں۔ اس باب میں تو ہم نے تھوڑی سی
 روایات ذکر کی ہیں، باقی دیگر ابواب میں مذکور ہیں۔ خاص طور پر
 ”باب صفات الانبیاء واصنافہم علیہم السلام“، ”باب انہم
 علیہم السلام کلمۃ اللہ“، ”باب بدۃ انوارہم“، ”باب انہم اعلم
 من الانساء“، ”ابواب فضائل امیر المومنین و فاطمۃ صلوٰۃ اللہ علیہما“
 وغیرہ میں۔ اسی عقیدہ پر اہمیت کے مذہب کی بنیاد ہے بطور کوئی شخص اس

سے انکار نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جو روایات سے جہل ہو۔“

شیخ مفید کتب القلالت میں لکھتے ہیں کہ:

” (افضلیت ائمہ میں اہمیت کے تین گروہ ہو گئے) ایک گروہ قطعی طور پر یہ
 عقیدہ رکھتا ہے کہ آل محمد میں سے ائمہ عظیم السلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم کے سوا گزشتہ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ ایک فریق کے
 نزدیک اولوالعزم انبیاء کے علاوہ باقی تمام انبیاء عظیم السلام سے افضل ہیں۔
 اور اہمیت میں سے ایک گروہ ان دونوں باتوں کا انکار کر کے تمام انبیاء کی تمام
 ائمہ پر فضیلت کا قائل ہو گیا۔“

یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس کے اقرار و انکار میں عقل کا کوئی دخل نہیں
 ہو سکتا۔ ان (تینوں) اقوال میں سے کسی ایک پر اجماع منعقد نہیں ہو سکا۔
 البتہ امیر المومنین اور آپ کی اولاد میں ہونے والے ائمہ عظیم السلام کی فضیلت
 میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور بعد میں ائمہ صادقین عظیم السلام
 کی مرویات اور قرآن کے ارشادات اس مسئلہ میں فریق اول کے قول کی تائید و
 تثبیت کرتے ہیں۔ اور میں اس میں غور کر رہا ہوں۔ اللہ مجھے گمراہی سے
 بچائے۔ فقط۔“

دور حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما آیت اللہ العظمیٰ جناب روح اللہ
 الخمینی اپنی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ میں الولایۃ التکوینیہ کے زیر عنوان لکھتے
 ہیں:

”وان من ضروریات مذہبنا ان لا نعتنا مقاماً لا یبلغہ ملک
 مقرب ولا نبی مرسل“ (الحکومت الاسلامیہ صفحہ ۵۲)

ترجمہ: ”یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے
 ائمہ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ نہ کوئی مقرب ترین فرشتہ وہاں تک پہنچ
 سکتا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔“

شیخ صدوق، شیخ مفید، علامہ مجلسی اور امام خمینی کی ان تصریحات کو پچشم غیرت
 ملاحظہ فرمائیے کہ شیعہ مذہب کے یہ اکابر و اساطین آجنگاہ کے ذکر کردہ اصول، یعنی

بست سی روایات انہوں نے تصنیف کی ہیں ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیے:

الف: عہد بن علی بن الشاء عن أبي حامد عن أحمد بن خالد الخالدي عن عہد بن أحمد بن صالح التميمي عن أبيه عن عہد بن حاتم القطان عن حماد بن عمرو بن جعفر بن عہد عن أبيه عن جده عن علي بن أبي طالب عليه السلام عن النبي صلى الله عليه وآله أنه قال في وصية له: يا علي إن الله عز وجل أشرف ^(۱) على الدنيا فاختر لي منها على رجال العالمين، ثم أطلع الثانية فاختر لي رجال العالمين بعدي، ثم أطلع الثالثة فاختر الأئمة من ولدك على رجال العالمين بعدك، ثم أطلع الرابعة فاختر فاطمة على نساء العالمين ^(۲).

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۶۰ جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام جعفر صادق اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے علی! اللہ عز وجل نے روئے زمین پر نگاہ دوڑائی تو اس میں مجھے تمام کائنات کے انسانوں میں چن لیا۔ پھر دوبارہ نگاہ دوڑائی تو میرے بعد تمام کائنات کے انسانوں میں سے تجھے منتخب کر لیا۔ پھر تیسری مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تیسرے بعد تیری اولاد میں سے ائمہ کو تمام جہانوں کے انسانوں میں سے منتخب کر لیا۔ پھر چوتھی مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تمام جہانوں کی عورتوں میں سے فاطمہ کو چن لیا۔"

ب: مناقب عہد بن أحمد بن شاذان القمي عن أبي معاوية عن الأعمش عن أبي وائل عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله: قال قال لي جبرئيل عليه السلام: يا عہد بن علي خير البشر من أبي فقد كفر.

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۰۶ جلد ۲۶)

ترجمہ: "مناقب قمی میں عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ اے محمد! علی خیر البشر ہیں۔ جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہے۔"

ج: و باسناده عن الرضا عن آبائه عليهم السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله لعلي بن أبي طالب عليه السلام: يا علي أنت خير البشر لا يشك فيه إلا كافر (أيضاً)

"امام، نائب نبی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے درجہ میں فروتر ہوتا ہے" کیسی مٹلی پلید کر رہے ہیں؟ وہ اپنے ائمہ کو تمام انبیاء کرام سے بالاتر سمجھتے ہیں اور ائمہ کی روایات کے مقابلہ میں آپ کی عقل کی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔

شیعہ مذہب کے غالبانہ عقائد اور حضرات خلفائے راشدینؑ کی کرامت واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب نے حضرات ائمہ کی مدح و ستائش کی قصیدہ خوانی حضرات خلفائے راشدینؑ اور اکابر صحابہؓ کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے شروع کی تھی، گویا اس قصیدہ خوانی کا منشاء "حب علیؑ نہیں، بغض معاویہؓ" تھا۔ لیکن حضرات خلفائے راشدینؑ اور ائمہ اہل بیت کی کرامت دیکھئے کہ "بازی بازی، بادیش بابا ہم بازی" کے مصداق شیعہ مذہب نے اس قصیدہ خوانی میں ایسا غلو کیا کہ ایمان بالانبیاء ان کے ہاتھ سے جاتا رہا، اس غلو سے انبیاء کرام علیہم السلام کی صریح توہین و تحقیر لازم آئی اور اس پر "مگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" کا مضمون صادق آیا۔

اکابر شیعہ کی مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اس نکتہ کی مزید تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ لیکن مناسب ہو گا کہ ان کے "غلو کی وادی تیر" میں بھٹکنے کا نظارہ کرنے کے لئے بطور نمونہ چند ایسی غالیات روایات ذکر کر جائیں جن کو شیعہ رواۃ و معتنقین نے خود تصنیف کر کے ائمہ طاہرین کے نام لگا دیا ہے اور صدوق، مفید اور مجلسی جیسے منادید شیعہ نے جن پر اپنے مندرجہ بالا عقائد کا محل تعمیر کیا ہے۔

پہلا غلو: ائمہ، انبیاء کرام سے افضل ہیں

اہل عقل جانتے ہیں کہ انسانی مراتب میں سب سے بلند و بالا مرتبہ رسالت و نبوت کا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نوع انسانی میں سب سے اکمل و افضل ہیں۔ لطف و عنایت اور قرب الہی کے جو مراتب عالیہ ان حضرات کو حاصل ہیں کوئی دوسرا ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کا ہمسر نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ افضل ہو۔ لیکن امامیہ کا عقیدہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس سلسلہ میں جو

ترجمہ: ”اہم رضا کی اپنے اہم علیم السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! آپ خیر البشر ہیں۔ اس میں کفر کے سوا کوئی شک نہیں کر سکتا۔“

و: - وعن أس من عائشة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: علي بن أبي طالب خير البشر من أبي قحط كافر. (ایضاً)

ترجمہ: ”حضرت انسؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ علی بن ابی طالب خیر البشر ہے۔ جس نے اس سے انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔“

۴: - ومنه فلاحاً من الكتاب المذكور يحفظ الاسناد من أمير المؤمنين عليه السلام قال رسول الله ﷺ: أما سيد الأولين والأخريين، وأنت يا علي سيد الخلائق بعدي، أولنا كآخرا وأخرا كآولنا. (بجملہ الانوار..... صفحہ ۳۱۶ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اولین و آخرین کا سرور ہوں۔ اور میرے بعد اے علی! تو ہی سید المخلوق ہے۔ ہمارا پہلا اہلے پچھلی کی مانند ہے۔ اور ہمارا پچھلا اہلے پہلے کی مانند ہے۔“

ز: - ومنه فلاحاً من كتاب الحسن بن كيش عن أبي ذر رضوان الله عليه قال: نظر النبي ﷺ إلى علي عليه السلام فقال: هذا خير الأولين وخير الآخرين من أهل السماوات وأهل الأرضين، هذا سيد الصديقين وسيد الوصيين (۱) الخبير. ترجمہ: ”ابو ذر رضوان اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: یہ شخصیت آسمانوں اور زمینوں کے اولین و آخرین میں سے سب سے افضل ہے۔ اور یہ تمام صدیقین اور اوصیاء کے سرور ہیں۔“

ح: - ومنه قال: روي عن الصادق عليه السلام أنه قال: علمنا واحداً وفضلنا واحداً ولحسن شيء واحد. (۲) (بجملہ الانوار..... صفحہ ۳۱۶، ۳۱۷ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”اہم جعفر صادق سے روایت ہے فرمایا: ہذا (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کا) علم یکساں ہے۔ اور ہمدی فضیلت ایک ہے اور (درحقیقت) ہم ایک ہی کچھ ہیں۔“

دوسرا غلو: ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں

شیعہ کا یہ عقیدہ اوپر بہت تفصیل سے گزر چکا ہے کہ ائمہ کے نزدیک انبیاء کرام کا علم ائمہ کے علم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو قطرہ کو دریا سے اور ذرہ کو صحرا سے ہوتی ہے۔ اس باب میں ان کی تصنیف کردہ روایات جو ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں حد شمار سے باہر ہیں۔ جن میں سے چند روایات اوپر گزر چکی ہیں۔ یہاں علامہ باقر مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامامت ”باب انہم اعلم من الانبیاء علیہم السلام“ (یعنی ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں) کی تین روایتیں مزید پڑھ لیجئے۔

الف: - یروى: علي بن محمد بن سعيد عن حدان بن سليمان (۱) عن عبيد الله بن محمد البماني عن مسلم بن الحجاج عن يونس عن الحسين بن علوان عن أبي عبد الله عليه السلام قال: إن الله خلق (۲) أولي الزم من المرسل وفضلهم بالعلم وأودنا علمهم وفضلنا عليهم في علمهم، وعلم رسول الله ﷺ ما لم يعلموا، وعلما علم الرسول وعلمهم. (۳) (بجملہ الانوار..... صفحہ ۱۹۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”اہم صادقؑ نے فرمایا: اللہ نے اولوالعزم انبیاء و رسل کو پیدا فرمایا اور ان کو علم عطا کر کے فضیلت بخشی۔ اور ان کے علم کا ہمیں وارث ٹھہرایا اور علم میں ہمیں ان پر فضیلت بخشی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم عطا کیا جو اولوالعزم رسول کو بھی نہ دیا تھا۔ پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء اولوالعزم کا سدا علم عطا کر دیا۔“

ب: - یروى: إسماعيل بن شعيب عن حلي بن إسماعيل عن بعض رجاله قال: قال أبو عبد الله عليه السلام لرجل: تمشون النجاد وتدعون النهار الأعظم (۱) فقال الرجل: ما تقضى بهذا يا بن رسول الله؟ فقال: علم النبي ﷺ علم النبيين بأسره، وأوحى الله

إلى عهد رسول الله ﷺ فبعثه عند علي بن أبي طالب.

فقال له الرجل: فوالى أعلم أو بعض الأنبياء؟ فنظر أبو عبد الله ﷺ إلى بعض أصحابه فقال: إن الله يفتح مسامع من يشاء. أقول له: إن رسول الله ﷺ جعل ذلك كله عند علي بن أبي طالب فيقول: علي بن أبي طالب أعلم أو بعض الأنبياء؟ (۱)

(بحر الانوار..... صفحہ ۱۹۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام صادق“ نے ایک شخص کو غیباً فرمایا: (تجربہ ہے) تم لوگ علم کے لئے پتھر کو چوستے ہو مگر بے پایاں دریا سے گریز کرتے ہو۔ اس شخص نے پوچھا: اے ابن رسول اللہ! اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کا مجموعی علم، جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا، پھر وہ محمدؐ نے علی علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ وہ شخص (حیرت کے ساتھ) آپ سے پوچھنے لگا کہ پھر علیؑ کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا؟ امامؑ نے (اپنے گرد بیٹھے ہوئے) اپنے بعض اصحاب کی طرف دیکھا اور (تجربہ کے انداز میں) فرمایا، اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے کان کھول دیتا ہے، میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام کے تمام علوم علی علیہ السلام کے حوالے کر دیئے اور یہ پوچھتا ہے کہ ”علی علیہ السلام کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا۔“

ج:۔ ی: محمد بن الحسین بن أحمد بن بشر (۱۶) عن کنیر عن أمي عمران قال: قال أبو جعفر ﷺ: لقد سأل موسى العالم مسألة لم يكن عنده جوابها ولقد سئل العالم موسى مسألة لم يكن عنده جوابها ولو كنت بينهما لأحبرت كل واحد منهما بجواب مسئلته ولأنتهما عن مسألة لا يكون عندهما جوابها (۱۷).

(بحر الانوار..... صفحہ ۱۹۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام باقر علیہ السلام نے فرمایا، موسیٰ نے ایک عالم سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا اس سے جواب نہ بن پڑا۔ پھر اس عالم نے موسیٰ سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا ان سے جواب نہ بن پڑا۔ اور اگر ان دونوں کے پاس میں موجود ہوتا تو دونوں کے اپنے اپنے مسئلے کا جواب دے دیتا۔ پھر ان دونوں سے ایک ایسا مسئلہ پوچھا کہ ان دونوں سے جواب نہ بن پڑتا۔“

تیسرا غلو: انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر ساری مخلوق کی تخلیق ائمہ کی خاطر ہوئی

شیعہ مولفین نے اس مضمون کی روایات بھی ائمہ اطہر کی طرف بڑی فیاضی سے منسوب کی ہیں کہ ائمہ ہی باعث تخلیق کائنات ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو نہ انبیاء کرام علیہم السلام کو وجود ملتا نہ کسی اور مخلوق کو۔ گویا ائمہ کی تخلیق ہی مقصود بالذات ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود محض طفیلی ہے۔ نفوذ یافتہ۔ امامیہ کا یہ عقیدہ ”اعتقادات صدوق“ کے حوالہ سے اوپر نقل کر چکا ہوں۔ یہاں اس مضمون کی دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ع: الحسن بن محمد بن سعد الهاشمی عن فرات بن إبراهيم عن محمد بن أحمد الهمدانی عن العباس بن عبد الله البخاری عن محمد بن القاسم بن ابراهيم عن الهروي عن الرضا عن آباءه عن أمير المؤمنين ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ما خلق الله عز وجل خلقاً أفضل مني ولا أكرم عليه مني.

قال علي بن أبي طالب: فقلت: يا رسول الله فأت أفضل أو جبرئيل؟ فقال ﷺ: يا علي! إن الله تبارك وتعالى فضل أئمة المرسلين على ملائكته المقربين، وفضلني على جميع النبيين والمرسلين، والفضل بعدي لك يا علي! وللائمة من بعدي، وإن الملائكة لبعثنا أئمةً آمناء وخداً هم محبتنا، يا علي! الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون للذين آمنوا بولائتنا.

يا علي! لولا نحن ما خلق آدم ولا حواء ولا الجنة ولا النار ولا السما ولا الأرض.

(بحر الانوار..... صفحہ ۳۳۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امیر المؤمنین علیہ السلام نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عزوجل نے مجھ سے افضل و اکرم کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی۔ علی علیہ السلام فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ افضل ہیں یا جبرئیل؟ اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے علی! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انبیاء مرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین سے افضل بنایا ہے اور مجھے تمام انبیاء مرسلین پر فضیلت عطا کی ہے اور میرے بعد یہ فضیلت، اے علی! تیرے لئے

اور تیرے بعد ائمہ کو حاصل ہوگی۔ ملائکہ ہمارے اور ہمارے معین کے خادم ہیں۔ اے علی! عرش اٹھانے والے اور اس کے ارد گرد کے فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں اور ہماری ولایت پر ایمان لانے والوں کے لئے استغفار میں مصروف رہتے ہیں۔

اے علی! اگر ہم نہ ہوتے تو نہ آدم و حوا پیدا ہوتے، نہ جنت و دوزخ بنائے جاتے اور نہ آسمان اور زمین وجود میں آتے۔“

۲۔ کتاب المحضر للحسن بن سلیمان من کتاب السید الجلیل حسن بن کبیر باسناده إلى المفید رفیعہ إلى محمد بن الحنفیة قال : قال امیر المؤمنین علیؑ : سمعت رسول اللہ ﷺ يقول : - - - - - وأنا سید الانبیاء وأنت سید الانبیاء ، وأنا وأنت من شجرة واحدة لولانا لم یخلق الله الجنة ولا النار ولا الانبیاء ولا الملائكة . (بحار الانوار صفحہ ۳۳۹، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں انبیاء کا سردار ہوں اور آپ اوصیاء کے سردار ہیں۔ میں اور آپ ایک ہی شجرے سے ہیں، اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ نہ جنت و دوزخ پیدا کرتا اور نہ انبیاء و ملائکہ کو۔“

چوتھا غلو : انبیاء کرام علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عہد لیا گیا

حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت کا اولاد آدمؑ سے عہد لیا جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا تو قرآن کریم میں منصوص ہے۔ لیکن امامیہ نے ”ولایت کا درجہ نبوت سے بلند“ کرنے کے لئے اس مضمون کی بے شمار روایتیں تصنیف کر کے ائمہ سے منسوب کر دیں کہ عہد الست میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی ربوبیت کا عہد لیا، وہاں انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عہد بھی لیا۔ نعوذ باللہ۔ اس مضمون کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں :

الف : جعفر بن محمد الاودی معننا عن جابر الجعفی قال : قلت لابی جعفر علیہ السلام : یعنی سنی امیر المؤمنین ؟ (۱) قال : قال لی : أو مانقرا القرآن ؟ قال :

قلت : بلی قال : فاقرا قلت : وما آقرہ قال : اقرا : و إذا أخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذربتهم وأشهدهم علی أنفسهم ألت (۲) ربکم ، فقال لی : جبه إلى أیش ؟ و بعد رسولی و علی امیر المؤمنین ، فتم سناء یا جابر امیر المؤمنین (۳) .

(بحار الانوار صفحہ ۴۷۸، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”جابر جعفی کہتا ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ ”امیر المؤمنین“ کا لقب (علیؑ کیلئے) کب تجویز کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا، کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے کہا، پڑھتا ہوں۔ فرمایا، تو پڑھ، میں نے پوچھا کیا پڑھوں؟ فرمایا، یہ پڑھ (ترجمہ) ”اور جب نکلا تیرے رب نے بنی آدم کی چٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔“

پھر فرمایا، اسی میں یہ بھی شامل تھا کہ محمد میرے رسول ہوں گے اور علی امیر المؤمنین۔ تو اے جابر! یوں (علیؑ کے لئے) امیر المؤمنین کا لقب تجویز کیا۔“

ب : أحمد بن محمد عن الحسن بن موسى عن علی بن حسان عن عبدالرحمان بن كثير عن أبي عبد الله علیہ السلام فی قوله عز وجل : و إذا أخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذربتهم وأشهدهم علی أنفسهم ألت ربکم (۱) قال : أخرج الله من ظهر آدم ذربتہ إلى يوم القيامة كالذئب ففرقهم نفسه ، وأولا ذلك لم يعرف أحد ربہ ، و قال : ألت ربکم ؟ قالوا : بلی ، و أن محمدًا رسول الله و علیًا امیر المؤمنین (۲)

(بحار الانوار صفحہ ۴۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام صادقؑ نے ارشاد باری تعالیٰ (ترجمہ) ”اور جب نکلا تیرے رب نے بنی آدم کی چٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب“ کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیٹھ سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو انہی چوٹیوں کی صورت میں نکالا اور انہیں اپنی ذات کی معرفت عطا کی۔ اور اگر ایمان نہ ہوتا تو کوئی بھی اپنے رب کو نہ پہچانتا، اور پوچھا ”کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔“ (سب یک زبان) بولے، ہاں۔ ”اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی ان کے وصی ہیں۔“

ج : ابن یزید عن ابن محبوب عن عبد بن الفضیل عن أمی الحسن رضی اللہ عنہ قال :
ولاية علیؑ مكتوبة في جميع صحف الأنبياء ، و لن يبعث الله نبياً إلا بنبوته عده و
وصيه ^(۱) علیؑ صلوات الله عليهما ^(۲) .

(بخار الانوار صفحہ ۲۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام ابو الحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ تمام آسمانی صحیفوں
میں ”ولایت علیؑ“ (پر ایمان کا علم) درج ہے۔ اور اللہ نے کسی نبی کو
مبعوث نہیں فرمایا مگر محمد کی نبوت اور آپ کے وصی علیؑ صلوات اللہ علیہما
کے ساتھ۔“

پانچواں غلو : انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت اقرار ولایت کی وجہ سے ملی
اس مضمون کی بھی بہت سی روایات تصنیف کی گئی ہیں کہ کسی نبی کو نبوت اس
وقت تک نہیں ملی جب تک اس نے ائمہ کی ولایت کا اقرار نہیں کیا۔ اس سلسلے کی چند
روایات ملاحظہ فرمائیے :

الف : أحمد بن محمد عن علی بن الحکم عن ابن مہیرہ عن الحضرمی عن
حذیفہ بن اسید قال : قال رسول الله ﷺ : ما تكلمت النبوة لنبي في الأنظمة حتى
هرضت عليهم ولايتي وولاية أهل بيتي و مثلوا له فأقرّوا بطاعتهم و ولايتهم ^(۱) .
(بخار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”حذیفہ بن اسید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا : عالم ارواح میں کسی نبی کو اس وقت تک نبوت نہیں دی گئی جب
تک اس کے سامنے میری اور میرے اہل بیت کی ولایت پیش نہیں کی گئی۔
اور یہ ائمہ ان کے سامنے پیش نہیں کئے گئے، پس انہوں نے ان کی ولایت و
طاعت کا اقرار کیا، تب ان کو نبوت ملی۔“

(ب) : السندی بن محمد عن یونس بن یعقوب عن عبد الاعلیٰ قال : قال
أبو عبد الله رضی اللہ عنہ : ما بنیء نبی قط إلا بمعرفة حقنا و فضلنا علی من سوانا ^(۲) .
(بخار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام صادق نے فرمایا کہ کسی نبی کو اس وقت تک نبوت نہیں ملی
جب تک اس نے ہمارے حق (ولایت و امامت) کا اقرار نہیں کر لیا اور دیگر

سب لوگوں پر ہماری فضیلت کو تسلیم نہیں کر لیا۔“

ج : محمد بن عیسیٰ عن محمد بن سلیمان عن یونس بن یعقوب عن أمی
بصیر عن أمی عبد الله رضی اللہ عنہ قال : ما من نبی بنبی ولا من رسول أُرسل إلا مولانا و
نفضیلنا علی من سوانا ^(۱) .
(بخار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”ابو بصیر نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کیا کہ اس وقت تک
کسی نبی کو نہ نبی بنایا گیا نہ کسی رسول کو رسول، جب تک کہ اس نے ہماری
ولایت اور سب پر فضیلت کا اقرار نہیں کر لیا۔“

د : ابن یزید عن یحییٰ بن المبارک عن ابن جبلة عن حمید بن شعبہ عن
جابر قال : قال أبو جعفر رضی اللہ عنہ : ولايتنا ولاية الله التي لم يبعث نبياً قط إلا بها ^(۲) .
(بخار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”جابر نے ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ ہماری ولایت
در حقیقت ولایت اللہ ہے، اس کا اقرار کئے بغیر کسی نبی کو بھی نہیں مبعوث کیا
گیا۔“

چھٹا غلو : اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت
ائمہ کا اقرار لیا

اس مضمون کی بھی متعدد روایات ائمہ کے نام لگائی گئی ہیں کہ روز میثاق میں اللہ
تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت ائمہ کا اقرار لیا،
جس نے اقرار ولایت کیا وہ سعید ہوا اور جس نے اقرار ولایت نہ کیا وہ شقی ہوا۔ اس سلسلہ
کی دو روایتیں ملاحظہ ہوں :

الف : أحمد بن محمد عن العباس عن ابن المغيرة عن أمی حنظل عن أمی حارون
العبدی عن أمی سعید الخدری قال : سمعت رسول الله ﷺ عليه و آله يقول ^(۱) :
يا علي ما بعث الله نبياً إلا وقد دعاه إلى ولايتك طائفاً أو كلهما ^(۲) .

(بخار الانوار صفحہ ۲۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: اے علی! اللہ نے ہر نبی کو مبعوث کرنے سے پہلے طوعاً و کرہاً تیری ولایت کا اس سے اقرار کرایا۔"

ب: المقعد عن المظفر بن محمد عن محمد بن أحمد بن أبي الثلج عن محمد بن موسى الأشعري عن عبد الله البداري عن أبيه عن ابن محبوب عن أبي زكريا الموصلي عن جابر عن أبي جعفر عن أبيه عن جده عليه السلام إن رسول الله ﷺ قال لعلي عليه السلام: أنت الذي أخرج الله بك في ابتدائه الخلق حيث أقامهم أشباحاً فقال لهم: ألسن برئكم؟ قالوا: بلى، قال: و محمد رسول الله ﷺ قالوا: بلى، قال: وعلي أمير المؤمنين؟ فأبى الخلق جميعاً إلا استكباراً وعتواً عن ولايتك إلا نفر قليل، وهم أقل الأقلين وهم أصحاب اليمين. (۲)

(بحار الانوار جلد ۲، صفحہ ۲۷۲)

ترجمہ: "امام باقر علیہ السلام اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم وہ بستی ہو جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کے وقت سے "حجت" بنایا۔ وہ اس طرح کہ ان کو اجسام مثالی میں ظاہر کیا اور ان سے فرمایا: کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ بولے، ہاں ہے۔ پھر پوچھا: محمد میرے رسول ہیں؟ بولے، ہاں ہیں۔ پھر (اقرار لینا چاہا اور) کہا علی امیر المؤمنین ہوں گے؟ مگر ایک مختصر گروہ کے سوا تمام مخلوق نے تکبر و حسد کی بنا پر تیری ولایت سے انکار کر دیا۔ یہ ولایت علی کا اقرار کرنے والے بہت تھوڑے سے لوگ تھے اور یہی اصحاب الیمین ہوں گے۔"

ج: اور علامہ مجلسی نے مناقب ابن شہر آشوب کے حوالے سے امام زین العابدین کی روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین حالت نبوت میں بھی حضرت یونس علیہ السلام کا ابا و استکبار جاری رہا، جس کی سزا میں ان کو بطن مائی میں قید کیا گیا: ملاحظہ فرمائیے۔

۱۵۰- قہ: الثمالی قال: دخل عبد الله بن عمر على زين العابدين عليه السلام وقال: يا ابن الحسين أنت الذي تقول: إن يونس بن متى إنما لقى من الحوت ما لقي لأنه

عرضت عليه ولاية جدتي فتوقف عندها؟ قال: بلى شككتك أمك، قال: فارني آية ذلك إن كنت من الصادقين، (۲) فأمر بشدة عينية بعصاة وعيني بعصاة، ثم أمر بعد ساعة بفتح أعيننا، فإذا نحن على شاطئ البحر تضرب أمواج، فقال ابن عمر: يا سيدي دمي في رقتك، الله الله في نفسي، فقال: هيدوا ربه إن كنت من الصادقين. (۳)

ثم قال: يا أيتها الحوت، قال: فأطلع الحوت رأسه من البحر مثل الجبل العظيم وهو يقول: لبيك لبيك يا ولي الله، فقال: من أنت؟ قال: أنا حوت يونس يا سيدي، قال: أنبئنا بالخبر، قال: يا سيدي إن الله تعالى لم يبعث نبياً من آدم إلى أن صار جدك محمد إلا وقد عرض عليه ولايتكم أهل البيت، فمن قبلها من الأنبياء سلم و تمخلص، ومن توقف عنها وتمنع من حملها (۴) لقي ما لقي آدم عليه السلام من المذبة، وما لقي نوح عليه السلام من الغرق، وما لقي إبراهيم عليه السلام من النار، وما لقي يوسف عليه السلام من الحب، وما لقي أيوب عليه السلام من البلاء، وما لقي داود عليه السلام من الخطيئة إلى أن بعث الله يونس عليه السلام، فأوحى الله إليه: أن يا يونس تول أمير المؤمنين علياً والأئمة الراشدين من صلبه في كلام له، قال: فكيف أتولى من لم أره ولم أعرفه، وذهب مفتطحاً، (۵) فأوحى الله تعالى إلي أن التفتي يونس ولا توهني له عظماً، فمكث في بطني أربعين صباحاً يطوف معي البحار في ظلمات ثلاث، ينادي: إني لباله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين، فدققت ولاية علي ابن أبي طالب والأئمة الراشدين من ولده، فلما أن آمن بولايتكم أمرني ربّي فدفقته على ساحل البحر، فقال زين العابدين عليه السلام: أرجع أيتها الحوت إلى وكرك؛ واستوى الماء. (۶)

(بحار الانوار جلد ۱۳، صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ روایت نمبر ۱۵)

ترجمہ: "ثمالی کہتا ہے کہ ایک دن عبد اللہ بن عمر امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس بن متى (علیہ السلام) کو مچھلی کے پیٹ میں اس بنا پر ڈالا گیا کہ ان کے سامنے میرے دادا امیر المؤمنین کی ولایت پیش کی گئی تو انہوں نے اس کے قبول کرنے میں توقف کیا؟ امام نے فرمایا کہ ہاں! میں نے کہا ہے۔ تیری ماں تجھے کو رحم کرے یعنی تو مر جائے۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی راست گفتاری کی کوئی علامت دکھاؤ، امام نے قسم دیا کہ میری اور عبد اللہ بن عمر کی آنکھوں پر ایک پتی پاندھ دی جائے، تھوڑی دیر بعد حکم دیا

کہ آنکھیں کھول دو، جب آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہم ایک دریا کے کنارے پر ہیں جس کی موجیں ٹھانسیں مگر رہی ہیں، یہ منظر دیکھ کر ابن عمر نے کہا کہ اے سید! میرا خون آپ کی گردن پر ہے، (یعنی دریا کی موجیں مجھے بہا لے جائیں گی) امام نے فرمایا کہ ڈرو نہیں۔ میں ابھی تم کو اپنی راست گفتاری کی علامت دکھاتا ہوں۔

پھر امام نے فرمایا، اے مجھلی! امام کا پکارنا تھا کہ ایک مجھلی نے فوراً دریا سے سر نکالا، جو پہاڑ جیسی تھی، اور وہ کند رہی تھی لہیک! لہیک!! اے ولی خدا! امام نے فرمایا، تو کون ہے؟ کہنے لگی، اے سید! میں وہی مجھلی ہوں جس نے یونس کو نگلا تھا، فرمایا، ہمیں بتاؤ کہ یونس علیہ السلام کا کیا قصہ ہوا تھا؟ کہنے لگی، اے سید! اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا، آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے دادا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک، مگر اس پر تم اہل بیت کی ولایت پیش کی، جس نے اس کو قبول کیا وہ سالم رہا، اور جس نے اس میں توقف کیا، اور اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا اس کی وہی ابتلا پیش آیا جو آدم علیہ السلام کو گناہ کی وجہ سے پیش آیا، اور جو نوح علیہ السلام کو غرق سے پیش آیا، اور جو ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے پیش آیا، اور جو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے سے پیش آیا، اور جو ایوب علیہ السلام کو بیماری میں مبتلا ہونے سے پیش آیا، اور جو داؤد علیہ السلام کو غلطی سے پیش آیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ اے یونس! امیر المؤمنین علی اور ان کی نسل کے ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کرو! کچھ اور کلام بھی وحی فرمایا، یونس علیہ السلام نے کہا کہ میں ان لوگوں کی ولایت کو کیسے قبول کروں جن کو میں نے دیکھا نہیں، اور ان کو پہچانتا نہیں۔ اور غصہ ہو کر دریا کے کنارے چلے گئے، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی کہ یونس کو نکل جا، اور ان کی ہڈیوں کو گزند نہ پہنچانا۔ پس وہ میرے پیٹ میں چالیس روز رہے، میں ان کو دریاؤں میں اور تین تاریکیوں میں لئے پھرتی رہی۔ وہ برابر پکار رہے تھے کہ "لا الہ الا انت سبحانک انی كنت من الظالمین (کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے! تو بے عیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے) میں نے

امیر المؤمنین علی کی اور ان کی اولاد سے ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کیا۔" پس جب یونس علیہ السلام تیسری ولایت پر ایمان لے آئے تو میرے پروردگار نے مجھ کو حکم دیا تو میں نے ان کو دریا کے ساحل پر ڈال دیا، جب مجھلی نے یہ قصہ سنایا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کو حکم دیا کہ اپنے آشیانے میں واپس چلی جا، اور پانی کو موجوں سے سکون دو گیا۔

و: اور حضرت امیر المؤمنین کی ایک روایت کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کو زمین میں دھنسا یا گیا۔ یہاں تک کہ ان کو (نعوذ باللہ) قارون کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور جب قارون سے عذاب ہٹایا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کو عبرت ہوئی اور انہوں نے ولایت کا اقرار کیا اور ان کی توبہ منظور ہوئی۔

وقد سأل بعض اليهود أمير المؤمنين عليه السلام عن سجن طاف أقطار الأرض بصاحبه؛ فقال: يا يهودي! أما السجن الذي طاف أقطار الأرض بصاحبه فإِنَّهُ الحوت الذي حبس يونس في بطنه، فدخل في بحر القلزم، ثم خرج إلى بحر مصر، ثم دخل إلى بحر طبرستان، ثم خرج في دجلة الفوداء، (۱) قال: ثم مررت به تحت الأرض حتى لحقت بقارون، وكان قارون حلك في أيام موسى عليه السلام، وركل الله به ملكاً يدخل في الأرض كل يوم فامة رجل، وكان يونس في بطن الحوت يسبح الله ويستغفره، فسمع قارون صوته فقال للملك الموكل به: أنظرنني فإني أسمع كلام آدمي، فأوحى الله إلى الملك الموكل به: أنظري، فأنظري، ثم قال قارون: من أنت؟ قال يونس: أنا المذنب الخاطيء. يونس بن متي قال: فنافل الشديد الغضب (۲) فموسى بن عمران قال: هيها حلك، قال: فنافل الرؤوف الرحيم على قومه قارون بن عمران قال: حلك، قال: فنافل كلثم بنت عمران التي كانت سميت لي قال: هيها ما بقي من آل عمران أحد، فقال قارون: وا أسفاه على آل عمران، فشر الله له ذلك، فأمر الله الملك الموكل به أن يرفع عنه المذاب أيام الدنيا فرفع عنه، فلما رأى يونس ذلك نادى في الظلمات: "أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ" فاستجاب الله له وأمر الحوت فلفظه على ساحل البحر

ترجمہ..... "ایک یہودی نے امیر المومنین علیہ السلام سے اس جیل خانے کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے زمین کے چہرہ سو پتھر کا تارہا کہ وہ کونسا جیل خانہ تھا آپ نے فرمایا اے یہودی! وہ جیل خانہ جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے زمین کے چہرہ سو پتھر کا تارہا وہ مچھلی ہے جس نے یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں قید کر رکھا تھا، پس وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر بحر قلزم میں داخل ہوئی، پھر بحر مصر کی طرف نکلی، پھر طبرستان کے سمندر میں داخل ہوئی، پھر جبل القورہ کی طرف نکلی، امیر المومنین نے فرمایا پھر وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر زمیں کے نیچے گئی، یہاں تک کہ قارون سے جا ملی، اور قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہلاک ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا تھا جو اس کو روزانہ قد آدم کی مقدار زمین میں دھنسا دیتا رہا، یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی تسبیح اور استغفار کرتے رہے، پس قارون نے ان کی آواز کو سن لیا اور مقرر کردہ فرشتہ سے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں ایک آدمی کا کلام سن رہا ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو وحی کی کہ اس کو مہلت دے دو چنانچہ فرشتے نے اس کو مہلت دے دی، قارون نے پوچھا آپ کون ہیں؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا میں گنہگار خطاکار یونس بن متی ہوں، قارون نے پوچھا موسیٰ بن عمران کا کیا بنا جو بہت غصہ کیا کرتے تھے اللہ کے لئے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا وہ تو مدت ہوئی فوت ہو چکے ہیں، قارون نے پوچھا قارون بن عمران کا کیا بنا جو اپنی قوم پر بہت شقیق اور نرم تھے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا وہ بھی فوت ہو چکے ہیں، قارون نے پوچھا کلثم بنت عمران کا کیا بنا جو میرے ساتھ منسوب کی گئی تھی؟ (میری منگیت تھی) یونس علیہ السلام نے فرمایا مدت ہوئی کہ آل عمران میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا، قارون نے کہا ہائے الفسوس آل عمران پر، پس اللہ تعالیٰ نے قارون کے اظہار الفسوس کو قبول کر لیا، پس اللہ تعالیٰ نے مقررہ فرشتے کو حکم دیا کہ دنیا کی زندگی تک اس سے عذاب اٹھا دیا جائے، پس فرشتے نے اس سے عذاب اٹھا دیا، جب یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو اندھیروں ہی میں پڑھا "کوئی حاکم نہیں تیرے سوا! تو بے عیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے" پس اللہ تعالیٰ نے

ان کی دعا قبول کر لی اور مچھلی کو حکم دیا تو مچھلی نے آپ کو ساحل سمندر پر لا ڈالا۔"

یہاں جو بات لائق عبرت ہے وہ یہ کہ ان روایات کے مطابق یونس علیہ السلام کا ابا و اہلکبار (نعوذ باللہ) ابلیس سے بھی بڑھ گیا، کیونکہ شیطان نے ابا و اہلکبار کے ساتھ جھوٹ کو جمع نہیں کیا تھا۔ مگر ان روایات کے مطابق جب یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا کہ "میں ان لوگوں کی ولایت کا اقرار کیسے کروں جن کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں" تو یہ بات قطعاً غلط اور جھوٹ تھی۔ کیونکہ روز میثاق میں جب انبیاء کرام علیہم السلام سے ولایت ائمہ کا اقرار لیا گیا ہو گا تو حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو ضرور دیکھا اور پہچانا ہو گا۔ پھر امامیہ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں بھی ولایت ائمہ کا اعلان موجود تھا، اور حضرت یونس علیہ السلام توریت ضرور پڑھتے ہوں گے، پھر اس کے کیا معنی؟ کہ میں ائمہ کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں۔

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جتنے اثناء من جانب اللہ پیش آئے۔ جن کی طرف امام زین العابدین کی روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ سب عقیدۂ امامت میں شک و تردید کی نحوست تھی۔ نعوذ باللہ من ہذہ البهوت۔

سائو! غلو: انبیاء کرام، ائمہ کے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے

شیعہ کے ائمہ ہوں امام حسن عسکریؑ کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ انبیاء کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے۔ اور ہمارے نشان قدم کی پیروی کرتے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

کتاب المحتضر للحسن بن سلیمان: روی آتہ وجد بخط مولانا ابی محمد العسكريؑ: أعوذ بالله من قوم حذفوا محکمات الكتاب وسوا الله رب الأرباب والنبي وسافي الكورني موافق^(۱) الحساب، ولعل والطامة الكبرى ونعيم دار الثواب فنحن السام الأعظم، وديننا النبوة والولاية والكرام، ونحن منار الهدى والعرو

الروثی ، و الانبیاء کانوا یفتیسون من انوارہا ، و یفتنون انارہا ،

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”میں اللہ کی پہلا انگلیوں اس قوم سے جس نے قرآن کے حکمت کو مٹا ڈالا۔ جنہوں نے اللہ رب الارباب کو بھلا دیا، جنہوں نے اس کے نبی کو جو یوم حساب میں سلی کوڑ ہوں گے، بھلا دیا۔ جو قیامت، دوزخ اور دار ثواب کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ہم بلند چوٹی کے صاحب عظمت لوگ ہیں۔ ہمیں میں نبوت و ولایت و کرامت ہے، ہم ہدایت کا یار ہیں اور عروہ و ثقی ہیں۔ تمام انبیاء کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے اور ہمارے نقش قدم کی پیروی کرتے تھے۔“

آٹھواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ تمام انبیاء کرام سے آگے ہوں گے اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے فضائل و مناقب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ما یفتقد منی الا احد
و ان جمیع الرسل و الملائکة و الروح خلقتنا ، و ان رسول اللہ ﷺ لیدعی فیمنطق
و ادعی فاسطق علی حد منطوقہ .

(بحار الانوار صفحہ ۳۱۷، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”مجھ سے آگے صرف احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، تمام رسل، ملائکہ اور روح القدس ہمارے پیچھے پیچھے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا تو آپؑ بات کریں گے اور مجھے بھی پکارا جائے گا تو میں بھی اتنی ہی بات کروں گا۔“

نواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ کی کرسی عرش الہی کے دائیں جانب اور انبیاء کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حضرت علیؑ

رضی اللہ عنہ کی کرسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر عرش الہی کے دائیں جانب ہوں گی اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی:

۱۱۹۔ کتاب المختصر للحسن بن سلیمان من رواہ من الاربعین رواہ سعد الاربلی
برفہ الی سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قال : کنا عند رسول اللہ ﷺ إذ جاء
أعرابی

الغامسة أن جبرئیل علیہ السلام قال : إذا کان یوم القیامة نصب لك (۱۶) منبر من
بین العرش والنبیون کلهم عن یسار العرش و بین یدیه (۱۷)

(۷) فی الصدر : والنبیون کلهم عن یسارہ ، و نصب لعلیؑ کرسیہ الی جانبک (۸)
اکراماً له

(بحار الانوار صفحہ ۱۲۸-۱۲۹، جلد ۲۷)

ترجمہ: ”حسن بن سلیمان نے کتب المختصر میں اربعین کی روایت سے سعد
اربلی کے واسطے سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے،
سلمان کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے
استہ میں ایک اعرابی آیا (طویل روایت ہے جس میں حضرت علیؑ کے فضائل
ذکور ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا) پانچویں بات جبرئیل علیہ السلام نے یہ فرمائی:
قیامت کے روز آپؑ کی کرسی عرش کے دائیں جانب لگائی جائے گی اور باقی
تمام انبیاء کرام علیہم السلام عرش کے بائیں جانب (کی کرسیوں پر) ہوں
گے۔ (اصل کتاب میں یہ الفاظ ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضرت
علیؑ کے بائیں جانب ہوں گے..... حاشیہ) اور علیؑ علیہ السلام کی کرسی ان کے
اکرام کی بنا پر آپؑ کے پیلو میں لگائی جائے گی۔“

دسواں غلو: انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں اماموں کے طفیل قبول ہوں گی
علامہ مجلسی کی بحار الانوار کی کتب الامامت میں ایک باب کا عنوان ہے:

ان دعاء الانبیاء استجیب بالنسول و الاستشفاع بہم صلوات اللہ
علیہم اجمعین (۵)

(بحار الانوار صفحہ ۳۱۹، جلد ۲۶)

ترجمہ: "انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں اماموں کے وسیلہ اور سفارش کی بنا پر ہی قبول ہوئیں۔"

اس سلسلہ کی بہت سی روایات میں سے دو روایتیں:

الف: ص: بالاسناد إلى الصدوق عن النفاث عن ابن عقدة عن علي بن الحسن بن فضال عن أبيه عن الرضا عليه السلام قال: لما أشراف نوح عليه السلام على الفرق دعا الله بحقنا فدفع الله عنه الفرق، ولما رمى إبراهيم في النار دعا الله بحقنا فجعل الله النار عليه برداً وسلاماً.

و إن موسى عليه السلام لما ضرب طريقاً في البحر دعا الله بحقنا فجعله يساً (۱) و إن عيسى عليه السلام لما أراد اليهود قتله دعا الله بحقنا فنجي من القتل فرمعه إله. (۲)

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۲۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام ڈوبنے لگے تو اللہ کو ہمارے وسیلہ سے پکارا۔ اللہ نے ان کو ڈوبنے سے بچالیا۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے (بھی) اللہ کو ہمارے حق کا واسطہ دیا تو اللہ نے ان پر آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب سمندر سے راستہ لینے کے لئے اس پر عصا مارا تو (بھی) اللہ سے ہمارے وسیلہ سے دعا کی لہذا اللہ نے اس کو خشک کر دیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہود نے قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ہمارے ہی وسیلہ سے اللہ کو پکارا۔ چنانچہ اللہ نے ان کو بچالیا اور اپنی طرف اٹھالیا۔"

ب: - مختص: أبو الفرج عن سهل (۱) عن رجل عن ابن جبلة عن أبي المفضل عن موسى بن جعفر عليه السلام قال: سمعته يقول: بنا غفرلآدم و بنا ابنتي أبوب و بنا اذقند بنقوب و بنا حبس يوسف و بنا رفع البلاء و بنا أضاعت الشمس نحن مكتوبون على عرش ربنا

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۵۷، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے ہی وسیلہ سے آدم کو معافی ملی۔ اور ہمارے ہی جب سے ابوب علیہ السلام مصیبت میں مبتلا ہوئے، یعقوب علیہ السلام کو صدمہ فراق برداشت کرنا پڑا۔

اور یوسف علیہ السلام زندانی ٹھہرے۔ اور ہمارے ہی وسیلہ سے ان کے مصائب دور ہوئے۔ سورج ہمارے ہی طفیل روشن ہوتا ہے اور ہمارے اسمائے گرامی ہمارے رب کے عرش پر کھنہ ہیں۔"

گیارہواں غلو: حضرت آدم علیہ السلام کو اماموں کے مرتبہ پر حسد ہوا، اس لئے ان کو سزا ملی اور اولوالعزم انبیاء کی فرست سے ان کا نام خارج کر دیا گیا اس مضمون کی دل آزار روایات کثرت سے ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ائمہ کی مرتبہ شناسی میں تامل ہوا، اس لئے ان کا نام اولوالعزم انبیاء کی فرست سے خارج کر دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ ارشاد خداوندی ولم نجد له عزماً کا یہی مطلب ہے، نیز یہ کہ جس شجرہ ممنوعہ سے ان کو منع کیا گیا تھا وہ "شجرہ حسد" تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ خبردار! ائمہ کے مرتبہ پر حسد نہ کرنا، لیکن وہ اس ہدایت خداوندی کو بھول گئے اور ائمہ کے مرتبہ پر حسد کیا، جس کی وجہ سے ان پر عتاب نازل ہوا۔ لغو بابت۔

اس مضمون کی بے شمار روایتوں میں سے چند:

الف: - ی: أحمد بن محمد عن علي بن الحكم عن مفضل بن صالح عن جابر عن أبي جعفر عليه السلام في قول الله عز وجل: "و لقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسي ولم نجد له عزماً" (۱)، قال: عهد إله في عهد الأئمة من بعده فترك ولم يكن له عزم أنهم هكذا (۲) و إنما سمي أولو العزم أولو العزم لأنهم عهد إليهم في عهد الأوصياء من بعده و المهدي و سيرة فاجع عزهم أن ذلك كذلك و الإقرار به. (۳)

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۷۸، جلد ۲۶۔ صفحہ ۱۷۳، جلد ۱۱)

ترجمہ: "جابر جعفی نے امام باقرؑ سے ارشاد خداوندی "و لقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسي ولم نجد له عزماً" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے محمد اور ائمہ علیہم السلام (کی تصدیق) کا عہد لیا گیا۔ انہوں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔ اور ان کے اس مقام کا اعتراف و اقرار نہ کیا۔ اولوالعزم انبیاء کو "اولوالعزم" کا امتیازی لقب

اسی وقت ملا جبکہ تمام انبیاء سے محمدؐ اور آپ کے بعد الوصیاء اور مہدی اور مہدی کی سیرت پر اقرار لیا تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے ان (ائمہ) کے اس حق کا اقرار کیا۔

امام رضاؑ سے ایک طویل روایت میں نقل کیا ہے کہ:

ب۔ **إِنَّ آدَمَ لَمَّا أَكْرَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ذَكَرَهُ بِإِسْجَادِ مَلَائِكَتِهِ لَهُ وَبَادْخَالِهِ الْجَنَّةِ** قَالَ فِي نَفْسِهِ: **هَلْ خَلَقْتُ بَشَرًا أَفْضَلَ مِنِّي؟ فَعَلِمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا وَقَعَ فِي نَفْسِهِ فَنَادَاهُ:** **ارْفَعْ رَأْسَكَ يَا آدَمُ فَانْظُرْ إِلَى سَاقِ عَرْشِي، فَرَفَعَ آدَمُ رَأْسَهُ فَنَظَرَ إِلَى سَاقِ الْعَرْشِ فَوَجَدَ عَلَيْهِ مَكْتُوبًا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، وَزَوْجَتُهُ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.** **فَقَالَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا رَبِّ مَنْ هَؤُلَاءِ؟ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ ذُرِّيَّتُكَ (۱) وَهَمَّ خَيْرٌ مِنْكَ وَمِنْ جَمِيعِ خَلْقِي وَلَوْلَاهُمْ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَبَاتَكَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِمْ بَيْنَ الْحَسَدِ فَأَخْرَجَكَ عَنْ جَوَارِي.**

فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ بَيْنَ الْحَسَدِ وَتَمَنَّى مَنَزَلَتَهُمْ فَتَسَلَّطَ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ حَتَّى أَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِي لَهِيَ عَنْهَا وَتَسَلَّطَ عَلَى حَوَّاءَ لِنَظَرِهَا إِلَى فَاطِمَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَيْنَ الْحَسَدِ حَتَّى أَكَلَتْ مِنَ الشَّجَرَةِ كَمَا أَكَلَ آدَمُ فَأَخْرَجَهُمَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جَنَّتِهِ وَأَهْبَطَهُمَا عَنْ جَوَارِي إِلَى الْأَرْضِ. (۲)

(بخارالانوار..... صفحہ ۲۷۳، جلد ۲۶ - صفحہ ۱۶۵، جلد ۱۱)

ترجمہ: ”امام رضا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مجھ کو راکے اور جنت میں رہنے کی اجازت دے کر آدم علیہ السلام کو خصوصی اکرام سے نوازا تو ان کے جی میں یہ سوال ابھرا کہ ”کیا اللہ نے مجھ سے افضل کسی بشر کو پیدا فرمایا ہوگا؟“ اللہ عزوجل ان کے جی کے دوسرے پر مطلع ہوئے، ان کو فرمایا: اے آدم! ذرا اپنا سر اٹھا اور میرے عرش کے پائے کی طرف دیکھ۔ انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پائے کی جانب نگاہ کی تو اس پر تحریر تھا، ”لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی بن ابی طالب امیر المؤمنین، ان کی بیوی فاطمہ سیدۃ العالمین اور حسن و حسین نوجوانان جنت کے سردار۔“

آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے رب یہ کون حضرات ہیں؟ رب العزت نے فرمایا: یہ تیری اولاد میں سے ہوں گے لیکن تجھ سے اور میری تمام مخلوق سے بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔ اور یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھ کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو اور نہ آسمان و زمین کو وجود میں لاتا۔ دیکھ! ان کو حسد کی نظر سے نہ دیکھنا ورنہ اپنے قرب سے تجھے نکل باہر کر دیں گے۔

مگر آدم نے نظر حسد سے ان کو دیکھا اور ان کے مقام کی تمنائی۔ تو شیطان ان پر مسلط ہو گیا، یہاں تک کہ وہ ”شجرہ ممنوعہ“ کو کھانے کے مرتکب ہوئے۔ اور حواء پر بھی شیطان مسلط ہوا، کیونکہ اس نے فاطمہ علیہا السلام کو نگاہ حسد سے دیکھا تھا جس کے نتیجے میں اس نے بھی آدم کی طرح ”شجرہ ممنوعہ“ کو کھالیا۔ لہذا اللہ عزوجل نے ان دونوں کو جنت سے نکل دیا اور اپنے قرب سے زمین پر اتار دیا۔“

ج۔ مع: العجلی عن ابن زکریا القطان عن ابن حبیب عن ابن بھلول عن اُبیہ عن عہد بن سنان عن الفضل قال: قال أبو عبد اللہ علیہ السلام: **إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ الْأَرْوَاحَ قَبْلَ الْأَجْسَادِ بِالْفِي عَامٍ، فَجَعَلَ أَعْلَاهَا وَأَشْرَفَهَا أَرْوَاحَ عَهْدٍ وَ عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ وَ الْأَئِمَّةَ بِمَدَمِ صَلَوَاتِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ**

فَلَمَّا أَسْكَنَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ آدَمَ وَ زَوْجَتَهُ الْجَنَّةَ قَالَ لَهَا: **«كَلَامُنَا رَغْدًا حَيْثُ شِئْنَا»** لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ، يَعْنِي شَجَرَةَ الْحَنْظَلَةِ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ، (۱) فَنَظَرَ إِلَى مَنَزَلَةِ عَهْدٍ وَ عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ وَ الْأَئِمَّةَ مِنْ بَعْدِهِمْ فَوَجَدَاهَا أَشْرَفَ مَنَازِلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَقَالَ: **يَا رَبَّنَا لِمَنْ هَذِهِ الْمَنَزَلَةُ؟**

فَقَالَ اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ: **«إِنَّ هَذِهِ الْمَنَزَلَةَ لِعَهْدٍ وَ عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ وَ الْأَئِمَّةَ بِمَدَمِ صَلَوَاتِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مَكْتُوبَةً عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ بَنُورٍ مِنْ نُورِ الْجِبَارِ جَلَّ جَلَالُهُ.»**

فَقَالَ: **يَا رَبَّنَا مَا أَكْرَمَ أَهْلَ هَذِهِ الْمَنَزَلَةِ عَلَيْكَ وَمَا أَحَبَّهُمْ إِلَيْكَ وَمَا أَشْرَفَهُمْ لَدَيْكَ؟** فَقَالَ اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ: **«لَوْلَاهُمْ مَا خَلَقْتُكُمْ، هَؤُلَاءِ خِرَّةٌ عِلْمِي وَأَمْنَانِي عَلَى سَرِّي، إِيَّاكُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَيْهِمْ بَيْنَ الْحَسَدِ وَتَهْتَبُوا مَنَزَلَتَهُمْ عِنْدِي وَتَحْتَبُوا مِنْ كَرَامَتِي فَتَدْخُلُوا بِذَلِكَ فِي لَهْيِي وَ عِيَابِي فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ»**

یا آدم و باحوّٰلا ننظرآ إلی أنوارِ (۱۳) و حبیبی بین الحسد فاطمکما عن
جواری ، و أحلّٰ بکما هوامی ، فذلّا هما بفرور ، (۱۴) و حلّٰما علی تمنّی
منزلهم فنظرآ إلیهم بین الحسد (۱۵) فنظروا

(بخار الانوار صفحہ ۳۲۰-۳۲۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”محمد بن سنان نے مفصل سے روایت کیا کہ امام صادقؑ نے فرمایا
کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجسام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل ارواح کو پیدا
فرمایا۔ ان میں سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین صلوٰۃ اللہ علیہم کی ارواح
کو دیگر تمام ارواح پر اعلیٰ و اشرف قرار دیا۔

پھر جب اللہ عز و جل نے آدم اور ان کی زوجہ کو جنت میں رہنے کی
اجازت دی تو ان سے فرمایا: ”کھلو اس میں سے جو چاہو، جہاں کہیں سے
چاہو، اور پاس مت جلا اس درخت کے (یعنی گندم کے درخت کے) ورنہ
تم ہو جاؤ گے ظالم۔“ انہوں نے محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین کے
مرتبوں کو دیکھا تو وہ تمام اہل جنت سے اعلیٰ و اشرف نظر آئے تو کہنے لگے،
اے رب ہمارے، یہ مقام کن حضرات کو ملا ہے؟

اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اپنا سراٹھا کر میرے عرش کے پاس کی جانب
نظر کرو۔ چنانچہ انہوں نے اوپر دیکھا تو وہاں عرش کے پاس پر محمد، علی،
فاطمہ اور حسن و حسین اور ان کے بعد کے تمام ائمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کے اسماء
گرامی اللہ جل جلالہ کے نور کی روشنی سے لکھے ہوئے دیکھے۔

ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! اس مقام کے لوگوں کو
تیرے ہاں یہ اکرام، اور تیری یہ محبت اور تیرے دربار میں ان کو یہ شرف و
فضیلت کس بنا پر حاصل ہوا؟

اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اگر یہ نہ ہوتے تو میں تم دونوں کو بھی پیدا نہ
کرتا۔ یہ میرے علم کے محافظ ہیں، میرے بھید کے امن ہیں، ان کو حسد کی
نظر سے دیکھنے اور میرے ہاں ان کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کی تمنا اپنے لئے کرنے
سے سخت پرہیز کرنا ورنہ تم دونوں میری حکم عدولی کے مرتکب ہو کر نافرمان
ٹھہرو گے اور ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔

اے آدم اور اے حوا! تم دونوں میرے انوار اور میری جھتوں کو نظر حسد
سے ہرگز نہ دیکھنا ورنہ تمہیں اپنے قریب سے نکل کر ذلتوں میں گرا دوں گا
”پھر شیطان نے مائل کر لیا ان کو فریب سے۔“ ان دونوں کو ان
حضرات کے مقام کی تمنا پر اکسایا، چنانچہ انہوں نے ان کو نگاہ حسد سے دیکھا
لہذا دونوں کو رسوائی اٹھانا پڑی۔

د: - شی: عن عبدالرحمن بن کثیر، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: إن الله تبارك
و تعالیٰ عزم علی آدم فی الميثاق ذنبه، فصرّ به النبی ﷺ وهو متکبر علی علی
عليه السلام، وفاطمه صلوات الله علیہا تتلوها، والحسن والحسين عليهما السلام يتلون فاطمة، فقال
الله: يا آدم إني أنظر إلیه بحسد أبطك من جواری، فلما أسكنه الله الجنة
مثل له النبی ﷺ وعلي وفاطمه والحسن والحسين صلوات الله علیہم فنظر إلیهم بحسد ثم
عرضت علیہ الولاية فانكرها فرمته الجنة بأوراقها، فلما تاب إلی الله من حسده و أقر
بالولاية ودعا بحق الخسة: محمد وعلي وفاطمه والحسن والحسين صلوات الله علیہم غفرا له
له، وذلك قوله: «فتلقى آدم من ربه كلمات» الآية. (۱۶)

(بخار الانوار صفحہ ۱۸۷، جلد ۱۱)

ترجمہ: ”عبدالرحمن بن کثیر سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا:
”یثاق“ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی تمام
اولاد کو پیش کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، آپ علی
علیہ السلام کا سارا لئے کھڑے تھے اور ان دونوں کے پیچھے فاطمہ صلوٰۃ اللہ
علیہا تھیں اور ان کے پیچھے حسن و حسین علیہم السلام تھے۔ اللہ نے فرمایا:
اے آدم! ان پر حسد کرنے سے بچنا ورنہ اپنے قریب سے گرا دوں گا۔ پھر
جب اللہ نے ان کو جنت میں ٹھکانا دیا تو ان کے سامنے نبی، علی، فاطمہ، اور
حسن و حسین کی شبیہ الٰہی مانی تو آدم علیہ السلام نے ان کو نظر حسد سے
دیکھا۔ پھر آدم کو ان کی ولایت کے اقرار کا حکم ہوا مگر اس نے انکار کر دیا تو
اس کے نتیجہ میں جنت کے پتے اس پر پھینکے گئے۔ پھر اس کے بعد جب اللہ
سے ان پر حسد کی معافی مانگی اور ولایت کا اقرار کر لیا اور ان پانچوں یعنی محمد،
علی، فاطمہ اور حسن و حسین صلوٰۃ اللہ علیہم کے حق کو تسلیم کر لیا تو اللہ نے

اس کو معاف کر دیا۔ اسی کی طرف اس ارشاد باری "فتلتی آدم من ربه کلمات" میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۴ - شی: عن موسى بن محمد بن علي، عن أخيه أبي الحسن الثالث عليه السلام قال: الشجرة التي نهي الله آدم وزوجته أن يأكل منها شجرة الحسد، عهد إليهما أن لا ينظرا إلى من فضل الله عليه وعلى خلافة بين الحسد، ولم يجد الله له عزماً. (۵)

(بحار الانوار..... صفحہ ۱۸، جلد ۱۱)

ترجمہ: "موسیٰ بن محمد بن علی اپنے بھائی ابو الحسن ثالث علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ نے آدم اور ان کی زوجہ کو جس درخت کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ حسد کا شجر تھا۔ اللہ نے ان دونوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اپنی مخلوق میں سے جس کو اللہ نے خاص فضیلت بخشی ہے اس پر حسد نہیں کریں گے۔ لیکن اللہ نے ان کو عہد کا پختہ نہ پایا۔"

مز: - الحسين بن محمد، عن أحمد بن إسحاق، عن بكر بن محمد، عن أبي بصير قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: أصول الكفر ثلاثة: الحرم، والاستكبار، والحسد، فأما الحرم فإن آدم عليه السلام حين نهي عن الشجرة، حله الحرم على أن أكل منها وأما الاستكبار فابليس حيث أمر بالسجود لآدم فأبى، وأما الحسد فابن آدم حيث قتل أحدهما صاحبه (۱)۔

(اصول کافی..... صفحہ ۲۸۹، جلد ۲)

ترجمہ: "ابو بصیر سے روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: کفر کی تین بنیادیں ہیں۔ حرم، تکبر اور حسد۔ حرم تو اس طرح کہ آدم علیہ السلام کو جب "شجرہ ممنوعہ" (درخت جس کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا) سے منع کر دیا گیا تو حرم نے ہی اسے کھانے کی انگیخت کی۔ اور تکبر عی کی بنا پر ابلیس نے حکم خداوندی کے باوجود آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور حسد کی بنیاد پر آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر ڈالا تھا۔"

اہل عقل جانتے ہیں کہ حسد و کبر ابلیس کا مرض ہے۔ جس نے اس کو ہمیشہ کے لئے ملعون اور رائدہ درگاہ کر دیا۔ شیعہ راویوں نے حسد و کبر اور حرم تینوں اصول کفر

کو سیدنا ابو البشر علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے گویا ان کو (نعوذ باللہ) ابلیس سے بھی بدھادیا، پھر حکم خداوندی سے سرتابی کرنا بھی کفر مجہود ہے، شیعہ راویوں نے اس کو بھی بلا تکلف حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ نعوذ باللہ۔

بارہواں غلو: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے نبوت، پھر خلافت، پھر امامت دی گئی

"امامت کا رتبہ نبوت سے بالاتر ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کی بھی متعدد روایات تصنیف کی گئیں کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو پہلے نبوت عطا کی گئی، پھر خلافت کا مرتبہ عطا کیا گیا، اس کے بعد تیسرے مرتبہ میں امامت عطا کی گئی۔ اس سلسلہ کی ایک روایت:

إن الامامة خص الله عز وجل بها إبراهيم الخليل عليه السلام بعد النبوة والخلة مرتبة ثالثة وفضيلة شرفه بها وأشاد بها (۱) ذكره فقال عز وجل: "إني جاعلك للناس إماماً" (بحار الانوار..... صفحہ ۱۲۱، جلد ۲۲)

ترجمہ: "ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و خلافت عطا کرنے کے بعد تیسرے مرتبہ پر امامت کی فضیلت سے شرف کیا۔ اسی کی طرف ارشاد باری تعالیٰ "إني جاعلك للناس إماماً" میں اشارہ کیا گیا ہے۔"

تیرہواں غلو: حضرت کلیم اللہ کو "حجۃ اصطفا" اماموں کی ولایت کی وجہ سے پہنایا گیا

امام حسن عسکری کی طرف منسوب کیا گیا کہ انہوں نے ایک رقعہ میں تحریر فرمایا:

"فانكلمني الله حين خلقه الا اصطفا لما عهدنا منه الوفا" (بحار الانوار صفحہ ۲۶۵، جلد ۲۱)

ترجمہ: "پس کلیم اللہ کو "حجۃ اصطفا" اس وقت پہنایا گیا جب ہم نے ان سے وفا پائی۔"

چودھواں غلو: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر ائمہ کی طاعت واجب ہوتی

حدیث شریف میں ایک قصہ کے ضمن میں یہ ارشاد نبویؐ وارد ہے:

"لو كان موسى حيا لما وسعه إلا اتباعي"

ترجمہ: "یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا گیا کہ:

قال الحسن بن سليمان: فعلى هذا لو كان موسى عليه السلام في زمن محمد بن عبد الله لما كسعه إلا اتباعه، وكان من أئمة، وجب عليه طاعة وصيته أمير المؤمنين والأوصياء من بعده عليه السلام.

(بحار الانوار، صفحہ ۳۱۶، جلد ۲۶)

ترجمہ: "یہاں سے ثابت ہوا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو ان کو آپؐ کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا اور وہ آپؐ کے امتی ہوتے۔ اور ان پر آپؐ کے وصی امیر المؤمنین اور ان کے بعد دوسرے اوصیاء علیہم السلام کی اطاعت بھی واجب ہوتی۔"

پندرہواں غلو: حضرت ایوب علیہ السلام نے حضرت علیؑ کی امامت میں شک کیا، اس لئے بیماری میں مبتلا ہوئے

شیخ الطائفة ابو جعفر طوسی کی کتاب "مسائل البلدان" میں پوری سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہما کا ایک مکالمہ نقل کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے "ولایت علی" میں شک کیا تھا۔ روایت کا درج ذیل حصہ ملاحظہ فرمائیے:

فقال أمير المؤمنين عليه السلام: أندري ما قصّة أبوب و سبب تغير لعمرة الله عليه؟ قال: الله أعلم و أنت يا أمير المؤمنين، قال: لما كان عند الابعاث للنطق^(۱۷)

شك أبوب في ملكي^(۱۸) فقال: هذا خطب جليل و أمر جسيم، قال الله عز وجل: يا أيوب أنتك في سورة أفضته أنا، إني ابتليت آدم بالبلاء فوجنت له و صفت عنه بالنسب عليه بامرة المؤمنين و أنت تقول: خطب جليل و أمر جسيم، فوعدني لا ذيقنك من عذابي أو تنوب إلي، بالطاعة لا مير المؤمنين.

نہم أدرکنہ السعادة می، یعنی اُنہ تاب و أذعن بالطاعة لا میر المؤمنین علیہ السلام و علی فدینہ الطیبین علیہ السلام^(۱۹).

(بحار الانوار، صفحہ ۲۹۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ قصہ ایوب کیسے پیش آیا اور ان سے اللہ کی نعمتیں چھیننے کا کیا سبب بنا؟ سلمان نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ جانتا ہے یا آپؑ کو معلوم ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے (میری امامت ان کے سامنے پیش کر کے) ان سے اقرار لیا تو ایوب کو میری امامت میں شک ہوا اور کہنے لگے یہ تو بڑی بات ہے اور بڑا بھاری معاملہ ہے۔ اللہ عز و جل نے فرمایا کہ اے ایوب! تو اس شخصیت میں شک کرتا ہے جس کو میں نے خود مقرر کیا ہے؟ اسی بنا پر تو میں نے آدم کو ابتلا میں ڈالا، پھر امیر المؤمنین کی امامت تسلیم کر لینے کے مسئلہ میں اس پر عنایات کیں اور اس کو معاف کر دیا۔ اور تو کہتا ہے کہ یہ بڑی بات اور بھاری معاملہ ہے؟ مجھے اپنی عزت کی قسم! میں تجھے اپنا عذاب چکھا کر ہوں گا یہاں تک کہ تو توبہ تائب ہو کر امیر المؤمنین کی اطاعت کا اقرار نہ کر لے۔

پھر میرے طفیل ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی یعنی انہوں نے توبہ کی اور امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کی پاکیزہ اولاد علیہم السلام کی اطاعت کا اقرار کر لیا۔"

سولہواں غلو: حضرت یونس علیہ السلام نے ولایت علیؑ سے انکار کیا تو پھنسی کے پیٹ میں قید کئے گئے

اس مضمون کی روایات ص ۱۵۰ سے ص ۱۵۵ پر گزر چکی ہیں، مزید دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے:-

الف: - محمد بن أحمد معنعنا عن جعفر بن محمد عن أبيه عن آبانہ^(۱۷) قال:

قال رسول الله ﷺ: "إن الله تعالى عرض ولاية علي بن أبي طالب عليه السلام على أهل السماوات وأهل الأرض فقبلوها ما خلا يونس بن متى فعاقبه الله وحبه في بطن الحوت لا تكاره ولاية أمير المؤمنين علي بن أبي طالب عليه السلام حتى قبلها."

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۳۳-۳۳۴، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امام جعفر صادق" اپنے باپ دادا کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کی تو یونس بن متى کے سوا سب نے اسے قبول کر لیا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ نے یونس کو بطور سزا مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کی ولایت کا انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قبول کیا تب ان کو رہائی ملی۔"

ب: - یونس بن معروف عن سعدان عن صباح المزني عن العارث بن حصيرة عن جبة العربي قال: قال أمير المؤمنين عليه السلام: "إن الله عرض ولاية علي بن أبي طالب عليه السلام على أهل السماوات وعلى أهل الأرض فبها من أفر وألكرها من أكر، وألكرها يونس فحبسه الله في بطن الحوت حتى أفر بها" (۱۱)۔

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۸۲، جلد ۲۶)

ترجمہ: "امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اللہ نے میری ولایت کو آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کیا۔ جس نے اقرار کرنا تھا تسلیم کر لیا اور جس کو انکار کرنا تھا، منکر ہوا۔ یونس نے بھی انکار کر دیا تھا، تو پیچھا اللہ نے اسے مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا، یہاں تک کہ اس نے بھی تسلیم کر لیا۔"

پہلے گزر چکا ہے کہ ولایت ائمہ میں شک و انکار کفر ہے۔ گویا حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہم السلام یغوز باللہ۔ پہلے کفر میں مبتلا ہوئے پھر اس سے تائب ہوئے۔

سترہواں غلو: حُب علی اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا

شیعہ مومنین کو گناہوں کی کھلی چھٹی دینے کے لئے یہ روایت بھی تصنیف کی گئی ہے کہ حُب علی کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں اور بغض علی کے ساتھ کوئی نیکی مفید نہیں۔ روایت کا متن یہ ہے:

أبو تراب في الحدائق والخوارزمي في الأربعين باسنادهما عن أنس، والديلمي في الفردوس عن معاذ، وجماعة عن ابن عمر قال النبي ﷺ: حُب علي بن أبي طالب حنة لا تضر معها سيئة، وبغضه سيئة لا تنفع معها حنة.

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۵۶، جلد ۳۹)

ترجمہ: "انس" اور ابن عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "حُب علی" ایسی نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ اور "بغض علی" ایسا گناہ ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ بخش نہیں۔"

وقال ابن عباس: كان يهودي يحب علياً حباً شديداً، فمات ولم يسلم، قال ابن عباس: فيقول الجبار تبارك وتعالى: أما جنتي فليس له فيها نصيب، ولكن يا نار لا تهدي به أي لا تزعجيه۔

فضائل أحمد و فردوس الديلمي: قال عمر بن الخطاب: قال النبي ﷺ: حُب علي براءة من النار، وأشد:

حُب علي جنة للورى ۵ احطط به يادب أذاري
لو أن ذمياً نوى حبه ۵ حصن في النار

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۵۸، جلد ۳۹)

ترجمہ: "ابن عباس" کہتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت علی کے ساتھ شدید محبت رکھتا تھا۔ وہ اسلام لائے بغیر مر گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری جنت میں تو اس کا حصہ نہیں۔ لیکن اے دوزخ! تو اس کو کچھ نہ کہنا۔"

فضائل احمد و فردوس دیلمی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "حُب علی" دوزخ سے

آزادی کا پرولہ ہے اور آپ نے دو شعر پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے)
ترجمہ: "علیٰ کی محبت مخلوق کے لئے جنت ہے، اے میرے رب! اس کے
ذریعہ میرے بوجھوں کو ہٹا دیجئے۔
اگر کوئی کافر "حب علی" کی نیت کر لے تو وہ دوزخ میں دوزخ سے محفوظ
رہے۔"

مرجہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ لیکن علامہ
مجلسی کی مندرجہ بالا تصریح کے مطابق "حب علی" کے بعد کفر بھی مضر نہیں اور نقل بالا
سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ "حب علی" سے پُر دامن تھے۔

اٹھارواں غلو: ازواج مطہرات کی طلاق علیؑ کے سپرد تھی
علامہ مجلسی نے حسن بن سلیمان کی "کتاب المحقق" کے حوالے سے ایک مرفوع
روایت نقل کی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

ألا وإني قد جمعت أمر إمامي بيده
(بحار الانوار، صفحہ ۶۶، جلد ۲۶)

ترجمہ: "سنو! اور بے شک میں نے اپنی بیویوں کا معاملہ علیؑ کے ہاتھ میں
دے دیا ہے۔"

اس روایت کی تصنیف کے مقاصد اور مضمرات اہل فہم و دانش سے مخفی نہیں۔

انیسواں غلو: کربلا کی تخلیق کعبہ شریف سے پہلے ہوئی

علامہ مجلسی نے کتاب السماء والارض کے "باب حدوث العالم و بدخلقه"
میں ابو سعید عمار العصفری کی کتاب کے حوالے سے امام باقرؑ کی روایت نقل کی
ہے:

۱۶۷ - ومنه : عن عمرو ، عن أبيه ، عن أبي جعفر عليه السلام قال : خلق الله أرض
كربلاء قبل أن يخلق أرض الكعبة بأربعة وعشرين ألف عام ، وقد بناها وبارك عليها

فما زالت قبل خلق الله الخلق مقدسة معاركة ، ولا تزال كذلك حتى يجعلها الله
أفضل أرض في الجنة ، وأفضل منزل ومسكن يسكن الله فيه أوليائه في الجنة .

(بحار الانوار، صفحہ ۲۰۲، جلد ۵۴، روایت نمبر ۱۴)

ترجمہ: "امام باقرؑ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی زمین کو پیدا کر کے سے
چوبیس ہزار سال پہلے کربلا کی زمین کو پیدا کیا۔ اور اسے مقدس بنایا اور اس کو
بابہ گت بنایا۔ پس یہ مخلوق کی تخلیق کے پہلے سے مقدس و بارگت چلی آتی
ہے۔ اور ہمیشہ ایسی ہی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں سب
سے افضل زمین بنائیں گے۔ اور یہ جنت میں سب سے افضل مکان اور مسکن
ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ٹھہرائیں گے۔"

یہ چند غالبانہ عقائد "نقل کفر کفر نباشد" کے طور پر غفلت میں نقل کئے گئے
ہیں۔ اگر مزید تفتیش کی جائے تو اس کی بیسیوں مثالیں اور بھی ملیں گی۔ اور یہ عقائد ان
پڑھ جاہلوں کے نہیں، بلکہ شیعہ مذہب کے اکابر و مناوید کے ہیں، جنہوں نے ان
روایات کو بطور استناد اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور ان پر سرخیاں جملی ہیں۔ جیسا کہ
اسی بحث کے شروع میں علامہ باقر مجلسی کے باب کی سرخی نقل کر چکا ہوں کہ ائمہ، انبیاء
کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ کہ "امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔"

ساتویں بحث : امامت میں الوہیت کی جھلکیاں

شیعہ راویوں کی مبالغہ آرائیوں اور غلو پسندیوں سے صرف یہی نہیں کہ نبوت و رسالت کا مقام رفیع مجروح ہوا، بلکہ ائمہ کی شان میں غالبانہ قصیدہ خوانی کرتے ہوئے انہوں نے بارگاہِ صمدیت کے ادب و احکام کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ مجھے معلوم ہے کہ حضراتِ امامیہ بڑی شدت کے ساتھ ائمہ سے صفات الوہیت کی نفی کیا کرتے ہیں اور جو فرقے ان حضرات کی الوہیت کے قائل ہیں، ان سے سخت بیزاری کو اظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ مبالغہ آرائی کا مزاج پختہ تر ہو چکا ہے اس لئے ان بزرگوں کو ”ما فوق البشر“ ثابت کرنے میں وہ بھی کسی غلی سے پیچھے نہیں۔

علامہ مجلسی کا یہ فقرہ اوپر گزر چکا ہے کہ :

”امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔“

اور آیت اللہ خمینی کا یہ فقرہ بھی گزر چکا ہے کہ :

”یہ عقیدہ ہمارے مذہب کے ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے

ائمہ کے مقام اور مرتبہ کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی نبی

مرسل۔“ (المکاتیب الاسلامیہ صفحہ ۲۵)

علامہ مجلسی اور علامہ خمینی اس عقیدے کے اظہار پر اس لئے مجبور تھے کہ شیعہ راویوں کے مطابق امام معصوم کی تعلیم یہی تھی۔ چنانچہ روضہ کافی میں امام صادقؑ کا شیعہوں کے نام ایک طویل خط نقل کیا ہے، اس کا ایک فقرہ ملاحظہ فرمائیے :

”ان فضلہم لایبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل“

(روضہ کافی صفحہ ۱۰، جلد ۸)

ترجمہ : ان کے درجہ کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نبی مرسل۔“

اس سے قطع نظر کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی کیسی توہین و تنقیص ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رسالت و نبوت سے بالاتر مرتبہ تو خدا کا ہے، تو کیا ائمہ، خدائی کے مرتبہ میں بھی کچھ عمل دخل رکھتے ہیں؟ حضراتِ امامیہ کی روایت سے اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے :

۱۔ زمین اللہ کی ہے یا ائمہ کی؟

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا :

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾

(الأعراف: ۱۲۸)

ترجمہ : ”بے شک زمین ہے اللہ کی، اس کا وارث کروے جس کو چاہے۔

اپنے بندوں میں۔“

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے : ان الارض کلہا للامام علیہ السلام

”یعنی زمین ساری امام کی ملکیت ہے۔“ مطلب یہ کہ زمین امام کی جاگیر ہے جس کو چاہے دے، جس سے چاہے لے۔

چنانچہ اسی باب میں ابو بصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے پوچھا :

”اما علی الامام زکاة ؟ فقال : احدث يا ابا عبد اما علمت ان الدنيا والآخرة للامام بضعا حيث يشاء ، ويدفعها الى من يشاء ، جائز له ذلك من الله ، ان الامام يا ابا عبد لا يبيت ليلة ابداء الله في عنقه حق يسأله عنه .“

(اصول کافی صفحہ ۴۰۹، جلد ۱)

ترجمہ : ”کیا امام پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ اے ابو عبد ! تو نے محل بات

کئی، تجھے معلوم نہیں کہ دنیا و آخرت امام کی ملکیت ہے۔ جہاں چاہے رکھے

اور جس کو چاہے دے، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا پروانہ حاصل ہے۔ اے ابو محمد! ہم ایک رات بھی ایسی حالت میں نہیں گزارا کہ اس کی گردن پر اللہ کا حق ہو، جس کے بارے میں وہ اس سے سوال کرے۔"

۲۔ جلانا اور مارنا

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ﴾

ترجمہ: "میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔" تو نمرود نے کہا:

﴿أَنَا أَحْیِیُّ وَأَمِیْتُ﴾ (البقرة: ۲۵۸)

ترجمہ: "میں جلاتا اور مارتا ہوں۔"

اب دیکھئے یہی نمرودی فقرہ شیعہ راویوں نے حضرت امیرؑ سے منسوب کر دیا:

وَأَنَا أَحْیِیُّ وَأَنَا أَمِیْتُ^(۱) وَأَنَا حَیٌّ لَا أَمُوتُ .

(بحار الانوار صفحہ ۳۳۷، جلد ۳۹)

ترجمہ: "میں جلاتا ہوں، میں مارتا ہوں، میں حی لا موت ہوں۔"

۳۔ اول و آخر، ظاہر و باطن

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی شان میں فرمایا ہے:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (الحدیث ۳)

ترجمہ: "وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔"

اور شیعہ راویوں نے حضرت امیرؑ سے نقل کیا ہے:

أَنَا الْأَوَّلُ، وَأَنَا الْآخِرُ، وَأَنَا الْبَاطِنُ، وَأَنَا الظَّاهِرُ، وَأَنَا بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ . (بحار الانوار ۳۴۷ ج ۳۹)

ترجمہ: "میں ہی اول ہوں، میں ہی آخر ہوں، میں ہی باطن ہوں، میں ہی ظاہر ہوں اور میں ہر چیز کو جانتا ہوں۔"

۴۔ سینوں کے بھید جاننا

قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَهُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

ترجمہ: "یعنی اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید جانتے ہیں۔"

اوپر گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک ائمہ سینوں کے بھید جانتے ہیں۔

۵۔ روز جزا کا مالک

سورہ فاتحہ میں فرمایا:

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّیْنِ﴾

ترجمہ: "ملک روز جزا کا۔"

شیعہ راویوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روز جزا کا مالک ثابت کرنے کے لئے بہت سی روایات تصنیف کر لیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے:

۵۴۔ قَالَ: وَرَوَى الْبَرْقِیُّ فِي كِتَابِ الْآيَاتِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ لَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا عَلِيُّ! أَنْتَ دَيْنَا هَذِهِ الْأُمَّةَ، وَالْمُتَوَلَّى حَسَابُهُمْ^(۱)، وَأَنْتَ رَكْنُ اللَّهِ الْأَعْظَمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَلَا وَإِنَّ الْمَتَابَ إِلَيْكَ، وَالْحَسَابَ عَلَيْكَ وَالصَّرَاطَ صِرَاطِكَ، وَالْمِيزَانَ مِيزَانِكَ، وَالْمَوْقِفَ مَوْقِفَكَ .

(بحار الانوار صفحہ ۲۷۲، جلد ۲۳)

ترجمہ: "حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! تم ہی اس امت کو بدلہ دینے والے ہو، ان کا حساب تمہارے ہی سپرد ہے، تم قیامت کے دن اللہ کے رکن اعظم ہو گے۔ سنو! بے شک تیری طرف ہی لوگوں کا لوٹنا ہو گا، اور

تیرے ذمہ ہی لوگوں کا حساب ہوگا، بل صراطِ تمسدا ہوگا، میزانِ عدالت تمسدا ہوگی، اور قیامت کا موقف تمسدا ہوگا۔"

۶۔ تقسیم الجنة والنار

بہت سی روایات میں حضرت امیرؓ کا لقب "قسیم الجنة والنار" آیا ہے۔ یعنی جنت و دوزخ کی تقسیم ان کے سپرد ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار "کتاب تاریخ امیر المومنین" میں اس پر مستقل باب باندھا ہے:

"انه عليه السلام قسيم الجنة والنار" (بحار الانوار..... صفحہ ۱۹۳، جلد ۳۹)

۷۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر تکوینی حکومت

اگرچہ حضرات امامیہ ان تمام امور کی تاویلات فرماتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضرات ائمہ کو خدا بنانے کی اچھی خاصی کوشش کی ہے۔ انہی سے متاثر ہو کر دور حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما جناب آیت اللہ ثمنی نے اپنی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" میں "الولاية التكوينية" کے زیر عنوان تحریر فرمایا:

"فإن للإمام مقاما محمودا ودرجة سامية وخلافة تكوينية تخضع لولايتها وسيطرتها جميع ذرات الكون". (صفحہ ۵۲)

ترجمہ: "امام کو وہ مقام محمود اور وہ بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم و اقتدار کے سامنے سرنگوں اور زیر فرمان ہوتا ہے۔"

خلاصہ یہ کہ ائمہ کو "چشم بد دور" اچھی خاصی خدائی حاصل ہے۔ ایک طرف ائمہ کی شان میں اس غلو کی "شور اشوری" دیکھئے اور دوسری طرف اقیہ کی "بے تمکینی" ملاحظہ فرمائیے کہ تمام تر اقتدار و اختیار کے باوجود ائمہ، مدۃ العمر نقاب اقیہ میں روپوش رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آنکھوں کی بحث: کیا عقیدہ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟

انتخاب تحریر فرماتے ہیں:

"عقیدہ ختم نبوت بر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ عقیدہ (یعنی عقیدہ امامت) مزوج ہو کر حفظ دین سے متعلق ہوتا ہے۔ امام کا منصب اقامت دین اور حفظ ملت ہے۔"

ختم نبوت پر آپ حضرات کا جیسا کچھ ایمان ہے اس کی حقیقت تو اوپر معلوم ہو چکی، رہا آپ حضرات کا یہ کہنا کہ عقیدہ امامت حفظ دین کا ضامن ہے اور یہ کہ دین و ملت کی حفاظت امام کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اول تو یہ دونوں مقدمے غلط ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ گیلہ صدیوں سے آپ کا امام غیر حاضر ہے، مگر بفضلِ خداوندی اللہ تعالیٰ کا دین جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کی حفاظت امام پر موقوف نہیں کیونکہ اگر آج کے دورِ شرور و فتن میں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانہ سے چودہ سو سال کا بعد ہو چکا ہے، باوجود اس کے اللہ کا دین محفوظ رہ سکتا ہے اور بحولہ محفوظ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد آپ کے اسطلاحی "امام" کے بغیر دین محفوظ نہ رہتا۔

اگر فرض کیجئے کہ امام کی ضرورت حفظ دین ہی کے لئے ہے تو میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ آپ حضرات نے اماموں کے انتخاب میں غلطی کی، جن بزرگوں کو آپ نے "امام" بنایا، اصولِ شیعہ کے مطابق ان کے ذریعہ دین کی حفاظت نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ عقیدہ امامت دین و ملت کی تخریب اور بیخ کنی کا سبب بنا۔ البتہ اہلسنت جن کو "امام" (یعنی خلفاء) مانتے ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی ایسی حفاظت ہوئی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس لئے میں ان دونوں مکتوں کو الگ الگ بحثوں

میں ذکر کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ شیعہ، جن اکابر کو ”امام“ کہتے ہیں خود شیعہ اصول کے مطابق ان سے دین و ملت کی حفاظت نہیں ہو سکی، یا یوں کہنے کے شیعہوں کا عقیدہ امامت خود انہی کے مسلمہ اصولوں کے مطابق حفظ دین و ملت کا ذریعہ ثابت نہیں ہوا۔ اور دوسری بحث یہ کہ بحمد اللہ اہل سنت کے خلفائے راشدینؓ سے اللہ تعالیٰ نے حفظ ملت و اقامت دین کا کام لیا۔

شیعہ کے نزدیک ابو الائمہؑ سے بھی دین و ملت کی حفاظت نہ ہو سکی

شیعوں کے امام ثانی سے امام غائب تک گیارہ اماموں کے قصہ کو تو چھوڑیے، شیعہ اصول کے مطابق ان کے امام اول ابو الائمہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ بھی دین و ملت کی حفاظت نہ کر سکے اور ان کی امامت کا عقیدہ بے مقصد ہی رہا۔ یقیناً نہ آئے تو ”روضہ کافی“ کی روایت نمبر ۲۱ پنجم عبرت ملاحظہ فرمائیے جس میں امیر المومنین کا طویل خطبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس خطبہ کا اقتباس درج ذیل ہے:

قد عملت الولاية قبلي اعمالا خالفوا فيها رسول الله ﷺ متعمدين لخلافه، ناقضين لعهدته مغتربين لسنته ولو جعلت الناس على تركها وجوهها إلى مواضعها وإلى ما كانت في عهد رسول الله ﷺ لتفرق عني جندي حتى أبقي وحدي أو قبل من شيعتي الذين عرفوا فضلي وفرنهم إمامتي من كتاب الله عز وجل سنة رسول الله ﷺ، (روضہ کافی صفحہ ۵۹ جلد ۸)

ترجمہ: ”مجھ سے پہلے کے حکمرانوں نے ایسے بہت افعال کئے جن میں جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آپ کے عہد کو توڑ ڈالا اور آپ کی سنت کو بدل ڈالا۔ اب اگر میں لوگوں کو ان کے چھوڑنے پر آمادہ کرنا چاہوں اور ان کو بدل کر اسی نبی پر لانا چاہوں جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھے تو (مجھے خوف ہے کہ) میری ہی فوج یقیناً مجھ کو چھوڑ دے گی اور میں تھارہ جاؤں گا یا تھوڑے بہت میرے وہ شیعہ میرے ساتھ رہ جائیں گے جن پر میری فضیلت اور کتاب و سنت میری امامت کی فریخت کی حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔“

اس کے بعد حضرت امیرؑ نے ان سنگین بدعات کا ذکر کرتے ہوئے، جو راوی کے بقول حضرات شیخین نے ایجاد کی تھیں، یہ فرمایا کہ اگر میں ان امور کی اصلاح کروں تو لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں گے اور پھر فرمایا:

والله لقد أمرت الناس أن لا يجتمعوا في شهر رمضان إلا في

فريضة وأعلمتهم أن اجتماعهم في النوافل بدعة فنادى بعض أهل عسكري بمن يقابل معي، يا أهل الإسلام غيبت سنة عمر بن الخطاب في شهر رمضان تطوعاً ولقد خفت أن يبدروا في ناحية جانب عسكري^(۱) ما لقيت من هذه الأمة من الفرقة وطاعة أئمة الضلالة والدعاة إلى النار (روضہ کافی صفحہ ۶۲-۶۳ جلد ۸)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ رمضان میں فرض کے علاوہ کوئی نماز باجماعت ادا نہ کیا کریں (یعنی تراویح کی نماز نہ پڑھیں) اور ان کو یہ بتایا کہ نوافل کا باجماعت ادا کرنا بدعت ہے تو میرے ہی لشکر میں ایسے لوگ جو میری معیت میں قاتل کرتے ہیں، چلا گئے کہ اسے اہل اسلام! سنت عمرؓ کو تبدیل کیا جا رہا ہے، یہ شخص ہمیں رمضان میں نفل نماز (یعنی تراویح) پڑھنے سے روکنا چاہتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ میرے لشکر کے ایک حصہ کو ہی میرے قاتل کھڑا کر دیں گے۔ میں نے ان لوگوں کو بہت ہی فرقہ باز، ائمہ ضلالت کے پیروکار اور جہنم کی جانب دعوت دینے والے پایا۔“

یہ خطبہ بلاشبہ آل سبکی تصنیف ہے، جس میں خلفائے ثلاثہؓ سے زیادہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ”جو طرح“ ہے۔ چنانچہ اس خطبہ سے چند امور بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ اول: حضرت امیرؑ ان سنگین بدعات کی اصلاح نہ تو خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں کر سکے اور نہ خود اپنے دور خلافت میں، گویا دین و ملت کی حفاظت کا انتظام ان سے رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ ہو سکا، لہذا اس روایت کی رو سے ان کی امامت حفظ دین و ملت کا سبب نہ ہوئی، بلکہ (نعوذ باللہ) تخریب دین و ملت کا سبب ہوئی۔

دوم: حضرات ثلاثہؒ نے جو کام کئے وہ تو ان کاموں کو اپنے اجتہاد کے مطابق ٹھیک ہی سمجھ کر کرتے ہوں گے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ ان سے اجتہاد میں چوک ہو گئی، لیکن (نعوذ باللہ) حضرت امیرؒ دین کی اس تحریف و تغیر کو جانتے ہو جتھے برداشت کرتے رہے، اس لئے اس تحریف دین کا وبال بھی معاذ اللہ حضرت امیرؒ کی گردن پر رہا۔ فروع کافی کتاب الجہاد باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں روایت ہے:

۲۔ علی بن ابراہیم، عن ایہ، عن علی بن اخطاب، عن ابي اسحاق النخاسی، عن بعض رجالہ قال: إن اللہ عز وجل أوحى إلى داود علیہ السلام أن یغفر ذنبک و جعل علی ذنبک علی بنی اسرائیل فقال: کیف یادب و أنت لا تعلم؟ قال: إنہم لم یعاجلوا بالذکر! (فروع کافی..... صفحہ ۵۸، جلد ۵)

ترجمہ: ”اللہ عز وجل نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے تیرا ”گنہ“ تو معاف کر دیا لیکن تیرے ”گنہ“ کا وبال بنی اسرائیل پر ڈال دیا۔ انہوں نے عرض کیا: اے رب! یہ کیسے ہو گیا، آپ تو ظلم نہیں فرماتے؟ فرمایا: اس لئے کہ انہوں نے تجھے برائی سے باز رکھنے کا فوراً اہتمام نہیں کیا۔“

سوم: اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امیر المؤمنینؑ اپنی حکومت کی بقا کو دین و ملت کی حفاظت سے مقدم سمجھتے تھے۔ اہل عقل کا مسلہ اصول ہے کہ بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ حضرت امیرؑ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں ان کا لشکر ان کو چھوڑ کر الگ نہ ہو جائے، خلفاء ثلاثہؒ کے دور کی ”بدعات“ کو (جن میں روایت کے مطابق حرام کو حلال کر دیا گیا تھا) جوں کا توں باقی رکھا۔ معاذ اللہ دین و ملت کی تحریف و تغیر کو تو گوارا کیا مگر اپنی حکومت کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔ گویا راوی کے بقول دین و ملت کو اپنی چند روزہ حکومت پر قربان کر دیا۔ سوچئے کہ اس سے بدتر حضرت امیرؑ کی مذمت کیا ہو سکتی ہے؟ توبہ! استغفر اللہ! اس روایت کے مطابق گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معیار بھی نعوذ باللہ۔ آج کے سیاسی لیڈروں سے کچھ بلند نہیں تھا، جن کو اپنی حکومت کا تحفظ ترویج شریعت، نفاذ اسلام اور اصلاح بدعات سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے۔

چہارم: حضرت امیر المؤمنینؑ بالاجماع ”یحب اللہ ورسولہ وحبہ اللہ ورسولہ“ کا مصداق تھے۔ کیونکہ جنگ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”کل میں جھنڈا ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے ہیں“ لیکن صحیفہ ہلالی کی یہ روایت کتنی ہے کہ نہیں! بلکہ حضرت امیر (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبعوض اور بے دین تھے، کیونکہ خلفائے ثلاثہؒ کے دور میں سیکڑوں حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا گیا۔ مگر حضرت امیرؑ اس سے مس نہ ہوئے، اور ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسا شخص عند اللہ مبعوض اور بے دین ہوتا ہے۔ چنانچہ ”فروع کافی“ کے مذکورہ باب میں ہے:

۱۰۔ وبهذا الإسناد قال: قال النبی ﷺ: إن اللہ عز وجل لیبغض المؤمن الضعیف الذی لادین لہ، وقیل لہ: وما المؤمن الذی لادین لہ؟ قال: الذی لا ینہی عن المنکر. (فروع کافی..... صفحہ ۵۹، جلد ۵)

ترجمہ: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ایسے مومن ضعیف سے بغض رکھتا ہے، جس کا کہ کوئی دین ہی نہ ہو۔ عرض کیا گیا کہ ایسا مومن جس کا کوئی دین ہی نہ ہو، کون ہوگا؟ فرمایا: جو ”نہی عن المنکر“ کا فریضہ ادا نہیں کرتا۔“

پنجم: اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امیر المؤمنینؑ ان گھٹاؤں بدعات کو (جو اس روایت میں خلفاء ثلاثہؒ کی طرف منسوب کی گئی ہیں) برداشت کر کے امت کی ہلاکت کا سبب بنے۔ چنانچہ فروع کافی کے محمولہ بالا باب میں خود حضرت امیرؑ کا خطبہ منقول ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا امت کی ہلاکت کا موجب ہے:

۶۔ حدیث من أصحابنا، عن سهل بن زیاد، عن عبدالرحمن بن ابي بجران، عن حاتم

ابن حنبل، عن أبي حمزة، عن يحيى بن حنبل، عن حسن قال: خطب أمير المؤمنين عليه السلام فحمد الله وأثنى عليه وقال: أما بعد فإني إنما هلك من كان قبلكم حيث ما عملوا من المعاصي ولم ينهمهم الربانيون والأخبار من ذلك وإنهم لم يمتدوا في المعاصي ولم ينهمهم الربانيون والأخبار عن ذلك نزلت بهم العقوبات فأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر واعلموا أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لم يربأ أجلاً ولم يخطأ رزقاً.

(فروع کافی صفحہ ۵۷، جلد ۵)

ترجمہ: ”حضرت حسن“ سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے، اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے کہ جب وہ معاصی میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء و اخبار نے بھی ان کو اس سے منع نہ کیا۔ لہذا جب وہ معاصی میں حد سے بڑھ گئے اور علماء و اخبار نے بھی ان کو باز رکھنے کی کوشش نہ کی تو ان پر پے در پے عذاب نازل ہونا شروع ہو گئے۔ اس لئے تم امیر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو۔ یاد رکھو! امیر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ تو تمہیں موت سے ہمت نہ کر دیں گے اور نہ تمہارے رزق کو تم سے روک دیں گے۔“

ششم: اس خطبہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات شیخین ”کیسی مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے۔ اور صدر اول کے مسلمانوں (حضرات صحابہ و تابعین) کے دلوں میں ان کی کیسی والہانہ محبت راسخ تھی، آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت امیرؑ کے اس خطبہ کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر بیس چھتیس برس گزر چکے ہیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کو قریباً پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ لیکن اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے دلوں پر ان کی محبت کا ایسا گہرا نقش ثبت تھا کہ حضرت امیرؑ جیسی محبوب و محبت شخصیت کے کہنے پر بھی وہ شیخین کی سنت سے ایک انچ ادھر ادھر ہونے کے لئے تیار نہیں، کیوں نہ ہو، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے الفاظ ان کے کان میں گونج رہے تھے:

«علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی

تمسکوا بها وعضوا علیہا بالنواجذ» .

ترجمہ: ”لازم پکڑو میری سنت کو، اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو،

اس کو مضبوط تھام لو اور دانتوں کی کچلیوں سے پکڑ لو۔“

کسی زندہ شخص سے قرب و تعلق تو مادی نفع و نقصان کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن جن حضرات کی وفات کو پندرہ بیس سال گزر چکے ہوں، ان کے بعد حکومتوں پر حکومتیں بدل گئی ہوں اور ان کے عزیز و اقارب میں کوئی شخص کسی خطہ کا بھی حاکم نہ رہا ہو، ظاہر ہے کہ ان سے نہ کسی مادی نفع کی توقع ہو سکتی ہے اور نہ کسی دنیوی ضرر کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود شیخین کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ شیفتگی اور ان کے رگ و ریشہ میں ان حضرات کی محبت کا پیوست ہونا شیخین کی اعلیٰ ترین کرامت ہے، جو ان حضرات کے کمال اخلاص و للہیت اور غایت قرب عند اللہ کی واضح شہادت اور بین دلیل ہے۔

آل سہانے حضرات خلفائے ثلاثہ کو نعوذ باللہ غاصب و ظالم اور جابر و جائز ثابت کرنے کے لئے یہ خطبہ امیر المؤمنین کے نام سے تصنیف کیا تھا، لیکن حضرات خلفائے راشدین کی اور خود حضرت امیرؑ کی کرامت کا کرشمہ دیکھئے کہ خود اسی خطبہ نے حضرات شیخین کی محبوبیت و حقانیت اور اخلاص و للہیت کا ایسا زندہ جاوید ثبوت فراہم کر دیا جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ گویا حضرات شیخین کو یہ کہنے کا بجائے پر حق ہے کہ:

عج ”ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما“

اور حضرت امیرؑ کی مزمومہ امامت کو (جس کا موجد عبد اللہ بن سبا تھا) خود اسی خطبہ نے حرف غلط ثابت کر دیا۔ و کفی اللہ المؤمنین القتال۔

خلاصہ یہ کہ حضرات خلفاء راشدین کو بدنام کرنے کے لئے سبائی کمیٹی کے ممبروں نے پہلے ولایت علیؑ اور ولایت ائمہ کا عقیدہ تصنیف کیا، اور پھر دھڑا دھڑا ائمہ کے نام سے جعلی روایات کے طویل تصنیف ہونے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ ان روایات کے انبار لگا دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دین حق کو کیسا محفوظ رکھا! حضرات خلفاء راشدین کو بدنام کرنے کے لئے جتنی شدت کے ساتھ روایاتی پروپیگنڈہ

کیا گیا، ان حضرات کی حقانیت و لکھنیت اتنی ہی زیادہ چمکی، اور یہ ہتھیار الٹا "ولایت علی" کے عقیدہ پر چل گیا۔ کیونکہ شیعہ روایات نے ثابت کر دیا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی امامت سے دین و ملت کو ایک ذرہ بھی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان کے سامنے اللہ کے دین میں تحریف ہوتی رہی، خوفناک قسم کی بدعتیں جاری ہوتی رہیں، حضرت امیرؑ تحریف دین اور تحریف ملت کا یہ سارا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے، لیکن ان کی رگ حیات کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی اور انہیں کلمہ حق کہنے کی کبھی توفیق نہ ہوئی، بلکہ ہمیشہ نقابِ تقیہ میں روپوش رہے۔ غضب یہ کہ اپنے دور خلافت میں بھی ایک ذرہ اصلاح نہ کر سکے، بلکہ حکومت و شجاعت کے باوصف "ردائے تقیہ بردوش" رہے۔ یہاں تک کہ برسرِ منبر فضیلت شیخینؑ کے خطبے پڑھتے رہے۔

«أفضل هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر ثم عمر»

ترجمہ: "اس امت میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔"

کیا کوئی مسلمان حضرت علیؑ کے بارے میں اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بالکل صحیح لکھا ہے:

"و اگر تقیہ باوجود خلافت و شجاعت و شوکت و قیام بقنال جمع اہل ارض جائز باشد تو ان گفت کہ باجمعی کہ با شیخین بدی بودند در خفیہ بنا بر تقیہ انکار شیخین می نمود، پس کلام "خیر الامۃ" متحقق است و خلاف او تقیہ۔"

وی تو ان گفت کہ ائمہ اسلام و نماز پنج گانہ خواندن واز دوزخ ترسیدن ہمہ بنا بر تقیہ مسلمین بود، و شک نیست کہ تنفر قوم بترک اسلام اشہ بود از تنفر بسبب انکار شیخین، پس امن از اسلام اور برخاست، چہ جائے امامت، و ایں ہمہ بقبا حاتم می کشد کہ پنج مسلمانی خیال آن نمی تواند کرد۔" (ازالۃ الخفا..... صفحہ ۲۸۲، جلد ۱)

ترجمہ: "اگر تقیہ باوجود خلیفہ ہونے اور ہمارے ہونے اور صاحب شوکت ہونے اور تمام دنیا کے لوگوں سے لڑ سکنے کے بعد بھی جائز ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ شیخینؑ سے بدگمان تھے، حضرت علیؑ ان سے تمہلی میں تقیہ کر کے شیخینؑ کا انکار کر دیتے تھے۔ لہذا انہوں نے جو مجمع علم میں "خیر الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر" فرمایا، یہ کلام صحیح ہے اور اس کے خلاف جو تمہلی میں شیعوں سے کہا وہ تقیہ ہے۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اپنے کو مسلمان کہنا اور پنج وقتہ نماز پڑھنا اور دوزخ سے ڈر ظاہر کرنا۔ نعوذ باللہ۔ یہ سب باتیں مسلمانوں سے تقیہ کر کے کہتے تھے۔ اور کچھ شک نہیں کہ لوگوں کو جتنی نفرت ترک اسلام سے تھی، اتنی نفرت شیخینؑ کے انکار سے نہ تھی۔ لہذا ان کے اسلام میں تقیہ کا احتل بہت قوی ہے۔ پس امامت تو کیا؟ حضرت علیؑ کے اسلام کا بھی یقین نہ رہا۔ اور یہ نتائج مذہبِ شیعہ کے ایسے برے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا خیل بھی نہیں لاسکتا۔"

مکرر عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ ساری گفتگو اس تصور پر ہے جو شیعہ روایات نے حضرت امیرؑ کی تیار کی ہے۔ اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدینؑ کے مثالب و مطاعن کے یہ سارے طومر سبائی کمیٹی کی ایجاد و اختراع ہے۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد امجاد، جن کے نام پر یہ سارا طومر تصنیف کیا گیا ہے، ان کا دامن سبائی راویوں کے اس تصنیف کردہ طومر سے یکسر پاک ہے۔ حضرت علیؑ خلیفہ راشد تھے، اور وہ اپنے پیشرو خلفائے راشدینؑ کے ساتھ شیر و شکر تھے، اسی طرح بعد کے اکابر بھی اہلسنت کے پیشوا و مقتدا تھے، اسی بنا پر اس ناکارہ نے عرض کیا تھا کہ شیعہ اصول پر حضرت علیؑ کی امامت سے دین و ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اس لئے اگر آنجناب کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ "اہم کا منصب امامت دین و حفظ ملت ہے" تو یقین کرنا چاہئے کہ شیعہ اصول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعوں کے اصطلاحی امام نہیں تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔

دوسرے ائمہ کی امامت

ابوالائمہؒ کی امامت کا حل تو آپ سن چکے، اس کے بعد دیگر ائمہ کی امامت کے بارے میں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ تاہم کسی طویل بحث کے بغیر مختصراً ایک حکمت پیش کرتا ہوں:

آنجناب نے اپنے گرامی نامہ میں امامت کی جو تعریفیں نقل کی ہیں ان میں امامت کی تعریف ”ریاست عامہ“ کے ساتھ کی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ”امام وہ ہے جو نبیائے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کا رئیس عام ہو۔“ اور ریاست عامہ کے حصول کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ اول یہ کہ مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کسی شخصیت کو اپنا رئیس عام مقرر کر لیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں۔ دوم یہ کہ کوئی شخص جبر و طاقت سے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط ہو جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں مسلمانوں کے رئیس عام نہیں تھے، البتہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ارباب حل و عقد نے ان کو اپنا رئیس منتخب کر لیا اور وہ مسلمانوں کے ”امام“ بن گئے۔ اس دور میں اہلسنت بھی ان کو خلیفہ برحق اور ”امام“ مانتے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک اپنے والد گرامی قدر کے جانشین رہے، بلاشبہ اس زمانے میں وہ بھی ”امام“ تھے، اور ان کی خلافت، خلافت راشدہ کا تہمت تھی۔ لیکن چھ مہینے کے بعد وہ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ اس طرح ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی:

”إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَصْلَحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَيْنِ

عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۹، بروایت صحیح بخاری)

ترجمہ: ”میرا یہ بیٹا سردار ہے اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دیں گے۔“

خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد ان کی ”ریاست عامہ“ ختم ہو گئی۔ لہذا وہ بھی امام نہ رہے۔ ان کے علاوہ باقی جن اکابر کو آپ ”امام“ کہتے ہیں ان کو ”ریاست عامہ“ حاصل ہی نہیں ہوئی کہ ان کو ”امام“ کہنا صحیح ہو، جب آپ خود مانتے ہیں کہ ”امامت“ ریاست عامہ کو کہتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان حضرات کو ریاست عامہ کبھی حاصل نہیں ہوئی تو خود سوچئے کہ ان کو ”امام“ کہنا کیا خود آپ ہی کے اصول اور قاعدے سے غلط نہ ہوا؟ اب آنجناب کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو از روئے انصاف یہ تسلیم کر لیجئے کہ یہ حضرات، خود شیعہ اصول اور قاعدے کے مطابق ”امام“ نہیں تھے، یہ نہیں تو پھر امامت کی تعریف بدل دیجئے اور کوئی ایسی تعریف کیجئے جو ان ”بزرگوں“ پر صادق آئے۔ اور اعلان کر دیجئے کہ آپ کے بزرگوں نے ”امامت“ کی جو تعریف کی ہے وہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ تعریف تو ہمارے کسی ایک ”امام“ پر بھی صادق نہیں آتی۔ ایک طرف امامت کی تعریف ”ریاست عامہ“ کے ساتھ کرنا، اور دوسری طرف ایسے بزرگوں کو ”امام“ کہنا، جن کو کبھی ریاست عامہ حاصل نہیں ہوئی، اس کی مثال تو بچوں کے کھیل کی سی ہوئی۔ بچے کھیل کھیلا کرتے ہیں تو اپنے میں سے کسی کا نام ”بادشاہ“ رکھ لیتے ہیں، کسی کو ”وزیر“ بتا لیتے ہیں، کسی کو ”کونوال“ نامزد کر دیتے ہیں اور کسی کو ”چور“ فرض کر لیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ نہ ان کا بادشاہ، بادشاہ ہے نہ وزیر، وزیر۔ محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔

اگر آپ حضرات بھی ایسے بزرگوں کا نام ”امام“ رکھ لیتے ہیں جن کو عالم وجود میں ”ریاست عامہ“ تو کیا حاصل ہوئی، کبھی ایک چھوٹے سے گاؤں پر بھی ان کی حکومت نہیں رہی تو یہ واقعتاً ”امامت“ نہ ہوئی، بلکہ بچوں کا کھیل ہوا۔

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾

ترجمہ: ”نہیں ہیں یہ مگر نام، جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے، نہیں آداری اللہ نے ان کی کوئی سند۔“

اور جب خود آپ حضرات ہی کے اصول اور قاعدے سے ان اکابر کا ”امام“ ہونا غلط ہوا تو یہ کہنا بھی حرف غلط ٹھہرا کہ ان اماموں کا منصب اقامت دین اور حفظ ملت تھا..... ہاں! یہ بھی ”بچوں کا ایک کھیل“ ہو تو اس میں گفتگو نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شیعہ مسلمات کی رو سے ان کا مروجہ عقیدہ امامت، اقامت دین اور حفظ ملت کا سبب کبھی نہیں بنا۔ یا تو یہ تحریف دین اور تخریب ملت کا ذریعہ بنا، یا پھر محض بچوں کا کھیل۔

نویں بحث: خلافت راشدہ واقعی اقامت دین کا ذریعہ ثلث ہوئی

اگر آنجناب کا یہ اصول صحیح ہے کہ ”امامت، حفظ دین کا ذریعہ ہے“ اور یہ کہ ”امام کا منصب اقامت دین و حفظ ملت ہے“ تو میں بعد ادب عرض کروں گا کہ اقامت دین و حفظ دین کا عظیم الشان کام اہل تشیع کے نظریہ امامت سے نہیں بلکہ اہلسنت کے ”نظریہ خلافت“ سے ہوا اور اہل سنت کے ”خلفاء راشدین“ نے اقامت دین و حفظ ملت کا وہ شاندار کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان کا یہ کارنامہ جریدہ عالم پر ایسا ثبت ہے کہ مومن تو مومن، کسی کافر کو بھی اس سے مجال انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو عقل و انصاف کی نعمت خداداد سے بہرہ ور فرمایا ہے، اس لئے میں یہ گزارش کرنے میں حق بجانب ہوں کہ اس ناکارہ کی معروضات کو عقل و انصاف کی میزان میں تول کر دیکھئے، دل کو لگیں تو داد انصاف دیجئے ورنہ ”لکم دینکم ولی دین“ تو فرمودہ خداوندی ہے۔

منصوب سے پہلے چند تمہیدی نکات پیش کرنا ضروری ہے:

۱: امامت کے معنی

لغت میں امامت کے معنی مقتداۃت و پیشوائی کے ہیں اور جس کی اقتداء کی جائے اس کو ”امام“ کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی، ”مفردات القرآن“ میں لکھتے ہیں:

”الإمام المؤتم به إنسانا، كان يقتدى بقوله وفعله،
أو كتابا أو غير ذلك، محققا كان أو مبطلا وجمعه
أئمة“.
(المفردات في غريب القرآن..... صفحہ ۲۴)

ترجمہ: "امام جس کی جمع ائمہ آتی ہے۔ وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے، خواہ انسان ہو کہ اس کے قول و فعل کی اقتدا کی جائے یا کتب ہو، یا اس کے سوا۔ خواہ وہ حق پرست ہو یا باطل پرست۔"

عموماً امام کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے:

اول: امام بہ معنی خلیفہ برحق

کسی قوم کے "سربراہ اور رئیس عام" کو بھی "امام" اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں "امام" کا لفظ ہر جگہ اس کے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، "امام" بہ معنی رئیس قوم قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس کے بجائے "خلیفہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ "امام عادل" اور "ائمہ جور" کے الفاظ حدیث میں بکثرت وارد ہیں۔ الغرض "امام" کے ایک معنی "خلیفہ برحق" کے ہیں اور یہاں یہی معنی زیر بحث ہیں۔

دوم: امام بہ معنی دینی مقتدا و پیشوا

جو شخص ریاست و اقتدار تو نہیں رکھتا لیکن دینی علوم کی کسی شاخ میں مہارت و بصیرت رکھتا ہو، لوگ اس کے علم و فہم اور ماہرانہ بصیرت پر اعتماد کرتے ہوں اور وہ اپنے فن میں لوگوں کا مرجع اور مقتدا ہو اس کو اس فن کا "امام" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، حدیث میں امام بخاریؒ و امام مسلمؒ، عقائد میں امام ابو الحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ، علم کلام میں امام رازیؒ و امام غزالیؒ، قرأت میں امام یافعیؒ اور امام عاصمؒ، یہاں تک کہ نحو و عربیت میں خلیل اور سیبویہ کو امام مانا جاتا ہے۔ آیت شریفہ: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (الفرقان: ۴۷) (اور بنا ہم کو متقیوں کا امام) میں امام کے یہی معنی مراد ہیں۔

حضرات شیعہ جن اکابر کو امام کہتے ہیں اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ درحقیقت اہلسنت کے امام ہیں۔ خصوصاً شغل باطن، اصلاح و تزکیہ اور تصوف و سلوک

میں ان کی امامت مسلمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف و سلوک کے بیشتر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتے ہیں، الغرض یہ اکابر دراصل اہلسنت کے امام و مقتدا اور دینی پیشوا ہیں۔ اہل تشیع ان کی اصطلاحی امامت کا غلط دعویٰ کرتے ہیں جس سے ان اکابر کا دامن نکمر بری ہے۔

سوم: امام بہ معنی صاحب اقتدار

جن حکمرانوں کو ریاست و اقتدار حاصل ہو اور زمین میں ان کے احکام نافذ ہوں، لیکن دینی پیشوائی کا ایسا مقام ان کو حاصل نہ ہو کہ وہ خلفائے راشدینؓ کی طرح مرجع ہر خاص و عام ہوں، مجازاً ان کو بھی خلیفہ یا امام کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض امور دین مثلاً جہاد، تقسیم غنائم، اقامت جمعہ و عیاد وغیرہ میں وہ فی الجملہ پیشوائی رکھتے ہیں۔ "امام" کے یہ دوسرے اور تیسرے معنی ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

امامت کے ان تین معنوں کو الگ الگ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے درمیان امتیاز نہ کرنے سے بسا اوقات خلط مبحث ہو جاتا ہے۔

۲: امام بہ معنی خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے

چونکہ دین و ملت کے بہت سے احکام اجتماعی ہیں اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اجتماعیت کسی امام اور رئیس عام کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے لئے کسی امیر اور رئیس عام کو منتخب کریں۔ نبیؐ البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کا نعرہ تحکیم لاحکم الا للہ سنا تو فرمایا:

قال عليه السلام: سمعنا حتى يراء بها باطل، نتمم إنّه لا ختم إلا لله، ولكن هؤلاء يقولون: لا إمامة إلا لله. وإنّه لا بُدَّ للناس من أمير يرؤ أو عاجز يتعلل في إمرته أو يؤمر، ونسبنا فيها الكافرين، ونسبنا الله فيها الأجل، ونسبنا به الفقيه، ونسبنا له القدوس، ونسبنا به

السُّبُلُ ، وَتُؤْخَذُ بِهِ لِلْضَّبِيعِ مِنَ الْغَوِيِّ ، حَتَّى يَسْتَرْسِعَ بَرٌّ ، وَيَسْتَرْسَخَ
مِنْ فَاجِرٍ . (منج البلاغہ صفحہ ۸۲، خطبہ ۳۰)

ترجمہ: ”کھڑے حق ہے مگر مراد باطل ہے۔ یہ تو جمع ہے کہ حکم صرف اللہ کا ہے، لیکن یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اہل بیت (عکرائی) تو صرف اللہ کی ہے حالانکہ لوگوں کے لئے کسی امیر کا ہونا ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد، اچھا ہو یا برا، تاکہ اس کے زیر حکومت مومن اپنے دین پر عمل پیرا ہو اور کافر جمع حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ اس میں لوگوں کی دنیوی معاویہ پوری فرمائیں۔ اس کی سرکردگی میں اموال بے جمع ہوں، دشمنوں سے جہاد کیا جائے، راستے محفوظ ہو جائیں، قوی سے ضعیف کا حق دلایا جائے، (ہر طرف ایسا امن و امان قائم ہو جائے کہ) شریف آدمی سکھ چین کی زندگی گزارے اور فساد یوں کے شر کا کسی کو خوف نہ رہے۔“

اس خطبہ میں حضرتؑ کے الفاظ ”لا بد للناس من امیر بر او فاجر“ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر کا انتخاب مسلمانوں کی صوابدید پر ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ”بر او فاجر“ کے الفاظ لغو اور بے معنی ہوں گے۔ جس طرح شریعت نے ”امام نماز“ کے اوصاف بیان کر دیئے ہیں اگر مسلمان، ان شرائط کے حامل کو ”امام“ بنائیں گے تو مایوس ہوں گے اور اگر ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ بہر حال یہ ذمہ داری انہی پر ہے کہ وہ حامل شرائط کو امام بناتے ہیں یا نہیں۔ نماز کی امامت ”امامت صغریٰ“ اور خلافت ”امامت کبریٰ“ کہلاتی ہے۔ اس لئے جو حکم امامت صغریٰ کا ہے وہی امامت کبریٰ یعنی خلافت کا سمجھنا چاہئے۔

۳: خلیفہ کا انتخاب اہل حل و عقد کی بیعت سے ہوتا ہے

اوپر معلوم ہو چکا کہ امامت و خلافت کے معنی ریاست عامہ کے ہیں۔ کسی قوم کا رئیس و سربراہ وہی ہو سکتا ہے جس کو ارباب حل و عقد اپنا رئیس و امام اور خلیفہ تسلیم کر لیں۔ لہذا خلافت کا انعقاد اہل حل و عقد کی بیعت پر موقوف ہے۔ کسی شخص کو امام اور

خلیفہ بنانے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ارباب حل و عقد اس کو اپنا امام تسلیم کر لیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو جائے۔ البتہ اہل حل و عقد کی بیعت کے بعد پھر کسی کو رد و قبول کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ منج البلاغہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِهَذَا الْأَمْرِ أَفْوَاهُهُمْ عَلَيْهِ ، وَأَعْلَمُهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ فِيهِ . فَإِنْ شَغَبَ ^{۱۱۱۱۱} شَاغِبٌ اسْتَشْغَبَ ^{۱۱۱۱۱} ، فَإِنْ أَبَى فَوَيْلٌ . وَلَقَدْ مَرَرْتُ ، لَمَّا كَانَتِ الْإِمَامَةُ لَا تَنْفَعُ حَتَّى يَخْضَرَهَا عَامَةُ النَّاسِ . فَمَا إِلَى ذَلِكَ سَبِيلٌ ، وَلَكِنْ أَهْلُهَا يَخْتُمُونَ عَلَى مَنْ غَابَ عَنْهَا . ثُمَّ لَبَسَ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَرْجِعَ ، وَلَا لِلغَائِبِ أَنْ يَخْتَارَ . (منج البلاغہ صفحہ ۲۳۷-۲۳۸)

ترجمہ: ”اے لوگو! اس امر خلافت کا سب سے زیادہ حقدار وہی شخص ہے جو اس معاملہ میں سب سے مضبوط ہو۔ اور اللہ کے احکام کو زیادہ جانتا ہو۔ ایسے خلیفہ کے تقرر کے بعد اگر کوئی شور و شغب کرے تو اس کو فحاش کی جائے اور اگر اس کے باوجود انکار کرے تو اس سے قتل کیا جائے۔ مجھے قسم ہے اگر امامت اسی طرح منعقد ہو اگر کسی کے ہر فرد حاضر ہو تو یہ ناممکن الوقوع ہے بلکہ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اہل حل و عقد جس کو بھی رئیس مقرر کر لیں وہ امام قرار پائے گا پھر نہ تو وہ شخص جو موجود تھا، وہ اس سے سرباکی کر سکتا ہے اور نہ اس شخص کو، جو انتخاب خلیفہ کے وقت موجود نہیں تھا، اس کے رد و قبول کا اختیار حاصل رہتا ہے۔“

حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ کے نام اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

إِنَّهُ بَابِعِي الْقَوْمَ الَّذِينَ بَايَعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلَى مَا بَايَعُوهُمْ عَلَيْهِ ، فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَخْتَارَ ، وَلَا لِلغَائِبِ أَنْ يَرُدَّ ، وَإِنَّا الشُّرُوحُ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ . فَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَسَوَّاهُ إِمَامًا كَانَ ذَلِكَ لِلَّهِ رِضَى ، فَإِنْ خَرَجَ عَنْ أَمْرِهِمْ خَارِجٌ يَطْعَنُ أَوْ يَنْدَعِي

وَدَّوْهُ إِلَىٰ مَا خَرَجَ مِنْهُ ، فَإِنْ أُنْصِرَ فَانْلَوْهُ عَلَىٰ أَتْبَاعِهِ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ،
وَدَّوْهُ اللَّهُ مَا نَوَىٰ .

(نہج البلاغہ صفحہ ۳۶۶-۳۶۷)

ترجمہ: ”مجھ سے ان حضرات نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابو بکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) سے بیعت کی تھی۔ لہذا اب نہ غلبہ کو (قبیل و عدم قبیل کا) اختیار رہا اور نہ غالب اس کو مسترد کر سکا ہے۔ انتخاب خلیفہ کے لئے مشورے کا حق صرف مہاجرین و انصار ہی کو حاصل ہے جس شخص پر یہ حضرات متفق ہو جائیں اور اسے ”امام“ مقرر کر لیں، وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ”امام“ ہوگا۔ پھر اگر کوئی شخص ”طعن“ یا ”بدعت“ کی بنا پر ان کے فیصلے سے انحراف کرتا ہے تو یہ حضرات اس کو اس چیز کی طرف واپس لائیں گے جس سے وہ انحراف کر رہا ہے اور اگر وہ اس کے باوجود آمادۂ اطاعت نہیں ہوگا تو یہ حضرات اس سے قتل کریں گے، کیونکہ وہ ”المومنین“ کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو گیا ہے۔ اور جس طرف اس نے منہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف دھکیل دیں گے۔“

اس نامہ کرامت شامہ کا بغور مطالعہ کیجئے۔ اس میں مہاجرین و انصار کو ارباب حل و عقد قرار دیا گیا ہے۔ ان کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب فرمایا ہے۔ اور اس سے انحراف کرنے والوں کو ”متع غیر سبیل المومنین“ فرمایا ہے۔

۴: امام اول حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے، حضرت علی مرتضیٰؓ نہیں

اہلسنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام اول اور خلیفہ بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم علی الترتیب امام برحق اور خلیفہ راشد تھے۔ کیونکہ اہل حل و عقد مہاجرین و انصار نے علی الترتیب انہی چاروں کو اپنا خلیفہ و امام منتخب کیا تھا۔ خلافت بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس لئے ان کو ”امیر المومنین“ نہیں بلکہ ”خلیفہ رسول اللہ“ کہا جاتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ ان کو خلیفہ بلا فصل تسلیم کیا اور ان کی موجودگی میں اپنی خلافت کو ”قبل از وقت“ قرار دیا ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت خلافت کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ، شَقُّوا أَمْوَاجَ الْفَنَنِ بِسُفْرِ النِّجَاةِ ، وَخَرُّجُوا عَنْ طَرِيقِ
السَّافَرَةِ ، وَصَمُّوا نِيحَانَ الْمَخَافَةِ ، أَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحِ ، أَوْ
اسْتَلَمَ فَنَارَاحَ . هَذَا مَا آجِبُ . وَلَقَدْ بَعَثْتُ بِهَا أَكْبَلَهَا . وَمُخْبِنِي
الشَّعْرَةِ لِغَيْرِ وَفَتْ إِبْنَائِهَا . كَالزَّرَارِعِ بِغَيْرِ أَرْضِهِ .

(نہج البلاغہ صفحہ ۵۲)

ترجمہ: ”اے لوگو! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہو جاؤ، منافرت کے راستے چھوڑ دو، مفاخرت کے تاج کو اتار چھینکو، کامیاب رہا وہ شخص جو قوت بازو سے اٹھایا بھگڑے سے کنارہ کش رہ کر اس نے لوگوں کو بد امنی سے راحت دی، یہ۔ بد خلافت کوئی پھولوں کی بیج نہیں بلکہ بد مزہ پانی ہے اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں اٹک کر رہ جائے۔ پکنے سے پہلے پھل توڑنے والا ایسا ہے کہ دوسرے کی زمین میں کاشت کرے۔“

آخری جملہ بتاتا ہے کہ آپ خلیفہ بلا فصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے اور اس وقت اپنی خلافت کو قبل از وقت سمجھتے تھے۔

خلفائے راشدینؓ مسلمانوں کے منتخب امام اور اللہ تعالیٰ کے موعود خلفاء تھے

ان تمیز دی مقدمات کے بعد گزارش ہے کہ یہ چاروں حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں، جو افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ”خیر امت“ کے منتخب امام اور اللہ تعالیٰ کے

موجود خلیفہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت سے پہلے ان کے استخلاف فی الارض کی پیش گوئی فرمائی اور اس پیش گوئی میں ان کی اقامت دین اور حفظ ملت کے اوصاف کو بطور خاص ذکر فرمایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ان پیش گوئیوں کے ظہور کا وقت آیا تو حضرات مہاجرین و انصار کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ ان خلفاء اربعہ کو اپنا امام اور خلیفہ بنائیں تاکہ ان کے ذریعہ موجود پیش گوئیاں پوری ہوں اور اقامت دین و حفظ ملت کا عظیم الشان کارنامہ پردہ غیب سے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہو۔

قرآن کریم میں اس قسم کی آیات بہت ہیں مگر خلفاء اربعہ کے بابرکت عدد کی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کی چار پیش گوئیوں کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

پہلی پیش گوئی: مظلوم مہاجرین کو تمکین فی الارض نصیب ہوگی اور وہ اقامت دین کا فریضہ انجام دیں گے

سورۃ الحج کی آیت حکمین میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾
(الحج..... ۴۱)

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

اس آیت کی مختصر تشریح یہ ہے کہ اس سے اوپر کی آیات میں فرمایا تھا کہ جن مظلوم مہاجروں کو ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا ان کو اذن جہاد دیا جا رہا ہے۔ چونکہ وہ دین خداوندی کے ناصر و مددگار ہیں اس لئے لامحالہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و مدد فرمائیں گے۔ اس آیت میں بطور پیش گوئی ان مظلوم مہاجرین کی شان بیان فرمائی گئی کہ، ”اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمائیں، (جو اذن جہاد کی علت غائیہ، قدرت

خداوندی کا ادنیٰ کرشمہ اور نصرت الہی کا ایک ثمرہ و نتیجہ ہے) تو یہ حضرات زمین میں ارکان اسلام کو قائم کریں گے، نیکیوں کے پھیلانے اور بدیوں کے مٹانے کا اہتمام بلیغ فرمائیں گے۔“ اور آخر میں فرمایا، واللہ عاقبۃ الامور ”اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام سارے کاموں کا۔“ مطلب یہ کہ مہاجرین کی یہ مٹھی بھر جماعت جو بے بسی و بے چارگی کے عالم میں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی، اور جن کے گرد و پیش خطرات کے ایسے بادل منڈلا رہے ہیں کہ گویا ان کو زمین سے اچک لیا جائے گا ان کے بارے میں یہ پیش گوئی بظاہر عجیب و غریب معلوم ہوگی۔ لیکن دیکھتے رہو ایک وقت آئے گا کہ اسی جماعت کو تمکین فی الارض کی دولت سے سرفراز کیا جائے گا۔ ایسی کمزور جماعت کو تمکین فی الارض عطا کر دینا حق تعالیٰ کے لطف و کرم، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت باریہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔

یہ آیت شریفہ دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ مہاجرین کو زمین میں اقتدار (تمکین فی الارض) عطا کیا جائے گا، دوم یہ کہ ان کے دور اقتدار میں ان سے جو چیز ظہور پذیر ہوگی وہ ہے اقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس وعدہ الہی کے مطابق مہاجرین اولین میں ان چار اکابر کو، جنہیں خلفاء راشدین کہا جاتا ہے، اقتدار عطا کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہی حضرات اس آیت شریفہ کے وعدہ کا مصداق تھے اور انہی کے حق میں مندرجہ بالا پیش گوئیاں پوری ہوئیں اور ان حضرات نے اقامت دین کا فریضہ انجام دیا۔

دوسری پیش گوئی: اہل ایمان سے استخلاف کا وعدہ

سورۃ نور کی آیت استخلاف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ۖ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

ذَلِكَ قَوْلُكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾ (النور: ۵۵)۔

ترجمہ: ”وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کہنے میں انہوں نے نیک کام، البتہ بعد کو حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان سے انگوں کو، اور جہاد سے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے بڑے کے بد کے میں امن۔ میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو، اور جو ناشکری کرتے گا اس کے پیچھے سو دی لوگ ہیں نافرمان۔“

جو حضرات نزول آیت کے وقت موجود تھے اور جن سے لفظ ”منکم“ کے ساتھ خطاب کیا جا رہا ہے، ان سے اس آیت شریفہ میں چار وعدے فرمائے گئے ہیں: پہلا وعدہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت میں سے کچھ لوگوں کو خلیفہ بنائیں گے، جن کی بدولت اہل ایمان کی پوری جماعت کو اختلاف فی الارض نصیب ہو گا۔ کما قال تعالیٰ، وجعلکم ملوکاً۔ ان خلفاء کی خلافت، خلافت موعودہ اور عطیہ الہی ہوگی اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نامزد کردہ موعود خلفاء ہوں گے۔ چونکہ وعدہ الہیہ کے خلاف ممکن نہیں لہذا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو بہر حال بروئے کار لائیں گے اور اس کے تکوینی انتظامات فرمائیں گے۔

دوسرا وعدہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے دور خلافت میں اپنے پسندیدہ دین کو ایسا متمکن اور جاگزیں بنا دیں گے کہ وہ رہتی دنیا تک قائم و مستحکم رہے گا۔ آئندہ کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا کہ اس کی بیخ و بن کو ہلا سکے۔ ان ربانی خلفاء کے ہاتھوں جو کچھ ظہور پذیر ہو گا وہ وعدہ الہیہ کا مظہر اور حق تعالیٰ شانہ کا پسندیدہ دین ہو گا، توفیق الہی ان کی و انگیری فرمائے گی اور قدرت خداوندی اظہار دین کے لئے ان خلفاء کو اپنا آلہ کار بنائے گی۔

تیسرا وعدہ: یہ کہ ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ یعنی آج جو خطرے کے بادل ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں، جب اس وعدہ الہیہ کے ظہور کا وقت آئے گا تو یہ سارا خوف و ہراس جاتا رہے گا۔ دنیا کی جبروتی و طاغوتی طاقتیں ان سے لرزہ بر اندام ہوں گی مگر ان کو کسی قوم سے خوف و خطر نہیں ہو گا۔

چوتھا وعدہ: یہ کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے ہوں گے، ان کے شب و روز عبادت الہی میں گزریں گے، کفر و شرک اور فتنہ و فساد کی جڑ اکھاڑ پھینکیں گے، ان چار وعدوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ قَوْلُكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۶﴾

یعنی ان حضرات کا اختلاف حق تعالیٰ شانہ کا عظیم الشان انعام ہے۔ جو لوگ اس جلیل القدر نعمت کی ناکدوری و ناشکری کریں گے وہ قطعاً فاسق اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان مجنہیں گے۔

نزول آیت کے وقت تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ قرعہ فل کس کس کے نام نکلتا ہے؟ خلافت الہیہ موعودہ کا تاج کن کن خوش بختوں کے سر پر سجایا جاتا ہے؟ کون کون خلیفہ ربانی ہوں گے؟ اور ان کی خلافت کی کیا ترتیب ہوگی؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب یہ وعدہ الہی منحصہ شہود پر جلوہ گر ہوا تب معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہ عظیم الشان وعدے انہی چار اکابر سے متعلق تھے جن کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔

گزشتہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہو چکا ہے کہ خلفاء اربعہ حق تعالیٰ شانہ کے ”موعود امام“ تھے، حکمت خداوندی نے ان حضرات کو خلافت نبوت کے لئے پہلے سے نامزد کر رکھا تھا، اور تنزیل محکم میں ان کی خلافت کا اعلان فرما رکھا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان خلفاء ربانی اور ائمہ ہدیٰ کے ذریعہ دین و ملت کی حفاظت ہوئی اور وہ تمام امور جو امامت حقہ اور خلافت نبویہ سے وابستہ ہیں ان اکابر کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ”ازالۃ الخفا“ میں بالکل صحیح لکھا ہے:

”ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است، گویا در ایام نبوت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان می فرمود، و در ایام خلافت ساکت نشد بدست و سرشارہ می فرماید۔“ (ازالۃ الخفا..... صفحہ ۲۵، جلد ۱) ترجمہ: ”خلافت راشدہ کا زمانہ، دور نبوت کا بقیہ تھا۔ بس یوں کہنے کہ دور نبوت میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً زبان سے حکم فرما رہے

تھے اور زمانہ خلافت میں گویا خاموش بیٹھے ہاتھ اور سر سے اشارہ فرما رہے تھے۔“

ان دونوں آیات شریفہ کے مطابق اقامت دین اور حفظ ملت تو خلفاء راشدین کی مشترک میراث تھی، قرآن وحدیث میں ان اکابر کے الگ الگ دور کی خصوصیات اور ان کے منفرد کارناموں کی بھی تصریحات وتلیحات فرمائی گئی ہیں۔

تیسری پیش گوئی: مرتدین سے قتال

سورۃ المائدہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَعَزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ
لَوْمَةً لَئِيمَةً ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾
(المائدہ: ۵۴)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشمکش والا ہے، خبردار۔“

اس آیت شریفہ میں دین و ملت کی ابدی بقا و حفاظت کے متعلق ایک عظیم الشان پیش گوئی کی گئی ہے کہ اسلام میں جب کبھی فتنہ ارتداد سر اٹھائے گا حق تعالیٰ شانہ اس کے مقابلہ میں ایسی قوم کو لے آئے گا جن کو اللہ تعالیٰ سے عشق ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے، مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہوں گے، اور وہ دین حق کی سر بلندی کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت

کا اندیشہ نہیں کریں گے۔

وصال نبویؐ کے بعد سب سے پہلا اور اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا فتنہ ارتداد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رونما ہوا اور پورے عرب میں ارتداد جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ ان میں سے بعض جھوٹے مدعیان نبوت کے پیرو ہوئے، مثلاً اسود عنسی ذوالخمار کی قوم بنو مدلج، میسلہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ، طلحہ اسدی کی قوم بنو اسد، سجاح بنت منذر کی قوم بنو تیم کے کچھ لوگ۔ بعض قبائل اپنے قدیم دین جاہلیت کی طرف لوٹ گئے اور بعض نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مرتدین کی تفصیل حدیث وسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جرات ایمانی، حسن تدبیر اور آپؐ کے رفقاء کی سرفروشانہ خدمات نے ارتداد کی اس آگ کو بجھایا جس نے پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی از سر نو شیرازہ بندی کی اور پورے عرب کو نئے سرے سے متحد کر کے ایمان و اخلاص اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستہ پر ڈال دیا۔ اور ان کے ہاتھ میں علم جماد دے کر ان کو قیصر و کسریٰ سے بھڑایا۔ لہذا اس قرآنی پیش گوئی کا اولین مصداق حضرت صدیق اکبر اور ان کے رفقاء ہیں۔ رضی اللہ عنہم وارضاهم یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ کہ غزوہ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ”میں کل یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ و رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔“

اس ارشاد کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخصیت کا نام نامی مبہم رکھا تھا۔ اس لئے ہر شخص کو تمنا تھی کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے۔ اگلے دن جب جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا تو اس پیش گوئی کے مصداق میں کوئی التباس نہیں رہا اور سب کو معلوم ہو گیا کہ اس بشارت کا مصداق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔

ٹھیک اسی نبج پر سمجھنا چاہئے کہ اس آیت شریفہ میں جس قوم کو مرتدین کے مقابلہ میں لائے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے نزول آیت کے وقت ان کے اسمائے گرامی کی تعیین نہیں فرمائی گئی تھی۔ اس لئے خیال ہو سکتا تھا کہ خدا جانے کون حضرات اس کا مصداق ہیں؟ لیکن جب وصال نبویؐ کے بعد فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا اور اس کی سرکوبی کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے رفقاءؓ کو کھڑا کیا گیا، تب حقیقت آشکارا ہو گئی اور کوئی التباس و اشتباہ باقی نہ رہا کہ اس پیش گوئی کا مصداق یہی حضرات تھے اور انہی کے درج ذیل سات اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں:

۱: یحبہم — یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہ حضرات محبوب بارگاہ الہی ہیں۔

۲: ویحبونہ — یعنی یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے سچے عاشق ہیں۔

۳: اذلہ علی المؤمنین — یعنی مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہیں اور ان کے سامنے متواضع ہیں۔

۴: اعزۃ علی الکافرین — یعنی دشمنان دین کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہیں۔

۵: یجاہدون فی سبیل اللہ — یعنی یہ حضرات مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ محض رضائے الہی کے لئے جہاد کرتے ہیں۔

۶: ولا یخافون لومة لائم — یعنی یہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔

۷: ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء — یعنی ان حضرات کو ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف کر دینا اور ان عظیم الشان خدمات اسلامیہ کا ان کے ہاتھ سے ظہور پذیر ہونا محض فضل خداوندی اور لطف الہی کا کرشمہ ہے۔ لہذا یہ حضرات فضل خداوندی کا مورد ہیں، جو ان حضرات کی اعلیٰ ترین سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و لطف کے لئے جس کو چاہتے ہیں منتخب کر لیتے ہیں۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا لطف و کرم اور

فعل خاص تھا کہ ان کمالات و خدمات کے لئے خلیفہ اولؓ اور ان کے رفقاء، کوچن لیا۔

۸- اور آخر میں فرمایا: واللہ واسع علیم۔ یہ گویا اوپر کے بیان کی تعلیل و مدلل ہے۔ یعنی حق تعالیٰ شانہ کی وسعت و رحمت و فضل کا کیا ٹھکانا ہے؟ اور کسی کو ان الطاف کریمانہ اور مراحم خسروانہ کا مورد و مصداق بنادینا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے؟ پھر وہ علیم و حکیم یہ بھی جانتا ہے کہ کس شخص میں کیسی صلاحیت و استعداد ہے، درجات ایمان میں کون کس مرتبہ پر فائز ہے اور کون ان عنایات بے پایاں اور افضل المہیہ کا اہل اور مستحق ہے؟

دارالانصاف دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے امام اولؓ اور ان کے رفقاء و معاونین کی کسی مدح و ستائش فرمائی اور ان کے اوصاف و کمالات کو کیسے معجزانہ انداز میں بیان فرمایا۔ کیا اس سے بڑھ کر کسی امتی کے اوصاف و کمالات کا بیان کرنا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے الفاظ میں:

”دریں آیت مدح کسانکہ قتل مرتدین کردند بوصاف کمالے کہ بلائے آن اوصاف در اصطلاح قرآن چیزے نیست مذکور فرمودند۔“

(تحفہ اٹھ عشریہ صفحہ ۱۸۹)

ترجمہ: ”اس آیت میں مرتدین سے قتل و جہاد کرنے والے حضرات کی ایسے اوصاف کمال کے ساتھ مدح فرمائی گئی کہ اصطلاح قرآن میں ان کمالات سے بڑھ کر اور کوئی کمال نہیں۔“

چونکہ پیش گوئی: خلفائے ثلاثہؓ کے حق میں

حق تعالیٰ شانہ سورہ الفتح میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِلْمُتَخَلِّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدْعَةٌ إِلَىٰ قَوْمِ أُولَىٰ بِأَنْسٍ شَدِيدٍ تَقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ فَلَنْ تُلَاقِيَهُمْ بِوَيْتِكُمْ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (سورہ الفتح ۱۶)

ترجمہ: ”کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنہگاروں سے کہ آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر، بڑے سخت لڑنے والے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے، پھر اگر حکم مانو گے تو دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا۔ اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے پہلی بار تو دے گا تم کو ایک عذاب دردناک۔“

یہ آیت شریفہ ”آیت دعوت اعراب“ کہلاتی ہے۔ اس میں روئے سخن ان اعراب، یعنی عرب کے بادیہ نشین قبائل۔ اسلام، جہنہ، مزینہ، غفلہ اور اشجع کی طرف ہے جنہوں نے سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے پہلو تھپی کی تھی۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ آئندہ زمانے میں تمہیں ایک سخت جنگی قوم کے مقابلے میں نکلنے کی دعوت دی جائے گی، تمہیں ان لوگوں سے مسلسل جنگ کرنا ہوگی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلام کے زیر نگیں آجائیں اور اطاعت قبول کر لیں، اس دعوت پر لبیک کہو گے تو اجر پاؤ گے اور اگر پہلے کی طرح پہلو تھپی کرو گے تو دردناک سزا ملے گی۔

اس آیت شریفہ کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے جہاد کے لئے اعراب کو کبھی دعوت نہیں دی گئی جس میں جنگ و قتال کی نوبت آتی ہو، لامحالہ دعوت اعراب کی یہ پیش گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے زمانے سے متعلق ہوگی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اعراب کو قتل مرتدین کے لئے نکلنے کی دعوت دی گئی اور خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں انہیں فارس و روم کے مقابلے کی دعوت دی گئی، جس سے چند امور ثابت ہوئے:

اول: خلفائے ثلاثہ مجاہد فی سبیل اللہ اور داعی جہاد تھے، عرب و عجم سے ان کی معرکہ آرائی محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ان حضرات کی طرف سے دی گئی دعوت پر اپنی رضا و تحسین کی مہر ثبت فرمائی۔

دوم: ان حضرات کے دم قدم سے اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس کو غلبہ ہوا۔ لقولہ تعالیٰ: تقاتلو نہم اویسلمون۔

سوم: ان کی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم دیا گیا اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا۔ ان کی

دعوت سے سرتابی کرنے کی ممانعت فرمائی اور اس پر عذاب الیم کی دھمکی دی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب الطاعت خلفاء ربانی تھے۔

قرآن کریم نے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے استخفاف کو پے در پے پیش گوئی کی صورت میں بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور پیش گوئیوں میں تضلف کی گنجائش نہیں۔ یہ پیش گوئیاں اگر ایک طرف قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صادقہ کا اعجاز ہیں تو دوسری طرف حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ان پیش گوئیوں کا پورا ہونا ان حضرات کی حقانیت کی دلیل ہے۔ آنجناب اگر بنظر انصاف ان پر غور فرمائیں گے تو اس امر کے تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے کہ اہلسنت کے اصول پر ”خلافت راشدہ“ دین کی حفاظت و استحکام کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ گویا یہ حضرات، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کی دعوت و تبلیغ اور اشاعت کے جلدۃ النہد کی حیثیت رکھتے تھے۔

قرآنی پیش گوئیوں کی تائید احادیث نبویہ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات بھی ان پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں جو قرآن کریم کی مندرجہ بالا چار آیت کریمہ میں ذکر کی گئی ہیں۔ یہ احادیث فریقین کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں اختصار کے مد نظر حضرات شیعہ کی کتابوں سے صرف چار احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

پہلی حدیث: علامہ مجلسی حیلۃ القلوب جلد دوم میں ”دعوت ذوالعشیرہ“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”حدیث صحیح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما سے پہلے کسی نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے خوفزدہ تھے اور کشاکش کا انتقال کر رہے تھے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے حکم دیا کہ اعلانیہ دعوت دین دو اور تبلیغ کرو۔ پھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حجر

اسلعل کے پاس کھڑے ہو کر باوازی بلند ندا کی کہ اے گروہ قریش اور عرب کے لوگو! میں تم کو خدا کی وعدائیت کے اقرار اور اپنی پیغمبری کی شہادت کی دعوت دیتا ہوں اور بت پرستی ترک کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ میری بات مانو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو قبول کرو تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، اور بہشت میں بھی سلطنت حاصل ہوگی۔“

(اردو ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۴۲)

دوسری حدیث: اسی کتاب میں آگے یہ روایت نقل کی ہے:

”علی بن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھ کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ تمام بادشاہان باطل کو قتل کر دوں اور اے مسلمانو! ملک و بادشاہی تمہارے لئے قرار دوں۔“

(ایضاً صفحہ ۴۳)

یہ دونوں احادیث چند اہم ترین نکات و فوائد پر مشتمل ہیں:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے لئے عرب و عجم کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ اور یہ وعدہ خلفائے اربعہ کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ لہذا یہ حضرات اس عظیم الشان پیش گوئی کا مصداق تھے۔

دوم: یہ وعدہ دین حق کے قبول کرنے والوں سے تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ یہ حضرات سچے دل سے دین اسلام کو قبول کرنے والے اور دین حق کے داعی تھے۔ سوم: ان حضرات سے عرب و عجم کی بادشاہت کے ساتھ ”بہشت کی سلطنت“ کا بھی وعدہ فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات، وعدہ نبوی کے مطابق قطعاً جنتی ہیں۔

چہارم: پیش گوئی میں ”تمام بادشاہان باطل“ کو قتل کرنے کی خوشخبری دی گئی تھی، معلوم ہوا کہ یہ حضرات ”بادشاہان باطل“ نہیں تھے بلکہ یہ خلفائے ربانی ”بادشاہان باطل“ کے قاتل تھے۔

پنجم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہان باطل کے قتل کرنے کو اپنی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ بادشاہان باطل کے قتل کا ظہور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم

کے ہاتھوں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب تھے، اس لئے ان حضرات کے ہاتھوں جو کارنامے ظہور پذیر ہوئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

تیسری حدیث: علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں صدوق کی ”امالی“ اور ”خصال“ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

۴۔ ل، لی: محمد بن أحمد المعاذی و محمد بن ابراہیم بن أحمد اللینی^(۱) عن عبد الله بن الفرّج الشروطی، عن محمد بن یزید بن المہلب، عن أبي أسامة، عن عوف، عن میمون، عن البراء بن عازب قال: لما أمر رسول الله ﷺ بحضر الخندق عرضت له صخرة عظيمة شديدة في عرض الخندق لا تأخذ منها المعاول، فجاء رسول الله ﷺ فلما رآها وضع ثوبه وأخذ المعول وقال: «بسم الله»، وضرب ضربة فكسر^(۲) ثلثها وقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح الشام، والله إني لأبصر قصورها الحمراء الساعة»، ثم ضرب النانية فقال: «بسم الله»، ففلق ثلثا آخر فقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح فارس، والله إني لأبصر قصر المدائن الأبيض»، ثم ضرب الثالثة ففلق بقية الحجر وقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح اليمن، والله إني لأبصر أبواب صنعاء مكاني هذا^(۳)».

(بحار الانوار صفحہ ۲۳۱، جلد ۲۰)

یہ علامہ مجلسی کی کتاب ”حیات القلوب“ جلد دوم میں اس حدیث کا حاصل مضمون یوں ذکر کیا گیا ہے:

”یہاں سواں معجزہ۔ خاصہ و علامہ نے روایت کی ہے کہ جنگ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان خندق کھودنا تقسیم فرمایا کہ ہر چالیس بائیس آدمی کھودیں۔ سلمان اور حذیفہ کے حصہ میں جو زمین آئی، اس کے نیچے پتھر نکلا جس پر پھانوسا اثر نہیں کرتا تھا۔ سلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد احزاب سے باہر آئے اور پھانوسا لے کر تین بار پتھر مارا، ہر مرتبہ ایک

تیسرا حصہ پتھر سے جدا ہوا اور برق سی چمکتی، جس سے تمام دنیا روشن ہو جاتی، اور حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اکبر فرماتے، صحابہؓ بھی اللہ اکبر کہتے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں یمن کے قصر نظر آئے اور خدا نے ان سب کو مجھے عطا فرمایا۔ دوسری مرتبہ شام کے قصر دکھائی دیئے اور خدا نے ان سب کو مجھے کراست فرمایا۔ اور تیسری بار مدائن کے قصر میں نے دیکھے اور خدا نے بادشاہان عجم کے ملک مجھے بخشے۔ اس کے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: "بِظَهْرِهِ عَلَى الدِّينِ لِلَّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ" (سورہ توبہ، آیت ۳۳) "خدا اس کے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا اگرچہ مشرکین کراہت کریں۔" (ترجمہ حیات القلوب..... صفحہ ۳۴)

چنان کی یہ حدیث علامہ کلینی نے بھی "کافی کتاب الروضہ" میں روایت کی ہے، اس کے فاضل محشی جناب علی اکبر الغفاری لکھتے ہیں:

"حدیث الصخرة من المتواترات قد رواه الخامسة والعمامة باسناد كثيرة"

(الکافی کتاب الروضہ جلد ۸ ص ۲۱۶)

ترجمہ: "خندق میں چٹان نکلنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو اپنے دست مبارک سے توڑنے کی حدیث متواتر احادیث میں سے ہے۔ اس کو فریقین نے بہت سی اسناد سے روایت کیا ہے۔"

چوتھی حدیث: علامہ مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"پچاسواں معجزہ۔ ابن شہر آشوب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن مالک کے ہاتھوں کو دیکھا جو پتلے اور بالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، تمہارا کیا حال ہوگا، جبکہ اپنے ہاتھوں میں بادشاہ عجم کے کڑے پہنو گے۔ چنانچہ عمر کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا، عمر نے اس کو بلا کر بادشاہ عجم کے کڑے پہنائے۔ پھر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب مدائن کو فتح کرنا

تو قبیلوں کو قتل مت کرنا کیونکہ مدینہ ابراہیمؑ کی مٹی اسی قبیلہ سے ہے۔ پھر فرمایا کہ روم کو فتح کر دو گے۔ جب فتح کرنا تو اس کلیسا کو جو شرقی جانب ہے مسجد بنادینا۔" (حیات القلوب..... صفحہ ۴۱۶، جلد ۲)

ان احادیث نبویہؐ سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان سے عرب و عجم کی حکومت کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور یہ وعدہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعہ پورا ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فلس و روم اور شاہان عجم کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی تھیں، یہ کنجیاں آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء راشدینؓ کو مرحمت ہوئیں۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے ان مملکت کو فتح فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کے کارنامے قرآن کریم کی پیش گوئی: "ماکہ غالب کر دے دین حق کو تمام اویان باطلہ پر" کی عملی تشکیل تھی۔ یہ حضرات دین حق کے علمبردار تھے اور ان کے ذریعہ دین حق کو ادیان باطلہ پر غالب کیا گیا۔

ان پیش گوئیوں کی تائید میں جناب امیرؑ کے ارشادات

حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد موقعوں پر اپنے پیشرو خلفائے راشدینؓ کی خلافت کو خلافت موعودہ قرار دیا اور ان کے کارناموں کی مدح فرمائی، یہاں آپؐ کے چار اقوال شریفہ نقل کرتا ہوں:

۱: سراج المانہ میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے جنگ فلس میں بغض نفیس شرکت کے بارے میں حضرات صحابہؓ سے مشورہ لیا تو حضرت امیرؑ نے فرمایا:

إِنْ هَذَا الْأَمْرُ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَلَا خِيْلَانُهُ بِكَثْرَةِ وَلَا بِقِلَّةِ . وَمَوْ
دِينُ اللَّهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ ، وَجُنْدُهُ الَّذِي أَعَدَّهُ وَأَمَدَّهُ ، حَتَّىٰ بَلَغَ مَا بَلَغَ ،
وَطَلَعَ حَبْتٌ طَلَعَ ، وَنَحْنُ عَلَىٰ مَوْعِدِ بْنِ اللَّهِ ، وَاللَّهُ مُنْجِزُ وَعْدِهِ ،
وَنَاصِرُ جُنْدِهِ . وَمَكَانُ الْقَيْمِ ۖ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النَّظَامِ ۖ مِنَ الْخَرَزِ
بِجَمْعِهِ وَبِفَضْلِهِ : فَإِنْ أَنْفَطَعَ النَّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَذَقَبَ ، ثُمَّ لَمْ

يَجْتَنِبُ بَحْثَافِيرِهِ^{۱۸۸} أَبْنَاءَ وَالْعَرَبُ الْيَوْمَ ، وَإِنْ كَانُوا قَلِيلًا . فَهُمْ كَثِيرُونَ بِالْإِسْلَامِ ، عَزِيزُونَ بِالْإِحْتِمَاعِ ! فَكُنْ قُطْبًا ، وَاسْتَبِرِ الرُّحَا بِالْعَرَبِ . وَأَصْلِهِمْ دُونُكَ نَارَ الْعَرَبِ ، فَإِنَّكَ إِنْ شَخَصْتَ^{۱۸۹} بَيْنَ هَذِهِ الْأَرْضِ أَنْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ أَطْرَافِهَا وَأَنْطَارِهَا ، حَتَّى يَكُونَ مَا نَدَّعَ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوَازِ أَمَمٌ إِلَيْكَ بَيْنَ يَدَيْكَ .

إِنْ الْأَعَاجِمُ إِنْ يَنْظُرُوا إِلَيْكَ غَدًا يَقُولُوا : هَذَا أَهْلُ الْعَرَبِ . فَإِذَا اقْتَضَتْهُمْ أَسْرَحَتْهُمْ ، يَكُونُ ذَلِكَ أَشَدَّ لِكُلِّبِهِمْ عَلَيْكَ ، وَطَعْمِهِمْ فَيْك . فَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ مَسِيرِ الْقَوْمِ إِلَى قِنَالِ النَّبِيِّ ، فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ هُوَ أَكْرَهُ لِمَسِيرِهِمْ بِنِكَ ، وَهُوَ أَقْدَرُ عَلَى تَغْيِيرِ مَا يَكُونُ . وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ عَدَدِهِمْ ، فَإِنَّا لَمْ نَكُنْ نَقَائِلَ فِيمَا مَضَى بِالْكَثْرَةِ ، وَإِنَّا كُنَّا نَقَائِلَ بِالنَّصْرِ وَالْمَعُونَةِ !

(راج البیان ص ۲۰۲ خطبہ ۱۴۶)

ترجمہ: ”جہاد میں مسلمانوں کی کامیابی و ناکامی کا مدار ان کی قلت و کثرت پر کبھی نہیں ہوا، یہ تو اللہ کا وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود غالب (کرنے کا فیصلہ) فرمایا ہے، اور مسلمانوں کی جماعت اللہ تعالیٰ کا وہ لشکر ہے جس کو اس نے خود تیار کیا ہے اور اس کی مدد فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاد تک پہنچا، اور پھیلا جہاد تک پھیلا۔ اور ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک وعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو ہر حال پر افرمائیں گے اور اپنے لشکر کی مدد فرمائیں گے۔

اور امور سلطنت کے منتظم اور حاکم اعلیٰ کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو کسی بار یا تسبیح کے دھاگے کی ہوا کرتی ہے، کہ وہ تمام دانوں کو ملا کر جمع رکھتا ہے، اگر وہ دھاگانٹ جائے تو دانے نکھر کر ضائع ہو جائیں گے، اور جو ایک بار نکھر گئے تو پورے دانے دوبارہ کبھی جمع نہیں ہوں گے۔ آج اہل عرب اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن اسلام کی بدولت کثیر ہیں اور آپس کے اتحاد و اجتماع کی بدولت معزز و سر بلند ہیں۔ اس لئے آپ (حضرت عمرؓ) چکی کے قطب (درمیان کی کھوٹی) کی حیثیت اختیار کیجئے اور عربوں کے ذریعہ اس (جہاد)

کی) چکی کو گردش دیجئے، جنگ کی بجائی میں خود کو دو جانے کے بجائے دوسروں کو جھونکنے، کیونکہ اگر آپ ہنس نفیس زمین عرب سے نکل کر (میدان جہاد میں) چلے گئے تو عرب (آپ کی معیت کے لئے) چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑیں گے، (ملک خلی رہ جائے گا اور اندرون ملک لگاتار دفاعی حیثیت خطرناک حد تک کمزور ہو جائے گی) یہاں تک کہ آگے کے حالات کی بہ نسبت، ان علاقوں کے انتظامات کی فکر، جن کو آپ غیر محفوظ چھوڑ کر جائیں گے، زیادہ اہم مسئلہ بن جائے گا (تو آپ کی تشریف بری کا ایک نقصان تو یہ ہو گا کہ عرب علاقے خطرناک حد تک غیر محفوظ ہو جائیں گے اور دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ) کل (جب آپ خود میدان جنگ میں جائیں گے تو) اہل عجم آپ کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ یہی شخص عرب کی اصل (قوت کا مرکز) ہے۔ اگر تم (اہل عجم) اس جڑ کو کاٹ ڈالو تو (عرب کی قوت کا تباہ و درخت و ہر دم سے زمین پر گر جائے گا) اس طرح تم جنگ و قتل سے آسودہ ہو جاؤ گے (اور اس کے بعد عربوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی) ان کا یہ خیال ان کی توجہ کو آپ پر شدت کے ساتھ حملہ کرنے اور آپ کو نشانہ بنانے پر مرکوز کر دے گا۔ رہی وہ بات جو آپ نے ذکر فرمائی ہے کہ پوری قوم عجم مسلمانوں کے مقابلے میں نکل آئی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس نکلنے کو آپ سے زیادہ ناپسند فرماتے ہیں، اور جس چیز کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس کے بدلے پر قادر بھی ہیں (تو ہم لوگ زیادہ پریشان کیوں ہوں؟) اور آپ نے جو ان کی کثرت تعداد کو ذکر فرمایا ہے تو (یہ بھی فکر کی بات نہیں، کیونکہ) ہم اڑشتہ زمانے میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) کثرت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے تھے بلکہ حق تعالیٰ شتہ کی مدد و نصرت کے سہارے لڑتے تھے۔ (چنانچہ اب بھی انشاء اللہ یہی ہو گا)۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ارشاد: ”وَنَحْنُ مَوْعُودُ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ مَنَعُوعُهُ“ (اور ہم سے اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے) میں سورۃ النور کی اسی آیت اختلاف کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت موعودہ سمجھتے تھے

اور ان کو ”امام موعود“ جانتے تھے، جس دین کی وہ نشر و اشاعت فرما رہے تھے اس کو ”اللہ کا دین“ تصور فرماتے تھے، اور ان کی قیادت میں جو لشکر مصروف جہاد تھے ان کو ”اللہ کا لشکر“ یقین کرتے تھے۔ گویا آیت استکلاف میں اللہ تعالیٰ نے جو چار وعدے فرمائے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ان چاروں وعدوں کا مصداق سمجھتے تھے۔

اس خطبہ سے یہ بھی روشن ہوا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان خلفائے راشدین اور خلفائے ربانی کے ساتھ دل و جان سے اخلاص رکھتے تھے، اور ان کے بہترین مشیر و وزیر تھے۔ چنانچہ نج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگ حضرت امیرؓ سے بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ان سے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بنائو، کیونکہ امیر ہونے کی بہ نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے:

دَعُونِي وَالتَّبِيسُوا غَيْرِي ، فَلَمَّا سْتَقْبِلُونِ أَمْرًا لَهُ وَجْهٌ وَالْإِنِّ ، لَا نَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ ، وَلَا تَنْتَبِهُ عَلَيْهِ الْقُلُوبُ ۚ ۱۱۱۱۱۱ . وَإِنْ أَلْفَاقٌ قَدْ أَغَامَتْ ۱۱۱۱۱ ، وَالْمَحَبَّةُ ۱۱۱۱۱ قَدْ تَنَكَّرَتْ ۱۱۱۱۱ . وَاعْلَمُوا أَنِّي إِنْ أَجَبْتُمْ دَعَايَ بِكُمْ مَا أَعْلَمُ ، وَلَمْ أَضِغْ إِلَى قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَنْبِ الْغَائِبِ ، وَإِنْ تَرَكْتُمُونِي فَلَمَّا تَوَلَّيْتُكُمْ ، وَلَتَلِيَّ أَسْتَمِعْكُمْ وَأَطُوعَكُمْ بَلَنْ وَلَيَسْمُوهُ أَمْرُكُمْ ، وَأَنَا لَكُمْ وَزِيرًا ، خَيْرٌ لَكُمْ مِنِّي أَمِيرًا ۱

(نج البلاغہ صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: ”مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بنائو۔ ہم لوگوں کو ایسے امور سے سہمہ ہے جن کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں، جن کے سامنے نہ دل ٹھہر سکتے ہیں اور نہ عقلیں ان کے مقابلہ کی تاب رکھتی ہیں، دین کے الحق پر گھٹائیں چھاری ہیں، راستہ بے پہچان ہو رہا ہے۔ یاد رکھو! اگر میں تمہاری بات مان لیتا ہوں (یعنی خلیفہ بن جاتا ہوں) تو میں اپنے علم کے مطابق تم سے عمل کراؤں گا۔ نہ کسی کہنے والے کی بات پر کان دھروں گا اور نہ کسی عداوت کرنے والے کی عداوت کی پروا کروں گا، اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں

جیسا ایک فرد ہوں گا، اور امید رکھتا ہوں کہ جس کو بھی تم اپنا امیر منتخب کرو گے میں تم سے زیادہ اس کی سمجھ و طاعت کرنے والا ہوں گا، اور میرے امیر بننے کی نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔“

اگر ان کے دل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذرا بھی میل ہوتا تو یہ اچھا موقع تھا کہ ان کو جنگ فلدس میں شرکت کا مشورہ دیتے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں کام آتے اور ”خس کم جہاں پاک“ کا مضمون صادق آتا۔ اس کے بجائے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وجود کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ خدا ناکردہ ان کو کچھ ہو گیا تو ملت اسلامیہ کا شیرازہ ایسا بکھر کر رہ جائے گا کہ پھر مسلمانوں کو ایسی اجتماعیت کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ الغرض اس خطبہ مرتضوی کا ایک ایک لفظ اہل عقل و ایمان کے لئے سرمہ چشم بصیرت ہے۔ ”وَمَنْ يَضِلَّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ“ ۲: نج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قبل روم کے بارے میں مشورہ لیا تو فرمایا:

وَقَدْ تَوَسَّلَ اللَّهُ لِأَهْلِ هَذَا الدِّينِ بِإِعْزَازِ الْحَوَازِ ۱۱۱۱۱ ، وَسَفَرِ الْحَوَازِ . وَالَّذِي نَصَرْتُمْ ، وَمَنْ قَلِيلٌ لَا يَنْتَصِرُونَ ، وَمَنْ قَلِيلٌ لَا يَنْتَصِرُونَ ، حَيٌّ لَا يَمُوتُ .

إِنَّكَ مَنِي تَبَرُّ إِلَى هَذَا الدِّينِ بِتَفْكِ ، فَتَلْقَهُمْ فَتَنْكِبُ ، لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِينَ كَانِفَةً ۱۱۱۱۱ دُونَ أَقْصَى بِلَادِهِمْ . لَيْسَ بِتَمْلِكِ مَرْجِعُ بَرَجُونِ لَائِيهِ ، فَلَيْتَ إِلَيْهِمْ رَجُلًا مِخْرَبًا ، وَآخِيزَ ۱۱۱۱۱ مَعَهُ أَهْلَ الْبَلَادِ ۱۱۱۱۱ وَالنَّصِيبَةِ ، فَإِنْ أَطَهَرَ اللَّهُ فَتَالَهُ مَا نَحِبُ ، وَإِنْ تَكُنِ الْآخِرَى ، كُنْتَ رِذَاً لِلنَّاسِ ۱۱۱۱۱ وَمَنْ بَلَدٌ ۱۱۱۱۱ لِلْمُسْلِمِينَ . (نج البلاغہ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳)

ترجمہ: ”جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غزوہ روم میں بنفس نفیس جانے کے بارے میں آپ سے مشورہ کیا تو فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اس دین کے ماننے والوں کے لئے اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور ان کی غیر محفوظ جگہوں کے دشمن کی نظر سے بچائے رکھنے کا خود ذمہ لیا ہے، جس ذات نے ان کی اس وقت مدد کی، جب کہ وہ اتنے قلیل تھے کہ اپنا بدلہ نہیں لے سکتے تھے، اور ان کی اس وقت حفاظت کی جب کہ وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، وہ حق لایکوت ہے (جس طرح ان کی اس وقت مدد کی تھی اسی طرح اب بھی کرے گا) اگر آپ اس دشمن کے مقابلہ میں بنس نفیس تشریف لے گئے، اور خود ان سے جا کر ٹکری پھر خدا نخواستہ معاملہ دگرگون ہو گیا تو اسلامی مملکت کے آخری شہروں تک مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔ اور آپ کے بعد ان کا کوئی مرجع اور مرکز نہیں رہے گا جس کی طرف وہ لوٹ کر آسکیں۔ لہذا (میرا مشورہ یہ ہے کہ) ان کے مقابلہ میں خود جانے کے بجائے کسی تجربہ کار آدمی کو بھیجئے۔ اور اس کے ساتھ سرد و گرم چشیدہ مخلص لوگوں کو بھیجئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا تو آپ کا مدعا حاصل ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی دوسری صورت ہوئی تو آپ لوگوں کے لئے مددگار اور مسلمانوں کے لئے جائے پناہ رہیں گے (اور مسلمان آپ کے پاس جمع ہو کر دوبارہ حملے کے لئے تیار کر سکیں گے)“

۳۷ : نبج البلاغہ میں حضرت امیر کا ایک خطبہ نقل کیا ہے :

اللَّهُ بِمَا فُلَانٌ ^(١١١) ، فَلَقَدْ قَوْمٌ ^(١١٢) الْأَوْدَ ، وَدَاوَى الْمَمَدَ ^(١١٣) ،
 وَأَقَامَ السَّنَةَ ، وَخَلَفَ ^(١١٤) الْفَيْنَةَ اذْهَبَ نَعْمَى الثَّوْبِ ، قَلِيلَ التَّيْبِ .
 أَصَابَ خَيْرَهَا ، وَسَقَى شَرَّهَا . أَدَى إِلَى اللَّهِ طَاعَتَهُ ، وَأَنْفَاهُ بِحَقِّهِ .
 وَحَلَّ وَتَرَكَهُمْ لِي طَرَفِي مُتَشَبِّهِ ^(١١٥) ، لَا يَهْتَدِي بِهَا الضَّالُّ ، وَلَا
 يَسْتَنِيغِي الْمُهْتَدِي .
 (شرح البهائي صفحہ ۳۵۰)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ“ فلاں“ شخص کو جزائے خیر دے کہ (۱) کبھی کو سیدھا کر دیا (۲) اندرونی مرض کی اصلاح کر دی (۳) سنت کو قائم کر دیا (۴)

بدعت کو پیچھے ڈال دیا (۵) پاکدامن اور کم عیب دنیا سے گیا (۶) خلافت کی خونی اور بھلائی کو پایا (۷) اور فساد خلافت سے پہلے چلا گیا (۸) اللہ کی بارگاہ میں اس کی طاعت ادا کر دی (۹) اور حق کے موافق پرہیزگاری اختیار کی (۱۰) (اس کی موجودگی میں اس کی برکت سے تمام امت متفق و متحد تھی، لیکن اس کی موت سے امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ چنانچہ وہ اپنے بعد) لوگوں کو شاخ و درشاخ راستوں میں چھوڑ گیا، جن میں نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے نہ ہدایت یافتہ یقین پاتا ہے۔"

۴ : نبی البلاغہ میں حضرت امیرؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :

١٦٧ - وَاللَّهُ عَلَى السَّلَامِ لِي كَلَامُهُ : وَوَلِيَّهُمْ وَالِي فُلُقَاقَمَ ، وَاسْتَفْقَامَ ، حَتَّى ضَرَبَ الدِّينُ بِجُرَائِيهِ " . (نَجِّ السَّالِمَةِ ... ص ٥٥٤)

ترجمہ: ”پھر حاکم ہوا ان کا لیک والی، پس اس نے قائم کیا دین کو، اور وہ ٹھیک سیدھا چلا، یہاں تک کہ رکھ دیا دین نے زمین پر اپنا سینہ۔“

مطالعہ اللہ کا شہل شہل خراج البلاغہ نے پہلے فقرہ کا ترجمہ یہ کیا ہے :
 "وَاللّٰی اِیَّیْہِ شَدُوْلٰی کہ اُس عمر خطب است"
 یعنی : "اُن کا حاکم ہوا ایک حاکم کہ اس سے مراد حضرت عمرؓ ہیں۔"
 اور آخری فقرہ کا ترجمہ یوں لکھا ہے :

”تا آنکه بزد دین پیش سینه خود را بر زمین، و این کنایت است از استقرار و تمکین اهل اسلام“

ترجمہ: ”یہاں تک کہ دین نے اپنے سینہ کا اگلا حصہ زمین پر رکھ دیا، اور یہ اس سے کہنا یہ ہے کہ لہل اسلام کو خوب استقرار اور تمکین حاصل ہوئی۔“

جناب امیرؒ کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ وہ اپنے پیش رو خلفاء کی خلافت کو خلافت راشدہ سمجھتے تھے، قرآن کریم کے وعدوں کا حقد ادا جانتے تھے اور ان اکابر کے مشیر اور وزیرِ بادشاہ تھے۔ کیونکہ ان کی خلافتوں سے دین کو تمکین حاصل ہوئی، اسلام کا پرچم بلند ہوا اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ایک ارشادِ تہر کا حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نقل کرتا ہوں:

علامہ مجلسی نے بحار الانوار ”تاریخ امام حسنؑ“ کے انیسویں باب میں اردبیلی کی ”کشف الغمہ“ کے حوالے سے حضرت حسنؑ اور حضرت معلویہؑ کے صلح نامہ کا متن نقل کیا ہے، اس کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، هذا ما صالح عليه الحسن بن علي بن أبي طالب معاوية بن أبي سفيان: صالحه على أن يسلّم إليه ولاية أمر المسلمين، على أن يعمل فيهم بكتاب الله وسنة رسول الله ﷺ وسيرة الخلفاء الصالحين (بحار الانوار..... صفحہ ۶۵، جلد ۳۴)

ترجمہ: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ تحریر ہے جس پر حسنؑ بن علی بن ابی طالب نے معلویہؑ بن ابی سفیانؑ سے صلح کی، یہ طے ہوا کہ حسنؑ مسلمانوں کی ولایت امر (خلافت) معلویہؑ کے سپرد کر دیں گے۔ اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں میں کتب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؑ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے۔“

علامہ مجلسی نے یہاں ”خلفائے راشدین“ کے بجائے ”خلفائے صالحین“ کا لفظ نقل کیا ہے، لیکن بحار الانوار کے حاشیہ میں ہے کہ اصل کتب (یعنی کشف الغمہ) میں ”خلفائے راشدین“ کا لفظ ہے:

فی المصدر ج ۲ ص ۱۴۵، الخلفاء الراشدین، [الصالحین]۔
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس تحریر سے چند امور مستفاد ہوئے:
اول: یہ کہ اہل سنت جو خلفائے اربعہؑ (حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ”خلفائے راشدین“ تھے یہی عقیدہ حضرت امام حسنؑ کا تھا، الحمد للہ کہ اہل سنت کو اس عقیدہ میں حضرت امام موصوف کی اقتدا و اتباع نصیب ہے۔

دوم: یہ کہ اہل سنت کی کتابوں میں جو یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

وعن الرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ قال:

«صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه، فوقفنا موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب، فقال رجل: يا رسول الله، كأن

هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلينا؟ قال: «أوصيكم

بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن كان عبدا حبشيا، فإذا

من يمش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم

بسنن وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها،

وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن

كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة».

(مشکوٰۃ ص ۲۹، ۳۰)

ترجمہ: ”حضرت عراض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ہمیں ایک نہایت بلوغ اور مؤثر وعظ فرمایا جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل کانپ گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایسا

لگتا ہے کہ گویا یہ رخصت کرنے والے کی نصیحتیں تھیں، پس ہمیں کوئی

وصیت فرمائیے! ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور (اپنے حاکم کی) سمع و طاعت بجالانے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، اس لئے میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین، جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو لازم پکڑو! اور اسے واپس سے مضبوط پکڑ لو، اور دیکھو! جو نئی باتیں ایجاد کی جائیں ان سے احتراز کیجیو! کیونکہ ہر وہ چیز (جو دین کے نام پر) نئی ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت امام حسنؑ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، اور چونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے خلفاء کو ”خلفائے راشدین“ فرمایا گیا ہے اس لئے حضرت امام حسنؑ اس حدیث کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے۔

سوم: یہ کہ حضرت امام حسنؑ نے حضرت معاویہؓ سے کتب و سنت پر عمل کرنے کے علاوہ حضرات خلفائے راشدینؑ کی سنت و سیرت کی پیروی کا بھی عہد لیا، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام حسنؑ کے نزدیک کتب و سنت کے ساتھ خلفائے راشدینؑ کی سنت بھی حجت شرعیہ ہے اور اس کی اقتدا لازم ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدینؑ کی سنت کے ساتھ تنسک کرنے اور اس کو مضبوط پکڑنے کی تاکید فرمائی ہے۔

خلافت راشدہ کی پیش گوئیاں کتب سابقہ میں

سورۃ فتح کی آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ذالک مثلہم فی التورۃ و مثلہم فی الانجیل“ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں بھی حضرات صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرات خلفائے راشدینؑ کے بارے میں پیش گوئیاں کی گئی تھیں، اس سلسلہ میں یہاں تین واقعات ذکر کرتا ہوں۔

۱: حضرت صدیقؑ کے بارے میں پیش گوئی

حافظ جلال الدین سیوطی نے ”خصائص کبریٰ“ (۱-۲۹) میں حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب نقل کیا ہے۔ اصل متن وہاں ملاحظہ کر لیا جائے یہاں اس کا ترجمہ نقل کرتا ہوں:

”ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کعب احبار سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا حضرت ابو بکر صدیقؑ کے اسلام لانے کا سبب ایک وحی آسمانی تھی۔ وہ ملک شام میں تجارت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک خواب دیکھا جس کو بھیرا رابہ سے بیان کیا اس نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ حضرت صدیقؑ نے فرمایا، مکہ۔ اس نے پوچھا، کس قبیلہ کے؟ آپ نے فرمایا، قریش۔ اس نے پیش پوچھا تو آپ نے فرمایا تاجر۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو سچا خواب دکھلایا۔ آپ کی قوم میں ایک ہی مبعوث ہوں گے ان کی زندگی میں آپ ان کے وزیر ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد آپ ان کے خلیفہ ہوں گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؑ نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو ابو بکرؓ آپ کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے محمدؐ آپ کے دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خواب جو تم نے ملک شام میں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے موافقہ کیا اور آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔“ (تحفہ خافت، صفحہ ۵۰۱، ۵۰۲)

۲: فتح بیت المقدس کا واقعہ

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن عاصؓ نے جب ۳۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو، تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے، فاتح بیت المقدس کا حلیہ اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں، اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس ان کے حوالہ کر دیں گے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو دی گئی اور آپ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کے بعد بیت المقدس تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں تاریخ یافعی کے حوالے سے اس کا حسب ذیل واقعہ بیان فرمایا ہے:

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وجہ یہ

ہوئی کہ مسلمانوں نے اس شہر مقدس مبارک کا محاصرہ کیا اور محاصرہ کو بہت طویل ہوا۔ تو وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ تکلیف مت اٹھاؤ۔ بیت المقدس کو سوائے اس شخص کے جس کو ہم پہچانتے ہیں، اور اس کی پہچان ہمارے پاس ہے، کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے امام میں وہ علامت موجود ہو تو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالہ کر دیں گے۔ مسلمانوں نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ پس آنجناب اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جو نوبت بنوت آپ کے اونٹ پر سوار ہوا تھا۔ زادراہ آپ کا جو اور چھوہارے اور روغن زیتون تھا۔ لباس میں پیوند گئے ہوئے تھے۔ رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ چلے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ سے ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ زیبا نہیں ہے کہ کفار امیر المؤمنین کو اس حالت میں دیکھیں، اور بہت اصرار کیا یہاں تک کہ آپ کو ایک دوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کیا۔ جب آپ سوار ہوئے اور گھوڑے نے خوش خرامی کی تو آپ کے دل میں کچھ عجب داخل ہوا۔ لہذا آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار دیا اور فرمایا کہ مجھے میرا لباس واپس دو۔ چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا۔ اور اسی ہیئت میں چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے۔ جب کفار اہل کتب نے آپ کو دیکھا تو کہا، ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لئے دروازہ کھول دیا۔“

(ازالۃ الخفا صفحہ ۶۰، جلد ۲)

۳: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے ”خصائص کبریٰ“ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں:

”جب حضرت فاروق اعظمؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک عیسائی عالم آپ کے پاس آیا اور آپ کو ایک تحریر دی، جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ مال نہ عمرؓ کا ہے، نہ عمرؓ کے بیٹے کا۔ حاضرین کی سمجھ میں یہ

جواب نہیں آیا اور نہ آسکتا تھا۔ لہذا حضرت عمرؓ نے پورا واقعہ ان کو سنایا۔ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ میں ملک شام گیا تھا، میں اپنی کوئی چیز بھول گیا، اس کے لینے کے لئے واپس ہوا پھر جو گیا تو قافلہ کو نہ پایا۔ ایک پادری نے مجھے ایک پھوڑا دیا اور ایک نوکری دی اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں ڈال دو۔ یہ کہہ کر گر جا کا دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا اور میں نے کچھ کلام نہیں کیا۔ جب وہ دوپہر کو آیا اور اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کلام نہیں کیا تو اس نے ایک گھونسا میرے سر میں مالدیا۔ میں نے بھی اٹھ کر پھوڑا اس کے سر پر دے ملا۔ جس سے اس کا بھیچا نکل آیا اور میں وہاں سے چل دیا۔ بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھر چلتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوئی تو ایک گر جا کے سامنے اس کے سایہ میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ یہ شخص اس گر جا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہوں۔ پھر یہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا۔ اور کہا کہ تمام اہل کتب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتب سابقہ کاروئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گر جا سے ہمیں نکالے گا۔ اور اس شہر پر قابض ہو گا۔ میں نے کہا اے شخص! تیرا خیال نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا عمرؓ بن خطاب! تو یہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! آپ ہی وہ شخص ہیں اس میں کچھ شک نہیں۔ لہذا آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے، اس گر جا کو میرے نام و مزار کر دیجئے۔ میں نے کہا اے شخص! تو نے میرے ساتھ احسن کیا ہے، اس کو مسخرین کر کے ضائع مت کر۔ مگر اس نے نہ ملا۔ آخر میں نے اس کو ایک تحریر لکھ دی، اور عمر کر دی۔ آج یہ اسی تحریر کو لے کر میرے پاس آیا ہے اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے بیٹے کا، میں کیسے دے سکتا ہوں؟“

(خصائص کبریٰ صفحہ ۳۰، جلد ۱۔ تحفہ خلافت صفحہ ۴۹۹)

دسویں بحث : امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ :

”صفحہ ۳۱ پر بدھویں امام علیہ السلام پر جو خلد فرمائی فرمائی ہے اس کا لحد ہی ہمارے نزدیک غیر عالمانہ بلکہ عاقلانہ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ سطور آپ جیسا عالم نہیں لکھ سکتا یہ تو کسی جاہل کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔“
آنجناب کے اس تبصرہ کا بہت بہت شکریہ، اس ناکارہ کی جس تحریر کو آنجناب نے ”کسی جاہل کی تحریر“ فرمایا ہے، وہ یہ ہے :

”شیعہ مذہب کا نظریہ امامت فطری طور پر غلط تھا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا۔ بلکہ اس نے ”اماموں“ کا سلسلہ ”بدھویں امام“ پر ختم کر کے اسے ۳۶۰ھ میں کسی نامعلوم عتد (سرمن رانی کے عتد) میں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا۔ آج ان کو سناٹے گیارہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر کسی کو کچھ خبر نہیں کہ ”بدھویں امام“ کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟“

میں نے اس فقرہ میں دراصل ان مشکلات کی طرف اشارہ کیا تھا جو عقیدہ امامت کے مصنفین کو پیش آتی تھیں۔ اور جن کا بوجھ اٹھانے سے بالآخر وہ عاجز آ گئے۔ اور چاروں تاجدار سلسلہ امامت کے خاتمے کا اعلان کرنا پڑا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی اور اس کی پارٹی نے عقیدہ امامت کو تصنیف کر لیا اور کچھ ایسے رائج عقیدہ شاگرد بھی پیدا کر لئے جو آئندہ بھی اس کی تبلیغ کو جلدی رکھ سکیں۔ لیکن ان مبلغوں کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا پیش آتا تھا۔

اول : حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز عمل ان کے اس عقیدہ کی جڑ کاٹتا تھا،

کیونکہ :

الف : خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں آپؑ نے کبھی دعوائے امامت نہیں فرمایا، بلکہ اگر کسی نے انجیخت بھی کی تو اس کو ”قتلہ پرداز“ کہہ کر جھڑک دیا، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

ب : حضرت علیؑ ”خلفائے ثلاثہ“ کے دور میں ان کے دست راست بنے رہے، ان کے وزیر و مشیر رہے، انہوں نے مرتدین سے اور قدس و دروم سے جو لڑائیاں کیں ان کو شرعی جہاد سمجھائی اور مل غنیمت میں سے حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ آپ کے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہ کی والدہ کو، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ یمامہ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں، اپنے حرم میں داخل کیا، اور شہلہ ایران کی بیٹی شہرناز کو، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کے مل غنیمت میں آئی تھیں، اپنے صاحب زادہ حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے حرم میں داخل کیا، جن سے حضرت زین العابدین تولد ہوئے۔ اور شیعوں کا سلسلہ امامت آگے چلا۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ اکابر خلفائے حقانی نہیں تھے تو ان کی لڑائیاں شرعی جہاد نہ ہوتیں، اور ان لڑائیوں میں گرفتار ہو کر آنے والی خواتین شرعی باندیاں نہ ہوتیں اور ان سے بیخ حلال نہ ہوا۔

ج : اس سے بڑھ کر حضرت امیر رضی اللہ عنہ یہ ستم ڈھاتے تھے کہ وقتاً فوقتاً خلفائے ثلاثہؑ کی خصوصاً حضرات شیخینؑ کی مدح بلیغ فرماتے تھے۔ حضرتؑ کے ان کلمات طیبات کی شرح و تاویل میں حضرات امامیہ آج تک ہلکان ہو رہے ہیں۔

د : اور خلیفہ سوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے بعد بھی آپ خلافت کے لئے آمادہ نہیں تھے، بلکہ جب آپ سے اس کی درخواست کی گئی تو، جیسا کہ نبج البلاغہ کی عبارت پہلے گزر چکی ہے، فرمایا :

ذُهِبَ وَالْتَبِسُوا غَيْرِي وَأَنَا
فَرَحْتُكُمْ يَوْمَ قَاتَنَا تَحْتِغَدِيكُمْ ، وَلَعَلَّ اسْمَكُمْ وَأَطْلَعَكُمْ بِنَ وَلَيْتُمْ

أَمْرُكُمْ ، وَأَنَا لَكُمْ وَزِيرٌ ، خَيْرٌ لَكُمْ مِنْي أَمِيرٌ ۱

(نسخ البلاغہ صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: ”مجھے چھوڑ دو، خلافت کے لئے کسی اور کو تلاش کر لو..... اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ جس کو تم اپنا امیر بنا لو میں تم سے بڑھ کر اس کی اطاعت کروں۔ اور میرا وزیر بن کر رہتا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا حاکم بنوں۔“

۵: اور لوگوں کے سامنے حلفا فرماتے تھے:

وَاللّٰهُ مَا كَانَتْ لِي فِي الْخِلَافَةِ رَغْبَةٌ ، وَلَا فِي الْوِلَايَةِ إِذْبَنَةٌ ، وَلَكِنْكُمْ دَعَوْتُمُونِي إِلَيْهَا ، وَحَمَلْتُمُونِي عَلَيْهَا

(نسخ البلاغہ صفحہ ۳۲۲)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! مجھے خلافت کی کوئی رغبت نہ تھی، اور نہ حکومت کی کوئی خواہش تھی، لیکن تم لوگوں نے خود مجھے اس کی دعوت دی اور مجھے اس پر آمادہ کیا۔“

۷: اور جب آپؐ خارجی ملعون کی تیغ جفا سے زخمی ہوئے تو حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”يا أُمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنْ مَتَ نَبَايَعُ الْحَسَنِ . فَقَالَ: لَا أَمْرُكُمْ وَلَا أَنْهَاطُكُمْ ، أَنْتُمْ أَبْصَرُ“

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۲، جلد ۷)

ترجمہ: ”امیر المؤمنین اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا ہم آپ کے صاحب زادہ حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا، میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ تم لوگ بہتر جانتے ہو۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے بست سے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاءؓ غرضتوں کو بھی عقیدہ امامت کی خبر نہ تھی، جبکہ اس کے علی الرغم امامیہ پارٹی خفیہ طور پر اس کی تبلیغ میں مصروف تھی۔

دوم: حضرت حسن رضی اللہ عنہ (سبط اکبر ورحمۃ اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے عقیدہ امامت کی جڑوں پر اس وقت تیشہ چلایا جب چھ مہینے کے بعد خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادی۔ ان کے اس طرز عمل سے عقیدہ امامت کا گہروندا زمین بوس ہو کر رہ گیا، مگر عقیدہ امامت کے مصنفین کی طرف سے ان کو یہ سزا دی گئی کہ آئندہ امامت سے ان کی اولاد کو معزول کر دیا گیا۔

سوم: حضرت حسینؑ شہید کربلا کے بعد شیعوں میں ہولناک اختلافات برپا ہوئے اور ہر امام کی وفات کے بعد ایک نئے اختلاف کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ چنانچہ:

پہلا اختلاف: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد رونما ہوا اور جو لوگ خفیہ طور پر عقیدہ امامت کی تبلیغ کرتے تھے، ان کے چند فرقے ہو گئے، ایک گروہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی امامت کا منکر ہو گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت حسنؑ کی مصالحت حضرت معاویہؓ کے ساتھ جائز تھی تو یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں حضرت حسینؑ کا خروج ناجائز تھا۔ اور اگر حضرت حسینؑ کا خروج جائز تھا تو حضرت حسنؑ کی مصالحت حضرت معاویہؓ کے ساتھ ناجائز تھی، نوختی اپنے رسالہ فرق الشیعۃ میں لکھتے ہیں:

”پس در کل آن دو در گمان شدند، و از امامت آئین باز گشتند، و در گفتار

با قودہ مردم ہم داستان گردیدند“ (فرق الشیعۃ صفحہ ۷۳)

ترجمہ: ”یہ لوگ ان دونوں بزرگوں کے متضاد طرز عمل سے بدگمان

ہو گئے۔ اور ان دونوں کی امامت سے پھر گئے۔ اور عقیدہ میں عام لوگوں کے

ساتھ ہم داستان ہو گئے۔“

دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیسرے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہؑ کی امامت کے قائل ہوئے۔ چنانچہ مختصر یہ اور کینانیہ نے محمد بن علیؑ (ابن حنفیہ) کی امامت کا علم بلند کیا۔ اور قاتلین حسینؑ سے انتقام لینا شروع کیا۔ اس فرقہ کا عظیم ترین قائد محمد بن ابی عبید کذاب تھا۔ رجب کشی میں ہے:

والمختار هو الذي دعا الناس الى محمد بن علي بن ابي طالب ابن

الحنفیہ، وسخو الکیانیۃ وهم المختارۃ وکان لقبہ کیانہ، وکان لایبلغہ عن رجل من اعداء الحسن (ع) انه فی دار اوفی موضع الا قصدہ فهدم الدار بأسرها وقتل کل من فیها من ذی روح، وکل دار بالكوفة خراب ففی مما ہدمہا، (رجال کشی ص ۱۲۷)

ترجمہ: "اور محمد وہ شخص ہے جس نے لوگوں کو محمد بن علی بن ابی طالب ابن الحنفیہ کی امامت کی دعوت دی، اس کی پارٹی کو "کیانیہ" اور "محمدیہ" کہا جاتا ہے۔ کیان خود اسی کا لقب تھا..... اور حضرت حسینؑ کے دشمنوں میں سے کسی شخص کے بارے میں جب اس کو یہ خبر پہنچتی کہ وہ فلاں مکان میں یا فلاں جگہ میں ہے یہ فوراً وہاں پہنچ جاتا، پورے مکان کو منہدم کر دیتا اور اس میں جتنی ذی روح چیزیں موجود ہوتیں سب کو قتل کر دیتا۔ کوثر میں جتنے مکان ویران ہیں یہ سب اسی کے ڈھائے ہوئے ہیں۔"

محمد کذاب تھا، حضرت محمد بن حنفیہ کی طرف بھڑائی باتیں منسوب کرتا تھا۔ چنانچہ رجال کشی میں ہے کہ:

۱۹۸۔ محمد بن الحسن وعثمان بن حامد، قال احدنا محمد بن یزید الرازی، عن محمد بن الحسن بن ابی الخطاب، عن عبد اللہ المزخرف، عن حسیب الخثعمی، عن ابی عبد اللہ (ع) قال کان المختار یکذب علی بن الحسن (علیہما السلام)۔

(رجال کشی..... صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ: "امام صادق فرماتے ہیں کہ محمد، حضرت امام زین العابدین کے نام پر جھوٹ بکاتا تھا۔"

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن عجائبات میں سے ہے کہ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما اس کذاب کے حق میں "جزاء اللہ خیراً" فرماتے تھے، کیونکہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا تھا۔

(رجال کشی..... صفحہ ۱۲۷)

اور ان کے صاحب زادے امام محمد باقر اس بد بخت کے لئے دعائے رحمت فرماتے تھے۔ (ایضاً..... صفحہ ۱۲۷)

نور اللہ شوشتری مجالس المؤمنین میں لکھتے ہیں:

"محمد بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ علی اور ازجملہ مقبولان شمرہ"

(مجالس المؤمنین مطبوعہ تہران صفحہ ۱۵ بحوالہ نصیحت الشیعہ صفحہ ۱۳۲)

ترجمہ: "محمد بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ علی نے اس کو مقبولان بدرجہ الہی میں شمار کیا ہے۔"

میں سے حضرات امامیہ کی انصاف پسندی و دانشمندی اور اہل بیت اطہر سے ان کی محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام معصوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ جس شخصیت سے صلح کرتے ہیں اور امامین معصومین حضرات حسین رضی اللہ عنہما جس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، یعنی حضرت امیر معلویہ رضی اللہ عنہ، وہ تو ان کے نزدیک "لعنۃ اللہ علیہ" سے اور جھوٹا مدعی نبوت محمد ثقفی کذاب ان کے نزدیک مقبولان الہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ حسینؑ کی بیعت کا واقعہ رجال کشی میں امام صادقؑ سے اس طرح نقل کیا ہے:

حدثنا محمد بن عبد الحمید المطار الکوفی، عن یونس بن یعقوب، عن فضیل غلام محمد بن راشد، قال سمعت اباعبد اللہ (ع) یقول ان معاویہ کتب الی الحسن بن علی (صلوات اللہ علیہما) ان اقدم انت والحسن واصحاب علی! فخرج معهم قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری وقدموا الشام، فاذاں لهم معاویہ واعلم لهم الخطاب، فقال یاحسن قم فبیاع فقام فبیاع ثم قال للحسن (ع) قم فبیاع فقام فبیاع (رجال کشی..... صفحہ ۱۱۰)

ترجمہ: "حضرت معلویہؑ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ آپ اور آپ کے ساتھ حضرت حسینؑ اور اصحاب علیؑ تشریف لائیں، چنانچہ دونوں کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادۃ انصاری شام گئے، حضرت معلویہؑ نے ان کو اجازت دی اور ان کے لئے خطباء تیار کئے، پھر کہا، اے حسن! اللہ کر بیعت کیجئے آپ اٹھ کر بیعت کی۔ پھر کہا، اے حسن! اللہ کر بیعت کیجئے چنانچہ وہ بھی اٹھے اور بیعت کی۔"

الغرض حضرت لائین ہامین الحسن و حسینؑ نے جس شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کی شیعہ صاحبین اس کو تو "لعنت اللہ علیہ" سے یاد کرتے ہیں اور جس ملعون نے نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ ائمہ پر جھوٹ طوفان باندھتا تھا، یعنی مختار کذاب، وہ ان کے نزدیک "رحمتہ اللہ علیہ" ہے اور اسے مقبولان بدرگاہ الہی میں شمار کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تیسرا گروہ: ان لوگوں کا تھا جو امام زین العابدینؑ کی امامت کے قائل تھے۔ اور یہ چند اشخاص تھے۔ رجل کثی میں امام صادقؑ سے نقل کیا ہے:

۱۹۴۔ محمد بن نصیر، قال حدثنی محمد بن عیسیٰ، عن جعفر بن عیسیٰ، عن صفوان، عن سمعہ، عن ابی عبد اللہ (ع) قال ارتد الناس بعد قتل الحسین (ع) الا ثلاثة ابو خالد الکابلی و یحیی بن ام الطویل و جبر بن مطعم، ثم ان الناس لحقوا وکثروا۔ (رجل کثی صفحہ ۱۲۳۔ ترجمہ یحییٰ بن ام الطویل)

ترجمہ: "قتل حسینؑ کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے تین آدمیوں کے، یعنی ابو خالد کابلی، یحییٰ بن ام الطویل اور جبر بن مطعم۔ بعد میں لوگ آئے اور زیادہ ہو گئے۔"

الغرض ان دنوں محمد بن حنفیہ کی امامت کا غلطہ تھا۔ اور امام زین العابدینؑ کی امامت کا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا۔ خود امام زین العابدینؑ دعوائے امامت سے کوسوں دور تھے۔ کربلا کے مناظر ان کے چشم دید تھے۔ شیعہ راویوں نے تو ان سے یہاں تک منسوب کیا ہے کہ وہ یزید کی غلامی کا اقرار کرتے تھے۔ روضہ کافی میں ان کے صاحب زادہ امام باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ یزید بن معلویہ حج کو جاتے ہوئے مدینہ آیا، اس نے ایک قریشی کو بلایا اور کہا کیا تم اقرار کرتے ہو کہ تم میرے غلام ہو؟ اس نے انکار کیا تو اسے قتل کر دیا:

ثم أرسل إلى علي بن الحسين عليه السلام فقال له: مثل مقاتله للقرشي فقال له علي بن الحسين عليه السلام: أرايت إن لم أفر لك أليس تقتلني كما قتلت الرجل بالأمس؟ فقال له يزيد لعنه الله: بلى فقال له علي بن الحسين عليه السلام: قد أقررت لك بما سألت أناعبد مكره فإن شئت فأمسك وإن شئت فنبع۔ (روضہ کافی صفحہ ۲۳۵۔ جلد ۸)

ترجمہ: "پھر اس نے حضرت علی بن حسین علیہما السلام کو بلا بھیجا، ان سے بھی وہی بات کہی جو قریشی سے کہی تھی، حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا کہ اگر میں تیری غلامی کا اقرار نہ کروں تو کیا تو مجھے اسی طرح قتل نہ کر دے گا جیسے کل قریشی کو قتل کیا تھا؟ یزید نے کہا، یقیناً۔ حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا، تو نے جو پوچھا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں، میں بے بس غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ لو اور چاہے تو مجھے فروخت کر دے۔"

چوتھا گروہ: وہ تھا جو اس کے قائل تھے کہ حسینؑ کے بعد امامت ختم ہو گئی، امام بس یہی تین تھے۔ حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ۔ یہ لوگ حضرت حسینؑ کے بعد کسی کی امامت کے قائل نہیں تھے۔

(فرق الشيعة صفحہ ۸۳)

پانچواں گروہ: ان لوگوں کا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ امامت صرف اولاد حسینؑ کا حق نہیں، بلکہ حسنؑ و حسینؑ دونوں کی اولاد میں جو بھی امامت کے لئے کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو اپنی طرف اعلانیہ دعوت دے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح امام واجب الطاعت ہے، جو شخص اس سے سر تابی کرے یا اس کے مقابلہ میں لوگوں کو اپنی امامت کی دعوت دے وہ کافر ہے۔ اسی طرح حسنؑ اور حسینؑ کی اولاد میں جو شخص امامت کا دعویٰ کرے، مگر دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھ رہے وہ اور اس کے تمام پیروکار مشرک و کافر ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۸۵)

دوسرا اختلاف: حضرت علی بن حسینؑ زین العابدینؑ کا انتقال محرم ۹۳ھ میں ہوا۔ ان کے بعد پھر امامت کے مسئلہ پر طوفان کھڑا ہوا، ان کے صاحب زادے حضرت زید بن علی (جو زید شہیدؑ کے لقب سے معروف ہیں) امامت کے مدعی ہوئے، انہوں نے چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ والی عراق کے خلاف خروج کیا۔ شیعہ سببہ میں سے تیس ہزار افراد نے عین موقع پر ان سے بے وفائی کی اور حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی سنت پھر تازہ ہوئی، حضرت زیدؑ نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کی امامت کے

قائلین زیدہ کھلائے۔ اور ان میں سے بہت سے ان کے مہدی ہونے کے قائل ہیں۔

کچھ لوگ حسن ثنی بن حسنؒ کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحب زادے عبداللہ محض کی اور ان کے بعد صاحب زادے محمد نفس زکیہ کی امامت کے قائل ہوئے۔ یہ لوگ ان کو امام مہدی سمجھتے ہیں۔

کچھ لوگ حضرت علی بن حسینؑ کے دوسرے صاحب زادہ حضرت محمد باقر بن علی بن حسینؑ کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان میں چار افراد نامور تھے۔ رجل کشی میں امام صادقؑ کا قول نقل کیا ہے:

۲۱۹۔ حدثنی حمدیہ : قال حدثنی یعقوب بن یزید، عن ابن ابی عمیر، عن هشام بن سالم، عن سلیمان بن خالد الاقطع، قال سمعت ابا عبد اللہ (ع) یقول ما احدث احب ذکرا واحادیث ابی (ع) الا زرارة وابو بصیر لیث المرادی ومحمد بن مسلم ویرید بن معاویة العجلی ولید بن ہؤلاء ما کان احد یتنبط هذا، هؤلاء، حفاظ الدین وامناء ابی (ع) علی حلال اللہ وحرامہ، وہم السابقون الینا فی الدنیا والسابقون الینا فی الآخرة.

(رجل کشی صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: ”نہیں ہے کوئی جس نے زندہ کیا ہو ہمارے ذکر کو، اور میرے والد (امام باقرؑ) کی احادیث کو سوائے چار شخصوں کے، زرارہ، ابو بصیر لیث مرادی، محمد بن مسلم، یرید بن معاویہ عجل۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو کسی کے لئے ممکن نہ تھا کہ اس (عقیدہ امامت) کا استنباط کر سکتا۔ یہ چار آدمی دین کے حفاظ اور اللہ کے حلال و حرام پر میرے باپ کے امین ہیں۔ یہی لوگ سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف دنیا میں اور یہی سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف آخرت میں۔“

امام صادقؑ نے واقعی سچ فرمایا۔ یہی چار آدمی (دوسرے چار کے ساتھ مل کر) شیعہ مذہب کے مصنف ہیں۔ یہ لوگ نہایت بد عقیدہ تھے، محض اپنی مطلب برابری کے لئے ائمہ کا نام لیتے تھے، ورنہ درحقیقت وہ ائمہ کے قائل ہی نہیں تھے، وہ ائمہ پر

نکتہ چینیان کرتے تھے۔ ائمہ ان پر سوسو لعنتیں بھیجتے تھے اور ان کو جھوٹا بتاتے تھے۔ جب ان چلاک اور مکار لوگوں کو بتایا جاتا کہ امام تو ہمیں جھوٹا کہتے ہیں تو یہ لوگ جواب دیتے، امام قبیحہ کرتے ہیں۔ رجل کشی اور دیگر شیعہ کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے لئے نصیحة الشیعة کا مطالعہ کیا جائے۔

تیسرا اختلاف: امام محمد باقرؑ کا انتقال ربیع الثانی ۱۱۴ھ میں ہوا۔ ان کے وصل کے بعد پھر امامت کے مسئلہ میں اختلاف کھڑا ہوا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ایک گروہ ان کو جی لایموت سمجھتا تھا یعنی وہ زندہ ہیں مرے نہیں۔ وہی امام مہدی ہیں۔ ان کے بعد کوئی امام نہیں۔

۲۔ ایک گروہ ان کے صاحب زادے زکریا کو آخری امام، امام مہدی مانتا تھا۔

۳۔ ایک گروہ امام محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو (جو ”نفس زکیہ“ کے لقب سے ملقب ہیں) کی امامت کا قائل تھا۔ یہ لوگ ان کو ”مہدی آخری الزماں“ جانتے تھے۔ تاریخ میں منصور عباسی کے خلاف ان کا خروج معروف و مشہور ہے۔

۴۔ ایک گروہ امام جعفرؑ کی امامت کا قائل ہوا۔ اس گروہ کے کرتا دھرتا وہی لوگ تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

چوتھا اختلاف: امام جعفرؑ (متوفی ۱۴۸ھ) کے بعد پھر اختلاف رونما ہوا۔ اور شیعوں کی بہت سی جماعتیں وجود میں آئیں۔

۱۔ ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ وہ امام مہدی ہیں، ان کے بعد کوئی امام نہیں۔ ان کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ وہ روپوش ہو گئے ہیں، دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ یہ فرقہ نادوسیدہ کہلاتا تھا۔

۲۔ بعض لوگ ان کے بعد ان کے صاحب زادے موسیٰ بن جعفرؑ کی امامت کے قائل ہوئے۔

۳۔ ایک گروہ امام جعفرؑ کے صاحب زادے اسماعیل بن جعفرؑ کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ لوگ ان کو ”امام مہدی“ جانتے تھے۔ یہ اسماعیلی فرقہ کہلاتا ہے۔

۴۔ ایک گروہ امام جعفر کے پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ فرقہ مبارکیہ ہے جو اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے۔ اس کے بعد اسماعیلیوں کے بہت سے فرقے ہوئے، جن کی ایک طویل تاریخ ہے۔

۵۔ ایک گروہ امام جعفر کے تیسرے صاحب زادے امام محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا، یہ سبیطیہ کہلاتے تھے۔

۶۔ ایک گروہ امام جعفر کے چوتھے صاحب زادے عبداللہ بن جعفر الافطح کی امامت کا قائل ہوا۔ رجال کشی میں ہے:

والذین قالوا بامامت عامة مشايخ المعصية، وفقهاؤها مالوا الى هذه المقالة، فدخلت عليهم الشبهة لما روى عنهم (عليهم السلام) انهم قالوا الامامة في الاكبر من ولد الامام اذا مضى، (رجال کشی صفحہ ۲۵۳)

ترجمہ: ”جو لوگ ان کی امامت کے قائل ہوئے وہ شیعہ گروہ کے عام مشائخ تھے۔ اور ان کے فقہاء بھی اسی عقیدہ کی طرف مائل ہوئے۔ ان کو شبہ اس بنا پر ہوا تھا کہ ائمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کے انتقال کے بعد امامت، امام کے بڑے صاحب زادے کو پہنچتی ہے۔ (چونکہ اسماعیل کے بعد سب سے بڑے صاحب زادے عبداللہ الافطح ہیں، لہذا وہی امام ہیں)۔“

نو بخئی لکھتے ہیں:

”چونکہ عبداللہ اپنے والد (امام جعفر) کے انتقال کے وقت ان کے تمام فرزندوں کے سردار تھے اور اپنے والد کی جگہ بیٹھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے والد کے بعد امامت و جانشینی کا دعویٰ کر دیا۔ ان کے پیرو امام جعفر کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امامت، فرزند ان امام میں سے سب سے بڑے کی ہے۔ اس بنا پر بہت سے لوگ جو امام جعفر کو امام مانتے تھے ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کی امامت کے معتقد ہوئے، سوائے چند گئے پنے آدمیوں کے، جنہوں نے سچے امام کو پہچانا۔ باوجودیکہ عبداللہ حلال و حرام کے مسائل کا صحیح جواب نہ دے سکتے تھے لیکن اس کے باوجود

زیادہ تر بزرگ شیعہ اور ان کے فقہاء اس عقیدہ کے معتقد رہے۔ اور عبداللہ کی امامت سے بدگمان نہ ہوئے۔“

(فرق الشيعة صفحہ ۱۱۳)

پانچواں اختلاف: امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کا انتقال ۱۸۳ھ میں ہوا اور ان کے بعد ان کے شیعوں کے چند گروہ ہو گئے۔

۱۔ ایک گروہ ان کے صاحب زادے علی رضا کی امامت کا قائل ہوا۔

۲۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ امام موسیٰ بن جعفر مرے نہیں، زندہ ہیں۔ وہی مہدی قائم ہیں۔

۳۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ امام مہدی ہیں، مر گئے، مگر مرنے کے فوراً بعد زندہ ہو کر کہیں روپوش ہو گئے، ان کے خاص لوگ ان کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ اور وہ ان کو امر و نہی بھی فرماتے ہیں۔ بہر حال وہ دوبارہ ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے پر کریں گے۔

۴۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ مر گئے ہیں، لیکن آخری زمانہ میں دوبارہ زندہ ہوں گے اور وہی مہدی آخر الزماں ہوں گے۔

۵۔ ایک گروہ نے کہا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ آخری زمانہ میں دوبارہ ان کو بھیجیں گے۔

نو بخئی لکھتے ہیں:

”بہت سی آراء واقفہ نامیدہ شوند، زیرا کہ بر موسیٰ بن جعفر درنگ کردہ گفتند او امام قائم است۔ و پس ازوے چشم براہ اماں نبودہ و ہلام دیگرے نگر و بدیدند“ (فرق الشيعة صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ: ”یہ تمام فرقے (جن کا ذکر نمبر ۲ سے نمبر ۵ تک ہوا ہے) ”واقفہ“ کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ سلسلہ امامت موسیٰ بن جعفر پر ختم کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی ”امام مہدی“ ہیں ان کے بعد کسی اور امام کا انتظار نہیں۔ اور وہ ان کے بعد کسی امام کے قائل نہیں۔“

۶۔ ایک فرقہ اس کا قائل تھا کہ معلوم نہیں کہ موسیٰ بن جعفر زندہ ہیں یا فوت ہو گئے

ہیں، بہت سی روایات میں آیا ہے کہ وہ مہدی قائم ہیں۔ ان خبروں کو جھوٹ بھی نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ موت برحق ہے اس لئے ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کئے بغیر ہم ان کی امامت پر قائم ہیں۔ (فروق الشیعة..... صفحہ ۱۲۱)

۷: ایک گروہ نے محمد بن بشیر نامی ایک شخص کو ان کا جانشین مانا، ان کا دعویٰ تھا کہ موسیٰ بن جعفرؑ زندہ ہیں، وہی مہدی قائم ہیں، بنی الحلال روپوش ہیں۔ اور محمد بن بشیر کو آپ نے اپنا جانشین بنا رکھا ہے۔ (ایضاً..... صفحہ ۱۲۲)

چھٹا اختلاف: امام علی رضاؑ بن موسیٰ کاظمؑ بن جعفر صادقؑ کا انتقال ۲۰۳ھ میں ہوا، اس وقت ان کے صاحب زادہ محمد بن علی (المعروف بہ "امام جواد") کی عمر سات سال کی تھی۔ (ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی) اس لئے امام علی رضاؑ کے بعد پھر اختلاف ہوا۔

- ۱- ایک گروہ نے کہا کہ محمد بن علی نابالغ ہی سہی، آخر امام زادہ ہے اسی کو امام بنادو۔
 - ۲- ایک گروہ نے کہا امام علی رضاؑ کے بعد ان کے بھائی احمد بن موسیٰ بن جعفرؑ امام ہیں۔ کیونکہ امام رضاؑ نے اپنے بعد ان کے حق میں وصیت فرمائی تھی۔
 - ۳- ایک گروہ جو امام علی رضاؑ کی امامت کا قائل تھا، وہ ان کے بعد ان کی امامت سے منحرف ہو گیا۔ اور کہا امامت ان کے والد موسیٰ کاظمؑ پر ختم ہو گئی تھی۔ اگر امامت کا سلسلہ آگے چلنا ہوتا تو امام علی رضاؑ نابالغ بیٹا چھوڑ کر کیوں مرتے؟
 - ۴- کچھ لوگوں نے امام علی رضاؑ کی وفات کے بعد عقیدہ امامت ہی کو خیر یاد کہہ دیا۔ اور انہوں نے مرجئی مذہب اختیار کر لیا۔
 - ۵- کچھ لوگوں نے موسوی سلسلہ سے منحرف ہو کر زیدی مذہب اختیار کر لیا۔
- نوبختی لکھتے ہیں کہ:

"دو گروہوں کے احمد بن موسیٰ کی امامت کے قائل ہونے اور ہلکی گروہوں کے امامت سے منحرف ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ امام علی رضاؑ کے وصال کے وقت ان کے صاحب زادے سات سال کے تھے، ان لوگوں نے کہا کہ امام بالغ ہونا چاہیے۔ نابالغ کی امامت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر نابالغ کو امام مانا جائے تو لازم آئے گا کہ نابالغ بچہ مکلف ہو۔ حالانکہ نابالغ بچہ نہ مکلف ہو سکتا ہے،

نہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکتا ہے، نہ شریعت کو پورا سمجھ سکتا ہے نہ اس کی تعلیم دے سکتا ہے۔" (فروق الشیعة..... ۱۲۸)

ساتواں اختلاف: امام محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظمؑ کا وصال ۲۲۰ھ میں ہوا۔ نوبختی لکھتے ہیں کہ ان کے بعد امامت کا کوئی بڑا جھگڑا کھڑا نہیں ہوا، بلکہ جو لوگ ان کی امامت کے قائل تھے، ان کے بعد ان کے صاحب زادے علیؑ ہادی بن محمدؑ جواد بن علی رضاؑ کے حلقہٴ بغوش ہو گئے۔ (حضرت کی ولادت ۲۱۳ھ میں ہوئی تھی اور وہ والد بزرگوار کی وفات کے وقت شش سالہ تھے) البتہ چند لوگ ان کے بھائی موسیٰ بن محمدؑ کی امامت کے قائل ہوئے، تاہم کچھ عرصہ کے بعد (غالباً جب حضرت علی بن محمدؑ سن بلوغ کو پہنچے ہوں گے) موسیٰ بن محمدؑ کی امامت سے منحرف ہو کر ان کی امامت کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ شیعہ (بامر مجبوری) چھ سال کے نابالغ بچے کی امامت کے قائل ہوئے۔

آٹھواں اختلاف: امام علی ہادیؑ کا وصال ۲۵۴ھ میں ہوا۔ ان کے بعد پھر امامت میں اختلاف ہوا۔

- ۱- ان کے مریدوں کا ایک گروہ محمد بن بشیر نامی ایک شخص کی نبوت پر ایمان لے آیا، یہ ایک لمحہ شخص تھا اور اس نے محرم کے ساتھ نکاح اور مردوں کے ساتھ ہم جنس پرستی کو حلال قرار دے دیا تھا۔
- ۲- ایک گروہ امام علی ہادیؑ کے صاحب زادہ محمد بن علیؑ کی امامت کا قائل ہوا، جن کا انتقال والد بزرگوار کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ محمد بن علی مرتے نہیں، کیونکہ ان کے والد بزرگوار نے ان کو امامت کے لئے نامزد کیا تھا۔ اور اپنے مریدوں کو بتادیا تھا کہ ان کے بعد امام محمد بن علی ہوں گے۔ امام جھوٹ تو نہیں بولتے، لہذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے دشمنوں کے اندیشے کی بنا پر ان کو خائب کر دیا اور وہی امام مہدی ہیں۔

(فروق الشیعة..... صفحہ ۱۳)

۳-

ایک گروہ نے امام علی بن محمدؑ کے بعد ان کے صاحب زادے امام حسن عسکریؑ کو امام قرار دیا۔

۳۔ اور کچھ لوگ امام حسن کے بھائی جعفر بن علی کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ امام علی نے اپنے صاحب زادہ محمد کی وفات کے بعد اپنے دوسرے صاحب زادہ جعفر کو امامت کے لئے نامزد کیا تھا۔ (فرق الشیعہ ۱۳۸) نواں اختلاف: سب سے زیادہ ہولناک اختلاف امام حسن بن علی عسکری کی وفات پر رونما ہوا۔ امام موصوف کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی تھی اور وفات شب جمعہ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو ۲۸ سال کی عمر میں ہوئی۔ نو بختی لکھتے ہیں:

”بمرد و ازوے نشائے باز نہ ماند، چون در ظاہر فرزندے از دنیا رفتند میراث او در میان برادرش جعفر و مادرش تقسیم کردند۔“

(فرق الشیعہ ۱۳۹)

ترجمہ: ”امام حسن عسکری“ کا انتقال ہوا تو ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ جب لوگوں نے ظاہر میں ان کا کوئی لڑکا نہ پایا تو ظاہر ان کی وراثت ان کی والدہ اور ان کے بھائی جعفر کے درمیان تقسیم کر دی۔“

بہر حال امام حسن عسکری نے بعد ان کے مریدوں میں شدید اختلاف رونما ہوا۔ نو بختی لکھتے ہیں کہ ان کے مرید: ”برچندہ دست شدند“

(فرق الشیعہ ۱۳۹)

یعنی ان کے چودہ فرقے ہو گئے۔ ان کی تفصیل نو بختی کے رسالہ میں دیکھی جائے۔ خلاصہ یہ کہ ایک فرقہ نے ان کے بھائی امام جعفر کو امام مانا۔ ایک فرقہ نے کہا کہ امام حسن عسکری ”مرے نہیں، بلکہ روپوش ہو گئے ہیں، وہ دوبارہ آئیں گے، کیونکہ وہی ممدی قائم ہیں۔ بعض نے کہا مر تو گئے مگر دوبارہ زندہ ہوں گے، کیونکہ وہی ممدی قائم ہیں۔ بعض نے کہا حسن اور جعفر دونوں بھائیوں کا دعویٰ غلط تھا۔ امامت ان کے باپ پر ختم ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان چودہ فرقوں میں سب سے زیادہ دلچسپ موقف ان لوگوں کا تھا جو اس امر کے قائل ہوئے کہ امام حسن عسکری کا ایک بیٹا تھا، جو ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہوا تھا، ان کی ولادت کو لوگوں سے مخفی رکھا گیا تھا۔ یہ صاحب زادے چلر پانچ سال کی عمر میں

اپنے والد کے انتقال سے دس دن پہلے اپنے شہر (سرمن رای) کے ایک غلہ میں جا چپے، اور وہ تمام چیزیں جو امامت کے لوازم ہیں اور حضرت علیؑ سے لے کر ہر امام کے پاس رہا کرتی تھیں اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھیں (مثلاً حضرت علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن، قدیم آسمانی کتابیں، توریت، انجیل، زبور اور دیگر انبیاء کے صحائف، مصحف فاطمہ، جعفر احمر، جعفر ابیض، سترگز کا ”الجامعہ“ نامی صحیفہ، انبیاء سابقین کے معجزات تہرکات مثلاً عصائے موسیٰ، قیص آدم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری وغیرہ وغیرہ) ان تمام چیزوں کا پشتہ بھی ساتھ لے گئے۔

یہ تھا مشکلات کا وہ پہاڑ جس کو عبور کرنا امامیہ کے لئے ناممکن ہو گیا اور انہیں امام کے غائب ہو جانے کا اعلان کرنا پڑا۔ انہی مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

”شیعہ مذہب کا نظریہ امامت“ چونکہ فطری طور پر غلط تھا اس لئے شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا۔ بلکہ اس نے اماموں کا سلسلہ بدھویں امام پر ختم کر کے اسے ۲۶۰ھ میں کسی نامعلوم غلہ (سرمن رائی کے غلہ) میں بیشہ کے لئے غائب کر دیا۔“

نظر باز گشت:

اب یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر مسئلہ امامت اور عقیدہ ممدی پر غور کیجئے تو مندرجہ بالا تفصیل سے ہم چند اہم نتائج پر پہنچتے ہیں۔

اول: امامیہ کا دعویٰ ہے کہ امامت نص پر موقوف ہے، اور بڑی بلند آہنگی سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنینؑ پر اور آپ کی نسل میں سے گیدہ اماموں پر یکے بعد دیگرے نص فرمائی تھی، لیکن شروع سے آخر تک مسئلہ امامت میں جو اختلافات رہے (اور جن کی طرف اوپر مختصر اشارہ کیا گیا ہے) ان کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ اگر بارہ اماموں پر نام بنام نص ہوتی تو کیا یہ اختلافات رونما ہوتے؟ کیا ہر امام کی وفات پر نئے سرے سے ہنگامہ برپا ہوتا؟ حضرات صحابہ کرامؓ کو تو جو جی چاہت کہہ دیجئے، لیکن بعد کے اختلافات تو خود شیعوں میں نہیں بلکہ خود اہل بیت کے درمیان اور اولاد ائمہ میں پیدا ہوئے تھے؟ سوال یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں یہ

اختلافات کیوں ہوئے؟ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم و انصاف عطا فرمایا ہو تو مندرجہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ بارہ اماموں کا تصور اور ہر امام کے بارے میں نص صریح کا دعویٰ محض ایک خود تراشیدہ کہانی ہے، جسے خود غرض لوگوں نے گھڑ کر ان بزرگوں سے اسے منسوب کر دیا ہے، اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس "عقیدہ امامت" سے آشنا تھے اور نہ ان کی ذریات طہبات کو اس کی خبر تھی۔ یہ خود غرض لوگ خود ہی جس کو چاہتے تھے، امام بنا لیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے امامت سے برطرف کر دیتے تھے۔

دوم: آخری زمانے میں حضرت مہدی علیہ الرضوان کا پیدا ہونا برحق ہے۔ لیکن بھولے بھالے لوگوں کو ہمیشہ مہدی کے نام پر جتلائے فریب کیا گیا اور ان کو انجوبہ پسندی اور توہم پرستی کا خوگر بنایا گیا۔ گزشتہ تفصیل سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ:

اولاً: مختار بن عبید ثقفی کذاب نے حضرت محمد بن حنفیہ کو مہدی آخری الزماں قرار دیا۔ اور ہزاروں شیعہ اس کے دام فریب کا شکار ہوئے۔

ثانیاً: حضرت زید شہید (شہادت ۱۲۳ھ) نے سب کے سامنے جام شہادت نوش فرمایا لیکن بے شمار لوگوں کو ان کے مہدی قائم ہونے کا یقین دلایا گیا کہ وہ دوبارہ آئیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے۔

ثالثاً: امام محمد نفس زکیہ شہید (شہادت ۱۴۵ھ) کو ان کی شہادت کے باوجود مہدی قرار دیا گیا اور ان کی دوبارہ تشریف آوری کا یقین دلایا گیا۔

رابعاً: امام محمد باقرؑ کا سب کے سامنے انتقال ہوا، سب کے سامنے ان کی تکفین و تدفین ہوئی، لیکن بہت سے لوگوں نے اس کے باوجود ان کو حی للیموت سمجھا اور ان کے مہدی قائم ہونے کا دعویٰ کیا۔

خامساً: بہت سے لوگوں نے ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؑ کو (سب کے سامنے ان کی وفات ہو جانے کے باوجود) مہدی قائم سمجھا۔

سادساً: بہت سے لوگوں نے امام صادقؑ کے صاحبزادے امام اسماعیل کی نسل میں مہدی تلاش کیا۔

سابعاً: ایک گروہ نے امام صادقؑ کے دوسرے صاحبزادہ امام زکریا کو مہدی قائم تصور کیا۔

ثامناً: ایک گروہ نے امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ (مرنے کے باوجود) مرے نہیں، بلکہ روپوش ہو گئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

تاسعاً: ایک گروہ نے امام حسن عسکریؑ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ روپوش ہو گئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

عاشرأ: ایک گروہ نے امام حسن عسکریؑ کی طرف ایک بے نام و نشان بیٹا منسوب کر کے دعویٰ کیا کہ یہ صاحبزادہ صاحب لوگوں سے نظریں بچا کر روپوش ہو گئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

الغرض اول سے آخر تک غور کرو، شیعوں کے یہاں مہدی کے بارے میں انجوبہ پسندی اور توہم پرستی کا عجیب طرفہ تماشا نظر آئے گا۔ گویا ہمیشہ سے "امام غائب" کا تصور قائم رہا اور شیعہ کے مزاج میں یہ بات پختہ تر ہوتی چلی گئی کہ "امام غائب" کے بارے میں خواہ کیسی ہی خلاف مشاہدہ اور خلاف عقل بات کہی جائے، وہ اس کو ماننے کے لئے تیار رہا کرتے تھے۔ بارہویں امام کی غیبت کا افسانہ بھی اسی خلاف عقل و خلاف مشاہدہ توہم پرستی کی ایک مثال ہے۔

سوم: تاریخی شہادتیں یہ ہیں کہ امام حسن عسکریؑ لاؤلف فوت ہوئے، ان کی وراثت کا مقدمہ باقاعدہ عدالت میں گیا، عدالت نے ان کے وارثوں کی تحقیق و تفتیش کی اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان کا کوئی صاحبزادہ نہیں تو عدالت نے ان کی وراثت ان کی والدہ اور بھائی کے درمیان تقسیم کر دی۔ اصول کافی میں ہے:

فإن الأمر عند السلطان، أن أبا محمد مثنى ولم يخلفه ولدًا وقسم ميراثه

(اصول کافی..... صفحہ ۳۳۰، جلد ۱)

ترجمہ: "جو چیز حکومت کو محقق ہوئی وہ یہ ہے کہ امام حسن عسکریؑ لاؤلف فوت ہوئے اور اس بنا پر ان کی میراث ان کے وارثوں پر تقسیم کر دی گئی۔"

بست سیدھی سی بات ہے کہ دو مردوں کی، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی عدالت میں پیش کر دی جلتی کہ امام حسن عسکریؑ لاولد فوت نہیں ہوئے، بلکہ ان کے صاحبزادے موجود ہیں تو عدالت کے لئے یہ فیصلہ ممکن نہ ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کے ”بے نام و نشان“ صاحبزادے موجود تھے، انہوں نے عدالت میں یہ شہادت کیوں پیش نہیں کی؟ کیا ان حضرات کو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بھی شہادت کے لئے نہیں مل سکیں؟ کیا یہ بات دنیا کے عجائبات میں سے نہیں ہے کہ تحقیقاتی عدالت میں امام حسن عسکریؑ کے بیٹے کا ثبوت پیش کرنے کے لئے دو آدمی بھی میسر نہیں آ سکے، لیکن دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ جس شخصیت کو یوم پیدائش سے غائب ہونے کے وقت تک عام نظروں نے دیکھا تک نہیں، اور جس کے وجود کی کوئی شہادت عدالت میں پیش نہیں کی جاسکی، وہی پوری دنیا پر قیامت تک کے لئے ”اللہ کی جنت“ ہیں۔ انصاف کیجئے کیا ”اللہ کی جنت“ اس طرح قائم ہوا کرتی ہے؟

یاد رہے کہ میں نے شیعوں کے ”امام غائب“ کے لئے ”بے نام و نشان“ صاحبزادے کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ ان صاحبزادے کا نام لینا ”اثنا عشری قانون“ میں ممنوع اور حرام ہے۔ بلکہ ان کا نام لینے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ایک مستقل باب ہے: ”باب النہی عن الاسم“ یعنی امام حسن عسکریؑ کے صاحبزادے کا نام لینا ممنوع ہے۔ اس باب میں امام حسن عسکریؑ کے والد بزرگوار کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ان صاحبزادے کا نام لینا تمہارے لئے حلال نہیں۔ اور امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ ”ان صاحبزادہ کا جو شخص بھی نام لے گا، وہ کافر ہو جائے گا۔“

(لا یسمیہ باسمہ الا کافر)

ابو عبد اللہ الصالحی کہتے ہیں کہ ابو محمد (امام حسن عسکریؑ) کے گزرنے کے بعد بعض اصحاب نے مجھ سے اس صاحبزادے کا نام اور جگہ پوچھی (اور میں نے امام غائب کی بارگاہ میں ان کی یہ درخواست پیش کی) تو جواب ملا کہ اگر تم نام بتا دو گے تو لوگ اس کا راز فاش کر دیں گے اور اگر ان کو جگہ کا پتہ چل گیا تب تو لوگوں کو پورا پتہ ہی بتا دیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

۲۔ علی بن محمد، عن ابی عبد اللہ الصالحی قال: سألتی أصحابنا بعد مضي ابی عبد اللہ عن أسأل عن الاسم والمکن، فخرج الجواب: إن دللتهم علی الاسم أذاعوه وإن لم تدلهم لم یأخذوا علیہ۔ (اصول کافی، صفحہ ۳۳۳، جلد ۱)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ائمہ کی طرف سے ان صاحبزادے کو ”بے نام و نشان“ رکھنے کی پوری تاکید کی گئی تھی، ان کا نام لینے کو حرام بلکہ کفر فرمایا گیا تھا۔ لیکن عجائبات میں سے ہے کہ شیعہ مصنفین ائمہ کی تعلیم و تلقین کے علی الرغم امام حسن عسکریؑ کی کنیت ”ابو محمد“ (محمد کا باپ) رکھ کر ان کے صاحبزادے کا نام لیتے ہیں۔ گناہ کی پروا نہیں کرتے۔ نہ ائمہ کے فتوے کفر سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی میں بھی امام حسن عسکریؑ کو جگہ جگہ ”ابو محمد“ لکھا ہے۔

چہل دم: ظہور ممدی کے مسئلہ میں ایک مشکل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ظہور ممدی کی ایک تاریخ مقرر کر دیتے، لیکن لوگ اس موقع پر کوئی نہ کوئی گڑبڑ کر دیتے، لاحالہ اللہ تعالیٰ کو تاریخ بدلنی پڑتی۔ جب چند بار ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر غیر معین عرصہ کے لئے ظہور ممدی کی نعمت لوگوں سے چھین لی، چنانچہ شیعہ روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کا وقت ۷۰ھ مقرر کیا تھا۔ ۱۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے، دوبارہ ان کے ظہور کا وقت ۱۴۰ھ مقرر کیا اب اماموں سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے یہ بات اپنے مخلص شیعوں کو بتادی اور شیعوں نے خوش ہو کر اس راز کو فاش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر اس کو غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا۔ اصول کافی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

۱۔ علی بن محمد و محمد بن الحسن، عن سہل بن زیاد، و محمد بن یحیی، عن أحمد بن محمد بن عیسیٰ جیما، عن الحسن بن محبوب، عن ابی حمزہ الثمالی قال: سمعت أبا جعفر علیہ السلام یقول: یا ثبات إن اللہ تبارک و تعالی قد کان وقت هذا الأمر فی السبعین، فلما أن قتل الحسین صلوات اللہ علیہ اشتد غضب اللہ تعالی علی أهل الأرض، فأختره إلی أربعین و مائة، فحدثناکم الحدیث فکشفتم قناع السنن (۱) ولم یجعل اللہ له بعدد لک وقتاً عندنا و بمعوا اللہ ما یشاء و ینبت و عندہ أم الكتاب۔ (اصول کافی، صفحہ ۳۶۸، جلد ۱)

ترجمہ: ”ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ اے علیؑ! اللہ تعالیٰ نے ظہور ممدی کا وقت ۷۰ھ مقرر کیا تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اہل زمین پر سخت ہوا۔ پس اس نے اس امر کو ۴۰ھ تک ملتوی کر دیا۔ ہم نے تم کو بتا دیا

اور تم نے بات پھیلا دی، پردہ فاش کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔"

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱: شیعوں کے امام قائم (امام مہدی) کی تشریف آوری کسی اور کے حق میں رحمت ہو کہ نہ ہو، مگر شیعوں کے حق میں تو یقیناً رحمت ہی ہوگی۔ پھر نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے ان کی تشریف آوری کا طے شدہ وقت کیوں بدل دیا؟ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو غصہ آیا ہوتا تو امام قائم کو ۶۰ھ کی جگہ ۱۱ھ میں بھیج کر حضرت حسین کا انتقام لینا چاہئے تھا۔ نہ یہ کہ قائم آل محمدؐ کے ظہور کو مزید ملتوی کر دیا جاتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ کوفہ کے بے وفائے شیعوں نے خطوط کے بورے بھیج کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ طلب کیا اور جب حضرت امامؑ ان کی تحریک پر عازم کوفہ ہوئے تو انہوں نے طوطا چشتی کا مظاہرہ کیا۔ اور امامؑ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اور وہ بے کسی و بے بسی کے عالم میں اپنے کنبہ سمیت شہید ہو گئے۔ ایسے غدار، طوطا چشم اور بے وفائے شیعوں سے اللہ تعالیٰ تدارک فرما دے ہو گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اس لائق نہ سمجھا کہ انہیں امام قائم کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔

۲: اللہ تعالیٰ کو امام قائم کے بارے میں دو مرتبہ "بد" ہوا اور اس کو بھیجنے کا دوبار وعدہ کر کے اس کے خلاف کیا۔ حالانکہ وعدہ خلافی ایک ایسا عیب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عقلاً و شرعاً پاک ہے۔ قرآن مجید میں "ان اللہ لا یخلف المیعاد" کئی جگہ وارد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ نیز وعدہ خلافی جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ شیعوں کا مذہب عجیب ہے کہ امام کو معصوم کہتے ہیں اور خدا کو جھوٹ میں ملوث کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔

۳: پھر خدا کو کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں تھی کہ خولی غولی اس کو وعدہ خلافی کرنا پڑتی۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اماموں کو "قائم آل محمدؐ" کے ظہور کا وقت نہ بتاتا، تاکہ وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرنا پڑتی، اور اگر وعدہ کر ہی لیا تھا تو شیعوں سے غصہ ہو کر اس کو ملانا اس کے لطف کے خلاف تھا۔ اور لطف علی اللہ، امامیہ کے نزدیک، واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے واجب کا بھی لحاظ نہ رکھا۔

۴: اور جو وعدہ دوبار ملنا چاہے اس کا کیا اعتبار کہ وہ ضرور پورا ہی ہوگا۔ روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو مٹا ہی دیا۔ چنانچہ امامؑ نے جو آیت پڑھی اس کا یہی مطلب ہے اور اس وعدہ کو مٹا دینے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گیارہویں امامؑ کو لاولد اٹھالیا اور امام قائم کا نام لینے کی بھی ممانعت فرمادی۔ تاکہ لوگ انتظار میں نہ رہیں۔ بہر حال یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ، منسوخ ہی کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ جب اکابر ائمہ کے شیعوں کی غداری و بے وفائی کا یہ عالم ہے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے سبط رسولؐ و جگر گوشہ بتولؑ کو شہید ہوتا دیکھتے ہیں اور اس سے مس نہیں ہوتے تو شر القرون کے شیعوں کا کیا اعتبار؟ لہذا قرین مصلحت یہی ہے کہ ظہور مہدی کے قصہ کو ہمیشہ کے لئے ختم ہی کر دیا جائے۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ امام حسینؑ کی طرح امام مہدیؑ بھی ان کی بے وفائی کا نشانہ بن جائیں۔ بہر حال اوپر کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آیت شریفہ (اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے) کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ظہور مہدیؑ کو منسوخ ہی کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب تک نہیں آئے۔ اور میری پیش گوئی یاد رکھئے کہ شیعہ حضرات جس نامعلوم شخصیت کو "قائم آل محمدؐ" کہتے ہیں وہ قیامت تک نہیں آئے گی۔ ہاں! اہل سنت کے مسئلہ امام مہدیؑ انشاء اللہ اپنے وقت پر تشریف لائیں گے۔

۵: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق ائمہ کو تو "مساکن و مایکون" کی ہر لحاظ خبر رہتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو۔ نعوذ باللہ۔ واقعات کی ترتیب بھی یاد نہیں رہتی اور واقعات کا قبل از وقوع علم بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ھ میں شہید ہوں گے اور ان کی شہادت کی وجہ سے ظہور قائم کا وقت بدلنا پڑے گا، یا اسے یہ معلوم ہوتا کہ ائمہ یہ راز اپنے شیعوں کے پاس اگل دیں گے اور شیعہ اس راز کو ساری دنیا میں مشہور کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ظہور قائم آل محمدؐ کا وقت ہی مقرر نہ کرتا۔ استغفر اللہ۔

۶: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارہ اماموں کی تجویز خدا و رسول کی طرف سے نہیں، ورنہ یہ کیسے ممکن ہوتا کہ اللہ تعالیٰ قائم آل محمدؐ کا ظہور وقت ۶۰ھ یا ۱۳۰ھ مقرر

فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو گا کہ ۷۰ھ کا زمانہ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما (متوفی ۹۳ھ) کی امامت کا زمانہ ہے۔ اور ۱۴۰ھ امام جعفرؑ کی امامت کا دور ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی تجویز کے مطابق قائم آل محمدؐ کو ۷۰ھ میں یا ۱۴۰ھ میں بھیج دیتا تو بارہ اماموں کا سلسلہ دھرے کا دھارا رہ جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارہ اماموں کا سلسلہ منتخب اللہ نہیں، بلکہ لوگوں کی اپنی تصنیف ہے۔

پہنچم: سلسلہ امامت میں ایک الجھن یہ پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا تھا، لیکن قضا و قدر کے فیصلہ کے مطابق اس کی موت امام کے سامنے ہو جاتی۔ ناچار اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑتا اور اس کی جگہ دوسرے امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا۔ اس قسم کا حادثہ دو مرتبہ پیش آیا۔ پہلی مرتبہ حضرت امام جعفرؑ کے زمانے میں کہ ان کے بڑے صاحبزادے اسماعیل کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان صاحبزادہ کا انتقال امام جعفرؑ کی زندگی میں ہو گیا۔ لاجلہ اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑا۔ اور ان کی جگہ دوسرے صاحبزادے کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا۔

دوسری مرتبہ حضرت حسن عسکریؑ کے والد بزرگوار امام علی نقیؑ کے زمانے میں یہ حادثہ پیش آیا۔ پہلے ان کے بڑے صاحبزادے محمد کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا کہ ناگاہ ان کا انتقال والد کی زندگی میں ہو گیا۔ ناچار ان کی جگہ دوسرے صاحب زادے امام حسن عسکریؑ کو امامت کے لئے نامزد کرنا پڑا۔ اصول کافی میں ہے:

۱۰۔ علی بن محمد، عن إسحاق بن محمد، عن أبي هاشم الجعفري قال: كنت عند أبي الحسن عليه السلام بمصر، فبينما هم في مجلس، قال: "أبو جعفر، وإنني لأفكر في نفسي أريد أن أقول: كأنهما أعني أبا جعفر وأبا عبد الله هذا الوقت كأبي الحسن موسى وإسماعيل ابني جعفر ابن عبد الله، وإن قسنتهما كقسنتهما، إذ كان أبو عبد الله المرحوم بعد أبي جعفر عليه السلام فأقبل عليّ أبو الحسن قبل أن أنطق فقال: نعم يا أبا هاشم، بئس الله في أبي عبد الله بعد أبي جعفر عليه السلام" (۱) ما لم يكن يعرف له، كما بداله في موسى بعد مضي إسماعيل ما كشف به من حاله وهو كما حدثك نفسك وإن كره المبطون، وأبو عبد الله الخلف من بعدي، عنده علم ما يحتاج إليه ومعه آلة المامة (۲)

(اصول کافی صفحہ ۳۲۷، جلد ۱)

ترجمہ: "ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں کہ میں امام ابو الحسن (علی نقی) کے پاس تھا، جب ان کے لڑکے ابو جعفر (محمد) کا انتقال ہوا۔ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت (امام علی نقی کے دونوں صاحب زادوں) ابو جعفر اور ابو محمد کا وہی قصہ ہوا جو امام جعفر کے دونوں بیٹوں موسیٰ اور اسماعیل کا ہوا تھا، کیونکہ (اسماعیل کے بجائے موسیٰ کو امام بنانا پر اسی طرح) اب ابو جعفر کے بجائے ابو محمد کو امام تجویز کیا گیا۔ امام ابو الحسن (علی نقی) میرے بولنے سے پہلے ہی میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں! اے ابو ہاشم! ابو جعفر کے فوت ہونے کے بعد اب ابو محمد کے بارے میں اللہ کی رائے وہ ہو گئی ہے جو پہلے اس کے لئے معروف نہیں تھی۔ جیسا کہ اسماعیل کے فوت ہونے کے بعد اللہ کی رائے موسیٰ کے بارے میں ہو گئی، جس کی وجہ سے اس کا حل کھل گیا۔ قصہ وہی ہے جیسا کہ تمہارے دل میں خیال آیا۔ خواہ باطل پرستوں کو ناگوار ہو، میرا بیٹا ابو محمد میرا جانشین ہو گا۔ اس کے پاس بقدر ضرورت علم بھی ہے اور آلات امامت بھی۔"

دوسری روایت میں ہے:

۷۔ خطۃ سعد عن أبي هاشم الجعفري قال: كنت عند أبي الحسن العسكري عليه السلام وقت وفاة ابنه: أبي جعفر، وقد كان أشار إليه ودل عليه، وإنني لأفكر في نفسي، وأقول هذه قسمة أبي إبراهيم وقسمة إسماعيل فأقبل عليّ أبو الحسن عليه السلام وقال: نعم يا أبا هاشم، بئس الله في أبي جعفر وصبر مكانه أبا عبد الله كما بداله في إسماعيل بعد ما دل عليه أبو عبد الله عليه السلام ونصبه، وهو كما حدثك نفسك وإن كره المبطون (بحار الانوار صفحہ ۲۳۱، جلد ۵)

ترجمہ: "امام علی نقیؑ نے اپنے بیٹے ابو جعفر کو اپنے بعد امام بنایا تھا، اور لوگوں کو ان کی طرف رہنمائی کی تھی، لیکن ابو جعفر (کا انتقال باپ کی زندگی میں ہو گیا) میں ان کے انتقال کے وقت امام علی نقیؑ کے پاس بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہ تو وہی قصہ ہوا کہ پہلے اسماعیل کو امام بنایا گیا تھا، پھر اس کی جگہ موسیٰ کاظم کو امام بنایا گیا۔ امام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں! ابو ہاشم! اللہ تعالیٰ کو ابو جعفر کے بارے میں بد ہو گیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رائے بدل گئی اور ان کی جگہ ابو محمد کو امام بنادیا۔ جیسا کہ اسماعیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی

رائے بدل گئی تھی مگر امام صادقؑ نے اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ بات وہی ہے جو تہملے دل میں گزری، اگرچہ باطل پرستوں کو ناگوار ہو۔

حضرات امامیہ بارگاہ امامی میں یہ گستاخی نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت امامؑ نے پہلے ایک صاحبزادے کے بارے میں یہ توقع کی تھی کہ وہ ان کے بعد تک جئیں گے اس لئے ان کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ لیکن قضا و قدر کے فیصلے کے تحت ان صاحبزادے کا انتقال والد کی زندگی میں ہو گیا تو مجبوراً حضرت امام کو اپنا دوسرا بیٹا نامزد کرنا پڑا۔

اگر ایسا گستاخانہ خیال کیا جاتا تو ایک تو امام کے مخصوص من اللہ ہونے کے عقیدہ کی جڑ کٹ جاتی، دوسرے یہ لازم آتا کہ امام "ماکان و ملیکون" کے عالم نہیں ہوتے۔ تیسرے، امام کی طرف خطا کی نسبت لازم آتی، جبکہ امام ہر خطا سے معصوم ہوتے ہیں، اس لئے حضرات امامیہ کو یہ بات سب سے نظر آئی کہ امام کے بجائے اس تبدیلی کا ذمہ دار خدا کو ٹھہرایا جائے۔ نعوذ باللہ۔ لیکن اس میں یہ مشکل ضرور پیش آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر امام کے نام کی ایک تختی بھی تو نازل کی گئی تھی، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھی، اور جس کا پورا متن اصول کافی صفحہ ۵۲، جلد ۱ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس تختی کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رائے کیسے بدل گئی؟ غالباً اس تختی کی دوبارہ تصحیح کی گئی ہوگی۔

ششم: سلسلہ امامت میں ایک مشکل یہ پیش آتی تھی کہ جس امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا اس کے والد کا انتقال اس کی نابالغی کے زمانے میں ہو جاتا، اس قسم کا حادثہ تین مرتبہ پیش آیا:

۱: پہلے گزر چکا ہے جب ۲۰۳ھ میں امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کا انتقال ہوا تو ان کے صاحب زادہ امام محمد بن علی (المعروف بہ "امام جواد") کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی تھی۔

۲: پھر امام جوادؑ کا ۲۲۰ھ میں انتقال ہوا تو ان کے صاحبزادے امام علی نقی کی عمر چھ سال کی تھی، ان کی ولادت رجب ۲۱۳ھ کی ہے۔

۳: تدریجی شواہد کے خلاف حضرات امامیہ کا دعویٰ ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات

(۳۶۰ھ) کے وقت ان کا ایک بے نام و نشان صاحبزادہ چار پانچ سال کا تھا جو ان کی وفات سے چند دن پہلے روپوش ہو گیا تھا۔ اب قیامت تک کے لئے وہی امام ہے۔

اہل عقل جانتے ہیں کہ بچہ مکلف نہیں۔ شریعت نے اس کو مرفوع القلم ٹھہرایا ہے اور دنیا کی کسی عدالت میں بچے کی شہادت معتبر نہیں۔ عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر یہ سلسلہ امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بات کا بھی انتظام فرماتے کہ جب تک امام کا بیٹا بالغ نہ ہو جائے تب تک امام کو دنیا سے نہ اٹھایا جائے، تاکہ امام کا جانشین بالغ ہو، نابالغ بچہ نہ ہو۔ لیکن عقل و شرع کے خلاف حضرات امامیہ نابالغ بچوں کی امامت کے قائل ہیں۔ اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ بہر حال جب حضرات امامیہ کے بقول اللہ تعالیٰ کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ ایک شخص کو امام بنا کر اسے موت سے نہیں بچاتے، بلکہ دوسرے کو امام بنا دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ۔ نابالغوں کو ساری دنیا کا امام بنانے سے بھی دریغ نہیں فرماتے تو بہت ممکن تھا کہ بارہویں امام کے بعد بھی خدا کی رائے بدل جاتی۔ اور امام کا انتقال نابالغی میں ہو جاتا تو بڑی پریشانی لاحق ہوتی کہ اس نابالغ کے بعد اب امامت کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے؟ اس لئے قرین مصلحت یہی تھا کہ امام کو غائب کر دیا جائے، اور اس کا زمانہ قیامت تک پھیلا دیا جائے تاکہ نہ کسی کو امام کے بارے میں کچھ خبر ہو، نہ لب کشائی کر سکے کہ آیا وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ اور نہ بارہویں امام کے بعد کسی اور امام کو تلاش کرنے کی زحمت اٹھانی پڑے۔

ہفتم: امامت کا سلسلہ ۳۶۰ھ تک تو ظاہری طور پر چلتا رہا۔ ۳۶۰ھ کے بعد بارہویں امام روپوش ہو گئے۔ پہلے غیبت صغریٰ رہی، جس میں امام کے خصوصی سفیروں کو بارگاہ امامی میں بدایائی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ۳۲۹ھ تک جاری رہا۔ بعد میں لوگوں کو خبر ہوئی، حکومت کی طرف سے تحقیق و تفتیش شروع ہوئی تو "غیبت کبریٰ" کا اعلان کر دیا گیا۔ یعنی اب کوئی شخص امام الزماں سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے "ایرانی انقلاب" میں امام قائم الزماں کی ان دونوں غیبتوں کا بہت اچھا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس کو ان ہی کے الفاظ میں پڑھ لیا جائے:

”امام آخر الزماں کی غیبت صغریٰ اور کبریٰ“

”اختصار اور اجمال کے ساتھ یہ بات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ بارہویں امام صاحب الزماں (امام غائب) کی اس غیبت کے بعد بعض ”باکمل“ شیعہ صاحبان نے اپنے عوام کو بتلایا اور پورے کرایا کہ ”صاحب الزماں“ کے پاس رازدارانہ طور پر ان کی آمدورفت ہے اور وہ گویا ان کے سفیر اور خصوصی لجنہ ہیں (یکے بعد دیگرے چار حضرات نے یہ دعویٰ کیا۔ ان میں آخری علی بن محمد سمیری تھے جن کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا) سادہ دل شیعہ صاحبان، صاحب الزماں (امام غائب) تک پہنچانے کے لئے ان حضرات کو خطوط اور درخواستیں اور طرح طرح کے قیمتی ہدیے تحفے دیتے تھے اور یہ امام صاحب الزماں کی طرف سے ان کے جوابات لا کر دیتے تھے جن پر امام صاحب کی مہر ہوتی تھی۔ یہ سارا کلرویدار انتہائی رازداری سے ہوتا تھا۔

”رہا یہ سوال کہ اصلیت اور حقیقت کیا تھی؟ تو ہمارا خیال ہے کہ بروہ شخص جس کو اللہ نے فرست اور بصیرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے، یہی سمجھے گا کہ یہ ان ہوشیار اور چلاک لوگوں کا کلرویدار تھا جو اپنے کو امام غائب کا سفیر بتلاتے تھے۔ لیکن شیعہ صاحبان اور ان کے حضرات علماء و مجتہدین کے نزدیک بھی وہ خطوط و مراسلات جو ان سفیروں نے صاحب الزماں (امام غائب) کے بتلا کر لوگوں کو دیئے، وہ امام معصوم کے ارشادات اور دینی حجت ہیں اور ان کی کتب حدیث و روایات میں اسی حیثیت سے جمع کئے گئے ہیں۔ ان کا اچھا خلاصہ ذخیرہ ”احتجاج طبرسی“ کے آخری صفحات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جنت حنفی صاحب نے بھی اپنی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ میں دینی حجت ہی کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور اپنے خاص نظریے ”ولایت فقیہ“ پر ان سے استدلال بھی کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ”الحکومت الاسلامیہ“ صفحہ ۷۷، ۷۸) یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ شیعہ حضرات کی روایات اور کتابوں میں اس زمانے کو جب (ان کے عقیدہ کے مطابق) سفارت کا یہ سلسلہ چل رہا تھا، ”غیبت صغریٰ“ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

”بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفارتی کلرویدار جو انتہائی رازداری کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت ختم ہوا جب حکام وقت کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کی طرف سے اس کی تحقیق و تفتیش شروع ہوئی کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا

فریب دے کر رعایا کے سادہ لوح عوام کو لوٹ رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ اب ”غیبت صغریٰ“ کا دور ختم ہو کر ”غیبت کبریٰ“ کا دور شروع ہو گیا اور اب صاحب الزماں کے ظہور تک کسی کان سے رابطہ قائم نہ ہو سکے گا اور کسی کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اب بس ان کے ظہور کا انتظار کیا جائے۔“ (ایرانی انقلاب..... صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷)

یہاں جو بات ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ امام کے غائب ہو جانے کے بعد اب حضرات امامیہ بھی امام کے بغیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کو خیر القرون فرمایا ہے۔ یعنی صحابہ کرامؓ کا زمانہ، ان کے بعد تابعین کا دور، ان کے بعد تبع تابعین کا دور۔ حضرات امامیہ نے خیر القرون کے زمانے میں تو امام کے وجود کو ضروری قرار دیا لیکن جب شر القرون کا دور شروع ہوا تو امام کو یکایک غائب کر دیا۔ اہل عقل کو غور کرنا چاہئے کہ اگر خیر القرون میں امام کا وجود ضروری تھا تو شر القرون میں اس سے زیادہ ضروری ہونا چاہئے تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خیر القرون میں تو اللہ تعالیٰ پے در پے امام بھیجتا چلا جائے۔ اور جو خیر القرون کا دور ختم ہو، اور شر القرون کا دور شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ امام کو یکایک غائب کر دے اور دنیا امام کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے۔ سوچئے اور سوچا سوچئے کہ کیا یہ امامت کا ڈھونگ محض صدر اول کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے تو نہیں رچایا گیا؟

ہشتم: مسئلہ امامت میں حضرت علیؓ کے خاندان کی خانہ جنگیوں کا جو خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے اس کا ایک اور پہلو بھی لائق توجہ ہے۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ کی اولاد کی اکثریت ہمیں شیعوں کے عقیدہ امامت کی منکر نظر آتی ہے۔ چنانچہ:

۱: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام زین العابدینؓ کی امامت کا دور آیا تو ان کے چچا حضرت محمد بن حنفیہؓ نے خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور وہ امام زین العابدینؓ کی امامت کے منکر ہوئے۔ چنانچہ اصول کلی کتاب الامامہ ”باب ما یفصل بہ بین دعویٰ المحقق والمبطل فی الامامۃ“ میں چچا حنفیہؓ کا منظرہ منقول ہے جس میں بالآخر حمزہ اسود سے فیصلہ طلب کیا گیا۔ (اصول کلی..... صفحہ ۳۳۸، جلد ۱۔ روایت نمبر ۵) لیکن اس فیصلے کے بعد بھی محمد بن حنفیہؓ کی امامت کا ذکر بدستور بجا رہا۔

اور امام زین العابدینؑ کو کوئی نہ پوچھتا تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۲: امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پوری اولاد اثنا عشری عقیدہ امامت کی منکر تھی، چنانچہ عبداللہ بن حسن المحض امام باقر اور امام جعفر کی امامت کے منکر تھے۔ اور وہ اپنے بیٹے ”محمد بن زکریا“ کے حق میں ان سے بیعت لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ اصول کافی کے باب مذکور روایت نمبر ۱ اور نمبر ۱۹ میں مذکور ہے۔

(دیکھئے اصول کافی..... صفحہ ۳۶۲-۳۸۵، جلد ۱)

۳: امام زین العابدینؑ کے بعد جب امام باقر کا دور آیا تو ان کے بھائی حضرت زید بن علیؑ نے، جو ”زید شہید“ کے لقب سے معروف ہیں، امام باقرؑ کی امامت سے انکار کیا اور خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا، جیسا کہ اصول کافی کے اسی باب کی روایت نمبر ۱۹ میں ان کا مناظرہ امام باقرؑ کے ساتھ منقول ہے (دیکھئے اصول کافی..... صفحہ ۳۵۶) نیز اصول کافی کتاب الامامة ”باب الاضطراب الى الحجة“ کی روایت نمبر ۵ میں ہشام احول کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے۔ (دیکھئے اصول کافی..... صفحہ ۱۷۴، جلد ۱)

۴: امام جعفر صادقؑ کے پانچ فرزند تھے۔ محمد، اسماعیل، عبداللہ افضح موسیٰ، علی۔ ان پانچوں نے اپنی اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور شیعوں کے علیحدہ علیحدہ فرقے بنے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ بہر حال امام جعفرؑ کی اولاد میں موسیٰ کاظم کی امامت کا کوئی بھی قائل نہ تھا بلکہ امام صادقؑ نے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کی امامت کا تو خود اعلان بھی فرمایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) بداد ہو گیا اور اس کی رائے بدل گئی اور غریب اسماعیل کی امامت حرف غلط کی طرح منادی گئی۔

۵: اسی طرح ہر امام کے دور امامت میں اس کے بھائی بھتیجے اور دیگر اقداب اس کی امامت کے منکر رہا کرتے تھے، حتیٰ کہ امام حسن عسکریؑ کے بھائی جعفر ان کی اور ان کے بیٹے ”بے نام مہدی“ کی امامت کے بھی منکر تھے۔ اسی بنا پر شیعہ ان کو ”جعفر کذاب“ کے مقدس لقب سے یاد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر امام کی امامت کو (سوائے اس کے اہل خانہ کے اور دو چار شیعوں کے) خاندان سادات میں سے بھی کسی نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ

معدودے چند افراد کے سوا ڈھائی صدیوں میں تمام سادات اور پورا خاندان نبوت مسئلہ امامت کا منکر تھا۔

اب منکرین امامت کے بارے میں شیعوں کا فتویٰ سنئے!
میں مسئلہ امامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدہ میں ذکر کر چکا ہوں کہ امامیہ کے نزدیک امامت کا منکر کافر اور ناری ہے۔ یہاں اصول کافی کی دو روایتیں مزید پڑھ لیجئے۔

۲- محمد بن یحییٰ، عن عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ، عن علی بن الحکم، عن ابان عن الفضیل، عن ابی عبداللہؑ قال: من ادعی الایمامة ولیس من اہلبا فہو کافر۔ (اصول کافی..... صفحہ ۳۷۲، جلد ۱)
ترجمہ: ”فضیل کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ جس شخص نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل نہیں تھا، وہ کافر ہے۔“

۳- الحسن بن محمد، عن معلى بن محمد، عن محمد بن جمهور، عن عبداللہ بن عبدالرحمن، عن الحسن بن المختار قال: قلت لابی عبداللہؑ: جعلت فداک و یوم القيامة ترى الذین کذبوا علی اللہ؟ قال: کل من زعم أنه امام ولیس بإمام، قلت: وإن کان فاطمياً علویاً؟ قال: وإن کان فاطمياً علویاً۔ (اصول کافی..... صفحہ ۳۷۴، جلد ۱)

ترجمہ: ”حسین بن محمد کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ اس آیت کا مصداق کون ہے: ”اور تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ان کے منہ کالے ہوں گے؟“ امام نے فرمایا، کہ آیت کا مصداق ہر وہ شخص ہے کہ جس نے امامت کا دعویٰ کیا، حالانکہ وہ امام نہیں۔ میں نے کہا: خواہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی اولاد میں سے ہو؟ فرمایا: خواہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی اولاد ہو۔“

گویا شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی وہ تمام اولاد جو شیعوں کے خود ساختہ عقیدہ امامت کی منکر تھی، وہ کافر ہے اور قیامت کے دن ان کے منہ کالے ہوں گے۔

اسی پر اکتفا نہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک منکرین امامت حرامزادے ہیں۔
کلینی نے روضہ کافی کی روایت نمبر ۳۳۱ میں امام باقرؑ کی ”حدیث“ نقل کی ہے:

۴۳۱۔ علی بن عبد، عن علی بن العباس، عن الحسن بن عبد الرحمن، عن عاصم بن حید، عن أمی حزة، عن أمی جعفر رضی اللہ عنہ قال:
واللہ بالابحازة إن الناس کلهم أولاد بنی ابا ماخلہ شیعتنا،
(روضة کانی ۲۸۵)

ترجمہ: "اللہ کی قسم! اے ابو حمزہ! لوگ سب کے سب بدکار عورتوں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے۔"

علامہ مجلسی کی بحوالہ انوار میں ایک باب کا عنوان ہے:
"إن حبیبہم علیہم السلام علامة طیب الولادة۔"

وبغضہم علامة خبیث الولادة"

ترجمہ: "انہ سے محبت رکھنا ولادت کے پاک ہونے کی علامت ہے۔ اور

ان سے بغض رکھنا ولادت کے ناپاک ہونے کی علامت ہے۔"

اس باب میں ۳۱ روایتیں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے کہ شیعوں کا نسب صحیح ہے اور جو لوگ امامت کے منکر ہیں ان کا نسب ناپاک ہے۔

اس سے شیعوں کی اہل بیت سے محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مسئلہ امامت کی بنا پر تمام صحابہ "کو تو" (سوائے دو چار کے) کافرو ظالم کہتے ہی تھے لیکن اس نظریے کی وجہ سے

اماموں کی اولاد کو بھی۔ نعوذ باللہ۔ ولد الحرام قرار دیتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ذرا بھی عقل نصیب فرمائی ہو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شیعہ اہل بیت کے کتنے بڑے دشمن

ہیں۔

امام مہدیؑ کے بارے میں اسلامی تصور
آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"ہمیں یقین ہے کہ کتب اسلامی پر وسیع اطلاع رکھنے والا کوئی شخص

"بارہویں امام" (امام مہدی) کے اسلامی تصور کا انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ

ہمت سے علمائے اہل سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اب عقلی

صورت ان کے موجود ہونے کے ساتھ ان کی غیبت کی جس کی سمجھ میں جو

تعبیر آئی لکھ دی گئی، مٹا صرف اتنا ہی واجب ہے کہ وہ ہیں اور بس۔"

امام مہدی علیہ الرضوان کے اسلامی تصور کا انکار کون کرتا ہے؟ لیکن شیعوں

کے امام غائب کو مہدی کے اسلامی تصور کا مصداق سمجھنا آنجناب کی خوش فہمی یا مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ اسلام جس مہدی کے آنے کا قائل ہے اس کی چند صفات یہ ہیں:

۱: اس کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا۔ (ابوداؤد..... صفحہ ۵۸۸) جبکہ شیعوں کے مہدی کا نام لینا ہی کفر ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں اور شیعہ اس "بے نام" بچے کے باپ کا نام حسن عسکری بتاتے ہیں۔ پس شیعوں کے مہدی کا نام اور ولدیت امام مہدی کے نام اور ولدیت سے مختلف ہے۔

۲: امام محمد بن عبد اللہ المہدی، محسنی سید ہوں گے۔ (ابوداؤد..... صفحہ ۵۸۹) جبکہ شیعوں کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسل منصب امامت ہی سے محروم ہے۔

۳: امام مہدیؑ کی عمر شریف ان کے ظہور کے وقت چالیس برس کی ہوگی۔ (البحاوی لفتاویٰ..... صفحہ ۶۶، جلد ۲) جبکہ شیعوں کے دعویٰ کے مطابق بے نام مہدی کی خفیہ پیدائش ۲۵۵ھ میں ہوئی تھی، گویا (۱۱۵۷) کی عمر تو ان کی آج کی تاریخ سے ہے۔ اور علامہ خمینی کے بقول ابھی ہزاروں سال اور بھی گزر سکتے ہیں۔

الغرض جب اسلام کے مہدی سے اس بے نام بچے کا نام و نسب بھی نہیں ملتا تو

ان کو مہدی کہہ کر خوش ہونا ایسا ہی ہے جیسے مرزائی، مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ کو

"مہدی" کہہ کر خوش ہوا کرتے ہیں۔ اور مرزا کے منکر کو "مہدی کا منکر" کہتے

ہیں۔

رہا آنجناب کا یہ ارشاد کہ:

"ہمت سے علمائے اہل سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔"

مجھے معلوم نہیں کہ کون علمائے اہل سنت اس کے قائل ہیں؟ ایسا نہ ہو کسی

بزرگ نے حضرات ائمہ کا قول نقل کیا ہو اور آپ نے اس کا اپنا قول سمجھ لیا ہو، بہر حال

جس "بے نام" مہدی کا آپ نام لے رہے ہیں اس کی کبھی پیدائش نہیں ہوئی۔ زندہ

ہونے کا کیا سوال؟ حضرت شہ عبد العزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"و اگر کے فرقہ خود را عقائہ لقب کند و بامست عقائد قائل شوند

بکدام وجه ابطال مذہب ایشان تو اس نمود۔" (تحفہ اثنا عشریہ..... صفحہ ۱۲۴)

ترجمہ: "اور اگر کچھ لوگ اپنے فرقہ کا نام "عقائہ" رکھ لیں اور

"عقائد" کی امامت کے قائل ہو جائیں (جس کا کوئی نام و نشان ہی نہیں) تو

ان کے مذہب کے ابطال کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔"

گیارہویں بحث: عقیدہ امامت پر تقیہ کا شامیانہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”صفحہ ۲۲ پر آپ نے (راقم الحروف نے) جس تقیہ کا شامیانہ شیعوں کے سر پر تانا ہے اس میں آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہوئی۔ یہ اتنا غیر اہم معاملہ ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت ان صفحات میں نہیں۔“

مؤدبانہ گزارش ہے کہ یہ ناکارہ شامیانہ کہاں سے لایا؟ اور شیعوں کے سر پر تاننے کی گستاخی کیسے کر سکتا تھا؟ یہ شامیانہ تو خود اکابر شیعہ نے امامت اور ائمہ پر تانا ہے، چنانچہ شیخ الطائفی کی ”تہذیب“ اور ”الاستبصار“ اٹھا کر دیکھ لیجئے، ہر دوسرے تیسرے صفحہ پر ”محمول علی النقیۃ“ کے الفاظ ملیں گے۔

رہا یہ کہ یہ معاملہ اہم ہے یا غیر اہم؟ غالباً جناب نے اصول کلی کتاب الکفر والایمان میں باب النقیۃ کو ملاحظہ نہیں فرمایا، ورنہ آپ کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا۔ مثلاً امام صادقؑ کا یہ ارشاد:

۲۔ ابن ابی عمیر، عن هشام بن سالم، عن ابی ہریرۃ العجمی قال: قال لی ابو عبد اللہؑ: یا ابا عمر! إن تسعة أئمة الدين في النقیۃ ولا دين لمن لا نقیۃ له و النقیۃ في كل شیء. إلا في النبیذ و المسح علی الخفین (۱)۔

اصول کلی صفحہ ۲۱ جلد ۲)

ترجمہ: ”اے ابو عمر! دین کے کل دس حصے ہیں، ان میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔ اور ہر چیز میں تقیہ ہے سوائے نبیذ کے اور مسح علی الخفین کے۔“

اس حدیث سے جہاں تقیہ کی اہمیت واضح ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی ہر بات میں تقیہ ہے۔ تقیہ کے طور پر اسلام کی بات کفر اور کفر کی بات کو اسلام کہنا درست ہے۔ البتہ دو چیزوں میں تقیہ نہیں۔ مگر الاستبصار صفحہ ۷۶، جلد ۱ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے موزوں پر مسح کیا تھا اور امام باقرؑ نے فرمایا کہ تقیہ کے طور پر مسح علی الخفین جائز ہے۔ لہذا ان دونوں باتوں میں بھی تقیہ ہو سکتا ہے۔ گویا امام نے جو فرمایا تھا کہ ان دو باتوں میں تقیہ نہیں، یہ بھی تقیہ یعنی جھوٹ تھا۔ اور مثلاً امام ابو جعفرؑ کا یہ ارشاد:

۱۲۔ عنہ عن أحمد بن محمد، عن معمر بن خلاد قال: سألت أبا الحسنؑ عن القیام للولاء، فقال: قال أبو جعفرؑ: النقیۃ من دینی و دین آباءی و لا ایمان لمن لا نقیۃ له۔ (اصول کلی صفحہ ۳۱۵ جلد ۲)

ترجمہ: ”تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔“

ان دونوں احادیث سے ”تقیہ“ کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ صرف مباح و مستحب نہیں، بلکہ نماز روزہ کی طرح فرض ہے۔ اور فرض بھی ایسا کہ ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ کیونکہ دین کے نو حصے تمام تقیہ میں ہیں اور دین کے باقی تمام ارکان مل کر تقیہ کے مقابلے میں دین کے دسویں حصہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کا تارک دین کا تارک اور بے دین ہے۔ آنجناب کا اس کو ”غیر اہم“ چیز کہنا ائمہ معصومین کے ارشاد سے انحراف اور ایک طرح سے ائمہ معصومین کی تکذیب ہے۔

الغرض شیعہ مذہب میں تقیہ اتنی بڑی اور ایسی مقدس عبادت ہے کہ دین کے تمام ارکان نماز، روزہ، حج، قربانی، جہاد وغیرہ وغیرہ ”عبادت تقیہ“ کے مقابلے میں عشر عشر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صفحات کی تنگ دہائی اس پر طویل بحث کی اجازت نہیں دیتی۔ تاہم تقیہ کی تشریح و تفسیر اور مواقع تقیہ کی توضیح کے لئے ائمہ معصومین کی چند احادیث نقل کرتا ہوں:

پہلی حدیث:

۳۔ عدۃ من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن خالد، عن عثمان بن عیسیٰ، عن سماعة، عن ابی بصیر قال: قال أبو عبد اللہؑ: النقیۃ من دین الله. قلت: من

دین اللہ قال : ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف : « آیتنا العیر إنکم لصادقون ، واللہ ما کانوا سرقوا شیئاً ولقد قال إبراهیم : « انہی مقیم ، واللہ ماکان مقیماً .
(اصول کافی باب النقیۃ ۲۱۷ ، جلد ۲)

ترجمہ : ”ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کے دین میں سے ہے۔ میں نے کہا، اللہ کے دین میں سے؟ فرمایا، ہاں! اللہ کی قسم! اللہ کے دین میں سے ہے۔ بے شک یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ”اے قاتل والو! تم چور ہو“ واللہ! انہوں نے کچھ نہیں چرایا تھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ”میں بیکر ہوں“ واللہ! وہ ہرگز بیکر نہ تھے۔“

اس حدیث سے تقیہ کا مفہوم معلوم ہوا کہ محض برہنہ مصلحت جھوٹ بول دینا تقیہ ہے۔ کیونکہ امام کے بقول برادران یوسف نے کچھ نہیں چرایا تھا، لیکن یوسف علیہ السلام نے ان کو چور کہا، جو صریح جھوٹ ہے، اور اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بیکر ہوں، حالانکہ امام کے بقول وہ قطعاً بیکر نہ تھے۔ یہ بھی صریح جھوٹ تھا، اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور یہ امام کے بقول دین کے دس حصوں میں سے نو حصوں پر مشتمل ہے۔

اس حدیث سے ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی۔ وہ یہ کہ تقیہ کے لئے اضطراب شرط نہیں۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے بطور تقیہ ان لوگوں کو چور کہا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس کے باوجود انہوں نے بطور تقیہ اپنے کو بیکر کہا۔ یہ مضمون دوسری حدیث میں امام سے صراحتاً بھی منقول ہے۔

دوسری حدیث :

اصول کافی باب النقیۃ میں ہے :

۱۳ - علی بن ابراہیم ، عن ابیہ ، عن حماد ، عن ربیع ، عن زرارة ، عن ابی جعفر علیہ السلام قال : النقیۃ فی کل ضرورۃ و صاحبہا أعلم بہا حین تنزل بہ .

(اصول کافی صفحہ ۲۱۷ ، جلد ۲)

ترجمہ : ”زرارہ امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، تقیہ ہر ضرورت میں ہے اور جس کو ضرورت لاحق ہو وہی اس کو بہتر جانتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہیں، بلکہ صاحب ضرورت ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

یاد رہے کہ شیعہ مذہب میں ”تقیہ“ اور ”کتمان“ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کتمان کے معنی اپنے دین کو چھپانے کے ہیں۔ چونکہ شیعہ مذہب اس لائق نہیں کہ اس کو ظاہر کیا جائے اس لئے امام نے اس مذہب کے چھپانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اصول کافی میں ”باب النقیۃ“ کے بعد ”باب الکتمان“ ہے، اس کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے :

تیسری حدیث :

۳ - علی بن ابراہیم ، عن ابیہ ، عن ابن ابی عمیر ، عن یونس بن عمار ، عن سلیمان ابن خالد قال : قال ابو عبد اللہ علیہ السلام : یاسایمان إنکم علی دین من کتمہ أعزہ اللہ ومن أذاعہ أذلہ اللہ .
(اصول کافی صفحہ ۲۲۲ ، جلد ۲)

ترجمہ : ”سلیمان بن خالد امام صادق کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا : اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کو عزت دیں گے اور جو اس کو ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کریں گے۔“

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب لائق ستر ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب، اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اظہار کا تو حکم فرمایا ہے، اور خود اس کے اظہار کا وعدہ فرمایا ہے۔ ”لیظہرہ علی الدین کلہ“ اس کے برعکس شیعہ مذہب کے اظہار کی من جانب اللہ ممانعت ہے۔ اس کے چھپانے پر عزت کا اور اس کے اظہار پر ذلت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

الغرض کتمان کے معنی تو ہیں اپنے دین کو چھپانا اور تقیہ کے معنی اپنے مذہب کے خلاف کرنا یا کتمان۔

چوتھی حدیث:

اصول کلنی میں ہے:

۱۔ سعد بن مسعود، عن أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن عيسى، عن علي بن الحكم، عن معاوية ابن وهب، عن سعيد السمان قال: كنت عند أبي عبد الله عليه السلام إذ دخل عليه رجلان من الزيدية فقالا له: أفیکم إمام مفسر من الطاعة؟ قال: فقال: لا ^(۱) قال: فقالا له: قد أخبرنا عنك الثقات أنك تفتي وتقر وتقول به ^(۲) ونستبهم لك، فلان وفلان، وهم أصحاب ورع وتشيع ^(۳) وهم ممن لا يكذب ^(۴) فغضب أبو عبد الله عليه السلام فقال: ما أمرتهم بهذا فلما رأيا الغضب في وجهه خرجا.

(اصول کلنی صفحہ ۲۳۱، جلد ۱۔ روایت نمبر ۱)

ترجمہ: ”سعد بن مسعود کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کے پاس تھا، اسے میں زید یہ فرقے کے دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا تم میں کوئی امام مفسر من الطاعة موجود ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ کہنے لگے، ہمیں آپ کے بارے میں لائق اعتماد ثقہ لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ اس کا فتویٰ دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں، اور ہم آپ کے سامنے ان لوگوں کا نام لئے دیتے ہیں، وہ فلاں اور فلاں آدمی ہیں، بڑے تقویٰ و طہارت کے مالک ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ امام صادقؑ ان کی بات سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا۔ پس جب انہوں نے امام کے چہرے پر غیظ و غضب دیکھا تو اٹھ کر چلے گئے۔“

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ زید یہ فرقے کے لوگوں سے امام کو جان و مال کا خوف نہیں تھا اس کے باوجود ان سے تقیہ فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہم میں کوئی ”امام“ نہیں۔ معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے جان و مال کے خوف کی کوئی شرط نہیں۔

دوم: یہ کہ حضرات امامیہ کے نزدیک انکار امامت کفر ہے، مگر امام نے تقیہ کی بنا پر اس کفر کے ارتکاب سے دریغ نہیں فرمایا۔

سوم: یہ کہ ائمہ نے کسی کو مسئلہ امامت کی تعلیم نہیں دی، لوگوں نے خواجہ بے پرکی اڑادی۔

پانچویں حدیث:

اصول کلنی کتب العلم ”باب اختلاف الحدیث“ میں ہے:

۵۔ أحمد بن إدريس، عن محمد بن عبد الجبار، عن الحسن بن علي، عن ثعلبة بن ميمون، عن زائدة بن أعين، عن أبي جعفر عليه السلام قال: سألت عن مسألة فأجابني ثم جاء رجل فسأله عنها فأجابته بخلاف ما أجابني، ثم جاء رجل آخر فأجابته بخلاف ما أجابني وأجاب صاحبي، فلما خرج الرجلان قلت: يا ابن رسول الله رجلان من أهل العراق من شيعتكم قدما يسألان فأجبت كل واحد منهما بغير ما أحبت به صاحبه؟ فقال: يا زائدة! إن هذا خير لنا وأبقى لنا ولكم ولو اجتمعتم على أمر واحد لمددكم الناس علينا ولكن أقل لبقائنا وبقائكم.

قال: ثم قلت لأبي عبد الله عليه السلام: شيعتكم لو حلتهموم على الأئمة أو على النار ^(۱) لمضوا وهم يخرجون من عندكم مختلفين؟ قال: فأجابني بمثل جواب أبيه.

(اصول کلنی صفحہ ۶۵، جلد ۱۔ روایت نمبر ۵)

ترجمہ: ”جناب زرارہ امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا، امام نے مجھے ایک جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، آپ نے اس کو دوسرا جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا، اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، اس کو آپ نے ہم دونوں سے مختلف جواب دیا۔ وہ دونوں صاحب چلے گئے تو میں نے امام سے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے بیٹے! اہل عراق کے یہ دونوں آدمی تمہارے قدم شیعوں میں سے ہیں، آپ نے ان دونوں کے سوال کا مختلف جواب دیا۔ امام نے فرمایا، زرارہ! بے شک ہمارے لئے یہی بہتر ہے اور اسی میں ہماری اور تمہاری ہمتا ہے۔ اگر تم لوگ کسی ایک چیز پر حقیق ہو جاؤ تو لوگ ہمارے بارے میں تمہیں سچا سمجھنے لگیں گے اس سے ہماری اور تمہاری ہمتا ہو جائے گی۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ آپ کے شیعوں تو اتنے بکے ہیں کہ اگر ان کو نیزوں پر لٹک دیا جائے یا آگ میں جھونک دیا جائے تب بھی

وہ کر گزریں گے۔ اس کے باوجود وہ آپ حضرات (ائمہ) کے یہاں سے نکلنے ہیں تو بھارت بھارت کی بولیں بولتے ہیں۔ اس پر امام صادقؑ نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو ان کے والد ماجد امام باقرؑ نے دیا تھا، (کہ ہم قصداً شیعوں میں اختلاف ڈالتے ہیں تاکہ وہ کسی بات پر متفق نہ ہوں)۔

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ائمہ صحیح مسئلہ بتانے کے پابند نہیں تھے بلکہ غلط مسئلہ بیان کرنے کی بھی ان کو اجازت تھی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ، تقیہ کی ایسی پابندی اور ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ اپنے خاص راز داروں سے بھی تقیہ فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اپنے اصحاب کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ اور ان کی یہ کوشش رہا کرتی تھی کہ ان کے شیعہ کسی بات پر متفق نہ ہو جائیں۔ خدا نخواستہ اگر وہ کسی ایک بات پر بھی متفق ہو گئے تو ائمہ کی خیر نہیں، نہ ان کے شیعوں کی۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کے زمانے میں لوگ شیعوں کو جھوٹا سمجھا کرتے تھے اور ائمہ کو بھی اس کا اہتمام رہتا تھا کہ لوگ ان کے شیعوں کو جھوٹا ہی سمجھا کریں، خدا نخواستہ کسی دن لوگوں نے شیعوں کو سچا سمجھ لیا تو بس یوں سمجھو کہ قیامت آگئی۔ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ شیعہ مذہب کی بقا اور نشوونما کا راز تقیہ میں مضمر تھا۔ اگر شیعہ مذہب کے چہرہ پر تقیہ کی سیلہ نقاب نہ ڈالی جاتی تو امام کے بقول شیعہ مذہب کی بقا ممکن ہی نہیں تھی۔ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے الفاظ میں:

”اگر تقیہ کا سلسلہ نہ ہو تو مذہب شیعہ کا ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنا قطعاً ناممکن ہو جائے۔ مذہب شیعہ کو تقیہ کے ساتھ ہی نسبت ہے جو ریل گاڑی کو تار برقی کے ساتھ ہے۔ اگر تار کٹ دیئے جائیں تو ریل گاڑی ایک قدم نہیں چل سکتی۔“ (یازدہ نجوم..... صفحہ ۹۸)

چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی کہ تقیہ کی بدولت سچ اور جھوٹ رل مل جائے گا، حق و باطل گٹھ جو جائے گا اور دین خداوندی (جو شیعوں کے نزدیک صرف ائمہ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے) مشتبہ ہو کر رہ جائے گا اور ائمہ پر وہی فتویٰ لوٹ پڑے گا جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں دیا تھا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ

مَنْ بَعْدَ مَا بَيَّنَّهَ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿۱۵۹﴾ (البقرہ..... ۱۵۹، ترجمہ شیخ المنذر)

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے آداب صاف حکم اور ہدایت کی باتیں، بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتب میں، ان پر لعنت کرتا ہے اللہ، اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔“

تقیہ کے ہولناک نتائج

ائمہ کے تقیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بیان کردہ مسائل میں شدید اختلاف و تضاد پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ائمہ کے زمانے میں ائمہ کے اصحاب کے درمیان ایسے ہولناک اختلافات پیدا ہوئے کہ ایک دوسرے کی تردید میں کتابیں لکھنے اور ایک دوسرے کی تزیل و تفسیق اور مقاطعہ تک نوبت آئی، اور بعد کے علماء و مجتہدین شیعہ میں بھی اختلافات پیدا ہوئے، اصول میں بھی اور فروع میں بھی۔ الغرض ائمہ کے تقیہ کی بنا پر شیعہ مذہب عجیب تضادات کا ملغوبہ اور شدید تدریس و تبلیس کا مرقع بن کر رہ گیا۔ اور یہ معلوم کر لینا قرباناً ممکن ہو گیا کہ ائمہ کی مختلف روایات کی روشنی میں کون سا مسئلہ قطعی طور پر حق و صواب ہے اور کون سا قطعی باطل اور غلط؟

یہاں ان امور پر مفصل گفتگو کی گنجائش نہیں، امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے شیعہ مذہب کے دو سو مسائل پر رسائل لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ ان دو سو مسائل میں سے دوسرا مسئلہ تقیہ تھا۔ جس پر حضرتؒ نے ”الثانی من المسائل“ کے عنوان سے تین رسائل قلمبند فرمائے جو ”یازدہ نجوم“ کے ضمن میں چھپ چکے ہیں۔ طلبہ کو مشورہ دوں گا کہ ان رسائل کا مطالعہ فرمائیں۔ البتہ افادہ عالم کے لئے دوسرے نمبر کا آخری حصہ اور تیسرے نمبر کا ابتدائی حصہ یہاں نقل کرتا ہوں کہ اس میں اس مسئلہ کا پورا خلاصہ آگیا ہے:

دوسرے نمبر کے آخر میں لکھتے ہیں:

”یہ ایک ہلکا سا نمونہ شیعوں کے ائمہ معصومین کے تقیہ کا تھا جس سے کچھ

اندازہ تفسیر کے مواقع کا ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات بھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ تفسیر کے لئے نہ ہرگز کسی قسم کے خوف کی شرط ہے، نہ کسی اور ضرورت کی، بلکہ ائمہ شیعہ نے ہر موقع پر تفسیر کیا ہے، مؤلفین سے بھی، مخالفین سے بھی، دنیوی امور میں بھی اور دینی مسائل میں فتویٰ دینے میں بھی، عقائد کے متعلق بھی اور اعمال کے متعلق بھی۔ کتب شیعہ خاص کر کفای، استبصار، تہذیب کے دیکھنے سے بڑے بڑے عمدہ لطائف تفسیر کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔

ائمہ شیعہ کی ان اختلاف بیانوں یا تفسیر پر دانیوں کے سبب سے ان کے اصحاب میں مذہبی اختلاف بکثرت پیدا ہوئے اور اصحاب کے بعد علماء اور ائمہ مجتہدین میں وہی اختلاف رونما ہوئے اور یہ اختلاف صرف اعمال میں نہیں، بلکہ عقائد میں، اور عقائد میں بھی جو مسئلہ مذہب شیعہ میں سب سے زیادہ اہم یا اہمیت کا حامل ہے جس کو ان کے عقائد کا کل سرسبز کرتا چاہئے یعنی مسئلہ امامت اس میں بھی اختلاف ہوا۔ ائمہ کے بعض اصحاب ائمہ کو معصوم کہتے تھے، اور بعض لوگ مثل اہل سنت کے ان کے معصوم ہونے کا انکار کرتے تھے اور ان کو علمائے نیکو کہلاتے تھے۔ علامہ باقر مجلسی کتب "حق الباقین" کے صفحہ ۲۹۶ پر لکھتے ہیں:

"از احادیث ظاہری شود کہ جمیع از رویان کہ در احوال ائمہ علیہم السلام بودہ انداز شیعیان اعتقاد بہ عصمت ایشان نداشته اند، بلکہ ایشان را علمائے نیکو کہ میدانستہ اند، چنانکہ از رجل کشی ظاہر میشود، ومع ذلک ائمہ علیہم السلام حکم بابیان بلکہ عدالت ایشان کی کردند"

ترجمہ: "ایشان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ رویوں کی ایک جماعت جو ائمہ علیہم السلام کی ہم عصر تھی، ائمہ کے معصوم ہونے کا اعتقاد نہ رکھتی تھی بلکہ ائمہ کو نیکو کار عالم جانتی تھی، چنانچہ رجل کشی سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بلوغ اس کے ائمہ علیہم السلام نے ان کے مومن بلکہ عادل ہونے کا حکم لگایا ہے۔"

اس اختلاف کا سبب یہی ہے کہ ائمہ نے اپنی امامت اور عصمت کا انکار بھی کیا ہے اب چاہیے یہ انکار واقعی ہو یا از رو تفسیر۔

اصحاب ائمہ کا اختلاف اعمال میں اس حد کو پہنچا کہ علمائے شیعہ کو بادل یا خواستہ اقرار کرنا پڑا کہ ان کا اختلاف اہل سنت کے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے باہمی اختلاف سے بدرجہا زائد ہے، چنانچہ شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلداری علی صاحب اپنی کتب اسرار الاصول مطبوعہ لکھنؤ، عمدتاً صفحہ ۹۱ پر لکھتے ہیں

وقد ذكرت ما ورد منهم من الأحاديث المختلفة التي يختص الفقه في الكتاب المعروف بالاستبصار وفي كتاب تهذيب الأحكام ما يزيد على خمسة آلاف حديث، وذكرت في أكثرها اختلاف الطائفة في العمل بها، وذلك أشهر من أن يخفى حتى إنك لو تأملت اختلافهم في هذه الأحكام وجدته يزيد على اختلاف أبي حنيفة والشافعي ومالك، ووجدتهم مع هذا الاختلاف العظيم لم يقطع أحد منهم موالاة صاحبه ولم ينته إلى تضييله وتفسيقه والبراءة من مخالفه.

(أساس الأصول، ص: ۹۱)

ترجمہ: "ائمہ سے جو مختلف حدیثیں خاص کر فقہ کے متعلق منقول ہیں وہ کتب مشہور استبصار اور تہذیب الأحكام میں پانچ ہزار احادیث سے زائد بیان کی گئی ہیں، اور اکثر ان حدیثوں میں شیعوں کے اختلاف عمل کا بھی ذکر ہے (یعنی کسی عالم شیعہ نے کسی حدیث پر عمل کیا اور کسی نے کسی پر) یہ بات بہت مشہور ہے چھپ نہیں سکتی، یہاں تک کہ اگر تم ان کے اختلاف کو ان احکام میں غور سے دیکھو تو ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک کے اختلاف سے زائد پاؤ گے۔ اور یہ بھی دیکھو گے کہ بلوغ اس عظیم اختلاف کے ایک دوسرے سے ترک موالات نہیں کرتا، ایک دوسرے کو گمراہ اور فاسق نہیں کہتا اور اپنے مخالف سے بیزاری نہیں ظاہر کرتا۔"

اپنے مجتہد اعظم کی اس عبارت کو شیعہ غور سے دیکھیں جو بعض اوقات تلاوت

کو یہ کہہ کر ہرکاتے ہیں کہ تمہارے ائمہ اربعہ میں دیکھو ایسا اختلاف ہے، کیونکر یہ جاوہ حق پر ہو سکتے ہیں؟

”هذا آخر الكلام والحمد لله رب العالمين“

اور تیسرے نمبر کے آغاز میں لکھتے ہیں: (یازدہ نجوم ص ۱۳۸ تا ص ۱۵۰)

حامداً ومصلين

”المبعد واضح ہو کہ ”الثانی من المآتین“ کا یہ تیسرا نمبر ہے جس میں ائمہ اللہ تعالیٰ تقیہ کے نتائج بیان کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بیان کو ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

پہلے دونوں نمبروں میں حسب ذیل امور شیعہوں کی اعلیٰ ترین معتبر کتابوں سے ثابت کئے جا چکے ہیں۔

۱: تقیہ کے معنی خلاف واقع کے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنا (جس کو جھوٹ بولنا کہتے ہیں) یا کوئی کام کرنا۔

ف: تقیہ اور نفاق بالکل ایک چیز ہے اگرچہ شیعہ تقیہ اور نفاق میں بڑا فرق بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ تقیہ دین کے چھپانے اور بے دینی ظاہر کرنے کا نام ہے، اور نفاق بالکل اس کے برعکس ہے، لیکن یہ فرق شیعہوں کی ایک اصطلاح کی بنیاد پر ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک اپنی جن مذہبی باتوں کو شیعہ چھپاتے ہیں وہ خالص بے دینی کی ہیں، اور جن باتوں کو وہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں وہ یقیناً دینی ہیں۔ لہذا اس کے نفاق ہونے میں کچھ شک نہیں۔

۲: تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، دین کے ۱۰ میں سے ۹ حصے تقیہ میں ہیں، اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین و بے ایمان ہے۔

۳: ائمہ و انبیاء کا بلکہ خدا کا دین تقیہ کرنا ہے۔

۴: تقیہ کے لئے نہ خوف جان وغیرہ کی شرط ہے، نہ اور کسی معذوری و مجبوری کی تحدید ہے۔ بلکہ ہر ضرورت پر تقیہ کا حکم ہے، اور ضرورت کی تشخیص خود صاحب ضرورت کی رائے پر متحول ہے۔

۵: ائمہ شیعہ نے عقائد میں بھی تقیہ کیا ہے اور اعمال میں بھی، تقیہ میں اپنے امام معصوم ہونے کا بھی انکار کیا ہے، فرائض بھی ترک کئے ہیں، فعل حرام کا بھی ارتکاب کیا ہے، جھوٹے فتوے دیئے ہیں، حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتلایا ہے، ظالموں بدکاروں کی تعریف بھی کی ہے اور

تعریف بھی انتہائی مبالغہ کے ساتھ۔

۶: ائمہ اپنے مخلص شیعہوں کو ازراہ تقیہ قلعہ مسائل بتا دیا کرتے تھے، اور کبھی یہ راز کھل جاتا تھا تو ارشاد فرماتے تھے کہ ہم نے تم کو غلاں نقصان سے بچانے کے لئے ایسا کیا، یا اس لئے ایسا کیا کہ تم میں باہم اختلاف رہے گا تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچانہ سمجھیں گے، اور اسی میں ہمارے اور تمہارے لئے خیریت ہے۔

۷: ائمہ اعلانیہ ہمیشہ عقائد و اعمال میں اپنے کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی مذہب اہل سنت والجماعت ہی کی تعلیم دیتے تھے، مذہب شیعہ کی تعلیمات جس قدر ان سے شیعہوں نے نقل کی ہیں ان کی بابت شیعہ راویوں کا یہ بیان ہے کہ ائمہ نے خلوت میں تنہائی میں ہم سے بیان فرمایا تھا۔

۸: بسا اوقات ائمہ نے ایسے مواقع میں تقیہ کیا ہے کہ وہاں ہرگز کسی قسم کی ضرورت کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا، مثلاً ان فروعی اجتہادی اعمال میں جن میں خود اہل سنت کے مجتہدین باہم مختلف ہیں، ایسے فروعی اعمال میں جس شخص کا جی چاہے جو پہلو اختیار کرے کسی قسم کے خطرہ کا احتمال نہیں، مگر ائمہ نے ایسے مواقع میں بھی اپنا اصلی مذہب چھپایا اور اس کے خلاف عمل کیا۔ یہ آٹھ باتیں تو گزشتہ دونوں نمبروں میں ثابت ہو چکی ہیں ان کے علاوہ دو باتیں اور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

۹: ائمہ سے جو حدیثیں منقول ہیں ان میں اختلاف بے حد و بے نہایت ہے، اور خود علمائے شیعہ اقرار کر چکے ہیں کہ ہر موقع میں یہ معلوم کر لینا کہ یہ اختلاف کس سبب سے ہے آیا تقیہ کے باعث ہے یا کسی اور وجہ سے، طاقت انسانی سے بالاتر ہے۔

مولوی ولد ار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول صفحہ ۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

الأحادیث الماثورة عن الأئمة مختلفة جداً،

لا يكاد يوجد حديث الا وفي مقابله ما ينافيه، ولا

يتفق خبراً لا وبإزائه ما يضاده، حتى صار ذلك سبباً

لرجوع بعض الناقصين عن اعتقاد الحق، كما صرح به

شيخ الطائفة في أوائل التهذيب والاستبصار، ومناشئ

هذا الاختلاف كثيرة جداً من التتقية والوضع واشتباہ

السامع والنسخ والتخصيص والتقييد وغير هذه المذكورات من الأمور الكثيرة، كما وقع التصريح على أكثرها في الأخبار الماثورة عنهم، وامتنياز المناشى بعضها عن بعض في باب كل حديثين مختلفين بحيث يحصل العلم واليقين بتعيين المنشأ صغير جدا وفوق الطاقة كما لا يخفى.

(اساس الاصول ص ۵۱)

ترجمہ: ”جو حدیثیں کہ ائمہ سے منقول ہیں ان میں بہت سخت اختلاف ہے، ایسی کوئی حدیث نہ ملے گی جس کے متعلق میں اس کی مختلف خبر نہ ہو، یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کے لئے مذہب شیعہ سے پھر جانے کا سبب بن گیا، جیسا کہ شیخ الطائفة نے ترمذیہ اور استبصار کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے۔ ان اختلافات کے اسباب بہت ہیں، مثلاً تفسیر، اور وضعی حدیثوں کا بنایا جانا، اور سننے والے سے غلط فہمی کا ہونا، اور منسوخ یا مخصوص ہو جانا یا امتیاز ہو جانا، اور ان کے علاوہ بہت سے امور ہیں، چنانچہ ان میں سے اکثر امور کی تصریح ائمہ کی احادیث میں موجود ہے۔ اور ہر دو مختلف حدیثوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہاں اختلاف کا سبب کیا ہے، اس طور پر کہ اس سبب کا علم و یقین ہو جائے، بہت دشوار اور انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔“

۱۰: ائمہ کے اصحاب نے ائمہ سے نہ اصول دین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا، نہ فروع دین کو۔ علامہ شیخ مرتضیٰ فراہ اصول مطبوعہ ایران صفحہ ۸۶ میں لکھتے ہیں:

ثم إن ما ذكره من تمكن أصحاب الأئمة من أخذ الأصول والفروع بطريق اليقين دعوى ممنوعة واضحة المنع، وأقل ما يشهد عليها ما علم بالعين والأثر من اختلاف أصحاب صلوات الله عليهم في الأصول

لہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے زمانے میں بھی احکام شرعیہ منسوخ ہوئے ہیں۔ ائمہ کو اختیار کہ رسول کے جس حکم کو چاہیں منسوخ کر دیں، اس سے زیادہ ختم نبوت کا انکار اور کیا ہو گا؟ منہ

والفروع، ولذا شكى غير واحد من أصحاب الأئمة إليهم اختلاف أصحابه، فأجابوهم تارة بأنهم قد القوا الاختلاف حقنا لدعائهم، كما في رواية حرير وزرارة وأبى أيوب الجزار، وأخرى أجابوهم بأن ذلك من جهة الكذابين كما في رواية الفيض بن المختار قال: قلت لأبى عبد الله جعلني الله فداك ما هذا الاختلاف الذي بين شيعتكم؟ قال: وأى اختلاف يا فيض؟ فقلت له: إني أجلس في حلقهم بالكوفة وأكاد أشك في اختلافهم في حديثهم حتى أرجع إلى الفضل بن عمر فيوقفني من ذلك على ما تستريح به نفسي، فقال عليه السلام: أجل! كما ذكرت يا فيض، أن الناس قد أولعوا بالكذب علينا كان الله افترض عليهم ولا يريد منهم غيره، أتى أحدث أحدهم بحديث فلا يخرج من عندي حتى يتاوله على غير تأويله، وذلك لأنهم لا يطلبون بحديثنا وبحسبنا ما عند الله تعالى، وكل يجب أن يدعى رأساً - وقريب منها رواية داود بن سرحان، واستثناء القميين كثيراً من رجال نوادر الحكمة معروف، وقصة ابن أبي العوجاء أنه قال عند قتله: قد دست في كتبكم أربعة آلاف حديث مذكورة في الرجال، وكذا ما ذكره يونس بن عبد الرحمن من أنه أخذ أحاديث كثيرة، من أصحاب الصادقين ثم عرضها على أبي الحسن الرضا عليه السلام

فأنكر منها أحاديث كثيرة إلى غير ذلك مما يشهد بخلاف ما ذكره. (فرايد الاصول مطبوعه ايران ص ۸۶)

ترجمہ: "پھر یہ جو اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب ائمہ اصول و فروع کو یقین کے ساتھ حاصل کرنے پر قادر تھے، یہ ایک دعویٰ ہے جو تسلیم کرنے کے لائق نہیں، کم از کم اس کی شہادت وہ ہے جو آنکھ سے دیکھی گئی اور اثر سے معلوم ہوئی کہ ائمہ صلوات اللہ علیہم کے اصحاب اصول و فروع میں باہم مختلف تھے، اور اسی سبب سے بہت سے لوگوں نے ائمہ سے شکایت کی کہ آپ کے اصحاب میں اختلاف بہت ہے تو ائمہ نے ان کو کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف ان میں خود ہم نے ڈالا ہے، ان کی جان بچانے کے لئے جیسا کہ حریر اور زرارہ اور ابو ایوب جزاری کی روایتوں میں ہے۔ اور کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف جھوٹ بولنے والوں کے سبب سے پیدا ہو گیا ہے، جیسا کہ فیض بن عثمد کی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق سے کہا کہ اللہ مجھے آپ پر فدا کر دے، یہ کیسا اختلاف ہے جو آپ کے شیعہ کا آپس میں ہے؟ امام نے فرمایا کہ اے فیض! کون سا اختلاف؟ میں نے عرض کیا کہ میں کوفہ میں ان کے حلقہ درس میں بیٹھتا ہوں تو ان کی احادیث میں اختلاف کی وجہ سے قریب ہوتا ہے کہ میں شک میں پڑ جاؤں، یہاں تک کہ میں فضل بن عمر کی طرف رجوع کرتا ہوں تو وہ مجھے ایسی بات بتلا دیتے ہیں جس سے میرے دل کو تسکین ہوتی ہے۔ امام نے فرمایا کہ "اے فیض! یہ بات سچ ہے، لوگوں نے ہم پر افترا پر دازی بہت کی، گویا کہ خدا نے ان پر جھوٹ بولنا فرض کر دیا ہے اور ان سے سوا جھوٹ بولنے کے اور کچھ نہیں چاہتا، میں ان میں سے ایک سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر جانے سے پہلے ہی اس کے مطلب میں تحریف شروع کر دیتا ہے، یہ لوگ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے آخرت کی نعمت نہیں چاہتے، بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سردار بن جائے۔" اور اسی کے قریب داؤد بن سرحان کی روایت ہے، اور اہل قم کا "نواد بالحکمة" کے بہت سے راویوں کو مستثنیٰ کر دینا مشہور ہے۔ اور ابن ابی العوجاء کا قصہ کتب رجال میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے نقل کے وقت کہا کہ میں نے ہمدانی کتابوں میں چار ہزار حدیثیں بنا

کر درج کر دی ہیں۔ اسی طرح وہ واقعہ جو یونس بن عبدالرحمن نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی حدیثیں ائمہ کے اصحاب سے حاصل کیں، پھر ان کو امام رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کا انکار کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی ولید علی نے تو اس سے بھی زیادہ نفیس بات لکھی کہ اصحاب ائمہ پر یقین کا حاصل کرنا واجب بھی نہ تھا، چنانچہ اساس الاصول صفحہ ۱۲۳ میں لکھتے ہیں:

لا نسلم أنهم كانوا مكلفين بتحصيل القطع واليقين كما يظهر من سجية أصحاب الأئمة، بل أنهم كانوا مأمورين بأخذ الأحكام من الثقة ومن غيرهم أيضا مع قيام قرينة تفيد الظن، كما عرفت مرارا بأنحاء مختلفة، كيف ولو لم يكن الأمر كذلك لزم أن يكون أصحاب أبي جعفر والصادق الذين أخذ يونس كتبهم وسع أحاديثهم مثلاً هالكين مستوجبين النار، وهكذا حال جميع أصحاب الأئمة، فإنهم كانوا مختلفين في كثير من المسائل الجزئية الفرعية، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره وقد عرفت، ولم يكن أحد منهم قاطعاً لما يرويه الآخر في متمسكه، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره، ولذا ذكر في هذا المقام رواية رواها محمد بن يعقوب الكليني في الكافي فإنها مفيدة لما نحن بصدده ونرجو من الله أن يطمئن بها قلوب المؤمنين يحصل لهم الجزم

لے علمائے شیعہ سے یہ بھی صاف تصریح کی ہے کہ ان جعلی روایتوں کا ہماری کتابوں سے نکل دیا جانا ثابت نہیں ہوا۔ (دیکھو توضیح المقال، صفحہ ۳)۔ منہ

بحقیۃ ما ذکرنا فنقول: قال ثقة الإسلام فی الکافی:
 علی ابن ابراہیم عن السری بن الریبع قال لم یکن ابن
 أبی عمیر یعدل بہشام بن الحکم شیئا وكان لا یغب
 إتیانہ، ثم انقطع عنہ وخالفہ، وكان سب ذلك إن أبا مالک
 الحضرمی كان أحد رجال ہشام، وقع بینہ وبين ابن أبی
 عمیر ملاحاة فی شیء من الإمامة، قال ابن أبی عمیر
 الدنیا کلہا للإمام علی جہۃ الملك وإنہ أولى بہا من الذین
 ہی فی أیدیہم، وقال أبو مالک: لیس كذلك أملاک
 الناس لہم إلا ما حکم اللہ بہ للإمام الفیء والخمس والمغنم
 فذلك لہ، وذلك أيضا قد بین اللہ للإمام أن یضعہ وكيف
 یصنع بہ، فتراضیا بہشام بن الحکم وصارا إلیہ، فحکم
 ہشام لأبی مالک علی ابن أبی عمیر، فغضب ابن أبی
 عمیر وہجر ہشاما بعد ذلك۔ فانظروا یا أولى الألباب
 واعتبروا یا أولى الأبصار، فإن ہذہ الأشخاص الثلاثة
 کلہم كانوا من ثقات أصحابنا، وكانوا من أصحاب
 الصادق والکاظم والرضا علیہم السلام، کیف وقع النزاع
 بینہم حتی وقعت المہاجرة فیما بینہم مع کونہم متمکنین
 من تحصیل العلم والیقین عن جناب الأئمة (اساس الاصول ص ۱۳۲)
 ترجمہ: ”ہم نہیں مانتے کہ اصحاب ائمہ پر لازم تھا کہ یقین حاصل کریں،
 چنانچہ ائمہ کی روش سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، بلکہ اصحاب ائمہ کو حکم تھا کہ
 احکام دین معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کے لوگوں سے حاصل کر لیا کریں، بشرطیکہ
 کوئی قریبہ مفید ظن موجود ہو، جیسا کہ پہلے تم کو مختلف طریقوں سے معلوم
 ہو چکا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ امام بقر اور امام صادق کے

اصحاب، جن کی کتابوں کو یونس نے لے لیا اور ان کی حدیثوں کو سنا، ہلاک
 ہونے والے اور مستحق دوزخ ہوں۔ اور یہی حال تمام اصحاب ائمہ کا ہوگا،
 کیونکہ وہ بہت سے مسائل جزئیہ فرعیہ میں باہم مختلف تھے، چنانچہ کتاب العدة
 وغیرہ سے ظاہر ہے، اور تم اس کو معلوم کر چکے ہو اور ان میں سے کوئی شخص
 اپنے مخالف کی روایت کی تکذیب نہ کرتا تھا، جیسا کہ کتاب العدة وغیرہ سے
 ظاہر ہے۔ اور ہم اس مقام پر ایک روایت کو ذکر کرتے ہیں جس کو محمد بن
 یعقوب کلینی نے کافی میں ذکر کیا ہے۔ وہ روایت اہلے مقصود کیلئے مفید
 ہے، اور ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس روایت سے ایمان والوں کے
 قلوب کو اطمینان حاصل ہوگا، اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کے حق ہونے کا
 یقین ان کو ہو جائے گا۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ ثقہ الاسلام نے کافی میں بیان کیا
 ہے کہ ”علی بن ابراہیم نے شرح بن ربیع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ
 ابن ابی عمیر ہشام بن حکم کی بہت عزت کرتے تھے، ان کے برابر کسی کو نہ
 سمجھتے تھے، اور بلاتذہ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ پھر ان سے قطع
 تعلق کر لیا اور ان کے مخالف ہو گئے۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ ابو مالک حضری
 جو ہشام کے راویوں میں سے ایک شخص ہیں، ان کے اور ابن ابی عمیر کے
 درمیان سلامت کے متعلق کچھ بحث ہو گئی۔ ابن ابی عمیر کہتے تھے کہ
 دنیا سب کی سب امام کی ملک ہے، اور امام کو تمام اشیاء میں تعارف کا حق ان
 لوگوں سے زیادہ ہے جن کے قبضہ میں وہ اشیاء ہیں۔ ابو مالک کہتے تھے کہ
 لوگوں کی املاک انہیں لوگوں کی ہیں، امام کو صرف اسی قدر ملے گا جو اللہ نے
 مقرر کیا ہے، یعنی فی مورد نفس اور غنیمت، اور اس کے متعلق بھی اللہ نے امام کو
 بتا دیا ہے کہ کس کس کی صرف کرنا چاہئے اور کس طرح صرف کرنا چاہئے،
 آخر ان دونوں نے ہشام بن حکم کو بیچ بنایا اور دونوں ان کے پاس گئے، ہشام
 نے (اپنے شاکر) ابو مالک کے موافق اور ابن ابی عمیر کے خلاف فیصلہ کیا،
 اس پر ابن ابی عمیر کو غصہ آ گیا، اور اس کے بعد انہوں نے ہشام سے قطع
 تعلق کر دیا۔“ پس اے صاحبان عقل دیکھو اور اے صاحبان بصیرت
 عبرت حاصل کرو! یہ تینوں اشخاص اہلے معتبر اصحاب میں سے ہیں، اور

امام صلوات، امام کاظم اور امام رضا کے اصحاب میں سے ہیں، ان میں باہم کسی طرح جھگڑا ہوا یہاں تک کہ باہم قطع تعلق ہو گیا، باوجودیکہ ان کو قدرت حاصل تھی کہ جناب ائمہ سے (اپنی نزاع کا فیصلہ کرا کر) علم و یقین حاصل کر لیتے۔

”ان دونوں عبارتوں کے چند قابل قدر فوائد حسب ذیل ہیں:

ف: اصحاب ائمہ پر باوجود قدرت کے علم و یقین حاصل کرنے کا فرض نہ ہونا ایک ایسی بات ہے کہ غالباً مذہب شیعہ کے عجائبات میں بہت عزت کی نظر سے دیکھی جائے گی، کیا کوئی شیعہ صاحب اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہیں کہ باوجود قدرت کے علم و یقین کا حاصل کرنا ان پر کیوں فرض نہ تھا؟

”اصل یہ ہے کہ شیعوں کو بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ اگر اصحاب ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کو فرض کہتے ہیں تو ان کے باہمی اختلافات کا کیا جواب دیں؟ امام زندہ موجود ہیں، لوگوں کی آمد و رفت ان کے پاس چل رہی ہے، مگر ان کے اصحاب مسائل دینیہ میں لڑتے جھگڑتے ہیں، نوبت ترک کلام و سلام تک آجاتی ہے، کوئی امام سے جا کر اس مسئلہ کا تصفیہ نہیں کرتا، بلکہ امام کو چھوڑ کر اہل غیرے سے منجھ پھٹا جاتے ہیں۔ لہذا اس مشکل کے حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی تجویز کیا گیا کہ اصحاب ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کی فرضیت ہی سے انکار کر دیا جائے۔

”ف: ائمہ کے اصحاب بلا واسطہ امام سے علوم حاصل نہ کرتے تھے، بلکہ ثقہ غیر ثقہ جو کوئی بھی ان کو مل جاتا اس سے احکام دین سیکھ لیتے تھے، اور ان کے لئے اس کا حکم بھی تھا۔

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ امام معصوم زندہ موجود ہیں، لوگ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں، مگر اصحاب امام اس طرف رخ بھی نہیں کرتے، اور ہر فاسق و فاجر سے جو انہیں مل جاتا ہے علم دین حاصل کر لیتے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بھی کوئی شیعہ ایسی مثال دکھلا سکتا ہے کہ انہوں نے باوجود قدرت کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی اور سے علم دین حاصل کیا ہو اور وہ بھی فاسق و فاجر سے؟

”شیعہ ایسا کہنے پر مجبور ہیں، اگر ایسا نہ کہیں تو اصحاب ائمہ کے باہمی اختلاف کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اگر اصحاب ائمہ کے جمیع علوم کا ائمہ سے ماخوذ ہونا تسلیم کر لیں تو پھر یہ عقدہ لایحل ہو گا کہ ائمہ کی زندگی ہی میں ان میں باہم اس قدر شدید اور کثیر اختلاف کیوں تھا؟

ف: ایک نقیض بات

”اصحاب ائمہ میں باہم لڑائی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی، اور اس کی بنا محض نفسانیت پر ہوتی تھی، اور آخری نوبت یہاں تک پہنچتی تھی کہ تمام عمر کیلئے آپس میں سلام و کلام ترک ہو جاتا تھا، تین تین ممالک کی محبت سے مشرف ہوتے اور اس نزاعی مسئلہ کا تصفیہ نہ ہوتا تھا، نہ آپس میں صلح ہوتی تھی۔ خبر یہ تو سب کچھ ہوتا تھا، لائق عبرت بات ہے کہ شیعہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فرق کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ کسی ایک کی طرف ہو کر دوسرے کو برا نہیں کہتے، بخلاف اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں اگر باہم اس قسم کی کوئی بات پیش آئی ہے تو اس موقع پر شیعوں نے بات کا متکثر بنانے میں اپنی ساری طاقت ختم کر دی ہے، اور ایک فرق کا طرفدار بن کر دوسرے کو برا بھلا کہنا نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ناممکن بات ہے کہ کوئی شخص دونوں لڑنے والوں سے تعلق رکھ سکے، یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ شیعوں کی نظر میں اپنے خاندان سزا ائمہ کی محبت کی تو عزت ہے، مگر رسول کی محبت کی کچھ بھی عزت نہیں، کیا ایمان اسی کا نام ہے؟

ف: دوسری نقیض بات

”استغفر اللہ! مولوی دلدل علی اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ اگر ہم علم و یقین کا حاصل کرنا فرض قرار دیں تو لازم آئے گا کہ امام باقر و امام صلوات کے اصحاب بلکہ اور دوزخی ہو جائیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک امام باقر و امام صلوات کے اصحاب کا دوزخی ہونا امر محال ہے کہ کسی طرح اس کو فرض بھی نہیں کر سکتے، مگر سید الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا دوزخی ہونا محال کیا معنی؟ مستبعد بھی نہیں، بلکہ ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ اے اہل اسلام! خدا کیلئے انصاف کرو کہ کیا ایمان و اسلام کا تقاضا یہی ہے؟ مقام عبرت ہے کہ علم و یقین کے تحصیل کا باوجود قدرت کے فرض نہ ہونا کسی خلاف عقل بات ہے، جس کا نتیجہ یہاں تک پہنچا ہے کہ ائمہ کا وجود ہی عبث اور بیکار ہو جائے، مگر شیعوں نے اپنے خاندان سزا ائمہ کے اصحاب کے دوزخی مان لینے کے مقابلہ میں اس خلاف عقل بات کو کس طرح قیبل کر لیا ہے۔“ ”فاعتبروا یا اولی الابصار“

باب دوم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

صحابہ کرامؓ کے بارے میں آنجناب نے دو جگہ گفتگو فرمائی ہے۔ پہلی جگہ آپ نے میرے تمہیدی نکات پر بحث کرتے ہوئے ”اتباع صحابہ“ پر تنقید کی ہے اور دوسری جگہ صحابہؓ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں اہل تشیع کے آٹھ نکات ذکر کئے ہیں، اس لئے اس باب کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ پہلے حصہ میں ”اتباع صحابہ“ کے بارے میں آنجناب کی تنقیدات کا جائزہ لوں گا۔ اور دوسرے حصہ میں آپ کے آٹھ نکاتی نظریات پر تبصرہ کروں گا۔ واللہ الموفق۔

بحث اول: اتباع صحابہ

تمہیدی نکات کا خلاصہ

”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کی تمہید میں اس ناکارہ نے سائل کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ ”صراط مستقیم“ کی تشخیص و تعیین کر دی جائے۔ اس مقصد کے لئے میں نے ایک آیت شریفہ اور چند ارشادات نبویہؐ سے استدلال کرتے ہوئے ان کی روشنی میں سلت نکلتی نتیجہ اخذ کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا:

”خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، جس پر صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدینؓ چلے اور جس کی پیروی ہمیشہ سلف صالحینؓ اور اولیاء امتؓ کرتے آئے۔ اس ایک راستے کے سوا باقی سب شیطان کے ایجاد کئے ہوئے راستے ہیں۔ جو لوگ ان میں سے کسی راستے کی دعوت دیتے ہیں وہ شیطان کے لجنٹ بلکہ مجسم شیطان ہیں، جو شخص خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر ان پگھلائیوں پر نکل

پڑے گا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کسی اندھیرے غار میں کسی اڑوچھکے منہ میں جائے گا یا کسی لٹ و دق صحرائیں بھٹک کر کسی بھیڑیے کا تروالہ بن کر رہ جائے گا۔۔۔۔۔“ (صفحہ ۱۸، حصہ اول)

آنجناب اس ناکارہ کے تمہیدی نکات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”علمائے اہل سنت کے نزدیک احترام صحابہؓ تو ضروری ہے، لیکن ان کی خطاؤں کے پیش نظر اور گناہوں کی پاداش میں محدود ہونے کے باعث، نیز اپنے اجتہادات میں متفاوت ہونے کے باعث من حیث القوم ان کی اتباع کا حکم مطلق نہیں دیا جاسکتا۔ امام ابن حزم نے اپنی کتاب الاحکام جلد ۶ میں ”اصحابی کالنجوم۔۔۔۔۔“ کی تحقیق میں جو باتیں لکھی ہیں آپ یقیناً ان سے بے خبر نہ ہوں گے۔۔۔۔۔“

محترم! حافظ ابن حزمؒ کی ان عبارات کا تعلق تقلید صحابی کے مسئلہ سے ہے، جبکہ اس ناکارہ کے تمہیدی نکات میں تقلید صحابی کا مسئلہ زیر بحث نہیں، بلکہ جو چیز زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ نظریاتی اختلاف کے طوفانِ بلاخیز میں، صراط مستقیم کی تعیین و تشخیص کیسے کی جائے؟ اس ناکارہ نے محولہ بالا آیت و احادیث کی روشنی میں صراط مستقیم کی وہ تشخیص کی جو

اوپر نقل کر چکا ہوں۔ اس میں کسی صحابی کی تقلید کا مسئلہ۔ جیسا کہ واضح ہے۔ سرے سے زیر بحث ہی نہیں آیا۔ جس صورت میں کہ حافظ ابن حزمؒ کی یہ عبارات ہیں، جن کے نقل کرنے کی آپ نے زحمت فرمائی ہے، میرے زیر بحث مسئلہ سے متعلق ہی نہیں تو غیر متعلق عبارات کو نقل کر کے میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے اس ناکارہ پر کیا تنقید فرمائی اور اس کی کس غلطی کی اصلاح فرمائی؟

حافظ ابن حزمؒ اور صراط مستقیم:

آپ اطمینان رکھیں کہ جو مسئلہ اس ناکارہ کے زیر بحث ہے، یعنی صراط مستقیم کیا ہے؟ اور اس پر چلنے والے اہل حق کون ہیں؟ اس مسئلہ میں حافظ ابن حزمؒ میرے مخالف نہیں، بلکہ میرے ہم نوا ہیں چنانچہ اپنی کتب ”الفصل فی الملل والاعواء والنحل“ میں لکھتے ہیں:

وأهل السنة الذين نذكرهم أهل الحق ومن عداهم

فَأَهْلُ الْبَدْعَةِ. فَإِنَّهُمْ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَكُلُّ مَنْ
سَلَكَ نَهَجَهُمْ مِنْ خِيَارِ التَّابِعِينَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ. ثُمَّ
أَصْحَابُ الْحَدِيثِ وَمَنْ اتَّبَعَهُمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ جَيْلًا فَجَيْلًا إِلَى
يَوْمِنَا هَذَا وَمَنْ اقْتَدَى بِهِمْ مِنَ الْعَوَامِ فِي شَرْقِ الْأَرْضِ
وَعَرَبِهَا رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ (كتب الفضل... صفحہ ۱۱۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”لور اہل البدعت، جن کو ہم بیان کریں گے، وہی اہل حق ہیں اور
ان کے سوا جتنے ہیں سب اہل بدعت ہیں۔ چنانچہ اہل حق وہ صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین کرام رحمۃ اللہ
علیہم ہیں۔ پھر اصحاب حدیث اور ان کے متبعین فقہاء ہیں جو طبقہ در طبقہ
ہمارے زمانے تک پہنچے ہیں اور مشرق و مغرب کے وہ عوام جنہوں نے ان
حضرات کی اقتداء و پیروی کی، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔“

آپ حافظ ابن حزمؒ کی اس عبارت کو اس ناکارہ کی مندرجہ بالا عبارت سے ملا کر
پڑھیں آپ کو دونوں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ الحمد للہ کہ:
”متفق گردید رائے بوعلی با رائے من“

صراط مستقیم صحابہؓ کا راستہ ہے، اس کے مزید دلائل:

الفرض اصل گفتگو تو اس میں تھی کہ صراط مستقیم وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے بتایا اور جس پر حضرات صحابہؓ قائم تھے۔ اور ان کے بعد حضرات اکابر تابعینؓ،
ائمہ مجتہدینؒ اور اولیاء امت طبقہ در طبقہ اس پر گامزن رہے۔ اس مسئلہ کے ثبوت میں
جو آیت اور احادیث اپنے رسالہ ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں نقل کر چکا ہوں
ایک منصف کے لئے تو وہ بھی کافی و شافی ہیں۔ تاہم جناب کے مزید اطمینان کے لئے چند
آیات و احادیث مزید پیش کرتا ہوں:

پہلی آیت:

حق تعالیٰ شانہ نے سورہ فاتحہ میں ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم فرمائی

ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اور ”صراط مستقیم“ کی تعیین و تشخیص کے لئے فرمایا:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (الفاتحہ)

ترجمہ: ”راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور
نہ وہ گمراہ ہوئے۔“ (ترجمہ... شیخ السند)

اور سورہ النساء آیت ۶۹ میں (ان حضرات کے، جن پر انعام ہوا) چار گروہ ذکر
فرمائے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾

(النساء: ۶۹-۷۰)

ترجمہ: ”اور جو کوئی حکم لئے اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا سو وہ ان کے
ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں
اور اچھی ہے ان کی رفافت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے
جاننے والا۔“ (ترجمہ... شیخ السند)

معلوم ہوا کہ یہ چار گروہ بارگاہ الہی کے انعام یافتہ ہیں۔ اور ان کا راستہ ”صراط
مستقیم“ ہے، جس کی درخواست سورہ فاتحہ میں کی گئی ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نبی
نہیں، لیکن صدیقین، شہداء اور صالحین کا اولیٰں مصداق ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل
احادیث ملاحظہ فرمائے:

«وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

ﷺ صَدَقَ أَحَدًا، وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ،

فَقَالَ: أَثَبْتُ أَحَدًا، أَرَاهُ ضَرْبَهُ بِرَجُلِهِ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ

وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ»

(بخاری، أبو داود، الترمذی)

ترجمہ: ”حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ (عینہ کے مشہور پہاڑ) احد پر چڑھے تو وہ لٹے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں مبارک اس پر مارا اور فرمایا: اے احد! تھم جا، تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔“ (بخاری)

» وعن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان على جبل حراء فتحرك فقال رسول الله ﷺ اسكن حراء فما عليك إلا نبى أو صديق أو شهيد وعنيه النبی ﷺ وأبو بکر وعمر وعثمان وعلي وطلحة والزبير وسعد بن أبي وقاص« (صحیح مسلم، ص: ۲۸۲ ج: ۲)

ترجمہ: ”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حراء پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ لٹے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! تھم جا، تجھ پر تو صرف نبی، صدیق اور شہید تشریف فرما ہیں۔“

» وعن سهل بن سعد رضى الله عنه أن أحدا أرتج وعليه رسول الله ﷺ وأبو بکر وعمر وعثمان فقال رسول الله ﷺ أثبت أحد فما عليك إلا نبى أو صديق أو شهيدان«، قال الهيثمى رواه أبو يعلى ورجاله رجال

الصحيح، (مجمع الزوائد، ص: ۵۰ ج: ۱)

ترجمہ: ”حضرت سهل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) احد پر تھرانے لگا۔ اس وقت اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ تشریف فرما تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے احد! تھم جا، تجھ پر تو ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید تشریف فرما

ہیں۔“ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو یعلیٰؒ نے روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

» عن بريدة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ كان جالسا على حراء ومعه أبو بکر وعمر وعثمان فتحرك الجبل فقال رسول الله ﷺ أثبت حراء فإنه ليس عليك إلا نبى أو صديق أو شهيد«، (مجمع الزوائد، ص: ۵۰ ج: ۱)

ترجمہ: ”حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء (پہاڑ) پر تشریف فرما تھے۔ اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تشریف فرما تھے۔ پہاڑ لٹے لگا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! تھم جا، تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید تشریف فرما ہیں۔“

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے راستے کا نام ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت علی حسب مراتب مؤخر الذکر تین جماعتوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے بعض اکابر صدیقین کی صف میں شامل ہیں۔ بعض شہداء کی جماعت کے سرگروہ ہیں اور باقی دیگر حضرات صالحین کی جماعت کے امام ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونا اور حضرات عمرو عثمان رضی اللہ عنہما کا شہید ہونا نص سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرامؓ کا راستہ ”صراط مستقیم“ ہے جس کو مانگنے کی ہر نماز کی ہر رکعت میں اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے۔ اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ما انا علیہ واصحابی“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی ”وہ طریقہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔“

ان دونوں آیتوں سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ علیہم الرضوان کا راستہ ”ما انا علیہ واصحابی“ صراط مستقیم ہے، وہاں دو فائدے اور بھی حاصل ہوئے۔

اول یہ کہ کسی مسلمان کی نماز۔ جو اہم العبادات ہے۔ صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ وہ نہایت اخلاص و خشوع اور غایت محبت کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ پر چلنے کی دعا مانگے۔ الحمد للہ، کہ لیل سنت الذین انعمت علیہم کی رلو پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو قیامت میں ”الذین انعم اللہ علیہم“ کی رفاقت و معیت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اور اس رفاقت و معیت پر ”حسن اولئک رفیقاً“ کی مہر تحسین ثبت کی گئی ہے۔ واللہ الحمد کہ اس خوشخبری کا مصداق بھی لیل سنت ہیں، جو ان حضرات سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ان کی معیت و رفاقت کے حصول کی حق تعالیٰ شانہ سے دعائیں کرتے ہیں۔

دوسری آیت:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

(سورہ یوسف ۱۰۸)

ترجمہ: ”کہہ دے یہ میری رلو ہے بلا تا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہیں۔ اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں۔“

اس کے ساتھ درج ذیل آیت شریفہ بھی ملاحظہ:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطٍ اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ﴾

(شوریٰ ۵۲-۵۳)

ترجمہ: ”اور اسی طرح صحابہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنی طرف سے، تونہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور ایمان۔ لیکن ہم نے روکھی ہے یہ روشنی اس سے رلو بجا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں اور بے شک تو جھٹاتا ہے سیدھی رلو۔ رلو اللہ کی، اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ سنا ہے، اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام۔“

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین داعی الی اللہ تھے اور دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”صراط مستقیم“ کے داعی تھے۔ یہی صراط اللہ (اللہ کا راستہ) ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔

دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جو آپ کے قریب تھے) وہ نہ صرف صراط مستقیم پر قائم تھے، بلکہ صراط مستقیم کے داعی بھی تھے۔

تیسری آیت:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيخَانَهُمْ فِي وَجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مُثَلَّهِمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهم فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْبٍ أَخْرَجَ شَطْلَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَظْلَمَ فَاسْتَوَى عَلَى سَوْفِهِ يَصُجِبُ الزَّوْجَ لِيُغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

(سورہ فتح ۲۹)

ترجمہ: ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیر ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی روک کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل

اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر مجددہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکال پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

”قال علی بن ابراهیم القمی فی تفسیرہ: وحدثنی اُبی عن ابن اُبی عمیر عن حماد عن حریر عن اُبی عبد اللہ قال هذه الآية (یعنی آية البقرة ۶: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾) نزلت فی اليهود والنصارى يقول الله تبارك وتعالى: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ﴾ (یعنی التوراة والإنجیل) يعرفونه (یعنی رسول اللہ ﷺ) كما يعرفون أبناءهم ﴿لَأنَّ الله عز وجل قد أنزل عليهم فی التوراة والزبور والإنجیل صفة محمد ﷺ وصفة أصحابه ومبعثه وهجرته وهو قوله: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّامًا سَجْدًا يَلْبَسُونَ خِطَامًا﴾ (یعنی رسول اللہ ﷺ) وَرِضْوَانًا سَيِّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ﴿ هذه صفة رسول الله ﷺ وأصحابه فی التوراة والإنجیل فلما بعثه الله عرفه أهل الكتاب كما قال جل جلاله: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾ (تفسیر فی..... صفحہ ۳۲-۳۳، جلد ۱)

ترجمہ: ”مشہور شیخ عالم علی بن ابراہیم قمی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہے کہ ”مجھ سے میرے والد نے بواسطہ ابن ابی عمیر بیان کیا اور انہوں نے حماد سے اور حماد نے بواسطہ حریر ابو عبد اللہ جعفر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت (یعنی سورہ بقرہ کی آیت ۶ جس کا ترجمہ ہے، ”بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے“) یسود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، یعنی تورات و انجیل وہ ان کو۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔“ کیونکہ اللہ عز و جل نے تورات، زبور اور انجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی صفات اور آپ کی جائے بعثت اور جائے ہجرت کو نازل فرما دیا تھا۔ اور وہ (صفات یہ) ہیں: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اسے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر مجددہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکال پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے یہ اوصاف تورات و انجیل میں بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن جب اللہ نے آپ کو مبعوث فرما دیا تو اہل کتاب نے آپ کو پہچان لیا، جیسا کہ جل جلالہ کافران ہے ”پھر جب وہ آئیں جس کو وہ پہچانتے تھے تو اس (کو ماننے اور پہچاننے) سے انکار کر دیا۔“

یہ آیت شریفہ چند اہم ترین فوائد پر مشتمل ہے:

اول: آیت شریفہ میں کلمہ ”محمد رسول اللہ“ ایک دعویٰ ہے۔ اور اس کے

ثبوت میں ”والذین معہ“ کو بطور دلیل ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے گواہ کے طور پر پیش کیا ہے اور ان گواہوں کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔ پس جو شخص ان حضرات پر جرح کرتا ہے وہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر جرح کرتا ہے بلکہ قرآن کریم کے دعویٰ کی تکذیب کرتا ہے۔

دوم: حضرات صحابہ کرام کو ”والذین معہ“ کے عنوان سے ذکر فرما کر ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کو ثابت فرمایا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صراط مستقیم پر ہونا قطعی و یقینی ہے۔ اس لئے جن اکابر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت یہ نص قرآن حاصل ہے، ان کا صراط مستقیم پر ہونا بھی قطعی و یقینی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ زہے سعادت کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دنیا میں بھی رفاقت نبویؐ میسر رہی، روضہ مطہرہ میں بھی قیامت تک شرف رفاقت حاصل ہے، اور دخول جنت کے بعد بھی اس دولت کبریٰ سے دائمًا ابدًا سرفراز رہیں گے۔

سوم: حق تعالیٰ شانہ نے صحابہ کرام کے لئے ”والذین معہ“ کے عنوان سے جو منقبت و فضیلت ثابت فرمائی تھی اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فضیلت ذکر نہ کی جاتی، تب بھی یہی ایک دولت دنیا و آخرت کی تمام دولتوں سے بڑھ کر تھی۔ چہ جائیکہ اسی پر اکتفا نہیں فرمایا گیا، بلکہ ان کی صفات کمالیہ کو بطور مدح بیان فرمایا: ”اشد آء علی الکفار رحماء بینہم.....“ جس میں ان کے تمام علمی و عملی، اخلاقی و نفسیاتی کمالات کا احاطہ کر لیا گیا۔

پس یہ اکابر ممدوح خداوندی ہیں اور وحی الہی ان کے کمالات سے رطب اللسان ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص ان اکابر کے نقائص و مطاعن تلاش کرتا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔

چہلدم: یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان اکابر کی مدح و ستائش صرف قرآن کریم ہی میں نہیں، بلکہ کتب سابقہ توریت و انجیل میں بھی ان کی اعلیٰ و ارفع شان بیان فرمائی گئی ہے۔

”ذالک مثلہم فی التوزۃ و مثلہم فی الانجیل“ گویا ان جانثاران محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کا ڈنکا دنیا میں ہمیشہ بجاتا رہا ہے۔ انبیاء سابقین (علیہم السلام) ان کے کمالات سے آگاہ و معترف رہے ہیں، اور امم سابقہ بھی ان کے اوصاف مدح و مکمل کا تذکرہ کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرتی رہی ہیں۔

پنجم: یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے گواہوں اور آپ کے جانثاروں سے اگر کسی کو غیظ اور جلایا ہو سکتا ہے تو صرف کافروں کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اسی مقصد کے لئے ایسا باکمال بنایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ کافروں اور بے ایمانوں کو غیظ و بغض کی آگ میں ہمیشہ جلاتا رہے۔ ”لیغیظ بہم الکفار“ گویا قرآن نے حضرات صحابہ کرام کی مدح و ستائش پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان اکابر سے کینہ و بغض رکھنے والوں کے حق میں ”کفر کافوی“ بھی صادر فرمادیا۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی محبت ہو اور جو شخص ادنیٰ سے ادنیٰ ذرۃ ایمان سے بہرہ ور ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جانثاروں سے بغض و کینہ رکھے جن کی مدح و ستائش اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جن کی عظمت و شان انبیائے مگزشتہ (علیہم السلام) تک نے بیان فرمائی ہے، اور جو امم سابقہ کے بھی ممدوح و محبوب رہے ہیں۔

ششم: آخر میں ان حضرات کے ایمان و عمل صالح کی بنا پر ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ ان اکابر کے حسن حل کے ساتھ ان کے حسن مل کا، آغاز کے ساتھ ان کے انجام کا، ان کی ”العاجلہ“ کے ساتھ ان کی ”الآخرہ“ کا اور ان پر عنایت ربانی کے خلاصہ کا ذکر فرمایا ہے۔ فطوئیٰ لہم ثم طوئیٰ لہم ان چھ نکات میں سے ہر نکتہ مستقل طور پر باوازا بلند پیکار رہا ہے کہ حضرات صحابہ کرام صراط مستقیم پر تھے اور یہ کہ صرف انہی کا راستہ صراط مستقیم کہلانے کا مستحق ہے، جس پر بعد کے لوگوں کو چلنا چاہئے۔

چوتھی آیت:

﴿وَاعْلَمُوا أَن فَيْكُم رَسُولُ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَنَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبُ الْإِيمَانِ وَزَيْنُهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضَلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةُ اللَّهِ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

(سورۃ حجرات ۷-۸)

ترجمہ: "اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کریں بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے۔ پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کہا دیا (مرغوب کر دیا) اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ باغی کی۔ وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا۔" (ترجمہ..... شیخ الحداد)

اس آیت شریفہ میں متعدد وجوہ سے صحابہ کرامؓ کی فضیلت و منقبت بیان کی گئی ہے:

اول: ان پر اس انعام عظیم کا ذکر ہے کہ ان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود رونق افروز ہے۔ اور یہ وہ دولت کبریٰ ہے کہ بہشت اقلیم کی دولت اس کے سامنے ہیج ہے۔ (اوپر کی آیت شریفہ میں اسی کو "والذین معہ" کے بلیغ الفاظ میں بیان فرمایا گیا تھا)۔

دوم: حق تعالیٰ شانہ نے نہ صرف ان کے ایمان کامل کی شہادت دی ہے، بلکہ یہ بھی بیان فرمایا کہ ایمان ان کے دلوں میں جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ محبوب ہے، اور اس ایمان سے ان کے قلوب معصوم اور منور و مزین ہیں۔ کفر و فسوق اور عصیان کی کراہت و نفرت ان کے قلوب میں من جانب اللہ القاء کی گئی ہے، ممکن نہیں کہ القاء ربانی کے بعد یہ آلودگیاں ان کے دامن ایمان کو دلغ وار کر سکیں۔

سوم: ان حضرات کو "اولئک ہم الراشدون" کا زریں تمغہ عنایت

فرمایا گیا، اور اس کو کلمہ حصر کے ساتھ ذکر کر کے تنبیہ فرما دی گئی کہ رشد و ہدایت انہی کے طریقہ میں منحصر ہے۔ جو شخص ان کی راہ پر چلے گا آئندہ ہدایت اسی کو نصیب ہوگی۔

چہارم: یہ نعمت کبریٰ جو صحابہ کرامؓ کو ازانی فرمائی گئی اس کو "فضلاً من اللہ و نعمة" فرما کر تصریح کر دی گئی کہ یہ حضرات حق تعالیٰ شانہ کے فضل خاص اور انعام عظیم کا مورد ہیں، ان کو عام مسلمانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔

پنجم: "واللہ علیہم حکیم" میں اس امر کی وضاحت ہے کہ لوہر صحابہ کرامؓ کی جس عظیم منقبت و فضیلت کا ذکر ہے، یہ حق تعالیٰ شانہ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کو ان حضرات کے ظاہری و باطنی تمام حالات سے آگاہی ہے، اور ان کے انہی حالات و کمالات کے پیش نظر حق تعالیٰ شانہ کا یہ حکیمانہ فیصلہ ہے۔

قرآن کریم میں اور بھی بہت سے مقامات پر ان حضرات کے صراط مستقیم پر فائز ہونے کی طرف اشارات و تلمیحات ہیں۔ مگر میں بنظر اختصار انہی چار آیات پر اکتفا کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ تمام اہل اسلام کو صحابہ کرامؓ کی محبت نصیب فرمائیں، ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور "والذین معہ" کی رفاقت و معیت کی دولت سے مشرف فرمائیں۔

"ایں دعا از من و از جملہ جہل آمین باد"

صحابہ کرامؓ من حیث القوم

آنجناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ:

"علمہ اہل سنت کے نزدیک احرام صحابہ تو ضروری ہے، لیکن..... من حیث

القوم ان کی اس طرح کا مطلق حکم نہیں دیا جاسکتا۔"

اور اس پر آپ نے حافظ ابن حزمؒ کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ یہ ناکارہ آپ کی عبارت میں "من حیث القوم" کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ یہ لفظ عام محذورات میں پوری

کی پوری قوم کو بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے آپ کے فقرے کا مدعا یہ نکلا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت من حیث القوم اگر کسی مسئلہ پر متفق ہو تب بھی اہل سنت کے نزدیک ان کی اقتدا واجب لازم نہیں۔ حاکمہ دیگر اہل سنت سے قطع نظر خود حافظ ابن حرمؒ کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔

حافظ ابن حرمؒ کو اس مسئلہ میں تو کلام ہے کہ بغیر نص کے کسی مسئلہ پر صحابہ کا اتفاق ممکن ہے یا نہیں؟ لیکن جس مسئلہ پر اہل سنت کا اتفاق من حیث القوم ہو جائے وہ حافظ ابن حرمؒ کے نزدیک بھی واجب الاتباع ہے، اور اس سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ یہاں حافظ ابن حرمؒ کے چند حوالے نقل کرتا ہوں:

”مراتب الاجماع“ حافظ ابن حرمؒ کا مشہور رسالہ ہے، اس کی ابتدائی میں لکھتے ہیں:

”فإن الإجماع قاعدة من قواعد الملة الخيفية يوجب إليه وضوع نحوه ويكفر من مخالفه إذا قامت عليه الحجة بآية إجماع“

(مراتب الاجماع صفحہ ۱)

ترجمہ: ”اجماع ایک قاعدہ (بنیاد) ہے ملت خفیہ کے (چل بنیادی) قواعد (دلائل) میں سے جس کی طرف (استنباط مسائل میں) رجوع کیا جاتا ہے اور جس کی پتہ دہی جاتی ہے۔ کسی مسئلہ میں اگر اجماع کا اقتدار ثابت ہو جائے تو اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔“

حافظ ابن حرمؒ کے نزدیک اجماع اسی صورت میں منعقد ہوتا ہے جبکہ یہ امر متفقہ طور پر معلوم ہو کہ تمام صحابہؓ اس پر متفق تھے۔ چنانچہ وہ المحلی میں لکھتے ہیں:

”مسألة: والإجماع هو ما يتقن أن جميع أصحاب

رسول الله ﷺ عرفوه وقالوا به ولم يختلف منهم أحد وهذا ما لا يختلف أحد في أنه إجماع، وهم كانوا حينئذ جميع المؤمنين، لا مؤمن في الأرض

غيرهم، ومن ادعى أن غير هذا هو إجماع كلف البرهان

على ما يدعى ولا سبيل إليه“ (المحلی صفحہ ۵۴، جلد ۱)

مسئلہ: اور اجماع اسی صورت میں منعقد ہوتا ہے جب یہ امر متفقہ طور پر معلوم ہو کہ تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر متفق تھے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور اہل علم میں سے کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ اجماع ہے۔ اور وہ (صحابہ کرامؓ) اس وقت ”جمع المؤمنین“ کا مصداق تھے کیونکہ ان کے سوا کراخ پر کوئی مومن نہ تھا۔ اور جو شخص مدعی ہو کہ اس شرط کے بغیر بھی اجماع ہوتا ہے اس کو اپنے اس دعویٰ پر دلیل پیش کرنے کی زحمت دی جائے گی اور یہ اس کے لئے ممکن نہیں۔

اور جب ان کی شرائط کے مطابق صحابہؓ کا اجماع منعقد ہو جائے تو اس اجماع کی مخالفت ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ ایسے اجماع کے خلاف کو وہ محال اور ممتنع سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص نہ ہونے پر انہوں نے اسی اجماع سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:

”وبرهان آخر ضروری وهو أن رسول الله ﷺ

مات وجمهور الصحابة رضی اللہ عنہم حاشا من كان منهم

في النواحي يعلم الناس الدين فما منهم أحد أشار إلى

على بكلمة يذكر فيها أن رسول الله ﷺ نص عليه، ولا

ادعى ذلك على قط، لا في ذلك الوقت ولا بعده، ولا

ادعاه له أحد في ذلك الوقت ولا بعده، ومن الحال الممتنع

الذي لا يمكن البتة ولا يجوز اتفاق أكثر من عشرين

ألف إنسان متباذلي الهمم والنيات والأنساب أكثرهم

موتون فی صاحبه فی الدماء من الجاهلیة علی طی عہد
عاہدہ رسول اللہ ﷺ الیہم“

(الفصل صفحہ ۹۶، جلد ۳)

ترجمہ: ”ایک اور پہلی بدیہی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سوائے ان کے جو اطراف و جوانب میں لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول تھے مدینہ میں موجود تھے مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علیؑ کی طرف کسی ایسے کلمہ سے اشارہ نہ فرمایا جس میں یہ ذکر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کی امامت پر نفع فرمائی ہے اور نہ حضرت علیؑ نے ہی اس کا بھی دعویٰ کیا، نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ نہ کسی اور نے ان کے لئے اس کا دعویٰ کیا۔ نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ اور یہ بات محال اور مستحکم اور قطعاً غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ ایسے میں ہزار سے زائد انسان جن کے مقاصد بھی جداگانہ ہوں ختیس بھی الگ الگ ہوں، نسب و خاندان بھی مختلف ہوں اور ان میں اکثر ایسے ہوں جنہیں زلفہ جاہلیت کے اپنے عزیز کے خون کا انتقام نہ ملا ہو، یہ لوگ کسی ایسے عہد کے ترک کرنے اور اسے لپیٹ کر چھپا دینے پر اتفاق کر لیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لیا ہو۔“

نیز کہتے ہیں:

”من اھال الممتنع أن یروھوا أبا بکر فمن اھال اتفاق أهواء هذا العدد العظیم علی ما یعرفون أنه باطل دون خوف یضطربھم إلی ذلك ودون طمع یتعجلونہ من مال أو جاہ، بل فیما فیہ ترک المز والدنیا والریاسة، وتسلیم کل ذلك إلی رجل لا عشیرة له ولا منعة ولا حاجب ولا حرم علی بابہ ولا قصر ممتنع فیہ ولا موالی ولا مال، فأین کان علی وهو الذی لا نظیر له فی الشجاعة ومعہ جماعة من بنی ہاشم وبنی المطلب من قتل

هذا الشيخ الذی لا دافع دونہ لوکان عنده ظالما وعن منعه وزجره؟ بل قد علم والله علی رضی اللہ عنہ أن أبا بکر رضی اللہ عنہ علی الحق، وأن من خالفه علی الباطل، فأذعن للحق ومن اھال أن تتفق آراءهم کلهم علی معونة من ظلمهم وغضبهم حقهم، إلا أن تدعی الروافض أنهم کلهم اتفق لهم نسیان ذلك المہد، فهذه أعجوبة من اھال غیر ممکنة، ثم لو أمکنت لجاز لكل احد أن یدعی فیما شاء من اھال أنه قد کان وإن الناس کلهم نسوه، وفي هذا إبطال الحقائق کلھا، وأیضا فإن کان جمیع أصحاب رسول اللہ ﷺ اتفقوا علی جحد ذلك النص وکتمانہ واتفقت طبائهم کلهم علی نسیانہ فمن أين وقع إلی الروافض أمرہ، ومن بلغه الیہم؟ وکل هذا عن هوس ومحال، فبطل أمر النص علی علی رضی اللہ عنہ بیقین لا أشکال فیہ، والحمد لله رب العالمین“

(کتاب الفصل صفحہ ۹۸، جلد ۳)

ترجمہ: ”پس یہ امر محال اور مستحکم ہے کہ یہ لوگ ابو بکر سے ڈر جائیں یہیں یہ امر محال ہے کہ اتنی بڑی تعداد کے خیالات ایسی چیز پر متفق ہو جائیں جس کو وہ باطل سمجھتے ہوں، حالانکہ نہ تو کوئی ایسا خوف ہو جو انہیں اس پر مجبور کرے اور نہ کوئی جہل و مل کی طمع ہو جو انہیں فہم نہ والا ہے، بلکہ یہ اصرار و معاذرین ایک ایسی چیز کو اختیار کر رہے تھے جس میں دنیا اور عزت و ریاست کا ترک تھا اور یہ چیزیں ایک ایسے شخص کے حوالے کر رہے تھے جس کا نہ تو کوئی قبیلہ تھا، نہ حفاظت، نہ چوہدر، نہ اس کے دروازے پر کوئی دربان تھا، نہ کوئی محفوظ محل، نہ موالی تھے اور نہ مال۔ پس اس وقت علیؑ کہاں تھے؟ حالانکہ وہ ایسے شخص تھے کہ شجاعت میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا، پھر ان کے ساتھ بنی ہاشم و

بنی المطلب کی جماعت بھی تھی انہوں نے اس بوڑھے کو جس کا کوئی بچانے والا نہیں تھا، اگر وہ آپ کے نزدیک ظالم تھا، قتل کیوں نہ کرویا، جس کی کوئی مدافعت کرنے والا بھی نہیں تھا۔ اور بزرگ قوت اس کو کیوں نہ روک دیا؟ واللہ! علی رضی اللہ عنہ نے جان لیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور ان کا مخالف باطل پر ہے، اس لئے انہوں نے حق کو تسلیم کر لیا۔ اور یہ امر خود محل ہے کہ معاہدین و انصار کی رائیں اس شخص کی اہمیت پر متفق ہو جائیں جس نے ان پر ظلم کیا ہو اور ان کا حق غصب کر لیا ہو۔ سوائے اس کے کہ روافض یہ دعویٰ کریں کہ اتفاق سے وہ سب لوگ اس عہد کو بھول گئے تھے تو یہ خود ایک عجوبہ ہو گا جو محل و ناممکن ہے۔ پھر اگر یہ ممکن ہو تو پھر ہر شخص کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اس کے بارے میں اسی قسم کے محل کا دعویٰ کرے کہ فلاں واقعہ ایسا ہوا تھا اور یہ کہ سب لوگ اس کو بھول گئے تھے، اس صورت میں تو تمام حقائق کا ابطال لازم آئے گا۔ نیز اگر تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نص کے نہ ماننے اور اسے چھپانے پر اتفاق کر لیا تھا اور ان سب کی طبیعتیں اس کے بھول جانے پر متفق ہو گئی تھیں تو پھر روافض کو اس کا محل کہیں سے معلوم ہوا اور کس نے اس واقعہ کو ان تک پہنچایا؟ یہ محض نفس پرستی، خام خیالی اور محل ہے۔ لہذا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نص کا دعویٰ تو یقیناً اس طرح باطل ہو گیا کہ اس میں کوئی اشکال نہ رہا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں:

”افتتری لو کان لعلی رضی اللہ عنہ حق ظاہر یختص بہ من نص علیہ من رسول اللہ ﷺ أو من فضل بائن علی من معہ ینفرد بہ عنہم أما کان الواجب علی علی أن یقول آیا الناس کم هذا الظلم لی؟ وکم هذا الکتمان بحقی؟ وکم هذا الجحد لنص رسول اللہ ﷺ؟ وکم هذا الإعراض عن فضلی البائن علی هؤلاء المقرونین لی؟ فإذا

لم یفعل لا یدری لما ذا أما کان فی بنی ہاشم أحد له دین یقول هذا الکلام؟ أما العباس عمہ؟ وجميع العالمین علی توقیرہ وتعظیمہ حتی أن عمر توسل به إلی اللہ تعالیٰ بحضرة الناس فی الاستسقاء وأما أحد بنیہ؟ وأما عقیل أخوہ؟ وأما أحد بنی جعفر أخیه أو غیرہم؟ فإذا لم یکن فی بنی ہاشم أحد یتقی اللہ عز وجل ولا یأخذہ فی قوله الحق مداہنة أما کان فی جميع أهل الإسلام من المهاجرین والأنصار و غیرہم واحد یقول یا معشر المسلمین وهذا علی له حق واجب بالنص وله فضل بائن ظاہر لا یمتری فیہ، فأمروہ بین، أن أصفاق جميع الأمة أولها عن آخرها من برقة إلی أول خراسان ومن الجزيرة إلی أقصى الیمین إذ بلغہم الخبر علی السکوت عن حق هذا الرجل واتفاقہم علی ظلمہ ومنعہ من حقه ولس هناك شیء ینخافونه لإحدى عجائب المحال الممتنع“

(کتاب الفصل صفحہ ۱۰۱، جلد ۳)

ترجمہ: ”کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کا کوئی کھٹا ہوا حق ہوتا جس میں وہ مخصوص ہوتے، خواہ وہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص ہوتی یا کوئی ایسی فضیلت ہوتی جس سے وہ اپنے ساتھیوں میں فائق ہوتے اور جس کی وجہ سے وہ ان سب میں ممتاز و منفرد ہوتے، تو کیا علیؑ پر واجب نہیں تھا کہ وہ یہ کہتے کہ اے لوگو! مجھ پر یہ ظلم کب تک؟ میرے حق کا یہ اخفاء کب تک؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کا یہ انکار کب تک؟ اور کب تک میری اس فضیلت سے انکار کیا جائے گا، جو ان سب معاصرین سے فائق ہے؟ جب علیؑ نے یہ نہیں کیا، نہیں معلوم ہو سکا کہ

کیوں نہیں کیا تو کیا بی ہاشم میں ایک بھی دیدار موجود نہ تھا جو یہی کلام کرتا؟ کیا ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے جن کی تعظیم و توقیر پر تمام عالم متفق تھا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے نماز استسقاء کے موقع پر سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بدگھ میں انہیں وسیلہ بنایا تھا؟ کیا ان کے لڑکوں میں بھی کوئی موجود نہ تھا؟ کیا حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ نہ تھے؟ کیا ان کے بھائی جعفرؓ کے بیٹوں میں سے کوئی بھی نہ تھا؟ جب بی ہاشم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور قیل حق کہنے میں ہدایت نہ کرتا، تو کیا تمام اہل اسلام یعنی صحابہؓ و انصار اور ان کے علاوہ دیگر حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا کہ اے گروہ مسلمین: یہ علیؓ ہیں نص کی وجہ سے جن کا حق واجب ہے اول سے آخر تک تمام امت کا، برحق سے سرحد خراسان تک اور جزیرہ سے انتہائے یمن تک جبکہ انہیں خبر پہنچ جاتی، سب کا اس شخص کے حق سے سکوت کرنے پر متفق ہو جاتا اور ان سب کا اس کے ساتھ قلم پر اور اس کو حق سے محروم کرنے پر متفق ہو جاتا۔ درآنحالیکہ ایسی چیز بھی وہاں کوئی موجود نہ ہو جس سے لوگ (اظہار حق سے) ڈرتے ہوں ایک عجیب امر محل اور ناممکن ہے۔

حافظ ابن حزمؒ کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ان کے نزدیک حجت قطعہ ہے اور اس کا خلاف محال و ممتنع ہے۔

جہاں تک حافظ ابن حزمؒ کے اس نظریہ کا تعلق ہے کہ اجماع صحابہؓ نص کے بغیر نہیں ہوتا، اس ناکارہ کے خیال میں ابن حزمؒ اور دیگر اہل علم کے درمیان صرف تعبیر کی شدت اور نرمی کا فرق ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ”سند اجماع“ کے تمام اہل علم قائل ہیں۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ وہ سند کبھی بعد والوں سے مخفی رہ جائے۔ چنانچہ علامہ آمدیؒ ”الادکام فی اصول الادکام“ میں لکھتے ہیں:

”المسألة السابعة عشرة: اتفق الكل أن الأمة لا

تجتمع على الحكم إلا عن مأخذ ومستند يوجب اجتماعها

خلافا لطائفة شاذة، فإنهم قالوا بجواز انعقاد الإجماع عن

توفيق لا توقیف بأن يوفقهم الله تعالى لاختيار الصواب
من غير مستند“ (الادکام فی اصول الادکام صفحہ ۳۷۳، جلد ۱)

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۱: تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ اجماع امت کسی ایسے ماخذ و سند پر ہی منعقد ہو سکتا ہے جو اجماع کو واجب کر دے۔ ایک گروہ اس کے خلاف یہ کہتا ہے کہ انعقاد اجماع صرف توفیق کے ذریعہ ہو جاتا ہے تو قیفاً (یعنی ماخذ و سند پر مظلم ہونا) ضروری نہیں۔ اور توفیق سے ان کی مراد یہ ہے کہ بلاسندی اللہ تعالیٰ ان کو ”صحیح“ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا کر دے۔

خلفائے راشدینؓ کا اجماع:

اگر کسی مسئلہ پر چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم متفق ہوں تو اہل علم کے نزدیک وہ بھی اجماع واجب الاتباع ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

”وفي السنن عنه عليه السلام أنه قال اقتدوا بالذين من
بعدي أبي بكر وعمر، ولهذا كان أحد قولی العلماء وهو

إحدى الروایتين عن أحمد أن قولهما إذا اتفقا حجة لا
يجوز المدول عنها، وهذا أظهر القولين كما أن الأظهر أن
اتفاق الخلفاء الأربعة أيضا حجة لا يجوز خلافاها، لأمر

النسبي عليه السلام باتباع سنتهم“ (منهاج السنة صفحہ ۱۶۲، جلد ۳)

ترجمہ: ”ممن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ ”میرے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا۔“ لہذا اظہار امت کا ایک قول یہ ہے اور یہی امام احمد سے بھی ایک روایت ہے کہ ”جب ان دونوں حضرات کا کسی بات میں اتفاق ہو جاتا ہے تو وہ حجت قرار پاتا ہے اس سے عدول جائز نہیں۔ اور یہ ایسا ہی بین قول ہے جیسا کہ یہ بین قول کہ جب ان چاروں خلفاء کا کسی معاملہ میں اتفاق ہو جائے تو وہ حجت قرار پاتا ہے اس کے خلاف

کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ فرماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی سنت کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اجماع ہیں:

اجماع کی ایک صورت یہ ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کوئی خلیفہ راشد کوئی فیصلہ صادر فرمائے اور صحابہ کرام اس کو بلا تکبر قبول کر لیں، یہاں تک کہ اکتاف و اطراف عالم میں وہ فیصلہ نافذ ہو جائے۔ امام السند شاکر ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

”و معنی اجماع کہ برزین علماء دین شفیہ ہاشمی این نیست کہ ہم جہتدین لا یشترک در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند؛ زیرا کہ این صورتی است غیر واقع بل غیر ممکن عادی، بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بجزئی بعد مشورۃ ذوۃ الراۃ یا بغیر آن، وفاق آن حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم ممکن شد۔ قل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم سنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین من بعدی الحمد للہ۔“ (ازالۃ الخفاء ص ۳۶)

ترجمہ: ”اجماع کا لفظ جو آپ نے علماء دین سے سنا ہوگا، اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ایک زمانے کے تمام جہتدین کسی مسئلہ پر اس طرح متفق ہو جائیں کہ کوئی ایک فرد بھی اختلاف نہ کرے، کیونکہ یہ صورت تو غیر واقع بلکہ عادتاً ناممکن ہے۔ بلکہ اجماع کا مطلب کسی مسئلہ میں خلیفہ راشد کا ایسا حکم کرنا ہے۔ خواہ اہل مشورہ سے مشورہ کر کے ہو یا بلا مشورہ کے۔ جس کو وہ نافذ کرے۔ نفق حکم کے بعد وہ مشورہ ہو جائے اور دنیا میں اس پر عملدرآمد ہونے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم لوگ میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو (اور اس کی پیروی میں ثابت قدم رہو)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو بیس تراویح پر جمع کرنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ کی اذان اول مقرر کرنا اسی اجماع کی مثالیں ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”وما فعلہ عثمان من النداء الاول اتفق علیہ الناس

بعده أهل المذاهب الأربعة وغيرهم كما اتفقوا على ما منه

أيضا عمر من جمع الناس في رمضان على إمام واحد“

(منہاج السنۃ ص ۲۰۳، جلد ۳)

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (جمعہ کی) اذان اول مقرر کی تو تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد بھی چاروں مذاہب کے فقہاء اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم اس پر متفق رہے، یہ بالکل ایسا ہی اتفاق ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رمضان میں تراویح باجماعت مقرر کرنے پر سب میں پایا گیا۔“

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلفائے راشدین کا بیس تراویح پر عمل رہا۔

الف۔ ”عن السائب بن يزيد قال كان القيام على عهد

عمر بثلاث وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر هذا

محمول على أن الثلاث للوتر“

(عمدة القاری ص ۱۲۷، جلد ۱۱)

ترجمہ: ”حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کے عہد میں (تراویح میں) تیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ان میں تین رکعات وتر کی شملہ کی تھیں۔“

ب۔ ”عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد

عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين

ركعة، قال وكانوا يقرعون بالمئين وكانوا يتوكئون على

عصيم في عهد عثمان بن عفان رضي الله عنه من شدة

القيام“

(سنن کبریٰ بیہقی ص ۳۹۶، جلد ۲)

ترجمہ: ”حضرت سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیس رکعات تراویح میں پڑھتے تھے اور وہ عصی کی

قراۓ کرتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قیام طویل ہونے کے باعث لوگ اپنی لانیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔

ج۔ ”عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي رضي الله عنه أنه دعا القراء في رمضان فأمر منهم رجلا يصلي بالناس عشرين ركعة وكان على يوتر بهم“

(سنن کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۳۹۶)

ترجمہ: ”ابو عبد الرحمن سلمیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے قراء حضرات کو رمضان میں طلب کیا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف وتر پڑھایا کرتے تھے۔“

د۔ ”عن عمرو بن قيس عن أبي الحسناء أن علياً أمر رجلاً يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة“

(مصنف ابن ابی شیبہ... صفحہ ۳۹۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”عمرو بن قیس ابی الحسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔“

ہ۔ ”عن شتير بن شكل وكان من أصحاب علي رضي الله عنه أنه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث“

(سنن کبریٰ صفحہ ۳۹۶، جلد ۲۔ قیام اللیل صفحہ ۹۱، طبع جدید صفحہ ۱۵۷)

”شتیر بن شکل سے۔ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں میں سے ہیں، مروی ہے کہ وہ ہمارے رمضان میں لوگوں کی بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔“

خلفائے راشدین کے فیصلوں کے برحق ہونے کا قرآنی ثبوت:

حضرت شہ صاحبؒ نے مندرجہ بالا احادیث میں حضرات خلفائے راشدین رضی

اللہ عنہم کے فیصلوں کو اجماع فرمایا ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ نے ان کو بلا تکثیر قبول کر لیا ہو، اور وہ عالم میں ممکن اور راجح ہو گئے ہوں، ان فیصلوں کے صحیح اور برحق ہونے پر حضرت شہ صاحبؒ نے حدیث نبویؐ: ”عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين“ سے استدلال فرمایا ہے۔ جیسا کہ ان سے پہلے حافظ ابن تیمیہؒ نے خلفائے راشدین کے اجماع پر اسی حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔ اس حدیث نبویؐ کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سورہ النور کی آیت اختلاف میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ

خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (سورہ النور..... ۵۵)

ترجمہ: ”وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ بعد کو حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان کے انگوں کو لوہور جمادے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے دے کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو ہی لوگ ہیں نافرمان۔“

اس آیت شریفہ سے جہاں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ موعود ہونا ثابت ہوتا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جو احکام نافذ ہوئے وہ حق تعالیٰ شانہ کا پسندیدہ دین تھا۔

نیز حق تعالیٰ شانہ سورہ الحج میں فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِأَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

نَفْسِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ

يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ وَلَوْ لَا دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ

لَهْدَمْتَ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلَوَاتٌ مَسَاجِدُ يُذَكَّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ
كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِنْ
مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٣٩﴾

(الحج ۳۹ تا ۴۱)

ترجمہ: ”حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر
ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جن کو انکا ان کے
گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ
ہے اور اگر نہ بتایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے توڑنے چاہتے تھے
اور مدد سے اور عبادت تھامنے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت،
اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ بے شک اللہ
زبردست ہے زور والا۔ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو قائم
رکھیں غماز، اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا، اور منع کریں برائی سے
اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔“

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر ان مظلوم مہاجرین کو، جن کی صفات
اوپر بیان کی گئی ہیں، ہم حکمین فی الارض عطا فرمائیں تو وہ ارکان اسلام کو قائم کریں گے، امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے
راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ان حضرات کی مساعی جیلہ سے جو کچھ ظہور پذیر ہوا
وہ ہے اقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں

اجماع کے مباحث سے فدرغ ہونے کے بعد اب میں پھر آپ کی عہدیت کی
طرف متوجہ ہوتا ہوں، آجیاب نے اسی بحث میں یہ فرمایا ہے:

”احکام صحابہ“ سے اتباع صحابہؓ مطلقانہ کسی عالم نے ثابت کیا ہے اور نہ
عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔“

اس ناکارہ کے نزدیک آپ کی یہ عہدیت صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں تین دعوے
ہیں، اور تینوں غلط۔ لہذا میں اس کو تین مباحث میں تقسیم کرتا ہوں:

بحث اول: اتباع صحابہؓ میں اہل علم کا مسلک۔

بحث دوم: اتباع صحابہؓ کا واجب ہونا دلائل نقلیہ سے۔

بحث سوم: اتباع صحابہؓ کا ضروری ہونا دلیل عقل سے۔

بحث اول: اتباع صحابہؓ واجب ہے، اہل علم کا مسلک

صحابہ کرامؓ کے اقوال جمہور اہل علم کے نزدیک حجت ہیں، مگر ان کا درجہ کتاب
وسنت اور اجماع کے بعد کا ہے، ایک ایسا مسئلہ جس میں کتاب وسنت کی نص صریح غیر
منسوخ موجود نہ ہو، اور اس پر اجماع بھی نہ ہو، اس میں اگر بعض صحابہ کرامؓ کا قول
منقول ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس قول کے خلاف کسی صحابی کا قول
منقول نہیں، دوم یہ کہ اس کے خلاف بھی بعض صحابہؓ کا قول منقول ہے۔ پہلی صورت
کی پھر دو صورتیں ہوں گی، ایک یہ کہ صحابیؓ کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور ہو گیا
ہو۔ دوم یہ کہ اس دور میں اس کو شہرت نہ ہوئی ہو۔ گویا یہ کل تین صورتیں ہوں گی،
ذیل میں تینوں کا حکم الگ الگ لکھتا ہوں:

اجماع سکوتی:

پہلی صورت: کہ صحابیؓ کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور و معروف ہو گیا تھا،
اس کے باوجود کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ جمہور اہل علم کے نزدیک یہ
صورت ”اجماع سکوتی“ کہلاتی ہے۔ لہذا اس صحابیؓ کا قول اس مسئلہ میں حجت ہو گا
جس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ”اعلام الموقعین“ میں
لکھتے ہیں:

”وإن لم يخالف الصحابي صحابيا آخر فاما أن
يشتهر قوله في الصحابة أو لا يشتهر، فإن اشتهر فالذي
عليه جماهير الطوائف من الفقهاء إنه إجماع وحجة، وقالت

طائفة منهم: هو حجة وليس بإجماع، وقالت شرفة من المتكلمين وبعض الفقهاء المتأخرين: لا يكون إجماعاً ولا حجة" (اعلام الموقعین... صفحہ ۱۲۰، جلد ۳)

ترجمہ: "اور اگر کسی صحابی (کے قول) سے دوسرے صحابی نے اختلاف نہیں کیا (تو اس کی دو صورتیں ہیں) یا تو اس صحابی کا قول صحابہ کرام میں مشہور ہو گیا یا مشہور نہیں ہوا۔ اور اگر وہ مشہور ہو گیا تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ اجماع کے علم میں ہو گا اور وہ حجت ہو گا۔ ایک جماعت سمی ہے کہ وہ حجت تو ہے مگر اجماع نہیں کہلائے گا اور متکلمین کے ایک طبقہ طبقہ اور بعض فقہاء کے نزدیک نہ وہ اجماع ہو گا نہ حجت۔"

امام حافظ الدین ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد نسفی کشف الاسرار شرح السنن میں لکھتے ہیں:

"فاما إذا نقل عن الصحابي قول ولم يظهر عن

غيره خلاف ذلك فإن درجته درجة الإجماع إذا كانت

الحادثة مما لا يحتمل الخفاء عليهم وتشتهر عادة"

(كشف الاسرار... صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: "ایک صحابی سے ایک قول منقول ہوا اور اس کے خلاف کسی (صحابی) کا قول سامنے نہیں آیا تو اس کا درجہ حکم میں اجماع کا ہے بشرطیکہ معلوم ایسا ہو کہ ان حضرات سے مخفی ہونے کا احتمال نہ ہو اور عادتاً اس کی شہرت ہو جاتی ہو۔"

دوسری صورت کہ صحابی کا وہ قول صحابہ کے دور میں مشہور نہ ہوا ہو لیکن اس کے خلاف بھی کسی صحابی کا قول منقول نہ ہو، اس کے اجماع ہونے میں تو کلام ہے لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک صحابی کا یہ قول حجت شرعیہ ہے، اور ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اسی کے قائل ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

"وإن لم يشتهر قوله أو لم يعلم هل اشتهر أم لا

فاختلف الناس: هل يكون حجة أم لا؟ فالذي عليه

جمہور الأمة أنه حجة، هذا قول جمهور الحنفية، صرح به محمد بن الحسن، وذكر عن أبي حنيفة نصاً، وهو مذهب مالك وأصحابه وتصرفه في موطنه دليل عليه، وهو قول إسحاق ابن راهوية وأبي عبيد، وهو منصوص الإمام أحمد في غير موضع عنه واختيار جمهور أصحابه، وهو منصوص الشافعي في القديم والجديد"

(اعلام الموقعین... صفحہ ۱۲۰، جلد ۳)

ترجمہ: "اور اگر صحابی کا قول مشہور نہ ہوا یا اس کا مشہور ہونا معلوم نہ ہو سکا تو اہل علم میں اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ وہ حجت ہے۔ جمہور فقہاء احناف کا یہی قول ہے۔ امام محمد بن حسنؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے یہی مذہب نقل کیا ہے۔ اور یہی امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ موطن میں امام مالکؒ کا طرز عمل اس کی بڑی دلیل ہے۔ اور یہی اتحق بن راہویہؒ اور ابو عبيدؒ کا مسلک ہے۔ اور یہی قول بیشتر مواقع پر امام احمدؒ سے منصوص ہے جس کو ان کے اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے قدم و جدید قول میں بھی یہی منصوص ہے (کہ صحابی کا قول مذکورہ صورت میں حجت ہے)۔"

اجماع مرکب:

تیسری صورت کہ صحابہ کے اقوال کسی مسئلہ میں مختلف ہوں وہاں ائمہ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق ان اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم اس پر جمہور ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایسے مختلف فیہ مسائل میں صحابہ کے اقوال سے خروج جائز نہیں، مثلاً کسی مسئلہ میں صحابہ کے دو قول ہوں۔ اس مسئلہ میں ان دونوں اقوال کو چھوڑ کر تیسرا قول اختیار کرنا جائز نہیں۔ اور یہ فقہاء کی اصطلاح میں "اجماع مرکب" کہلاتا ہے۔

علامہ نسفیؒ شرح السنن میں لکھتے ہیں:

”وَكَذَا إِذَا اختلفوا في شيء فَإِنْ الْحَقُّ فِي أَقْوَالِهِمْ

لَا يَمْدُوهُمْ عَلَى مَا يَجْعَلُ فِي بَابِ الْإِجْمَاعِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ

تعالى“

(كشف السند صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”اور ایسے ہی اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوں تو ہر حال حق انہی کے اقوال میں موجود ہے اور صحابہ کے اقوال سے عدول جائز نہیں، جیسا کہ اجماع کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔“

اور نور الانوار شرح السنہ میں ہے:

”وإن خالفه كان ذلك بمنزلة خلاف المجتهدين
فللمقلد أن يعمل بأيهما شاء ولا يتعدى إلى الشق الثالث
لأنه صار باطلا بالإجماع المركب من هذين الخلافين على
بطلان القول الثالث هكذا ينبغي أن يفهم هذا المقام“

(نور الانوار صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”اور اگر (کسی مسئلہ میں قول) صحابی سے کسی صحابی نے اختلاف کیا ہو تو درحقیقت یہ اختلاف مجتہدین کے اختلاف کی مانند ہے، پس مقلد کو جائز ہے کہ کسی ایک بھی قول پر عمل پیرا ہو جائے اور صحابہ کے اقوال سے تجاوز کر کے تیسرا راستہ اختیار نہ کرے۔ کیونکہ صحابہ کے دو اقوال سے اجماع مرکب“ وجود میں آگیا، لہذا ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسرا راستہ اختیار کرنا باطل ٹھہرا۔ اس مقام کو غور سے سمجھنا ضروری ہے۔“

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ صحابہ کرام کے اقوال حجت شرعیہ ہیں، اور جمہور سلف خصوصاً ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) مسائل شرعیہ میں صحابہ کرام کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں، اور ان سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے۔

دور حاضر کے محقق شیخ محمد ابو زہرہ نے ”اصول الفقہ“ میں اس موضوع پر

بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، مناسب ہو گا کہ یہاں ان کی عبارت کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے، وہ لکھتے ہیں:

”هذا وأن المأثور من الأئمة الأربعة أنهم كانوا

يتبعون أقوال الصحابة ولا يخرجون عنها، فأبو حنيفة يقول: إن لم أجد في كتاب الله تعالى وسنة رسول الله ﷺ أخذت بقول أصحابه، أخذ بقول من شئت، وادع من شئت منهم، ولا أخرج من قولهم إلى قول غيرهم.

ولقد قاله الشافعي في الرسالة برواية الربيع، وهي من كتابه الجديد: لقد وجدنا أهل العلم يأخذون بقول واحد (أى الصحابة) مرة ويتركونه أخرى، ويتفرقون في بعض ما أخذ منهم، قال: (أى مناظره) فأبى أى شيء صرت من هذا؟ قلت اتباع قول واحدكم إذا لم أجد كتاباً ولا سنة ولا إجماعاً ولا شيئاً في معناه يحكم.

ويقول في الأم برواية الربيع أيضاً وهو كتابه الجديد: إن لم يكن في الكتاب والسنة صرنا إلى أقاويل أصحاب رسول الله ﷺ، أو واحد منهم، ثم كان قول أبى بكر أو عمر أو عثمان إذا صرنا فيه إلى التقليد أحب علينا، وذلك إذا لم نجد دلالة في الاختلاف تدل على أقرب الاختلاف من الكتاب والسنة، لنتبع القول الذى معه الدلالة.

وإن هذا يدل على أنه يأخذ بالكتاب والسنة، ثم ما يجمع عليه الصحابة، وما يختلفون فيه يقدم من أقوالهم

أقواها اتصالاً بالكتاب والسنة، فإن لم يستتب له أقواها اتصالاً بهما اتبع ما عمل به الأئمة الراشدون رضوان الله تبارك وتعالى عنهم، لأن قول الأئمة مشهورة وتكون أقوالهم محصاة عادة.

وكذلك الإمام مالك رضي الله عنه، فإن الموطأ كثير من أحكامه يعتمد على فتاوى الصحابة، ومثله الإمام أحمد.

ومع أنه روى عن أولئك الأئمة تلك الأقوال الصريحة، فقد وجد من الكتاب الأصوليين بعد ذلك من ادعى أن الشافعي رضي الله عنه في مذهبه الجديد كان لا يأخذ بقول الصحابي، وقد نقلنا لك من الرسالة والأهم برواية الربيع لابن سليمان الذي نقل مذهبه الجديد ما يفيد بالنص القاطع إنه كان يأخذ بأقوال الصحابة إذا اجتمعوا، وإذا اختلفوا اختار من أقوالهم ما يكون أقرب إلى الكتاب والسنة.

وكذلك ادعى بعض الحنفية. أن أبا حنيفة رضي الله عنه كان لا يأخذ بقول الصحابي إلا إذا كان لا يمكن أن يعرف إلا بالنقل، وبذلك يؤخذ بقوله على أنه سنة لا على أنه اجتهد، أما ما يكون من اجتهد الصحابي فإنه لا يؤخذ به، والحق عن أبي حنيفة هو ما نقلنا من أقواله لا من تخریج أحد

ترجمہ: "ائمہ اربعہ سے یہی طریقہ منقول ہے کہ وہ صحابہ کرام کے اقوال کا اتباع کرتے تھے اور ان کے اقوال سے نہیں نکلتے تھے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھے کسی مسئلہ کی تصریح نہیں ملتی تو صحابہ کے اقوال میں سے اپنی صوابدید پر کسی ایک قول کو اختیار کر لیتا ہوں۔ ان کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول کو اختیار نہیں کرتا۔"

اور امام شافعی سے "الرسالہ" میں ربیع کی روایت سے یہ قول موجود ہے اور یہی ان کا قول جدید ہے کہ: "ہم نے اہل علم کا یہ طرز عمل دیکھا کہ وہ ایک جگہ ایک صحابی کے قول کو اختیار کرتے ہیں تو دوسرے مقام پر اس کے قول کو ترک کر دیتے ہیں اس طرح اخذ اقوال میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (تو ان سے منظرہ کرنے والے نے ان سے) سوال کیا کہ پھر آپ نے کون سا راستہ اختیار کیا ہے؟ فرمایا، ان میں سے کسی ایک کے قول کا اتباع کرتا ہوں اور یہ جیسا ہوتا ہے کہ کتب و سنت اور اجماع یا اس کے ہم معنی "اجماع سکوتی" میں مسئلہ کا حل نہیں پاتا۔"

اور کتاب "الامم" میں ربیع کی ہی روایت سے منقول ہے اور یہ بھی ان کی کتب جدید ہے کہ اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہیں ملتا تو ہم تمام صحابہ کرام یا کسی ایک صحابی کے اقوال پر ٹکھ ڈالتے ہیں۔ پھر اگر ابو بکر، عمر یا عثمان کا قول موجود ہوتا ہے تو اسی کی تقلید ہمیں محبوب ہوتی ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ امام شافعی کتاب و سنت سے استدلال کرتے تھے۔ پھر اجماع صحابہ سے، پھر صحابہ کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں اس قول کو اختیار کر لیتے جو قرآن و سنت کے ساتھ اتصال میں قوی تر ہوتا۔ اور اگر کتاب و سنت کے ساتھ اتصال میں کسی قول کا قوی ہونا ان پر ظاہر نہ ہوتا تو خلفائے راشدین کے عمل کو مداریتے۔ اس لئے کہ خلفاء کا قول عموماً مشہور ہو جاتا ہے۔ نیز ان کے اقوال عادتاً مضبوط و قوی شہد ہوتے ہیں۔

اور یہی مسئلہ امام مالک کا ہے۔ چنانچہ مؤطا میں انہوں نے بیشتر احکام میں صحابہ کرام کے قول کو ہی پر ہی اعتماد کیا ہے۔ اور یہی کیفیت امام احمد کی

ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ابن ائمہ کرام سے تو اس طرح کے مرتعہ اقوال منقول ہوں مگر اس کے برخلاف اصولیین کا امام شافعیؒ کے مذہب جدید کے بارے میں یہ دعویٰ مذکور ہے کہ وہ قول صحابی کو حجت نہیں مانتے۔ اور ہم آپ کے سامنے ”الرسالہ“ اور ”الائم“ سے ان کے مذہب جدید کے مائل ربیع بن سلیمانؒ کی روایت سے ان کا قول جدید نقل کر چکے ہیں جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ امام شافعیؒ صحابہ کرامؓ کے اقوال میں عدم اختلاف کی صورت میں مطلقاً اور اختلاف کی صورت میں اقرب الی الکتاب والسنۃ قول کو اختیار کرتے اور حجت سمجھتے تھے۔

اسی طرح بعض اصناف کا یہ دعویٰ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ صحابی کے قول کو اس وقت نہیں لیتے تھے جب تک کہ وہ مسئلہ ایسا نہ ہو جو صرف نقل ہی سے معلوم ہو سکا ہے، اجتہاد سے نہیں۔ اور اسکو بحیثیت سنت کے اختیار کرتے ہیں، اجتہادی قول کے طور پر نہیں۔ کیونکہ صحابی کے اجتہاد کو وہ حجت قرار نہ دیتے تھے۔

اور حق بات وہی ہے جو ہم نے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال سے نقل کی ہے، بعد والوں کی تخریج سے نہیں۔“

ایک شکایت

گزشتہ سطور میں اہل علم کا مسلک واضح طور پر سامنے آچکا ہے۔ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے یہ ناکارہ آنجناب سے یہ شکایت کرنے میں حق بجانب ہے کہ آنجناب نے اہل علم کے رائج مسلک کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس مسئلہ میں ابن حزمؒ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفا کیا اور چونکہ یہ قول آنجناب کے مسلکی ذوق سے اقرب تھا، اس لئے ساتھ کے ساتھ آپ نے اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ:

”حق وہی ہے جو ابن حزمؒ نے کہا، یعنی اجتہادات صحابہؓ کو قرآن وحدیث کی طرف پلٹایا جائے گا، موافق کی اتباع اور مخالف کی رد کی جائے گی۔ ہاں! نقل روایت میں ان کا ثبوت ہونا علمائے اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے۔ یہ وہ

نظریہ ہے کہ آپ (یعنی یہ ناکارہ) اس کی تردید کی شاید ہی جرأت کر سکیں۔“

اول تو آپ کو یہ بحث چھیڑنی ہی نہیں چاہئے تھی۔ کیونکہ میری گفتگو تقلید صحابی کے مسئلہ سے متعلق تھی ہی نہیں، میری گفتگو تو اس میں تھی کہ حضرات صحابہ کرامؓ صراط مستقیم پر قائم تھے اور یہ مضمون میں نے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی روشنی میں لکھا تھا۔ میں نہیں سمجھا کہ اصل مسئلہ سے ہٹ کر آپ نے ایک غیر متعلق بحث کیوں چھیڑ دی؟ علاوہ ازیں اگر آپ نے یہ بحث چھیڑی ہی تھی تو اہل علم کے صحیح مسلک کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرنی چاہئے تھی۔ لیکن آپ نے تمنا ابن حزمؒ کا قول نقل کر کے اس پر حقانیت کی مہر بھی ثبت کر دی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ابن حزمؒ کی عبارت میں ”قوم یخطنون ویبسیون“، ”ان ابا بکر قد اخطا“، ”کذب عمر فی تاویل تاویلہ“ اور ”خطا ابا السنابل“ جیسے ثقیل الفاظ آگئے تھے۔ اور ان سے آنجناب کے ”ذوق قدح صحابہؓ“ کی تسکین ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے اصل بحث کو چھوڑ کر گفتگو کی بسم اللہ اپنے ذوق کی تسکین سے کرنا ضروری سمجھا، اور غریب ابن حزمؒ کے کندھے پر خواہ مخواہ بندوق رکھ دی تاکہ آپ کا قادی یہ سمجھے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرما رہے، بلکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ابن حزمؒ کے حوالے سے کہہ رہے ہیں۔

ابن حزمؒ کے نظریہ تقلید صحابی پر تنقید

حالانکہ اگر آپ نے حق وانصاف کی روشنی میں دو نکلتوں پر غور کیا ہوتا تو آپ کو صاف نظر آتا کہ ائمہ اربعہؒ اور جملہ سلف کے مقابلہ میں ابن حزمؒ کا نظریہ لائق پذیرائی نہیں اور عقل و دانش کے بازار میں اس کی قیمت دو کوڑی بھی نہیں۔

پہلا نکتہ: تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ کسی عالم سے شغل و تاثر کسی مسئلہ میں بھول چوک کا ہو جانا اس کے علم و فضل میں قاصر نہیں، اور نہ اس کے اتباع سے مانع ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، جو بالاتفاق معصوم ہیں، احیاناً بھول

چوک سے خلاف اولیٰ کا صدور ان سے بھی ممکن ہے۔ (تاہم ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو ایسی خطا پر بھی قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ وحی الہی فوراً انہیں اس پر متنب کر دیتی ہے، اور ان کی خطا کافی الفور تدارک کر دیا جاتا ہے) قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے جو فہمنا ہا سلیمان فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ وکلاً اتینا حکماً وعلماً کارشاو آنجناب کی نظر سے اوجھل نہیں ہوگا۔

”وقال الإمام البخاری (۱۰۶۱/۲): باب متى

يستوجب الرجل القضاء، وقال الحسن: أخذ الله على

الحكام إن لا يتبعوا الهوى ولا يخشوا الناس ولا يشترخوا

بآياته ثم قرأ: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي

الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحَكْمِهِمْ شَاهِدِينَ

فَقَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ، وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (الأنبياء

۷۸، ۷۹) فحمد الله سليمان ولم يلم داود ولو لا ما ذكر

الله من أمر هذين لرأيت أن القضاة هلكوا، فإنه اثبتى هذا.

بعلمه وعذر هذا باجتهاده“.

(بخاری ... صفحہ ۱۰۶۲، جلد ۲۔ مسلم ... صفحہ ۷۳، جلد ۲)

ترجمہ: امام بخاری (۱۰۶۱/۲) فرماتے ہیں: ”باب اس بارے میں کہ

کوئی شخص عدل قضاء کا کب مستحق ہوتا ہے۔“ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حکام کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ (فیصلوں میں) خواہش

انفس کے تابع نہیں ہوں گے، لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہوں گے اور اس کی

آیات کو ثمن قلیل کے بدلے فروخت نہیں کریں گے۔ اس کے بعد آیت

تفاوت فرمائی ”ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا بھگوا،

جب روند گئیں اس کورت میں ایک قوم کی بکریاں، اور سامنے تھا ہلے ان

کا فیصلہ، پھر بھجا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم

اور سمجھ۔“ (سورۃ الانبیاء ... ۷۸، ۷۹) تو یہاں اللہ تعالیٰ نے سلیمان کی

تعریف تو فرمائی مگر داؤد علیہ السلام کو ملامت نہیں کی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معاملہ میں مذکورہ بات نہ فرماتا تو یقیناً تمام قاضی ہلاکت کے مقام پر نظر آتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک کی تعریف اس کے علم پر فرمائی اور دوسرے کو اس کے اجتہاد پر معذور قرار دیا۔“

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی جناب کے پیش نظر ہوگا:

”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنِّي يَأْتِنِي الْخُصْمُ، فَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ أَنْ

يَكُونَ أَدْبَلُ مِنْ بَعْضٍ، فَأَحْسَبُ أَنَّهُ صَادِقٌ، فَأَقْضِي لَهُ، فَمَنْ

قَضَيْتَ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ، فَلْيَحْمِلْهَا أَوْ

يَذْرِهَا“

(بخاری ... صفحہ ۱۰۹۲، جلد ۲۔ مسلم ... صفحہ ۷۶، جلد ۲)

ترجمہ: ”میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ میرے پاس لوگ مقدمات لے کر

آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک فریق دوسرے سے چرب زبان

ہو۔ میں اس کو سچا سمجھ کر فیصلہ اس کے حق میں کر دیتا ہوں۔ تو غور سے

سنو کہ اس طرح جس کو میں نے کسی دوسرے کا حق دلا دیا تو یاد رکھو یہ

آگ کا ایک ٹکڑا ہے اب چاہے تو اس کو لے لے اور چاہے چھوڑ

دے۔“

”وعند أبي داود (۱۸۷/۲): إِنِّي إِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ

بِرَأْيٍ فِيمَا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ فِيهِ“

ترجمہ: اور ابو داؤد (۱۸۷/۲) میں یہ الفاظ مذکور ہیں: ”جب کسی معاملہ

میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی تو تمہارے درمیان فیصلہ اپنی رائے سے ہی کرتا

ہوں۔“

اور یہ ارشاد نبوی بھی آپ کے علم میں ہوگا:

”إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَبِهْ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا

حَكَمَ فَاجْتَبِهْ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ“

(بخاری ... صفحہ ۱۰۹۲، جلد ۲۔ مسلم ... صفحہ ۷۶، جلد ۲)

ترجمہ: جب حاکم نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اور اگر اس نے فیصلہ تو اپنے اجتہاد سے کیا مگر اس میں غلطی ہوگئی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔“

نیز متعدد مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ”لا ادری“ فرماتا اور چند مواقع پر ”اخبی فیہ جبریل انفا“ فرماتا بھی جناب کو معلوم ہوگا۔ الغرض کسی مسئلہ میں کسی عالم کا ”لا ادری“ کہنا، یا جواب میں چوک جانا اہل عقل کے نزدیک اس کے علم و فضل کے منافی نہیں، نہ اس کے علم و فہم سے یکسر اعتماد اٹھ جانے کی دلیل ہے۔ اس لئے ابن حزمؒ کا یہ کہنا کہ ایسے لوگوں کی اتباع کیسے کی جائے جن سے ایک آدمی موقع پر خطا کا صدور ہوا محض مشاغفہ ہے۔ مجھے آنجناب جیسے کسی عاقل سے توقع نہیں تھی کہ وہ ابن حزمؒ کے اس مغالطہ کو لے اڑے گا اور صحابہ کرامؓ کے خلاف اسے اپنے دلائل کی فہرست میں ہلک لے گا۔

دوسرا نکتہ: یہ امر بھی کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں کہ ایک طالب علم اپنے زمانہ طالب علمی میں بسا اوقات بہت سے امتحانی پرچوں میں چوک جاتا ہے اور امتحان اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے، تا آنکہ یہ طالب علم اپنے تعلیمی مراحل طے کر لیتا ہے اور اپنے نصاب کے اعلیٰ ترین امتحانات میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور بطور مثال ایران و عراق سے ”سند اجتہاد“ حاصل کر لیتا ہے، اور علم و فضل کی بنا پر اسے ”آیت اللہ العظمیٰ“ کے خطاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص ان ”آیت اللہ“ صاحب کی زمانہ طالب علمی کی غلطیوں کا حوالہ دے کر لوگوں کو یہ باور کراتا پھرے کہ اس شخص کا علم و فہم لائق اعتماد نہیں، دیکھو! اس نے فلاں فلاں موقعوں پر غلطیاں کی تھیں، اور اس کے اساتذہ نے اس کی فلاں فلاں غلطیوں کی نشاندہی کی تھی اور اس پر ”تذاریع“ کا فتویٰ صادر کیا تھا، پس یہ صاحب جو ”آیت اللہ“ بنے پھرتے ہیں، جب ان کے ماہر اساتذہ ان پر ”تذاریع“ کا فتویٰ صادر کر چکے ہیں تو ان کے علم و فہم کا کیا اعتبار؟ ان کی اتباع و اقتدا کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ اور علمی مسائل میں ان کا قول اور ان کی رائے کس طرح لائق اعتماد قرار دی جاسکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کا یہ پروپیگنڈا ہر عاقل کے نزدیک ایک

احتقانہ طرز عمل کہلائے گا، اس لئے کہ اہل عقل کے نزدیک زمانہ طالب علمی کی بھول چوک اور غلطیوں کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اس کے فادرغ تحصیل ہونے پر اس کے ماسور اساتذہ نے اسے جو سند فضیلت عطا فرمائی اور اس کو جو خطابات دیئے ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح جتنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ مدرسہ نبویؐ کے طالب علم تھے، معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تدریب پر منجانب اللہ ماسور فرمایا گیا تھا، زمانہ طالب علمی میں ان حضرات سے امتحانی پرچوں میں یہ بھول چوک بھی ہوتی رہی ہوگی، ان کے استاد مقدس و محترم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح و تربیت بھی فرمائی ہوگی، اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہوگی، لیکن یہ سب ان کی طالب علمی کے واقعات ہیں، مگر مدرسہ نبوتؐ کے یہ بالکل طالب علم جب فادرغ تحصیل ہو کر نکلے تو ”خیر امت“ کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا۔ ”رضی اللہ عنہم“ کا تمغہ ان کو عطا کیا گیا، ”اخرجت للناس“ کی مندر شاہد ان کے لئے آراستہ کی گئی، اور مدرسہ نبوتؐ کے ان بالکل شاگردوں کو پوری انسانیت کے مرشد و مرئی اور معلم کے منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ حضرات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد رشید اور تمام دنیا کے استاذ اور معلم تھے۔ ان حضرات کو نبوتؐ کے دارالعلوم کی طرف سے جو سند فضیلت عطا کی گئی، اس کے ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں:

”عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ قال: کنا جلوساً عند النبی ﷺ فقال: انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم، فافتدوا بالذین من بعدی، وأشار الی ابی بکر وعمر، وافتدوا بھدی عمار، وما حدثکم ابن مسعود فصدقہ“ (الترغی، جامع الاصول..... صفحہ ۵۷۲، جلد ۸)

ترجمہ: ”حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

مجھے معلوم نہیں کہ اب میں کتنا عرصہ تم لوگوں میں رہوں گا۔ تو میرے بعد تم دو صاحبوں کی اتباع کرنا۔ اور آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور عمرؓ کی راہ سے ہدایت پانا۔ اور جو کچھ عبداللہ بن مسعودؓ (میری طرف سے) بیان کریں اس کی تصدیق کرنا۔“

”عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «اقتدوا بالذين من بعدي من أصحابي: أبي بكر وعمر، واهتدوا بهدي عمار، وتمسكوا بهدي ابن مسعود»“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد میرے اصحاب میں سے دو صاحبوں یعنی ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرنا۔ عمرؓ کی راہ سے ہدایت پانا اور ابن مسعودؓ کے طریقہ کو تھامے رکھنا۔“

”عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، ذكر عنده عبد الله بن مسعود فقال: لا أزال أحبه، سمعت رسول الله ﷺ يقول: «خذوا القرآن من أربعة: من عبد الله، وسالم، ومعاذ، وأبي ابن كعب»“

وفی روایۃ «استقروا القرآن من أربعة: من ابن مسعود، فبدأ به، وسالم مولیٰ أبی حذیفۃ، ومعاذ، وأبی»

(جامع الأصول ص: ۶۸، ج: ۴۸)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ایک مرتبہ ان کے سامنے عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے میں تو ہمیشہ سے ان کو محبوب رکھتا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن کریم کو چار حضرات سے حاصل کرو اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ ہیں۔“

”اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ قرآن پڑھنا چلے سے سیکھو۔ ابن مسعودؓ سے، انہی کے ہم سے آپؐ نے ابتدا فرمائی، ابو حذیفہ کے غلام سالمؓ سے اور معاذؓ سے اور ابیؓ سے۔“

اب ان کی اس تکمیل اور سند فضیلت کے بعد اگر کوئی شخص ان کی زمند طالب علمی کی بھول چوک کا حوالہ دے کر ان کی اتباع سے انسانیت کو برگشتہ کرنا چاہتا ہے تو اہل عقل کے نزدیک اس کا طرز عمل یا تو اس کی حد سے بڑھی ہوئی عقلیت کا مظہر ہے یا اس کے بغض و عناد کا آئینہ دار۔ بہر حال مدرسہ نبوتؐ کے باکمال فضلاء کے بارے میں اس کی یہ رائے اہل عقل کے نزدیک لائق التفات نہیں۔

حافظ ابن حزمؒ ہمت بڑے آدمی ہیں، علم و فضل کی بلند چوٹی پر فائز ہیں، اور یہ ناکارہ ان کے سامنے طفل کتب اور کودک نادان کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ لیکن حافظ ابن حزمؒ اپنے علم و فضل کے باوصف۔ جہاں اکابر امت سے الگ راستہ اختیار کرتے ہیں وہاں اکثر و بیشتر اپنی بڑھی ہوئی عقلیت و ذہانت کی بنا پر، ٹھوکر کھاتے ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں ان کا ٹھوکر کھانا بھی ان کے شذوذ کی نحوست ہے۔ اس لئے ان کے استدلال کا تھک ٹھیک نشانے پر نہیں لگ سکا اور اس ناکارہ نے اپنی نادانی و کم عقلی اور بے علمی و بیچ سیرزی کے باوجود اس مسئلہ میں ابن حزمؒ کی چوک پر جو متنبہ کیا، اس کی مثال وہی ہے جو ہر گوں نے فرمایا ہے:

گاہ باشد کہ کودک نادان

بغلط بر ہدف زند تیرے

حضرت ابو بکرؓ کی خطا کا واقعہ

نامناسب نہ ہو گا اگر یہاں اس واقعہ کی وضاحت کر دی جائے جس کے بارے میں ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ ”ان ابابکر قد اخطأ فی تفسیر فسرہ“ یہ واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ میں مروی ہے:

”إن رجلاً أتى رسول الله ﷺ فقال يا رسول

الله! إني أرى الليلة في المنام ظله تنطف السمن والعسل
فأرى الناس يتكفون منها بأيديهم فالمستكثر والمستقل
وأرى سببا واصلًا من السماء إلى الأرض فأراك أخذت
به فعلوت ثم أخذ به رجل من بعدك فعلا ثم أخذ به رجل
آخر فعلا ثم أخذ به رجل فانتقطع به ثم وصل له فعلا قال
أبو بكر يا رسول الله! بأبي وأمي أنت والله لتدعني
فلما قال رسول الله ﷺ: عبرها قال أبو بكر أما الظلة
فظلة الإسلام وأما الذي ينطف من السمن والعسل
فالقُرآن حلاوته ولينه وأما ما يتكفف الناس من ذلك
فالمستكثر من القرآن والمستقل وأما السبب الواصل من
السماء إلى الأرض فالحق الذي أنت عليه تأخذ به فيعليك
الله به ثم يأخذ به رجل من بعدك فيعلوه ثم يأخذ به رجل
آخر فيعلوه ثم يأخذ به رجل آخر فينقطع به ثم يوصل له
فيعلوه ثم فأخبرني يا رسول الله بأبي وأمي! أصبت
أم أخطأت قال رسول الله ﷺ: أصبت بعضا وأخطأت
بعضا قال فوالله يا رسول الله لتحدثني ما الذي أخطأت
قال لا تقسم

(صحیح بخاری، جلد ۱۰، ص ۱۰۳۳، جلد ۲، ص ۲۲۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”(حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سائبان ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگ اپنے ہاتھوں سے اس کو لے رہے ہیں، کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ اور

میں نے ایک رسی آسمان سے زمین تک ملی ہوئی دیکھی اور میں نے آپؐ کو دیکھا کہ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے۔ پھر آپؐ کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑ کر چڑھا۔ پھر اس کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑ کر چڑھا۔ پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی، اور پھر بڑبڑ گئی اور وہ بھی چڑھ گیا۔

ابو بکرؓ نے یہ سن کر عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے دل باپ آپؐ پر فدا ہوں، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس خواب کی تعبیر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا بیان کرو۔ انہوں نے کہا وہ سائبان تو اسلام ہے اور اس میں سے جو گھی اور شہد ٹپکتا ہے وہ قرآن اور اس کی تلاوت ہے۔ اور اس کے اٹھانے والے قرآن کے کم زیادہ حاصل کرنے والے ہیں۔ اور جو رسی آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ہے وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نازل فرمایا ہے، اسی کو تھامے رکھنے سے اللہ تعالیٰ آپؐ کو اوپر چڑھائے گا۔ اور پھر آپؐ کے بعد ایک شخص اس کو پکڑے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا، پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔ پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی، مگر پھر بڑبڑ جائے گی اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔

یا رسول اللہ! آپؐ پر میرے دل باپ قریاں ہوں، فرمائیے کہ میں نے ٹھیک تعبیر دی یا غلط؟ آپؐ نے فرمایا کچھ ٹھیک دی، کچھ غلط۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپؐ کو خدا کی قسم ہے جو میں نے غلط کہا ہے وہ مجھے بتادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم نہ دو۔

اس واقعہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا خطا ہوئی تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تصریح نہیں فرمائی۔ اور شہد حین حدیث نے اس سلسلہ میں متعدد احتمالات لکھے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس خواب میں خلفائے راشدینؓ کی خلافت حقہ کی طرف جو اشارہ تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعبیر نہیں فرمائی۔ یہ تھی وہ خطا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا۔ چنانچہ شہد صاحبؒ لکھتے ہیں:

"قوله اخطأت بعضا علماء در وجه خطا سخا با گفت اند، لیکن آنچی بدھن
ایں فقیر مقرر شدہ آست کہ مراد از خطا ترک تمیذ این خلفاء است بوجہی
از استعارہ باللفظ خطا تعبیر کردہ شدہ است۔

(ازالہ الحنا صفحہ ۲۸، جلد ۱)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اخطأت بعضا" کی علماء
نے کئی ایک وجوہ بیان کی ہیں۔ مگر اس فقیر کے نزدیک صرف یہی خطا اس میں
ہوئی کہ خلفاء کے نام ذکر نہیں کئے اس کو بطور استعارہ خطا سے تعبیر فرما
دیا۔"

اول تو یہ واقعہ۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ ایک خواب کی تعبیر سے متعلق
تھا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسمائے خلفاء کو ذکر نہ کرنا تا دایم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود حافظ ابن حزم کی نازک مزاجی کی داد دیجئے
کہ وہ اس واقعہ سے یہ استدلال فرما رہے ہیں کہ کسی صحابی کی تقلید روا نہیں۔ ذرا انصاف
کیجئے کہ اگر کسی عالم سے کسی خواب کی تعبیر میں کچھ بھول چوک ہو جائے تو کیا اہل عقل کے
زادیک یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ عالم شریعت کے کسی مسئلہ میں بھی لائق اعتماد نہیں رہا؟
لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

حضرت عمرؓ کی تاویل کا واقعہ

حافظ ابن حزمؒ نے (و کذب عمر فی تاویل تاویلہ فی البھجۃ) کے
میب الفاظ سے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی حقیقت بھی سن لیجئے:

یہ واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مہاجرین حبشہ
حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کی حبشہ سے واپسی فتح خیبر کے موقع پر ہوئی تھی، انہی
مہاجرین میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ایک دن حضرت اسماءؓ
ام المؤمنین حضرت حفصہؓ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی) سے ملنے ان
کے گھر آئی ہوئی تھیں، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی صاحب زادی کے گھر
آئے، پوچھا! یہ کون خاتون ہیں؟ بتایا گیا کہ اسماء بنت عمیس ہیں، حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے ان سے مزاحاً فرمایا:

"سبقناکم بالہجۃ فتحنا حق برسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم منکم"

ترجمہ: "ہم ہجرت میں تم پر سبقت لے گئے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ہمارا تعلق تم لوگوں سے زیادہ ہے۔"

اس پر حضرت اسماءؓ بجز گئیں اور کہا کہ ہرگز نہیں! تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، غلاموں کو تعلیم
فرماتے تھے اور ہم دور دراز کی پرانی سرزمین میں تھے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے تھا۔ اور بخدا! میں کھانا نہیں کھاؤں گی، نہ پانی
پیوں گی یہاں تک کہ تمہاری اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ نہ
کر لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ سے حضرت عمرؓ کی بات ذکر
کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیس باحق بی منکم ولد ولا صحابہ ہجۃ واحدة ولکم انتم۔"

اہل السفینۃ ہجرتان۔"

(بخاری صفحہ ۶۰۷، جلد ۲۔ مسلم صفحہ ۳۰۴، جلد ۲)

ترجمہ: "ان کا تعلق مجھ سے تم لوگوں کی نسبت زیادہ نہیں، کیونکہ ان

لوگوں کو ایک ہجرت نصیب ہوئی اور اے اہل سفینہ تم لوگوں کو دو ہجرتیں

نصیب ہوئیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمیں ہجرت میں سبقت نصیب ہوئی اس
لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، ازراہ مزاج تھا، آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اس خاتون نے شکایت فرمائی تو ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا
کہ عمرؓ غلط کہتے ہیں، کیونکہ جن حضرات نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ان کو ایک
ہجرت کا ثواب ملا، لیکن تم لوگوں کو دہری ہجرت کا ثواب ملا کہ تم لوگوں نے ایک بار حبشہ
کی طرف ہجرت کی اور دوسری بار وہاں سے مدینہ کی طرف۔ اس لحاظ سے تمہیں ان پر

فضیلت حاصل ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

”ظاہرہ تفضیلہم علیٰ غیرہم من المهاجرین، لکن لا یلزم منه تفضیلہم علی الاطلاق بل من الحبثۃ المذكورۃ۔“
(فتح الباری..... صفحہ ۳۸۶، جلد ۷)

ترجمہ: ”ظاہر اس سے ان کی فضیلت باقی مہاجرین پر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے ان کی فضیلت ہر لحاظ سے لازم نہیں آتا، بلکہ صرف مذکورہ حیثیت سے یہ فضیلت ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت کا زیادہ موقع ملا، اس لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین حبشہ کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ تمہیں دہری بھرت کا ثواب ملا۔ اس لئے تمہارا تعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم نہیں۔

لیجئے اتنی سی بات تھی جس کو بنگلہ بیکر پیش کیا گیا۔ اور اس سے یہ ”کلیہ“ اخذ کر لیا گیا کہ کسی مسئلہ میں کسی صحابی کے قول کو نہ لیا جائے۔ اس عقل و دانش کی داد کون نہیں دے گا؟

ابو السنابلؒ کا واقعہ:

حافظ ابن حزمؒ نے ابو السنابل رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سبیعہؓ بنت حارث سعد بن خولہؓ کے نکاح میں تھیں۔ حجۃ الوداع میں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ یہ حاملہ تھیں۔ شوہر کی وفات کے چند دن بعد ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ چونکہ وضع حمل سے ان کی عدت پوری ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے عقد کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو السنابل بن بعککؓ نے ان سے کہا کہ شاید تم نکاح کا ارادہ کر رہی ہو؟ جب تک چار مہینے دس دن نہیں گزر جاتے تم عقد نہیں کر سکتیں! سبیعہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ

نے فرمایا کہ وضع حمل سے تہمدی عدت پوری ہو چکی ہے، تم چاہو تو عقد کر سکتی ہو۔
(صحیح بخاری..... صفحہ ۸۰۲، جلد ۲۔ صحیح مسلم..... صفحہ ۳۸۶، جلد ۱)

سورۃ بقرہ آیت ۲۳۴ میں متوفی عنہا الزوج کی عدت چار مہینے دس دن بیان کی گئی ہے۔ اور سورۃ الطلاق آیت ۴ میں حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ذکر کی گئی ہے۔ مؤخر الذکر آیت میں چونکہ مطلقہ عورتوں کا ذکر چل رہا تھا، جب کہ اول الذکر آیت متوفی عنہا الزوج کے بارے میں ہے، اس لئے حضرت ابو السنابلؓ کے فتویٰ کی بنیاد یہ تھی کہ انہوں نے اول الذکر آیت کو حاملہ اور غیر حاملہ کے لئے عام رکھا اور مؤخر الذکر آیت کو مطلقہ عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ سے معلوم ہوا کہ سورۃ الطلاق کی آیت ۴ (واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن) تمام حاملہ عورتوں کو عام ہے۔ خولہ مطلقہ ہوں یا متوفی عنہا الزوج ہوں، اور سورۃ بقرہ کی محمولہ بالا آیت غیر حاملہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابو السنابلؓ نے جو فتویٰ دیا تھا اس کی قوی بنیاد موجود تھی اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سبیعہؓ کے قصہ میں چار مہینے دس دن سے قبل حاملہ متوفی عنہا الزوج کی عدت کے پورا ہو جانے کی تصریح نہ ہوتی تو شاید اکثر اہل علم وہی فتویٰ دینے پر مجبور ہوتے جو ابو السنابلؓ نے دیا تھا۔

الغرض ابو السنابلؓ کے قصہ میں زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطا ہوئی، جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمادی۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں، مجتہد اگر اجتہاد میں خطا کرے تو اس کو بھی ایک اجر ملتا ہے، اس لئے اس واقعہ سے یہ استدلال کرنا کہ صحابیؓ کی تقلید صحیح نہیں، یہ بات حافظ ابن حزمؒ کی عقل ہی میں آسکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

یہاں آنجنابؓ کی توجہ ایک اور نکتہ کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ جس حاملہ عورت کا شوہر انتقال کر جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو السنابلؓ کے فتویٰ کے خلاف اس کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتویٰ کے بعد جمہور علماء

سلف اور ائمہ فتویٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ وہی رہا جو ابوالسئلہ نے دیا تھا۔ اور جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی تھی۔ حافظ ابن حجر فتح البدری میں لکھتے ہیں:

”وقد قال جمهور العلماء من السلف وأئمة الفتوى

في الأمصار: إن الحامل إذا مات عنها زوجها تحل بوضع الحمل وتنقضى عدة الوفاة، وخالف في ذلك علي فقال:

تعتد آخر الأجلين، ومعناه أنها أن وضعت قبل مضي أربعة أشهر وعشر تربصت إلى انقضائها ولا تحل بمجرد الوضع، وإن انقضت المدة قبل الوضع تربصت إلى الوضع.

أخرجه سعيد بن منصور وعبد بن حميد عن علي بسند صحيح، وبه قال ابن عباس كما في هذه القصة، ويقال إنه رجح عنه، ويقويه أن المنقول عن اتباعه وفاق الجماعة

في ذلك“ (فتح البدری..... صفحہ ۷۳، ۷۴، جلد ۹)

ترجمہ: ”جمهور علمائے سلف اور ائمہ فتویٰ کا قول یہ ہے کہ حاملہ عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وضع حمل کے ساتھ ہی وہ آزاد ہو جائے گی۔ اور اسی کے ساتھ اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ حضرت علیؑ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ایسی عورت دونوں مدتوں میں سے بعد والی مدت تک عدت گزارے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو گیا تو وہ چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی۔ صرف وضع حمل سے وہ آزاد نہ ہوگی۔ اور اگر مدت مذکورہ وضع حمل سے پہلے پوری ہو گئی تو وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

حضرت علیؑ سے یہ فتویٰ سعید بن منصور اور عبد بن حمید نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں مذکور ہے۔ ابن عباسؓ کا قول

بھی یہی تھا۔ پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور ان سے اجماع امت کے ابتداء کا منقول ہونا اس (رجوع) پر قوی دلیل ہے۔“

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو فتویٰ نقل کیا ہے شیعہ مذہب کی مستند کتابوں میں اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔ چنانچہ ”فروع کلنی“ میں اس سلسلہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔ یہاں دو روایتیں نقل کرتا ہوں:

۴۔ محمد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد، عن علي بن الحكم، عن موسى بن بكر، عن زرارة، عن أبي جعفر ع قال: عدت المتوفى عنها زوجها آخر الأجلين لأن عليها أن تصد أربعة أشهر وعشر وأليس عليها في الطلاق أن تصد.

۵۔ علي بن إبراهيم، عن أبيه، وعدة من أصحابنا، عن سهل بن زياد، عن ابن أبي نجران، عن عاصم بن حيد، عن محمد بن قيس، عن أبي جعفر ع قال: قضى أمير المؤمنين ع في امرأة توفي عنها زوجها وهي حلي فولدت قبل أن تنقضي أربعة أشهر وعشر فتزوجت قضى أن يغلي عنها ثم لا يخطبها حتى ينقضي آخر الأجلين فإن شاء أولياء المرأة أنكحوها وإن شاؤوا أنسكحوها فإن أنسكحوها ردوا عليه ماله. (الفتوح من الكلني..... صفحہ ۱۱۳، جلد ۶۔ مطبوعہ تہران)

۳۔ ترجمہ: ”زرارہ نے ابو جعفر سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ متحلی

عنا زوجہ کی عدت دونوں مدتوں میں سے آخر میں پوری ہونے والی ہوگی۔

کیونکہ وہ چار ماہ دس دن تو (بہر حال) سوگ منائے گی۔ جبکہ طلاق کی

صورت میں اس سوگ کا سوال ہی نہیں۔“

۵۔ ترجمہ: ”محمد بن قیس ابو جعفرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں

نے فرمایا: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسی عورت کا مقدمہ

آیا جس کا شوہر وفات پا چکا تھا اور وہ حاملہ تھی۔ اس کے ہاں چار ماہ دس دن

گزرنے سے قبل ہی ولادت ہو گئی تو اس نے (کسی سے) نکاح کر لیا۔ مگر

آپؑ نے حکم فرمایا کہ شوہر اس کو اپنے سے علیحدہ کر دے اور آخری مدت

پوری ہونے تک اس کو پیغام نکاح نہ بھیجے اس کے بعد اگر عورت کے اولیاء

چاہیں تو اس کا نکاح کر دیں اور روکنا (منع کرنا) چاہیں تو روک لیں۔ البتہ

روکنے (منع کرنے) کی صورت میں اس مرد سے (مروغیرہ میں) لیا ہوا

مل والیس لوٹا دیں۔“

ان روایات کی روشنی میں ”تہذیب الاحکام“ اور ”من لا یحضرہ الفقیہ“ میں بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے:

وَإِذَا كَانَتْ لِلتَّوْفِيقِ حَتَّى زَوْجَهَا حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَمَدُ الْأَجَلِينَ ، إِنْ أَتَتْهُ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَمْ تَضَعْ حَمْلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلًا ، وَإِنْ وَضَعَتْ حَمْلًا قَبْلَ انْقِضَاءِ الْأَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا كُنَّ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

(تہذیب الاحکام..... صفحہ ۱۵۰، جلد ۸)

ترجمہ: ”اور اگر متوفی عشا زوجہ حاملہ ہو تو اس کی عدت دونوں میں سے بعد والی مدت شمار ہوگی۔ یعنی اگر اس نے چار ماہ دس دن پورے کر لئے مگر وضع حمل نہ ہوا تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اور اگر چار ماہ دس دن گزرنے سے قبل ہی ولادت ہو گئی تو بھی اس کو چار ماہ دس دن تک عدت میں ہی رہنا ہوگا۔“

۱۔ دومی زرارۃ عن أبي جعفر عليه السلام قال :

وَالْحَبْلُ النَّوَفِيُّ عَنْهَا زَوْجَهَا بَعْدَ الْأَجَلِينَ ، إِنْ وَضَعَتْ قَبْلَ أَنْ تَضَعَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرَةَ أَيَّامٍ لَمْ تَنْقُضْ عِدَّتَهَا حَتَّى تَضَعَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرَةَ أَيَّامٍ قَبْلَ أَنْ تَضَعَ لَمْ تَنْقُضْ عِدَّتَهَا حَتَّى تَضَعَ . (من لا یحضرہ الفقیہ..... صفحہ ۳۲۹، جلد ۳)

ترجمہ: ”حاملہ جس کا شوہر فوت ہو گیا وہ دونوں میں سے بعد والی مدت تک عدت میں رہے گی۔ اگر اس کے ہاں چار ماہ دس دن سے قبل ہی ولادت ہو گئی تو اس سے اس کی عدت پوری نہیں ہوئی، بلکہ وہ چار ماہ دس دن عدت میں رہے گی۔ اور اگر وضع حمل سے پہلے ہی چار ماہ دس دن پورے ہو گئے تو بھی اس کی عدت اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے۔“

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ابو السائل ”اس لئے لائق اعتماد نہیں رہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

اصلاح فرمادی تھی تو آنجناب کے نزدیک وہ بزرگ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کیسے لائق اعتماد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ صادر ہو جانے کے بعد اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں؟ یہ کیسا اندھیر ہے کہ اگر ایک صحابیؓ کے اجتہادی فتویٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح فرمادیں تو وہ صحابیؓ آنجناب کے نزدیک ناقابل اعتماد ٹھہرتے ہیں، اور دوسرے صحابیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فتویٰ کے خلاف فتویٰ صادر فرماتے ہیں وہ آپ کے نزدیک معصوم عن الخطا قرار پاتے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

خبر یہ تو ایک خن گسترانہ بات تھی، کتنا یہ ہے کہ جمہور ائمہ فتویٰ کے خلاف ابن حرمؒ کا موقف غلط اور ان کا استدلال بے جاں ہے۔

دوسری بحث: صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں، اس کے نقلی دلائل

آنجناب نے تحریر فرمایا تھا کہ عقلی و نقلی دلائل اتباع صحابہؓ کے ثبوت کا ساتھ نہیں دیتے۔ نقلی دلائل کی فہرست میں قرآن کریم، احادیث نبویہؐ اور اکابر امت کے ارشادات آتے ہیں۔ آئیے قرآن و سنت اور ارشادات اکابر کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیں۔

اتباع صحابہؓ قرآن کریم کی نظر میں

سب سے پہلے قرآن مجید کو لیجئے۔ قرآن کریم کی ہر آیت سے تصریحاً و تلویحاً صحابہ کرامؓ کا دوسرے لوگوں کے لئے واجب الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک آیت میں ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں نقل کر چکا ہوں۔ جس میں صحابہ کرامؓ کے راستہ کو ”سبیل المؤمنین“ فرما کر اس سے انحراف کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ چار آیتیں اوپر ذکر کر چکا ہوں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہؓ صراط مستقیم پر تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ”صراط مستقیم“ پر چلے گا خواہشمند ہو، اسے صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنی ہوگی۔ اور ان کے راستہ پر چلنا ہوگا۔ یہاں مزید چند آیات نقل کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اتباع کا صراحتاً یا اشدۃً حکم فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت:

قوله تعالى: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۱۳)

”وَأَسَدُ بْنُ جَبْرِ (۱-۱۷۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَالرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ

وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم: في قوله: ﴿قَالُوا أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ يعنون أصحاب محمد ﷺ ويقول الحافظ ابن كثير في تفسيره (۱-۵۰): ﴿قَالُوا أَتُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ يعنون -لعنهم الله- أصحاب رسول الله ﷺ -رضي الله عنهم- قاله أبو العالية والسدي في تفسيره عن ابن عباس وابن مسعود وغير واحد من الصحابة، وبه يقول ابن أنس وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم وغيرهم. وأخرج ابن عساكر في تاريخه بسند واه عن ابن عباس في قوله: ﴿آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ قال أبو بكر وعمر وعثمان وعلي كَمَا فِي الدَّر (۱-۳۰).

(سورة البقرة: ۱۳)

ترجمہ: ”اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے یہ یوقوف۔ جان لو وہی ہیں یہ یوقوف لیکن جانتے نہیں۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

”ابن جریر طبری (۱/۱۲۸) نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمت سے اصحابؓ (کے علاوہ) ربیع بن انسؓ اور عبدالرحمن بن زید بن اسلمؓ سے فرمان باری تعالیٰ ”اتؤمن کما آمن السفہاء“ کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ ”وہ اس سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے تھے۔“ اور حافظ ابن کثیر (۱/۵۰) کہتے ہیں کہ ”اتؤمن کما آمن السفہاء“ سے ان ملعونوں کی مراد اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ابو العالیہ اور سدی نے بھی ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور ہمت سے صحابہؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے اور یہی قول ابن انسؓ اور عبدالرحمن بن زید بن اسلمؓ وغیرہ حضرات کا ہے۔ ابن عساكر نے اپنی تاریخ میں ابن عباسؓ سے ایک کزور سند کے ساتھ ان کا یہ قول درج کیا ہے کہ:

”امنوا كما آمن الناس“ یعنی جیسے لوگوں، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم ایمان لائے)۔

اس آیت شریفہ میں منافقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جیسا ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور اس کے جواب میں منافقین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ کیا ہم ان یزوتوں کی طرح ایمان لائیں؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ منافق خود ہی احق اور یزوتوں ہیں، مگر ان کو علم ہی نہیں کہ عقل و خرد کے کتے ہیں اور حماقت و یزوتی کیا چیز ہے؟ اس آیت شریفہ سے چند امور مستفاد ہوئے:

اول: صحابہ کرام کا ایمان کامل اور معیاری تھا، جس کے مطابق ایمان لانے کی منافقین کو دعوت دی گئی، اگر ان کا ایمان ناقص یا مشتبہ ہوتا تو منافقین کو یہ دعوت ہرگز نہ دی جاتی کہ وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم کے جیسا ایمان لائیں۔

دوم: ایمان اور ایمانیات میں صحابہ کرام کی اتباع واجب ہے اور وہ تمام لوگ جو ایمان کے مدعی ہیں ان کا فرض ہے کہ اپنے ایمان کا صحابہ کرام کے ایمان کی کسوٹی پر امتحان کریں۔

سوم: صحابہ کرام کے حق میں گستاخیاں کرنا، ان کو احق و بے عقل کہنا اور ان کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال کرنا منافقوں کا وتیرہ ہے۔

چہارم: جو شخص صحابہ کرام کے حق میں زبان درازی کرے حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے اس کو اسی طرح کا جواب دیا جاتا ہے۔ جو شخص ان کو احق کہے، وہ عند اللہ خود احق ہے۔ اور جو شخص ان کو بے ایمان یا منافق کہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں خود بے ایمان اور منافق ہے۔

پنجم: جو لوگ صحابہ کرام پر طعن کرتے ہیں، ان کی یادہ گوئی ان کی بے علمی، حقیقت ناشناسی اور جہل مرکب کا نتیجہ ہے۔

دوسری آیت:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

(البقرہ..... ۱۳۶، ۱۳۷)

ترجمہ: ”تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ابراہیم پر اور جو اسماعیل پر اور جو اسحاق پر اور جو یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں۔“

سواگر وہ بھی ایمان لادیں جس طرح پر تم ایمان لائے تو ہدایت پائی انسانوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر، سواب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

پہلی آیت میں صحابہ کرام کو ایمانیات کے ایک حصہ کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب اگر تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت کو پالیں گے، ورنہ وہ شقاق و نفاق میں مبتلا رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے شر سے آپ کی کفایت فرمائیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایمانیات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان معیاری ہے اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کو ان کے جیسا ایمان لانے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ لہذا ایمان اور ایمانیات میں بھی صحابہ کرام کی اتباع شرط ہدایت ہے۔

تیسری آیت: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ يَأْخُذُونَ رِضْيَ اللَّهِ عَنْهُمْ وَيَرْضَوْنَ عَنْهُ وَأَعَدُّ
لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ
الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ثَمَّ تَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ
مَرَّةً ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

(سورہ توبہ ۱۰۱-۱۰۰ ترجمہ شیخ السند)

ترجمہ: ”اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد
کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے انکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور
وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے بلع کہ جہنمی ہیں
نیچے ان کے نمبریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور بعض
تمہارے گرد کے گنہگار منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ والے، اڑ رہے ہیں نفاق
پر۔ تو ان کو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں۔ ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار پھر
وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔“

اس آیت شریفہ میں چند افادات ہیں:

اول: حضرات مہاجرین و انصار میں سے جو السابقون الاولون ہیں ان سے غیر

مشروط طور پر چار وعدے فرمائے گئے:

۱- اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے راضی ہوا۔

۲- وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

۳- ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنمیں تیار کر رکھی ہیں۔

۴- وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا گیا کہ ان چار وعدوں کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے کہ اس
سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

دوم: مہاجرین و انصار کے علاوہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے بھی
یہی چار وعدے ہیں، مگر اس شرط پر کہ یہ لوگ حسن و خوبی اور اخلاص کے ساتھ مہاجرین و

انصار کی پیروی کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ بعد کی پوری امت پر مہاجرین و انصار کی اتباع
بالاحسان لازم ہے اور یہ ان کی قبولیت عند اللہ کے لئے شرط اعظم ہے۔

سوم: دوسری آیت میں مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ تمہارے
گرد و پیش کے دیہاتوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے
نفاق میں پختہ کار ہیں۔ حضرات مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے منافقین کی اطلاع دینا
اس امر کی دلیل ہے کہ السابقون الاولون مہاجرین و انصار میں سے کوئی شخص منافق نہیں
تھا۔

الغرض اس آیت شریفہ میں آنے والی تمام امت پر مہاجرین و انصار کی پیروی
لازم کی گئی ہے جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں۔

چوتھی آیت:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

(آل عمران ۱۱۰۔ ترجمہ شیخ السند)

ترجمہ: ”تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں۔ حکم کرتے ہو
ایچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ
پر۔“

اس آیت شریفہ میں خطاب اولاً و بالذات ان صحابہ کرامؓ سے ہے جو نزول
آیت کے وقت موجود تھے اور ان کی چار صفات ذکر فرمائی گئی ہیں۔

۱- ان کا سب سے بہتر جماعت ہونا۔

۲- تمام انسانیت کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کے لئے ان کا بروئے کار

لایا جانا۔

۳- ان کا امر بالمعروف اور ”ناہی عن المنکر“ ہونا۔

۴- اور ان کا قطعی و یقینی مومن ہونا۔

چونکہ آیت شریفہ میں صحابہ کرامؓ کو ”خیر امت“ کا تاج پہنا کر انہیں پوری

انسانیت کا مرشد و مربی قرار دیا گیا ہے اس لئے ان کے بعد کے تمام لوگوں پر ان کے ارشاد کی تعمیل واجب ہوگی۔

نیز ان حضرات کو آرمہ المعروف اور ناہی عن المنکر فرمایا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات نے جس چیز کا حکم دیا وہ عند اللہ معروف ہے، اس لئے اس کی تعمیل واجب ہے۔ اور جس چیز سے ان حضرات نے منع فرمایا وہ عند اللہ منکر ہے، اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے۔

سردست انہی چار آیات پر اکتفا کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اقتدا و اتباع پوری امت کے لئے واجب کی گئی ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعد کی امت کا کوئی عقیدہ و عمل صحابہ کرامؓ کی اتباع کے بغیر لائق اعتبار نہیں۔

اتباع صحابہؓ احادیث نبویہ کی روشنی میں

احادیث شریفہ میں بھی صراحتاً و اشارتاً حضرات صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے تمسک کا حکم فرمایا گیا ہے۔ یہاں چار احادیث ذکر کرتا ہوں:

پہلی حدیث:

"عن علی قال قلت یا رسول اللہ ان نزل بنا أمر

لیس فیہ بیان أمر ولا نہی فما تأمرنی قال شاوروا فیہ

الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ، (رواہ

الطبرانی فی الأوسط ورجالہ موثقون من اهل الصحیح)

(مجمع الزوائد..... صفحہ ۷۸، جلد ۱)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں

نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر (آپ کے بعد) ہمیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش

ہو جائے کہ اس میں امر و نہی کا کوئی بیان پہلے سے موجود نہ ہو تو آپ کا

ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت فقہاء و عابدین سے

مشورہ کرو اور کسی ایک خاص شخص کی رائے پر عمل پیرا مت ہونا۔"

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے۔ چنانچہ حافظ نور الدین ہمشمیؒ نے اس حدیث کو "باب الاجماع" کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اجماع صرف فقہاء و عابدین کا معتبر ہے، غیر فقہاء اور اہل ابواء کے اقوال لائق التفات نہیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فقہاء و عابدین کے مشورہ کے محتاج تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطور خاص اس کی وصیت فرمائی تھی۔

دوسری حدیث:

"ومن ابی بردۃ عن ابیہ قال رفع یمنی النبی

ﷺ رأسہ الی السماء وکان کثیرا من یرفع رأسہ الی

السماء فقال النجوم أمنة للسماء فإذا ذهبت النجوم أتی

السماء ما توعدا وأنا أمنة لأصحابی فإذا ذهبت أنا أتی

أصحابی ما یوعدون وأما ابی أمنة لأمتی فإذا ذهبت

أصحابی أتی أمتی ما یوعدون" رواہ مسلم

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۳)

ترجمہ: "حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا جیسا کہ اکثر آپؐ

(انتظار وحی میں) اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھالیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا

کہ ستارے آسمان کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں، جس وقت یہ

ستارے جلتے رہیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آجائے گی، جس کا وعدہ کیا

گیا ہے اور میں اپنے صحابہؓ کیلئے امن و سلامتی ہوں جب میں اٹھ جاؤں گا تو

صحابہ اس چیز میں مبتلا ہو جائیں گے جو موعود مقدر ہے۔ اور میرے صحابہؓ

میری امت کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں۔ جب یہ دنیا تباہ جائے

گے تو میری امت پر وہ چیز آئے گی جو موعود مقدر ہے۔"

"قال فی جامع الأصول (۸/۵۵۵): (أتی

أصحابي ما يوعدون) إشارة إلى وقوع الفتن، ومجئ الشر عند ذهاب أهل الخير، فإنه لما كان عليه السلام بين أظهرهم كان بين لهم ما يختلفون فيه، فلما فقد جالت الآراء واختلفت فكان الصحابة يسندون الأمر إلى رسول الله ﷺ في قول أو فعل أو دلالة حال، فلما فقد الصحابة قل النور وقويت الظلمة.

”صاحب جامع الأصول (۵۵۵/۸) لکھتے ہیں کہ ”اے اصحابی ما یوعدون“ میں فتنوں کے ظہور اور کل خیر کے اٹھ جانے کے باعث شرپسندان کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان موجود تھے تو ان کے باہمی کسی اختلاف کی صورت میں آپ ان کو صحیح رہا کرتے رہے۔ مگر آپ کے وصال کے بعد مختلف آراء سامنے آئیں اور اختلاف رونما ہوا۔ البتہ صحابہ کرام کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا دلالت حال (تقریر) سے رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ اور جب صحابہ اٹھ گئے تو نور (علم) مدھم ہو گیا اور ظلمت قوی تر ہو گئی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی جماعت ابواء و بدعات سے پاک تھی، اس لئے امت کو عقائد و اعمال میں ان حضرات کے نقش قدم کی پیروی لازم ہے۔

تیسری حدیث: ”وعن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ أن النبی

ﷺ قال: ”خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم۔ قال عمران: فلا أدری أذكر بعد قرنه: قرنین أو ثلاثة؟ ثم إن بعدہم قوم یشہدون ولا یتشہدون،

وینخونون ولا یؤمنون، وینذرون ولا یوقون، ویظہر فیہم

السمن“۔ (بخاری صفحہ ۵۱۵، جلد ۱۔ مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر لوگ میرے دور کے ہیں، پھر جو ان سے متصل ہوں گے، پھر وہ جو ان سے متصل ہوں گے۔ حضرت عمران سے کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ نے اپنے دور کے بعد دو ادوار کا ذکر فرمایا یا تین کا پھر اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے کہ وہ (غولہ خواہ) قسمیں کھائیں گے حالانکہ ان سے قسم طلب نہ کی جائے گی۔ خائف ہوں گے امت دار نہ ہوں گے، نذر نائیں گے مگر پوری نہ کریں گے۔ ان پر موٹا پا چڑھا ہوگا۔“

یہ حدیث متواتر ہے اور متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ ان میں سے چند اسماء گرامی یہ ہیں:

- ۱۔ عبد اللہ بن مسعود (بخاری صفحہ ۵۱۵، جلد ۱۔ مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۲۔ عمر بن خطاب (ترمذی صفحہ ۵۳، جلد ۱۔ عبد الرزاق صفحہ ۳۷۱، جلد ۱۱)
- (مسند حمیدی صفحہ ۱۹، جلد ۱۔ مجمع الزوائد صفحہ ۱۹)
- ۳۔ ابو ہریرہ (صحیح مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۴۔ عائشہ (صحیح مسلم صفحہ ۳۱۰، جلد ۲)
- ۵۔ بریدہ اسلمی (مجمع الزوائد صفحہ ۱۹، جلد ۱۰)
- ۶۔ نعمان بن بشیر (صحیح مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۷۔ انس (صحیح مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۸۔ سرہ بن جندب (صحیح مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۹۔ ابو ہریرہ اسلمی (مجمع الزوائد صفحہ ۲۰، جلد ۱۰)
- ۱۰۔ جعد بن سبیرہ (صحیح مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۱۱۔ جبیلہ بنت ابی جہل (صحیح مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی المرتبہ تین زمانوں کو خیر القرون فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا بہترین حصہ

حضرات صحابہ کرامؓ تھے۔ یہ حدیث گویا قرآن کریم کی آیت ”کنتم خیر امة“ کی تفسیر ہے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے افضل حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے اس لئے اس آیت و حدیث کی روشنی میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ صحابہ کرامؓ کے دور کو خیر القرون قرار دینے سے مدعا یہ ہے کہ بعد کی امت کے لئے وہ مثالی نمونہ ہیں۔ لہذا جو شخص صحابہ کرامؓ کی جس قدر پیروی کرے گا وہ اسی قدر موصوف بالخیر ہوگا۔

چوتھی حدیث:

”ومن معاذ بن جبل أن رسول الله ﷺ لما بعثه

إلى اليمن قال: كيف تقضى إذا عرض لك قضاء؟ قال:

أقضى بكتاب الله، قال فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال:

فبسنة رسول الله ﷺ، قال: فإن لم تجد في سنة رسول

الله؟ قال: أجتهد رأيي ولا آلو، قال فضرب رسول الله

ﷺ على صدره، وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول

الله لما يرضى به رسول الله. (رواه الترمذی وأبو داؤود

والدارمی)

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن (کاوالی بنا کر) بھیجا تو پوچھا کہ

جب تجھے کسی معاملہ کا فیصلہ کرنا پڑے تو کس طرح کرو گے؟ انہوں نے

عرض کیا، کتاب اللہ سے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر اس کا حل کتاب اللہ

میں نہ پاؤ؟ (تو کیا کرو گے) عرض کیا، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے۔ آپ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ؟ (تو کیا کرو گے) عرض

کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر چھکی دی اور فرمایا، اس اللہ ہی کے لئے جو ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس نے رسول اللہ کو خوش کر دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجتہادی فیصلے بھی حجت شرعیہ ہیں اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر رضامندی ثبت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

وَسَيَهْلِكُ فِي صِنْفَانِ : مُجِبٌ مُفْرَطٌ يَنْعَبُ بِهِ

الْحَبُّ إِلَى غَيْرِ الْحَقِّ ، وَمُبْغِضٌ مُفْرَطٌ يَنْعَبُ بِهِ الْبَغْضُ إِلَى غَيْرِ الْحَقِّ .

وَيُخَيَّرُ النَّاسُ فِي حَالِ الْأَنْطِطِ الْأَوْسَطِ فَالزُّمُّوهُ . وَالزُّمُّوهُ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ

فَإِنَّ بَدَأَ اللَّهُ مَعَ الْجَمَاعَةِ . وَإِيَّاكُمْ وَالْمَرْفَقَةَ !

فَإِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشُّبْطَانِ . كَمَا أَنَّ الشَّاذَّ مِنَ الْقَوْمِ لِلنَّسَبِ .

أَلَا مَنْ دَعَا إِلَى هَذَا الشَّعَارِ ”“ فَاقْتُلُوهُ ، وَلَوْ كَانَ تَحْتَ عِمَامَتِي هَذِهِ ،

(شرح البلاغہ صفحہ ۱۸۳، خطبہ نمبر ۱۲)

ترجمہ: ”مجھ سے متعلق دو گروہ ہلاکت میں مبتلا ہوں گے۔ ایک میری

محبت میں حد سے بڑھ جانے والا گروہ کہ میری محبت ان کو گمراہی میں پھنسا

دے گی۔ اور دوسرا گروہ مجھ سے شدید بغض رکھنے والا کہ ان کو میرا بغض

گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔ اور بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے متعلق اعتدال

کی راہ پر ہیں (کہ نہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں نہ محبت میں غلو) لہذا تم اس

روش کو لازم پکڑو اور سواد اعظم کے ساتھ خشک رہو۔ اللہ کی نصرت یقیناً

جماعت کے ساتھ ہوتی ہے باہمی انفریق سے بچتے رہو کیونکہ ربوڑ سے بچنے والی بکری بھینڑی کی ہی خوراک بنتی ہے۔ خبردار جو شخص بھی اس (انفریق

کی) سمت بلائے اس کو قتل کر ڈالو خواہ وہ میرے اس عملہ کے زیر سایہ ہی

کیوں نہ ہو۔“

حضرت علی کریم اللہ وجہ کے زمانہ میں فتنہ ابن سبا اور فتنہ خوارج کی وجہ سے تین فریق بن گئے تھے:

اول: جو حُبِّ علیؑ میں غلو کر کے ان کو شیخینؑ سے افضل اور خلیفہ بلا فصل قرار دیتا تھا۔

دوم: جو بغض علیؑ کی بنا پر ان کو نہ صرف مقبولانِ الہی کی فہرست سے، بلکہ دائرہ اسلام ہی سے خارج قرار دیتا تھا۔

سوم: جو ان کو افضل والا کبر صحابہؓ میں شمار کرتا تھا۔ اور انہیں رابع الخلفاء الراشدين قرار دیتا تھا۔ یہی مسلمانوں کا سوا اہم عقلم تھا جس کو لازم پکڑنے کی حضرتؑ نے تاکید فرمائی اور اول الذکر دونوں فریقوں کی تفرقہ پسندی سے مسلمانوں کو بچنے کی تاکید فرمائی۔

اس ارشادِ گرامی سے صحابہؓ و تابعینؓ کا۔ جو حضرتؑ کے زمانہ میں سوا اہم عقلم کا مصداق تھے۔ لائقِ اقتدا ہونا واضح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد:

”وعن ابن مسعود قال: من كان مستنًا فليست بن

قد مات فإن الحى لا تومن عليه الفتنة أولئك أصحاب

محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها

علما، وأقلها تكلفها، إختارهم الله لصحبة نبيه، وإقامة

دينه، فأعرفوا لهم فضلهم، وأتبعوهم على أثرهم، وتمسكوا

بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على

الهدى المستقيم“ رواه رزين (مشکوٰۃ..... صفحہ ۳۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو کسی کی اقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اقتدا کرے جو وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ زندہ شخص فتنے سے مامون نہیں، یہ (لائقِ اقتدا حضرات) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ جو اس امت میں سب سے افضل تھے۔ ان کے دل سب سے زیادہ پاکیزہ تھے۔ ان کا علم سب سے گہرا تھا۔ اور وہ سب سے

بڑھ کر تکلف سے بچنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کے لئے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو۔ اور ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے چلو، جس تک ممکن ہو ان کی سیرت و اخلاق کو اپناؤ۔ کیونکہ یہ حضرات ہدایت اور صراطِ مستقیم پر تھے۔“

”وعن ابن مسعود قال: إن الله نظر في قلوب

العباد فاختر محمد ﷺ فبعثه برسالة وانتخبه بعلمه، ثم

نظر في قلوب الناس بعده، فاختر له أصحابا، فجعلهم

أئصار دينه ووزراء نبيه، وما رآه المؤمنون حسنا فهو عند

الله حسن، وما رآه المؤمنون قبيحا فهو عند الله قبيح“

(مسند ابی داؤد طرابلسی..... صفحہ ۳۳)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ

شانہ نے بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

قلب اطہر کو چن لیا۔ پس آپؐ کو اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپؐ

کو اپنے علم کے ساتھ منتخب فرمایا۔ پھر آپؐ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر

فرمائی تو آپؐ کے لئے صحابہ کرامؓ کو چن لیا۔ اور ان کو دین کے مددگار اور

اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر بنایا۔ اور جس چیز کو اہل ایمان

(بلا حائق) اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے۔ اور جس چیز کو اہل

ایمان برا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بری ہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد:

”قال كتب رجل إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن

القدر فكتب أما بعد: أوصيك بتقوى الله والاقتصاد في

أمره واتباع سنة نبيه صلى الله عليه وسلم وترك ما أحدث

المحدثون بعد ما جرت به سنته وكفوا مؤنته، فعليك بلزوم

السنة، فإنها لك بإذن الله عصمة، ثم اعلم أنه لم يبتدع

الناس بدعة إلا قد مضى قبلها ما هو دليل عليها أو عبرة فيها، فإن السنة إنما سنّها من قد علم مافى خلافتها - ولم يقل ابن كثير من قد علم - من اخطأ والزلل والحقق والتعمق، فارض لنفسك ما رضى به القوم لأنفسهم، فإنهم على علم وقفوا، و ببصر نافذ كفوا، ولهم على كشف الأمور كانوا أقوى، بفضل ما كانوا فيه أولى، فإن كان الهدى ما انتم عليه لقد سبقتهم إليه، ولئن قلتم إنما حدث بعدهم ما أحدثه إلا من اتبع غير سبيلهم، ودغى بنفسه عنهم، فإنهم هم السابقون، فقد تكلموا فيه بما يكفى، ووصفوا منه ما يشفى، فما دونهم من مقصر، وما فوقهم من محصر، وقد قصر قوم دونهم فجفوا، وطمع عنهم أقوام ففلوا، وأنهم بين ذلك لملئى هدى مستقيم.

(ابو داؤد..... صفحہ ۶۳۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں خط لکھا، جس میں ان سے مسئلہ تقدیر کے بارے میں سوال کیا تھا۔ آپ نے حرم صلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا:

میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور اس کے معاملے میں اعتدال اور میزہ روی اختیار کرنے کی، اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے کی، اور ان بدعت کو ترک کرنے کی جن کو اہل بدعت نے ایجاد کیا ہے، بعد اس کے کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاری ہو چکی ہے، اور لوگوں کو اس کی ذمہ داری اٹھانے سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی جان لو کہ لوگوں نے جو بدعت بھی ایجاد کی ہے اس کا حل یہ ہے کہ اس بدعت کے وجود میں آنے سے پہلے ہی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ) اس بدعت (کے باطل ہونے) پر دلیل قائم ہو چکی ہے، یا اس کے بطلان کی مثل موجود ہے۔ کیونکہ جس

ذات نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ) سنت کو جاری کیا ہے اس کو علم تھا کہ اس سنت کی خلاف ورزی میں کیا غلطی، کیا لغزش، کیا حماقت اور کیا بے جا تکلف ہے۔ لہذا تم بھی اپنی ذات کے لئے اسی طریق کو پسند کرو جو سلف صالحینؓ نے اپنے لئے پسند کیا، کیونکہ یہ حضرات صحیح علم پر مطلع تھے، اور وہ گہری بصیرت کی بنا پر ان بدعت سے باز رہے۔ بلاشبہ یہ حضرات معلومات کی تہ تک پہنچنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ اور اس علم و بصیرت کی بنا پر جو ان کو حاصل تھی اس کے زیادہ مستحق بھی تھے۔ پس اگر ہدایت کا راستہ وہ ہے جو سلف صالحینؓ کے برخلاف تم نے اختیار کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم لوگ ہدایت کی طرف ان حضرات سے (نعوذ باللہ) سبقت لے گئے (اور یہ ناممکن اور باطل ہے) اور اگر تم کہو کہ یہ چیز تو سلف صالحینؓ کے بعد پیدا ہوئی ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس چیز کو انہی لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو سلف صالحینؓ کے راست سے ہٹ کر دوسرے راستے پر چل پڑے۔ اور انہوں نے سلف صالحینؓ سے کٹ جانے کو اپنے لئے پسند کیا (اور یہی تمام گمراہیوں کی جڑ ہے) کیونکہ یہ حضرات (خیر و ہدایت کی طرف) سبقت کرنے والے تھے۔ انہوں نے زیر بحث مسئلہ میں اتنا کام کر دیا جو کافی ہے، اور انہوں نے اس کی اتنی تشریح فرمادی جو دانی و شافی ہے۔ پس انہوں نے جو کچھ فرمایا اس میں تقریفاً اور کمی کرنا کوتاہی ہے۔ اور اس سے بڑھنا اور افراط سے کام لینا بلاوجہ اپنے کو عاجز و ہلکا بن کرنا ہے، چنانچہ کچھ لوگوں نے سلف صالحینؓ کی تشریح و وضاحت میں تقریفاً اور کوتاہی سے کام لیا تو جفا کے مرکب ہوئے، اور کچھ لوگوں نے تشریح و وضاحت میں سلف صالحینؓ سے آگے نکلنا چاہا تو غلو میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ حضرات افراط و تقریفاً کے درمیان رہتے ہوئے صراطِ مستقیم پر قائم تھے۔“

تیسری بحث: اتباع صحابہؓ کے وجوب پر عقلی دلائل

فعلی دلائل کے بعد اب عقل سلیم کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ جس طرح مندرجہ بالا آیات و احادیث اور آئمہ سے صحابہ کرامؓ کی اتباع کا ضروری ہونا ثابت ہے اسی طرح اتباع صحابہؓ عقلاً بھی ضروری و لازم ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ ابو زہرہ نے

تین عقلی دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ یہ ناکارہ ان کے ذکر کردہ دلائل کو انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ اس کے بعد جو تھی دلیل اپنی طرف سے عرض کرے گا۔ واللہ الموفق۔

”الصحابۃ شاهدوا النبی ﷺ وتلقوا عنہ الرسالة الحممدیۃ، وہم الذین سمعوا منہ بیان الشریعۃ، ولذلك قرر جمهور الفقہاء ان أقوالہم حجة بعد النصوص، وقد احتج الجمهور لحجیۃ أقوال الصحابة بدلیل من النقل، وأدلة من العقل، أما النقل فقولہ تعالیٰ: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ﴾ المهاجرین والأنصار والذین اتبعوہم بإحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہم فإن اللہ سبحانہ وتعالیٰ مدح الذین اتبعوہم فكان اتباعہم فی ہدیہم أمرا يستوجب المدح، وليس أخذ کلامہم علی أنه حجة إلا نوعا من الاتباع، ولقد قال النبی ﷺ: «أنا أمان لأصحابی، وأصحابی أمان لأمتی» وليس أمانہم للأمة إلا بأن ترجع الأمة إلی قولہم، إذ أمان النبی ﷺ لہم برجوعہم إلی ہدیہ النبوی الکرم.

وأما العقل فمن وجہ:

أولها: أن الصحابة أقرب إلی رسول اللہ ﷺ من سائر الناس، وہم الذین شاهدوا مواضع التنزیل، ولہم من الإخلاص والعقل والاتباع للہدی النبوی ما يجعلہم أقدر علی معرفة مراسی الشرع، إذ ہم رأوا الأحوال إلی نزلت فیہا النصوص، فإدراکہم لہا یکون أكثر من إدراک غیرہم، ویكون کلامہم فیہا أجدر الکلام بالاتباع.

ثانیہا: أن احتمال أن تكون آراؤہم سنة نبویۃ احتمال قریب، لأنہم کثیرا ما کانوا یذکرون الأحکام التی بینہا النبی ﷺ لہم من غیر أن یسندوہا إلیہ ﷺ لأن أحدا لم یسألہم عن ذلک، ولما کان ذلک الاحتمال قائما مع أن رأیہم لہ وجہ من القیاس والنظر کان رأیہم أولی بالاتباع، لأنہ قریب من القول موافق للمعقول.

ثالثہا: إنہم إن أثر عنہم رأی أساسہ القیاس، ولنا من یعلمہم قیاس ینخالفہ، فالاحتیاط اتباع رأیہم، لأن النبی ﷺ قال: «خیر القرون قرنی الذی بعثت فیہ» ولأن رأی أحدهم قد یکون مجمعا علیہ منہم، إذ لو کان رأی مخالف لعرفہ العلماء الذین تتبعوا آثارہم، وإذا کان قد أثر عن بعضہم رأی، وأثر عن البعض الآخر رأی ینخالفہ، فالخروج عن مجموع آرائہم خروج علی جمیعہم، وذلك شذوذ فی التفكير یرد علی صاحبہ، ولا یقبل منہ.

ترجمہ..... ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے، انہوں نے آپ سے پیغام محمدی خود حاصل کیا اور بیان شریعت بلا واسطہ آپ سے سنا ہی بنا پر جمہور فقہاء نے قرار دیا کہ نصوص شرعیہ کی عدم موجودگی میں صحابہ کے اقوال حجت ہیں۔ جمہور نے صحابہ کے اقوال کو عقلی و عقلی دلائل کی بنا پر حجت قرار دیا ہے۔

عقلی دلیل تو یہ ہوتی ہے کہ فرماں باری تعالیٰ ہے: ”اور جو لوگ قدم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے انکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔“ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جنہوں نے صحابہ کرام کی

پیروی کی۔ لہذا ان کے طریقہ کی پیروی ایسا محملہ ہے جو قاتل مدح ہے۔ اور صحابہ کے اقوال کو بطور حجت اختیار کرنا یہ بھی اتباع کی ہی ایک صورت ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”میں اپنے صحابہ کیلئے امن و سلامتی کا باعث ہوں اور میرے صحابہ میری امت کیلئے امن و سلامتی کا باعث ہیں۔“ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کیلئے امن و سلامتی کا ذریعہ اسی وقت قرار پائیں گے کہ امت ان کے اقوال کی طرف رجوع کرے کیونکہ نبیؐ ان کے لئے جہی امن ہوئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال پیروی کی۔

اور عقلی دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام لوگوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین تھے۔ انہوں نے قرآن کے نزول کے مقلات و مواقع کو چشم خود دیکھا۔ ان کو انتہائی اخلاص، عقل سلیم اور تعلیم نبویؐ کی اتباع حاصل تھی جس کی بدولت وہ مقصد شرعی کی معرفت پر دوسروں کی یہ نسبت زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے وہ احوال خود ملاحظہ کئے تھے جن کے بارے میں کتاب و سنت انصوح نازل ہوئیں۔ اس لئے کتاب و سنت کے بارے میں ان کا فہم و ادراک دوسروں سے بڑھ کر ہو گا اور اس لحاظ سے ان کا قول زیادہ لائق اتباع ہو گا۔

۲۔ اور یہ بھی احتمال قریب ہے کہ ان کی آراء سنت نبویہ ہوں (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کیونکہ یہ حضرات ایسا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ احکام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر بھی ذکر کر دیا کرتے تھے کیونکہ کسی نے ان سے اس کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا (کہ وہ جو حکم بیان کر رہے ہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے یا خود اپنی رائے سے بیان کر رہے ہیں) چونکہ یہ احتمال قائم ہے (کہ انہوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو) مع بذان ان کی رائے قیاس اور نظر کے لحاظ سے مقلات و رجحان ہو تو ان کی رائے زیادہ لائق اتباع ٹھہرے گی کیونکہ وہ منقول کے بھی قریب ہے اور عقل کے بھی موافق ہے۔

۳۔ اگر ان سے ایسی رائے منقول ہو جس کی بنیاد قیاس پر ہو۔ اور اگر اس کے بعد ہماری رائے قیاس ہی بنیاد پر ان کے خلاف ہو تو احتیاط اسی میں ہے ان کی رائے کی اتباع کی جائے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود

ہے کہ ”سب سے بہتر دور میری بعثت والا زمانہ ہے“ اور اس لئے بھی کہ ان میں سے ایک کی رائے ان کی اجتماعی رائے تھی کیونکہ اگر کسی کی رائے واقعتاً اس کے مخالف ہوتی تو آخر صحابہؓ کی تحقیق کرنے والے علماء کو معلوم ہو جاتی تھی۔ اور اگر کچھ حضرات سے ایک رائے منقول ہو اور بعض دوسرے حضرات سے ان کے مخالف رائے نقل کی گئی ہو تو ان کی آراء کے مجموعہ سے خروج در حقیقت ان کے اجماع سے خروج کے مترادف ہو گا۔ یہ فکری علیحدگی ایسے مفکر کے منہ پر فہم ہادی جائے گی اور ناقابل قبول ہوگی۔“

چوتھی عقلی دلیل:

حضرات صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب ہیں، اور محبوب کی اقتدا و اتباع اہل عقل کے نزدیک مسلم ہے۔

رہا پہلا مقدمہ، یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کی محبوبیت! تو یہ چند وجوہ سے ظاہر و باہر ہے۔

اول: یہ کہ وہ ہمارے محبوب، محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق و محبت اور جانثار و فداکار تھے۔ ان کی نظر محبت نے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمل جہاں آرا کو آئینہ قلب میں جذب کیا تھا۔ اس لئے ان سے محبت کا ہونا تقاضائے ایمان اور لازماً محبت رسولؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل ارشاد گرامی میں اسی مضمون کو اپنے کلام بلاغت التیام میں بیان فرمایا ہے:

”ومن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ

الله الله في أصحابي. الله الله في أصحابي لا

تتخذوهم غرضاً من بعدى فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن

أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن

آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه“

(رواه الترمذی وقال هذا حديث غریب) (مشکوۃ: ۴۰۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، مکرر کہتا ہوں، اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا۔ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔“

دوم: وہ حق تعالیٰ شانہ کے محبت و محبوب تھے جیسا کہ بحیثیت و یحبونہ سے اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ گویا ان کے ہر بن مومن سے یہ آواز آرہی تھی: اے زبے جذب محبت من فدائے خویش من حسن افکند است بر عشقم روائے خویش من چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَعَزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ
لَوْمَةً لَئِيمَةً، ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ
عَلِيمٌ. إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ. وَمَنْ يَتَوَلَّى اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ،

(سورہ مائدہ..... ۵۴ تا ۵۶)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔ نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔ تمہارا رفیق تو ہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی

کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے۔“ (ترجمہ شیخ الحداد) چونکہ ایمان و اعلان ان کے جذر قلوب میں پیوست تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی اور ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
لِيَزِدُوا إِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا. لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ
سَيِّئَاتِهِمْ، وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا (سورہ الحج..... ۵ تا ۴)

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے آمارا طمینان دل میں ایمان والوں کے ماکہ اور بڑھ جائے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا۔ ماکہ پانچواں ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے سرس، ہمیشہ رہیں ان میں اور امار دی ان پر سے ان کی برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملتی۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ
الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ
فَتْحًا قَرِيبًا. وَمَعَائِمٌ كَثِيرَةٌ يَأْخُذُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا (سورہ فتح..... ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: ”حق تعالیٰ اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تھے سے اس درخت لے نیچے، پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا پھر امار ان پر طمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک۔ اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ
الْبَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقُّ بِهَا وَأَهْلَهَا، وَكَانَ اللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (سورۃ فتح..... ۲۶)

ترجمہ: ”جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں کد نالوانی کی ضد، پھر اتارا
اللہ نے اپنی طرف کا طمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور قائم رکھان کو
ادب کی بات پر اور وہی تھے اس لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے
خبردار۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

سوم: محبت کا ایک منشا محبوب کے کمالات ہوتے ہیں۔ اور انبیائے کرام علیہم
السلام کے بعد چشم فلک نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جائزہ خدام جیسے
صاحب کمال افراد نہیں دیکھے۔ اس لئے یہ حضرات اپنے ان کمالات ظاہری و معنوی کی بنا
پر بھی ہمارے محبوب ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے علمی، عملی، اخلاقی اور نفسیاتی کمالات
کی شہادت دی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ
لَهُمُ الْجَنَّةَ، يَفْعَلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَغَدَا
عَلَيْهِ حَقًّا فِي الثَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ
مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ الَّتِي بَايَعْتُمْ بِهِ، وَذَلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. الثَّابِتُونَ الصَّابِرُونَ الصَّامِدُونَ السَّائِحُونَ
الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(سورۃ توبہ..... ۱۱۲، ۱۱۱)

ترجمہ: ”اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر
کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر ملے ہیں اور مرتے

ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا قوریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون
ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس
سے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے،
شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے
والے، حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے اور
حفاظت کرنے والے ان حدود کے جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے
ایمان والوں کو۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

چہارم: یہ حضرات ہمارے عظیم ترین محسن ہیں کہ ہمیں اسلام و ایمان کی
دولت انہی کے دم قدم سے میسر آئی۔ اور قیامت تک آنے والی امت کے نیک اعمال
ان کے نامہ عمل میں درج ہیں۔

ان چار وجوہ سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب و محترم ہیں۔ اور ان
سے محبت رکھنا لازمہ ایمان ہے۔

رہا دوسرا مقدمہ، یعنی محبوب کا مطلع ہونا! سو یہ ایک فطری امر ہے جس کو ہر
خاص و عام جانتا ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہو اس کے نقش قدم کو اپناتا ہے، اسی کے
اطوار و عادات سیکھتا ہے، اور بقدر محبت اس کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ یہ
پہرہ صرف فطری و وجدانی ہے بلکہ محسوس و مشاہد بھی ہے، تاہم اگر نقل سے بھی اس کی
تائید لانا ضروری ہو تو سنئے! حق تعالیٰ شائد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)۔

ترجمہ: ”تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے
تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو حق تعالیٰ شائد سے محبت کا
دعویٰ ہے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہئے۔ کیونکہ آپؐ کی اتباع
در حقیقت اطاعت الہی ہے، اسی بنا پر اس کے بعد فرمایا:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا

(آل عمران ۳۲)

يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾

ترجمہ: "تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اصرار کریں تو اللہ کی محبت نہیں ہے کافروں سے۔"

الغرض محبت مستلزم اتباع ہے اور اتباع خداوندی کی کوئی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نہیں، لہذا مدعیان محبت خداوندی کو اتباع نبوی لازم ہے۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"المراء علی دین خلیلہ فلینظر أحدکم من ینخالل"

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و البیہقی فی شعب الایمان، و قتل الترمذی: ۱۶۱)
حدیث حسن غریب و قتل النووی: اسناد صحیح۔ کذا فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۲

ترجمہ: "انسان اپنے دوست کے طور طریقے اپنا لیتا ہے اس لئے ہر شخص اس کا خیال رکھے کہ کیسے انسان کو اپنا دوست بنا رہا ہے۔"

جب یہ دونوں مقدمے ثابت ہوئے یعنی صحابہ کرامؓ کا محبوب ہونا اور محبوب کا مطلع و مقتدا ہونا تو اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے لئے واجب الاتباع ہیں۔

اہل محبت کے لئے تو یہ دلیل مقنع ہے لیکن حضرات شیعہ اس کو شاید ہی قبول فرمائیں۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اول تو صحابہ کرامؓ لائق احترام و محبت نہیں، بالفرض ہوں بھی تو محبوب کی اطاعت ان کے نزدیک ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود ان کی صورت و سیرت ان محبوبوں سے کوئی میل نہیں کھلتی۔ عوام کا تو کیا کہنا، ان کے مجتہدین تک کو ہم نے معقر اللحدہ دیکھا ہے۔ حالانکہ داڑھی منڈانا اور کٹانا ان اکابر کی سنت نہیں بلکہ دور قدیم کے مجوسیوں کا وطیرہ ہے۔ چنانچہ کسری شاہ ایران کے دو قاصد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے ان کی موچیں بڑھی ہوئی اور داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

و قال: «و یلکما من أمرکما بہذا» قال: أمرنا بہذا رہنا، یعنی ان کسری، فقال رسول اللہ ﷺ: «لکن ربی أمرنی باعفاء لجنی و قص شادی» (بخاری الاوار از علامہ ہجر مجلسی صفحہ ۳۹۰، جلد ۲۰)

"تمہاری ہلاکت ہو تمہیں ایسا کرنے کا حکم کس نے دیا، انہوں نے جواب دیا، ہمارے رب یعنی کسری نے ہمیں یہ (داڑھی منڈانے اور موچیں بڑھانے کا) حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میرے رب نے تو مجھے اپنی داڑھی بڑھانے اور اپنی موچیں کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔"

خیر اس قصہ کو چھوڑیے! گفتگو اس میں تھی کہ آنجناب نے فرمایا:

"احرام صحابہ سے اتباع صحابہ مطلقاً نہ کسی عالم نے ثابت کیا ہے اور نہ عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"

اس ناکارہ نے ثابت کیا کہ اکابر اہل فتویٰ صحابہؓ کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں اور یہ کہ قرآن کریم، احادیث نبویہؐ اور ائمہ سلف سے بھی ثابت ہے اور دلائل عقلیہ سے بھی۔

بحث دوم

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں منی اور شیعہ عقیدہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”صفحہ ۲۳ سے آپ نے شیعہ اور صحابہ کی مشہور بحث چھیڑی ہے۔ یہ مولدہ واقعی بہت نازک اور حساس ہے۔ اور جتنی خلیج دونوں فرقوں کے درمیان اس لائینی بحث سے پیدا ہوئی ہے کسی دوسری بحث سے پیدا نہیں ہوئی۔ آپ غالباً اس حقیقت کو مذاق سمجھیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے وہی نظریات ہیں جو اکابر علماء اہل سنت کے ہیں، ان میں چنداں فرق نہیں۔“

سب جانتے ہیں کہ دونوں فرقوں کے نظریات کے درمیان آسمان و زمین کا فاصلہ اور مشرق و مغرب کا بُعد ہے۔ اس لئے آنجناب کے اس فقرہ کو اہل سنت ہی نہیں بلکہ اہل تشیع بھی مذاق ہی سمجھیں گے۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہل سنت کے نظریات:

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں اکابر اہل سنت کے نظریات ان کی کتب عقائد وغیرہ میں مدون ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے رسالہ ”فقد اکبر“ میں ہے:

أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ أبو بكر الصديق

رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم

علی بن أبی طالب رضوان الله تعالى عليهم أجمعين،

غابرین علی الحق ومع الحق، ولا نذكر الصحابة إلا بخير.

(شرح فقد اکبر..... صفحہ ۷۳ تا ۸۵)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابو بکر صدیق ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ یہ سب حضرات بیٹھ حق پر رہے اور حق کے ساتھ رہے، ہم ان سب سے محبت رکھتے ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کا ذکر خیر کے سوا نہیں کرتے۔“

عقیدہ طحاویہ میں ہے:

ونحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، وبغض من يبغضهم، وبغير الحق يذكروهم، ولا نذكرهم إلا بالخير وحبهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطفیان.

(عقیدہ طحاویہ صفحہ ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں افراط و تفریط نہیں کرتے، اور کسی صحابیؓ سے برأت اختیار نہیں کرتے، اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے اور ان کو برائی سے یاد کرے، اور خیر کے سوا ان کا ذکر نہیں کرتے۔ ان سے محبت رکھنا دین و ایمان اور احسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر و نفاق اور طغیان ہے۔“

”ونثبت الخلافة بعد رسول الله ﷺ أولا لأبي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلا له، وتقديما على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم لعثمان رضي الله عنه. ثم لعلی بن أبی طالب رضي الله عنه وهم

الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون

(عقیدہ طحاوی صفحہ ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں ان کو ساری امت سے افضل اور سب سے مقدم سمجھتے ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے۔ اور یہ چاروں اکابر خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں۔“

”وَأَنَّ الْعَشْرَةَ الَّذِينَ سَاهَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَشَهِدَ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ، عَلَى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَقَوْلُهُ الْحَقُّ، وَهُمْ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ، وَسَعْدٌ، وَسَعِيدٌ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ أَبِي الْجَرَّاحِ، وَهُوَ أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ“ وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلَ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ فَقَدْ بَرَّئَ مِنَ النِّفَاقِ.

(عقیدہ طحاوی صفحہ ۱۲، ۱۳)

ترجمہ: ”اور جن دس حضرات کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی، ہم ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر، جنت کی شہادت دیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد برحق ہے۔ ان عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح، جو اس امت کے امین ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔“

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذریت طاہرہ سے حسن عقیدت رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔“

اہل سنت کی تمام کتب عقائد میں یہی اصول اجملاً و تفصیلاً مذکور ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے محبت رکھی جائے، ان کے بارے میں زبان طعن و راز نہ کی جائے، ان میں سے کسی کی توہین و تنقیص نہ کی جائے، ان کے عیوب تلاش نہ کئے جائیں، بھلائی کے سوا ان کا ذکر نہ کیا جائے، ان کے باہمی مراتب و فضائل کا لحاظ رکھا جائے، خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو علی الترتیب افضل سمجھا جائے، پھر عشرہ مبشرہ کو، پھر اہل بدر کو، پھر اہل حدیبیہ کو، و علی ہذا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

اہل سنت کے برعکس اہل تشیع کے مذہب کی بنیاد ہی بغض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قائم ہے۔ پہلے گزر چکا کہ عبد اللہ بن سہلمون نے ”وصایت علی“ کا عقیدہ ایجاد کر کے طعن صحابہ کا دروازہ کھولا اور اہل تشیع نے ابن سبا کی اس تلقین کو پلے باندھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے امام برحق حضرت علیؑ تھے۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لئے نامزد فرمایا تھا، لیکن صحابہؓ نے نص نبویؐ سے انحراف کر کے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بلا فصل بنالیا، اور حضرت علیؑ کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی تین چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ۔ نفوذ باللہ۔ مرتد ہو گئے تھے۔ اہل تشیع کے یہ نظریات ان کی مستند کتابوں میں موجود ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں۔

چند روایتیں یہاں نقل کرتا ہوں:

۳۴۱۔ حنفی، عن أمية، عن أبي جعفر عليه السلام قال: كان الناس أهل بدعة بعد النبي ﷺ (٦) إلا ثلاثة قلت: ومن الثلاثة؟ قال: المقداد بن الأسود وأبوذر الغفاري و سلمان الفارسي. روى عنه عليهم السلام. (روضة کافی صفحہ ۲۳۵، جلد ۸)

ترجمہ: ”حنان بن سدير اپنے والد سے نقل کرتا ہے کہ امام باقرؑ فرماتے ہیں

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین آدمیوں کے سوا باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے پوچھا وہ تین کون تھے؟ فرمایا وہ تین آدمی یہ تھے۔

مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔

۴۵۵۔ حدیثنا محمد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد بن عیسیٰ، عن الحسن بن سعید عن علی بن النعمان، عن عبد اللہ بن مسکان، عن عبد الرحمن القمصر قال: قلت لأبي جعفر علیہ السلام: إن الناس يفرعون إذا قلنا: إن الناس ارتدوا، فقال: يا عبد الرحمن إن الناس عادوا بعد ما قبض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أهل جاهلیة،

(روضة کلی، صفحہ ۲۹۲، جلد ۸)

ترجمہ: ”عبد الرحمن قصیر کہتا ہے کہ میں نے امام باقر سے کہا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ مرتد ہو گئے تھے تو یہ سن کر لوگ کھرا جاتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ اے عبد الرحیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد لوگ جاہلیت کی طرف پلٹ گئے تھے۔“

۴۵۶۔ حمید بن زیاد، عن الحسن بن محمد الکندی، عن غبر واحد من أصحابه عن أبان بن عثمان، عن أبي جعفر علیہ السلام؛ والفضیل بن یسار، عن زکریا النخاس (۱)، عن أبي جعفر علیہ السلام قال: سمعته يقول: الناس صاروا بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلة من اتبع هارون علیہ السلام ومن اتبع العجل (ایضاً)

ترجمہ: ”ذکر یافناض کہتا ہے کہ میں نے امام باقر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کی دو قسمیں ہو گئی تھیں۔ ان میں کچھ تو وہ تھے جو ان لوگوں کی مثل تھے جنہوں نے ہارون علیہ السلام کی پیروی کی۔ اور کچھ وہ تھے جنہوں نے گوسلہ پرستی کی۔“

مطلب یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ نعوذ باللہ۔ سامری کا گوسلہ تھے، جن حضرات نے ان سے بیعت کی وہ گوسلہ پرست تھے۔

”عن حمران قال قلت لأبي جعفر (ع) ما أقلنا؟ لو

اجتمعنا على شاة ما أفتيناها. قال فقال: ألا أخبرك

بأعجب من ذلك؟ قال، فقلت بلى، قال: المهاجرون

والأنصار ذهبوا إلا (وأشار بيده) ثلاثة“

(رجال کشی، صفحہ ۷)

ترجمہ: ”حمران کہتا ہے میں نے امام باقر سے کہا کہ ہماری تعداد کتنی تھوڑی ہے؟ اگر ایک بکری پر جمع ہو جائیں تو اسے بھی ختم نہیں کر پائیں گے۔ امام نے فرمایا میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاؤں؟ میں نے کہا ضرور! فرمایا، مهاجرین و انصار، تین کے سوا سب چلے گئے۔“

شیعہ قرآن سے بڑھ کر ان سبلی روایات پر ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”واعتماداً و دربرأت آفتست کہ یزاری جویند از بت ہائے چہل گانہ، یعنی ابو بکر۔ عمرو عثمان و معلویہ، و زنان چہل گانہ یعنی عائشہ و حفصہ و ہند و ام الحکم و از جمیع اشباع ایشاں و آنکہ ایشاں بدترین خلق خدا اند، و آنکہ تمام نمی شود اقرار بخدا و رسول و ائمہ مگر بہ یزاری از دشمنان ایشاں۔“

(حق یقین، صفحہ ۵۱۹)

ترجمہ: ”اور تمہارے ہاں میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چار بتوں سے یزاری اختیار کریں، یعنی ابو بکر و عمر و عثمان و معلویہ سے اور چار عورتوں سے یزاری اختیار کریں، یعنی عائشہ، حفصہ، ہند و ام الحکم سے، اور ان کے تمام پیروکاروں سے۔ اور یہ کہ یہ لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر تھے۔ اور یہ کہ خدا پر، رسول پر اور ائمہ پر ایمان مکمل نہیں ہوگا، جب تک کہ ان کے دشمنوں سے یزاری اختیار نہ کریں۔“

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

”در تقریب الخلاف روایت کردہ کہ آزاد کردہ حضرت علی بن حسین علیہ السلام از آنحضرت پر سید کہ مراد تو حق خدمتی بہت، مرا خبر وہ از حل ابو بکر و عمر، حضرت فرمود، ہر دو کافر بودند، و ہر کہ ایشاں را دوست دار کافر است۔“

”و ایضاً..... روایت کردہ است کہ ابو حمزہ ثمالی از آنحضرت از حل ابو بکر و عمر سوال کرد، فرمود کہ کافرند، و ہر کہ ولایت ایشاں را داشتہ باشد کافر است۔“

”و دریں باب احادیث بسیار است، و در کتب متفرق است، و اکثر در بحار الانوار مذکور است۔“

(حق یقین، صفحہ ۵۲۲)

ترجمہ: "تقریب المعارف میں روایت کی ہے کہ امام علی بن حسینؑ کے آزاد کردہ غلام نے حضرت سے پوچھا کہ میرا آپ کے ذمہ حق خدمت ہے مجھے ابو بکر و عمر کے حل کی خبر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ دونوں کافر تھے۔ اور جو شخص ان سے محبت رکھے وہ بھی کافر ہے۔

"نیز روایت کی ہے کہ ابو حنظلہ ثمالی نے حضرت سے ابو بکر و عمر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ کافر ہیں۔ اور جو شخص ان سے دوستی رکھتا ہو وہ بھی کافر ہے۔

"اور اس باب میں بہت سی احادیث ہیں جو کتابوں میں متفرق ہیں ان میں سے اکثر بحمل الانوار میں مذکور ہیں۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"مؤلف گوید کہ اگر نیک تامل کنی میدانی کہ فتنہ ہائے کفر اسلام بزم رسید و ظلمہا نئے کہ بر اہل بیت رسالت واقع شد ہمہ از بدعتنا و فتنہ ما و تدبیر ہائے اس منافق بود۔" (حق الیقین..... صفحہ ۲۳۳)

ترجمہ: "مؤلف (ملاحظہ فرمائیے) کہتا ہے کہ اگر خوب غور کرو گے تو جان لو گے کہ اسلام میں جتنے فتنے برپا ہوئے ہیں اور اہل بیت رسالت پر جو جو ظلم ہوئے ہیں وہ سب اسی منافق (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی بدعتوں، فتنوں اور تدبیروں کا نتیجہ ہیں۔"

اس کے تین صفحے بعد لکھتے ہیں:

"برج عاقلی مغنی نتواند بود اشتغال اس قصہ از جہات شتی بر طعن و کفر و عنایت و خطائے ابو بکر و عمر و عثمان و رفقاء و اعموان ایشان۔"

(حق الیقین..... صفحہ ۲۳۶)

ترجمہ: "کسی عاقل پر محضی نہ رہا ہو گا کہ یہ قصہ کئی اعتبار سے ابو بکر و عمر و عثمان اور ان کے اعموان و انصار کے طعن و کفر اور عنایت و خطا پر مشتمل ہے۔"

حیات القلوب جلد دوم کے باب ۵۱ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اہل بیت کا ذکر ہے، اسی میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو

صاحب زوایاں حضرت رقیہؑ اور حضرت ام کلثومؑ کے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیاب دی تھیں۔ اس کے حاشیہ میں علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"واضح ہو کہ مخالفین شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عثمان مسلمان نہ

ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دو بیٹیوں کو ان سے تزویج نہ

کرتے۔ یہ اعتراض چند وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔ اول یہ کہ حضرت کا اپنی یا

خدیجہؑ کی بیٹیوں کا ان کے ساتھ تزویج کرنا ممکن ہے قبل اس کے ہو کہ خدا

نے کافروں کو بیٹیاں دینا حرام قرار دیا ہو، چنانچہ بافق مخالفین زینب کو مکہ میں

ابو العاص سے تزویج فرمایا تھا جبکہ وہ کافر تھا، اسی طرح رقیہ اور ام کلثوم کو

مخالفین میں شہرت کی بنا پر عتبہ اور عقیق پسران ابولسب سے تزویج فرمایا جو کافر

تھے، قبل اس کے کہ عثمان سے تزویج فرمائیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عثمان

کے مسلمان ہونے میں اس وقت جبکہ حضرتؐ نے اپنی بیٹیوں کو ان سے

تزویج فرمایا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے آخر میں امیر المومنینؑ

کے نص خلافت سے انکار کیا اور وہ تمام کام کئے جو موجب کفر ہیں، اور کفر

اور مرتد ہو گئے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ہے یہ کہ وہ لوگ

منافقوں میں داخل تھے اور خوف اور لالچ کے سبب بظاہر اسلام کا اظہار کرتے

تھے لیکن باطن میں وہ کافر تھے، اور خداوند عالم نے مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا

پر آنحضرتؐ کو حکم دیا تھا کہ ان کے ظاہری اسلام پر حکم جاری کیا کریں، اور

طہارت اور مناکحت اور میراث وغیرہ تمام احکام ظاہری میں ان کو مسلمانوں

کے ساتھ شریک رکھیں۔ لہذا آنحضرتؐ کسی حکم میں ان کو مسلمانوں سے

الگ نہیں کرتے تھے، اور ان کے نفاق کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ

خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کی تالیف قلب کے لئے

عبداللہ بن ابی بکرؓ پر نماز جنازہ پڑھی جو نفاق میں مشہور تھا، تو اگر عثمان کو دختر

دے دی اس بنا پر کہ ظاہر میں وہ مسلمانوں میں داخل تھے، تو یہ اس پر دلالت

نہیں کرنا کہ وہ باطن میں کافر نہ تھے، اور ان کی تالیف قلب اور ان سے بیٹی لینا

اور اپنی بیٹی ان کو بتا دین اسلام کی تزویج اور کلمہ حق کے بلند و رواج دینے میں

نمایت درجہ دخل رکھتا تھا۔ اور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جو غور و فکر

کرنے والے کسی صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر سرکار دو عالمؐ ان

کے نفق کا اہل فرماتے اور ان کے ظاہری اسلام کو قبول نہ فرماتے تو تھوڑے سے کمزور غریب لوگوں کے سوا حضرت کے پاس کوئی نہ رہ جاتا جیسا کہ آنحضرت کے بعد امیر المؤمنین کے ساتھ چار افراد کے علاوہ نہ رہ گئے تھے۔ (ترجمہ حیات القلوب ص ۸۷۱-۸۷۲)

اہل تشیع کی نکتہ آفرینیوں کی داؤد بھجی، بتایا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرات ابو بکر و عمرو عثمان رضی اللہ عنہم (نعمو باللہ) کافر و منافق تھے۔ اس کے باوجود شیخین رضی اللہ عنہما کی صاحب زادیوں سے عقد فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحب زادیاں بیاہ دیں، ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اسلام انہی تین حضرات کے دم قدم سے پھیل رہا تھا۔ یہ تین بزرگ نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی تین چار نفر رہ جاتے جو امیر المؤمنین کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لاجل ولا قوۃ الا باللہ۔ فرمائیے! اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کیا ہوگی؟ اور اس سے بہتر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدح و ستائش کیا ہو سکتی ہے کہ ان اکابر کے وجود کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ”مدار اسلام“ قرار دیا جائے؟

اہل تشیع کے ممدوح صحابہ کا حال

اور جن تین چار حضرات کو اہل تشیع نے اپنے فتوئے ارتداد سے معاف رکھا تھا، آل سبکی تصنیف کردہ روایات کی روشنی میں ان کا حال بھی دیکھ لیجئے۔
شیخ کشی روایت کرتے ہیں:

۲۴۔ علی بن الحکم، عن سیف بن عیرہ، عن ابی بکر الحضرمی، قال،

قال ابو جعفر (ع) ارتد الناس الا ثلثة نفر سلمان و ابوذر و المقداد۔ قال، قلت فمستار؟ قال قد کان جاض جیفۃ ثم رجع، ثم قال ان اردت التذیر لم یثک و لم یدخلہ شیء فالمقداد، فاما سلمان فانه عرض فی قلبه عارض اذ عند امیر المؤمنین (ع) اسم الله الاعظم لو تکلم به لآخذتهم الارض و هو هكذا، فلبب و وجئت عنقه حتی ترکته کاللقۃ، فیر بہ امیر

المؤمنین (ع) فقال له یا ابا عبد الله هذا من ذاک باع فباع، و اما ابوذر فامرہ امیر المؤمنین (ع) بالسکوت و لم یکن یأخذہ فی الله لومة لائم فابی الا ان یتکلم فمر بہ عثمان فامر بہ، ثم اتاب الناس بعد فکان اول من اتاب ابو ساسان الانصاری و ابو عیرہ و شیرہ و کانوا سبعة، فلم یکن یعرف حق امیر المؤمنین (ع) الا هؤلاء السبعة۔ (رجل کشی..... روایت نمبر ۲۳)

ترجمہ: ”ابو بکر حضری کہتا ہے کہ امام ابو جعفر نے فرمایا کہ تین افراد کے علاوہ باقی سب لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ تین افراد یہ ہیں، سلمان، ابوذر غفاری اور مقداد..... میں نے کہا، عذر؟ فرمایا، ایک دفعہ تو وہ بھی مغرب ہو گئے تھے، لیکن پھر لوٹ آئے۔ پھر فرمایا، اگر تم ایسا آدمی دیکھنا چاہتے ہو جس کو ذرا بھی شک نہیں ہو اور اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوئی تو وہ مقداد تھے۔ سلمان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ امیر المؤمنین کے پاس تو اسم اعظم ہے، اگر آپ اسم اعظم پڑھ دیں تو ان لوگوں کو زمین نکل جائے (پھر کیوں نہیں پڑھتے؟) وہ اسی خیال میں تھے کہ ان کا گریبان پکڑا گیا اور ان کی گردن پٹلی گئی، یہاں تک کہ ایسی ہو گئی جیسے اس کی کھل کھینچ لی گئی ہو، چنانچہ امیر المؤمنین ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اے ابو عبد اللہ! یہ اسی خیال کی سزا ہے۔ ابو بکر بیعت کر لو، چنانچہ انہوں نے بیعت کر لی۔ باقی رہے ابوذر؟ تو امیر المؤمنین نے ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا تھا، مگر وہ خاموش رہنے والے کہاں تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ پس عثمان ان کے پاس سے گزرے تو ان کی پٹلی کا حکم دیا۔ پھر کچھ لوگ قاتل ہو گئے۔ سب سے پہلے جس نے توبہ کی وہ ابو ساسان انصاری، ابو عیرہ اور شیرہ تھے۔ توبہ سات آدمی ہو گئے۔ پس ان سات آدمیوں کے سوا کسی نے امیر المؤمنین کا حق نہیں پہچانا۔“

لیجئے! شک و تردد سے صرف ایک مقداد بچے، عذر پہلے مغرب ہو گئے تھے، بعد میں لوٹ آئے، یعنی وہ بھی مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہوئے، مسلمان کے دل میں بھی شبہ پیدا ہو گیا تھا، جس کی ان کو سزا ملی، اور ابوذر کو امیر المؤمنین نے سکوت کا حکم فرمایا تھا، مگر

وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ:

ما بقی احد الا وقد جال جولة الا المقادین الأسود فان قلبه کان
مثل زبر الحديد. (رجل کئی..... روایت نمبر ۲۲)

ترجمہ: "مقداد کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا جو ایک مرتبہ اوہرا دھرنہ بھاگا ہو،
ہاں! مقداد کا دل لوہے کے ٹکڑوں جیسا تھا۔"

ایک مقدادؓ باقی بچے تھے، اب ان کے بارے میں بھی سنئے!

(۳) عن أبی بصیر قال سمعت أبا عبد الله (ع)

يقول قال رسول الله ﷺ: يا سلمان لو عرض علمك على

سلمان لكفر، يا مقداد لو عرض علمك على سلمان لكفر

(رجل کئی..... روایت نمبر ۲۳)

ترجمہ: "ابو بصیر کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے سلمان! اگر تیرا علم مقداد

کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ اور اے مقداد! اگر تیرا علم

سلمان کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔"

یہ تو شکر ہے کہ مقدادؓ اور سلمانؓ کے دل کی حالت ایک دوسرے کو معلوم
نہیں تھی، ورنہ نتیجہ کفر کے سوا کچھ نہ تھا۔

(۴) عن جعفر عن أبيه قال ذكرت التقية يوما

عند علي (ع) فقال: إن علم أبو ذر ما في قلب سلمان

لقتله. (رجل کئی..... روایت نمبر ۳۰)

ترجمہ: "امام جعفر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے سامنے تقیہ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اگر ابو ذرؓ کو سلمانؓ کے

قلب کی حالت معلوم ہو جائے تو ان کو قتل کر ڈالیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین چلہ حضرات بھی اپنے دل کا بھید آپس میں

کسی کو نہیں بتاتے تھے۔ رہا یہ عقدہ کہ وہ دل کا بھید کیا تھا جو ایک دوسرے کو نہیں بتاتے
تھے؟ اس کا حل یہ ہے کہ وہ بظاہر حضرت علیؓ سے موالات رکھتے ہوں گے، مگر دل میں
خلافائے ثلاثہؓ سے عقیدت و محبت اور موالات رکھتے تھے، چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ
کا خلافائے ثلاثہؓ سے موالات رکھنا اس سے واضح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدائن کا
گورنر بنایا تھا، اس وقت سے حضرت علیؓ کے دور تک یہ مدائن کے گورنر چلے آتے تھے،
اسی حالت میں ۳۶ھ میں ان کا وصال ہوا۔

(ترجمہ حیات القلوب..... باب ۵۹، صفحہ ۹۵۶، جلد ۲)

اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضرات خلافائے ثلاثہؓ سے موالات رکھتے

تھے، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے مسلمانہ کذاب کے مقابلہ

میں جنگ یمامہ میں شرکت فرمائی، اور ۲۱ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا

گورنر بنا کر بھیجا، اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم و وزیر بنا

کر بھیجا تھا۔ اور اہل کوفہ کے نام تحریر فرمایا تھا:

"أما بعد فإني بعثت إليكم عمارا أميراً وعبد الله

بن مسعود معلماً ووزيراً وهما من النجباء من أصحاب

رسول الله ﷺ فاطيعوا لهما، واقتدوا بهما."

(الاصابہ صفحہ ۳۶۹، جلد ۲۔ الاستيعاب بر حاشیہ اصابہ صفحہ ۳۸۰)

ترجمہ: "میں تمہارے پاس عمارؓ کو امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم و

وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، یہ دونوں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

برگزیدہ اصحابؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ سو ان کا حکم مانو اور ان کی اقتدا

کرو۔"

حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو ذرؓ رضی اللہ عنہما بھی حضرات خلافائے ثلاثہؓ سے موالات

رکھتے تھے، لیکن ان دونوں بزرگوں نے کسی علاقے کی حکومت قبول نہیں فرمائی۔ حضرت

مقدادؓ کے عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں قسم کھالی تھی کہ میں آج کے بعد دو آدمیوں کی امداد بھی قبول نہیں

کروں گا (مستدرک حاکم..... صفحہ ۳۵۰، جلد ۳) اور حضرت ابوذرؓ کو ان کے غلبہ زہد کی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عہدہ کے قبول کرنے سے منع کر دیا تھا۔ چنانچہ:

”شیخ طبری نے بہ سند معتبر روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! میں تمہارے واسطے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، میں تم کو کمزور و ناتواں پاتا ہوں، لہذا وہ شخصوں پر بھی امیر مت بنا اور مل یتیم کے متکفل نہ ہونا۔“
(حیات القلوب..... صفحہ ۹۰، جلد ۲)

الغرض جن بزرگوں کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں کہ وہ ارتداد سے محفوظ رہے، وہ بھی حضرات خلفاءؓ سے موالات رکھتے تھے اور انہوں نے عہدے اور مناصب بھی قبول فرمائے، غالباً ان کی یہی قلبی کیفیت تھی، جس کی بنا پر شیعہ روایات میں کہا گیا ہے کہ اگر ایک کے دل کا حال دوسرے کو معلوم ہو جاتا تو اس کو قتل کر دیتا، یا کافر ہو جاتا۔

حضرت عباسؓ اور ابن عباسؓ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ”صنوبی“ فرماتے تھے۔ یعنی ”میرے والد کے مثل“، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے توسل سے استقواء فرماتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد خاص سمجھتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضرت عباسؓ اور ان کے جلیل القدر صاحب زادے کو بھی معاف نہیں کیا۔ رجل کشی میں ہے کہ فضیل بن یسار کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

قال امیر المؤمنین (ع) اللهم العن ابنی فلان و اعمم ابصارهما کما عیت قلوبہما۔
(رجل کشی..... روایت نمبر ۱۰۲)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ! فلاں کے دونوں بیٹوں (عبداللہ بن عباس اور عبید اللہ بن عباس) پر لعنت فرما اور انکی آنکھوں کو اندھا کر دے، جیسا کہ ان کے دل اندھے ہیں۔“

یہی فضیل بن یسار کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؓ سے سنا کہ میرے والد (امام زین العابدینؓ) فرماتے تھے کہ قرآن کریم کی دو آیتیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے باپ (حضرت عباسؓ) کے بارے میں نازل ہوئیں۔
پہلی آیت:

ومن کان فی ہذہ اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمیٰ و اضل سبیلا۔
ترجمہ: ”اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔“
اور زیادہ مگر وہ۔“

اور دوسری آیت:

ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم۔

(رجل کشی..... روایت نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: ”اور تم کو نفع نہیں دے گی میری نصیحت، اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو مگر وہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔“

یہ دونوں آیتیں کافروں کے بارے میں ہیں، لیکن طرفہ تماشا ہے کہ امام ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ پر چسپاں کر رہے ہیں۔ شیعہ راوی یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا، یہ حضرت بصرہ کے بیت المال کا سدا مال سمیٹ کر مکہ چلے گئے، اور حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ گئے، مال کی مقدار دو لاکھ درہم تھی، حضرت علیؓ کو یہ اطلاع ملی تو سب پر بیٹھ کر رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کا باوجود ان کی قدر و منزلت اور علم و فضل کے یہ حال ہے تو جو لوگ ان سے کم مرتبہ ہیں ان کا کیا حال ہو گا؟ اس کے بعد دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! میں ان سے اکٹھا کیا ہوں، پس مجھے ان سے راحت دے اور مجھے اپنی طرف قبض کر لے۔“

پھر حضرت علیؑ نے ابن عباسؓ کو ایک زوردار خط لکھا، اور ان کو بڑی غیرت دلائی۔ مگر انہوں نے ایک پیسہ بھی لوٹا کر نہ دیا، بلکہ حضرت علیؑ کو جواب میں لکھا کہ جتنا روپیہ میں نے لیا ہے اس سے زیادہ میرا حق بیت المال کے ذمہ بنتی ہے۔ حضرت نے پھر خط لکھا تو ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا کہ تم نے مسلمانوں کے اتنے خون کئے ہیں، میں نے تو مال ہی لیا ہے۔ ساری دنیا کے خزانے اگر میرے ذمہ ہوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں کسی مسلمان کا خون اپنے ذمہ لے کر بارگاہ الہی میں حاضری دوں۔

(رجل کشی..... روایت نمبر ۱۰۹-۱۱۰)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ:

- ۱۔ اہلسنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ "خیر امت" اور "امت وسط" ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے ان کے حق میں شہادت دی ہے۔ لیکن اہل تشیع کے نزدیک وہ محاذ اللہ منافقین و مرتدین کا ٹولہ تھا جن کو "شر امت" کا خطاب ملنا چاہئے تھا۔
- ۲۔ اہل سنت کے نزدیک خلفائے اربعہؓ بالترتیب افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اور اہل تشیع کے نزدیک خلفائے ثلاثہؓ - نعوذ باللہ - خلق خدا میں سب سے بدتر ہیں۔
- ۳۔ اہل سنت کے نزدیک حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں بدگوئی کرنا کفر و نفاق کی علامت ہے۔ اور اہل تشیع کا اس کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہیں، کہ یہ ان کے نزدیک اعلیٰ ترین عبادت ہے۔
- ۴۔ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا گمراہی اور باطل پر جمع ہونا ناممکن تھا، اور اہل تشیع کے نزدیک وہ باطل کے سوا کسی اور چیز پر کبھی متفق ہی نہیں ہوئے۔
- ۵۔ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ رسالت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوات و تسلیمات کے گولہ تھے، لقولہ تعالیٰ: "محمد رسول اللہ والذین معہ"۔ اور اہل تشیع کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد دو چار کے سوا باقی سب منافق جمع تھے۔

ان نکات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کا یہ فقرہ کس حد تک جہنی بر حقیقت و صداقت ہے کہ "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے

وہی نظریات ہیں جو اکابر اہل سنت کے ہیں۔ ان میں چنداں فرق نہیں۔"

صحابہ کرامؓ کے بارے میں شیعہ کے آٹھ اصول

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"وہ اصولی باتیں جو اس ضمن میں (یعنی صحابہ کرامؓ کے بارے میں) اہل سنت اور اہل تشیع دونوں مانتے ہیں، درج ذیل ہیں:

- ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل صحبت میں منافقین بھی تھے جن کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار حبیہ کی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ اے رسول! تم ان منافقین کو نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔
- ۲۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقتدار کی لیکن وہ دل سے مسلمان نہ ہوئے تھے، چنانچہ وہ مرتد ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل اور جلا وطنی وغیرہ کے احکام دیئے۔
- ۳۔ بیشتر صحابہ کرامؓ مومنین صالحین تھے، لیکن وہ معصوم نہ تھے، لہذا یہ نقضائے بشری ان سے گنہ بھی ہوئے اور لغزشیں بھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی ملانے کا حکم دیا، جیسا کہ اکابرین علمائے اہل سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔
- ۴۔ بعض اہل صحبت وہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بغیر زمانہ اور مسلمانوں کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر یہ مصلحت جہالت کی روش پر چلے گئے۔ ہم انہیں ایسے صحابی رسولؐ نہیں مانتے جن کے بارے میں بشری آئی ہیں، انہیں کی طرف حدیث حوض میں اشارہ ہے۔
- ۵۔ حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت

امیر معلویہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا لیکن حضرت عائشہ کی اس فعل پر پیشانی اور توبہ ثابت ہے۔ یہی اکابرین اہل سنت کا نظریہ ہے۔

۶۔ حضرت شہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں ”اصحابہ کلہم عدول“ کے تحت دو مقالات پر جو تصریحات کی ہیں وہ اس حقیر کے نزدیک درست ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کا غیر معصوم اور ”محدود“ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ اسی طرح مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ”مقام صحابہ“ نامی کتب میں جو بحثیں کی ہیں وہ بھی درست ہیں۔

۸۔ صحیح بخاری شریف میں حدیث حوض (معروف باب حوض کی سدی حدیثیں) ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں اور اس سلسلے میں امام خطابی اور امام نووی کی تصریحات درست ہیں۔

آنجناب کے مندرجہ بالا آٹھ نکات درحقیقت چھ ہیں، کیونکہ دوسرے، چوتھے اور آٹھویں نکتے میں آپ نے ایک ہی چیز کا ذکر کیا ہے یعنی مرتدین کا۔ لہذا یہ کل چھ نکات ہوئے۔ اب میں آنجناب کے ان چھ نکات میں سے ہر نکتہ کے بارے میں مختصراً عرض کرتا ہوں:

اول: صحابہ کرامؓ اور منافقین

آپ نے پہلے نکتہ میں منافقین کا ذکر فرمایا، حالانکہ صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں منافقین کا قصہ لے بیٹھنا نہایت دل آزار مغالطہ اور اہل فریبی ہے۔ کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافق بھی تھے اور چونکہ وہ اپنے نفاق میں ایسے پکے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے نفاق کا علم نہیں ہوسکا، اور چونکہ بعض ایسے منافق تھے کہ بعض مصالح کی بنا پر ان کے نفاق کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے ساتھ مسلمانوں کا سامعہ کیا جاتا تھا، لہذا ہر صحابیؓ کے بارے میں یہی رائے رکھی جائے کہ وہ۔ نعوذ باللہ۔ منافق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اس کے نفاق کو جانتے نہیں تھے، یا اس کے ذی اثر ہونے کی وجہ سے مصلحت کی بنا پر تقیہ فرماتے تھے، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سامعہ فرماتے تھے۔ یہ ہے وہ ناحق و سوسہ جس کی بنیاد عبداللہ بن سبا نے رکھی اور جو روافض کے سلب ایمان کا موجب ہوا۔

اسی و سوسہ کی بنا پر انہوں نے حضرات خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) تک کو منافقین کی فہرست میں شامل کر لیا۔ اور آنجناب نے بھی بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں اسی پر فریب و سہائی و سوسہ کی ترجمانی فرمائی ہے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین و دیانت اور عقل و فہم کا کوئی شہ نصیب فرمایا ہو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرے گا، کیونکہ:

اولاً: قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے شمار فضائل و مناقب اور ان کے ظاہری و باطنی کمالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ اجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی، تلویحاً بھی اور تصریحاً بھی، کسی کے نام کی تعیین کے بغیر بھی اور ایک ایک کے نام کی تعیین کے ساتھ بھی۔ جبکہ دوسری طرف قرآن کریم میں بھی اور احادیث شریفہ میں بھی منافقوں کی شدید ترین مذمت کی گئی ہے، ان کے اقوال و افعال پر نفریں کی گئی ہے، ان کی دنیوی اور اخروی منزلوں کو ذکر کیا گیا ہے اور انہیں ”الدرك الاسفل من النار“ یعنی دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

ان دونوں قسم کی آیات و احادیث کو سامنے رکھتے! اگر یہ فرض کر لیا جائے۔ جیسا کہ آپ نے سہائی و سوسہ کے ذریعہ یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم نہیں تھا کہ کون آپ کے مخلص صحابیؓ ہیں اور کون منافق ہیں؟ تو گویا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ قرآن و حدیث میں کن حضرات کی مدح و ستائش فرمائی جا رہی ہے؟ اور کن لوگوں کی مذمت و نکوہش بیان ہو رہی ہے؟ فرمائیے کیا آپ اس اندھیر غمگیں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز رکھتے ہیں؟

ثانیاً: میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی بد بخت ملعون خارجی نعوذ باللہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اور ان کے تین چار رفقاء کے بارے میں، جن کو شیعہ، مخلص صحابیؓ مانتے ہیں، یہی یا وہ گوئی کرے اور ان آیات کو جو منافقین کے حق میں وارد ہیں، ان اکابر پر چسپاں کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار شادات ان اکابر کی فضیلت و منقبت میں وارد ہیں، ان کے بارے میں یہ کہے کہ یہ محض لوگوں کے خود ساختہ اور من

گھڑت ہیں یا ان کو تقیہ پر محمول کرے تو فرمائیے کہ اس ملعون خارجی کا کیا علاج کیا جائے گا؟ اور اس کا یہ طرز عمل گستاخی میں شمار ہو گا یا نہیں؟ اگر حضرت امیرؓ اور ان کے دو چلہ رفقاء کے بارے میں یہ دعویٰ اور یہ طرز عمل نہایت ولی آزار اور کفر آمیز گستاخی ہے تو روافض آل سبا کا ان آیات مقدسہ کو حضرات ثلاثہ اور جلیل القدر مہاجرین و انصار اور پوری جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر چسپاں کرنا کیا اس سے بدتر گستاخی نہیں؟

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلاشبہ محدودے چند منافقین بھی تھے، مگر منافقوں کو صحابی کون احق کہتا ہے؟ اور منافقوں کے حوالے سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر کبچرا چھالنے کے آخر کیا معنی ہیں؟ آنجناب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں منافقوں کا حوالہ دینے کی ضرورت آخر کیسے لاحق ہوئی؟

مثلاً: یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کو نہیں جانتے تھے تو سوال یہ ہے کہ روافض آل سبا کو کہاں سے وحی ہو گئی کہ حضرات خلفائے ثلاثہ، عشرہ مبشرہ اور اکابرین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) منافق تھے؟

قرآن کریم کی شہادت کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا
پہلی شہادت:

آنجناب نے منافقوں کے بارے میں قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اگر آنجناب فہم و انصاف سے اس پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہو گا کہ خود یہی آیت شریفہ شہادت دے رہی ہے کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں کوئی منافق نہیں تھا، جیسا کہ میں اوپر ”صحابہ کرام“ واجب الاتباع ہیں“ کے زیر عنوان تیسری آیت کے ذیل میں اس طرف اشارہ کر آیا ہوں۔ شرح اس کی یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں حضرات سابقین اولین، مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی اور ان کے متبعین بالاحسان کی مدح فرمائی اور ان کے بارے میں چار وعدے فرمائے:

۱- اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔

۲- وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔
۴- وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور پھر فرمایا کہ ان درجات عالیہ کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

اس کے بعد آیت ۱۰۱ میں انہی مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ”تمہارے گرد و پیش کے دیہاتوں میں کچھ منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں، اے نبی! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں، ہم ان کو بست جلد دہرا عذاب دیں گے، پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔“

﴿وَمِنْ حَوْلِكَ مِنَ الْأَغْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ

الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرُدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾ (سورۃ التوبہ ۱۰۱)

ترجمہ: ”اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینہ والے، اڑ رہے ہیں نفاق پر، تو ان کو نہیں جانتا، ہم کو وہ معلوم ہیں، ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار، پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

یہ آیت شریفہ تین وجہ سے اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا۔

پہلی وجہ: یہ کہ اس آیت میں خود مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ: ”تمہارے گرد و پیش کے دیہاتوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں ایسے لوگ ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں۔“ اہل عقل جانتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے کسی تیسرے فریق کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ لہذا ان کو منافقین کی اطلاع دینا اس امر کی دلیل ہے کہ سابقین اولین مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا، بلکہ منافقوں کا ٹولا ان دونوں فریقوں کے علاوہ تھا جس کی ان حضرات کو اطلاع دی جا رہی ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ منافقوں کی دو قسمیں ذکر فرمائی ہیں، ایک گرد و پیش کے دیناں اور دوسرے مدینہ کے قدیم باشندے، اس سے معلوم ہوا کہ بالخصوص مہاجرین اولین میں کوئی منافق نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا شمار تو گرد و پیش کے دیناں میں ہوتا ہے، نہ مدینہ کے قدیم باشندوں میں۔ لہذا ثابت ہوا کہ مہاجرین میں ایک شخص بھی منافق نہیں تھا۔

تیسری وجہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دو مرتبہ عذاب دینے کی دھمکی دی۔ (ایک مرتبہ دنیا میں اور دوسری مرتبہ قبر میں)۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو دنیا میں کوئی عذاب نہیں ہوا، بلکہ وہ اپنے آخری لمحات حیات تک اعلائے کلمتہ اللہ اور خدمت دین میں مشغول اور مظفر و منصور رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات میں سے کوئی منافق نہیں تھا، ورنہ وعدہ الہی کے مطابق یہ حضرات (نعوذ باللہ) ضرور معذب و مخذول ہوتے۔

دوسری شہادت:

انہی مہاجرین و انصار کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے اسی سورہ میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

(سورۃ التوبہ..... ۱۱۷)

ترجمہ: ”اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے، مشکل کی گھڑی میں، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر۔ بے شک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا۔“ (ترجمہ شیخ السد)

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص عنایت خداوندی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال تھی، اس سے وہ حضرات مہاجرین و انصار بھی بہرہ یاب تھے جو غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے۔ ظاہر ہے کہ کوئی منافق

اس عنایت خاصہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

تیسری شہادت:

پھر انہی مہاجرین و انصار کو سورۃ انفال آیت ۷۴ میں ان کے سچے مومن ہونے کی قطعی سند عطا فرمائی اور ان سے مغفرت اور اجر کریم کا وعدہ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

وَالَّذِينَ آوَا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (سورۃ انفال..... ۷۴)

ترجمہ: ”اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔“ (ترجمہ شیخ السد)

قرآن کریم کی اس قطعی شہادت کے بعد ان حضرات کے حق میں یہ یادہ گوئی کرنا کہ وہ منافق تھے اور جو آیات منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو ان حضرات پر چسپاں کرنا خود سوچنے کہ یہ قرآن کریم کی تکذیب ہے یا نہیں؟

چوتھی شہادت:

سورۃ حشر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے۔ مہاجرین، انصار اور ان کے بعد آنے والے حضرات، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَالْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ

وَأَمْوَالِهِمْ يُنتَفِعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصَرُونَ لِلَّهِ

وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾، ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ

وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي

مَدُّوهُمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩٨﴾
 وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٩﴾

(سورہ ممتحنہ ۱۰۹، ۸)

ترجمہ: ”واسطے ان مفلحوں، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے، وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فائدہ۔ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بے ایمان والوں کا، اے رب! تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔“

(ترجمہ شیخ المنذر)

پہلی آیت مہاجرین کے بارے میں ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے اس ضمن میں ان کی چار صفات ذکر فرمائی ہیں:

- ۱۔ ان کی جانثاری و قربانی کہ وہ اسلام کی خاطر گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہوئے۔
- ۲۔ ان کا اخلاص و لائقیت کہ اس ہجرت سے ان کا مقصود صرف رضائے الہی تھا۔
- ۳۔ ان کا اللہ و رسول کا مددگار ہونا۔
- ۴۔ اور آخری بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے قول و فعل اور دین و ایمان میں قطعاً سچے ہیں۔

دوسری آیت میں حضرات انصار کے چند فضائل بیان فرمائے:

- ۱۔ مہاجرین کی آمد سے پہلے یہ حضرات دارالاسلام میں اور ایمان میں قرار پذیر تھے۔
- ۲۔ جو حضرات ہجرت کر کے ان کے پاس آتے وہ محض ایمان کی بنیاد پر ان سے محبت رکھتے تھے۔
- ۳۔ حضرات مہاجرین کو کچھ دیا جاتا تو ان کے دل میں رشک پیدا نہیں ہوتا تھا۔
- ۴۔ یہ حضرات اپنی حاجت مندی کے باوجود دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔
- ۵۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طبیعت کے بخل اور مال کی حرص سے محفوظ رکھا تھا۔ اس لئے یہ حضرات بڑے کامیاب و بامراد تھے۔

تیسری آیت میں مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک آنے والی امت کا تذکرہ ہے اور ان کی دو صفیں ذکر فرمائی ہیں۔

اول: یہ کہ وہ اپنے پیشرو اہل ایمان مہاجرین و انصار کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

دوم: یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے دل میں اہل ایمان مہاجرین و انصار کی جانب سے کینہ اور کھوٹ نہ ہو۔

اہل ایمان کے ان تین طبقات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے گیارہویں آیت سے منافقین کا ذکر شروع فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے چند امور کھلے طور پر ثابت ہوئے:

اول: یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات شریفہ میں حضرات مہاجرین و انصار کے ایمان و اخلاص کی قطعی شہادت دی ہے۔ اہل ایمان کو تو شہادت خداوندی کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، لیکن حضرات شیعہ اس شہادت ربانی کے بعد بھی ان حضرات پر اتفاق و ملتزمی کی تمت دھرتے ہیں۔ فحاصل کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی کو قبول نہ کرنے والوں کا اسلام میں کتنا حصہ ہے؟

دوم: اللہ تعالیٰ نے ”اولئک ہم الصادقون“ فرما کر ان حضرات کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے جو بالاتفاق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ”خليفة رسول اللہ“ کہتے تھے۔ اگر یہ حضرات اپنے قول میں سچے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ برحق ہونا ثابت ہوا اور اگر یہ حضرات اس قول میں جھوٹے تھے تو گویا۔ نعوذ باللہ قرآن نے جھوٹوں کو سچا کہا۔

سوم: اللہ تعالیٰ نے ان آیات شریفہ میں قیامت تک کی امت کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں۔ (۱) مہاجرین، (۲) انصار، (۳) اور بعد کے وہ لوگ جو ان مہاجرین و انصار کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور ان سے کینہ نہیں رکھتے۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ جو شخص ان تینوں میں داخل نہ ہو وہ امت مسلمہ سے خارج ہے۔ ملاحظہ اللہ کاشانی تفسیر "منہج الصادقین" میں لکھتے ہیں:

"وہی نیست کہ بغض مومنان و ارادہ بدی ایشان از حیثیت ایمان کفر است و از حیثیت غیر آن فسق..... و صاحب انوار آورده کہ حق سبحانہ مومنوں را بر سر فرق فرود آورده و مہاجر و انصار و تابعین کہ موصوف باشند پانچا عقیدت و پاکیزگی طینت پس ہر کہ بدین صفت نبود از اقسام مومنان خارج افتد. و از ابن ابی لیلی مرویست کہ اہل ایمان سر طبقہ اند صحابہ از مہاجر و انصار کہ خدای تعالیٰ در حق ایشان فرمودہ کہ "و الذین تبوء الدار والایمان" و تابعین و اتباع تابعین و اینہما آنانند کہ خدای در شان ایشان فرمودہ کہ "و الذین جاؤا من بعدہم" پس جسد کن تا از این سر گروہ بیرون نباشی. و بعد از مدح مہاجر و انصار و تابعین بیان احوال منافقان مینماید بقولہ: (الم تر)

(منہج الصادقین..... صفحہ ۲۳۳، جلد ۹)

ترجمہ: "اور پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل ایمان سے بغض رکھنا اور ان سے برائی کا ارادہ کرنا اگر ان کے ایمان کی وجہ سے ہو تو کفر اور کسی دوسری وجہ سے ہو تو فسق ہے... اور صاحب انوار نے ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں۔ (۱) مہاجرین، (۲) انصار، (۳) اور ان کے بعد آنے والے وہ لوگ، جو عقیدہ کی پاکی اور دل کی صفائی کے ساتھ موصوف ہوں۔ پس جو شخص اس صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو وہ اہل ایمان کی قسموں سے خارج ہے۔

"اور ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ اہل ایمان کے تین طبقے ہیں۔

(۱) مہاجرین صحابہ، (۲) انصار جن کے بارے میں فرمایا، "اور وہ لوگ جنہوں نے قرار پکڑا دارالاسلام اور ایمان میں"، (۳) ان دونوں فریقوں

کے بعد آنے والے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اور وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد آئے" پس کوشش کرو کہ تم ان تین گروہوں سے باہر نہ رہو۔ مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین کی مدح کے بعد اللہ تعالیٰ منافقین کا حال ذکر فرماتے ہیں۔ (یعنی اگلی آیت میں)۔

اہم قرطبی لکھتے ہیں:

"اہم جعفر اپنے والد ماجد محمد باقر سے اور وہ اپنے والد اہم زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ عثمانؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میرے بھائی! کیا تم اس گروہ میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "للفرقاء المهاجرین"؟ کہا نہیں، فرمایا، اچھا اگر تم اس فریق میں سے نہیں تو دوسرے فریق میں سے ہو گے جن کے بارے میں فرمایا ہے: "و الذین تبوء الدار والایمان"؟ کہا، نہیں! فرمایا، اب صرف تیسری آیت بقی رہ گئی، اگر تم اس آیت کا مصداق بھی نہیں ہو گے تو اسلام ہی سے نکل جاؤ گے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"اہم زین العابدین کے پاس اہل عراق کے کچھ لوگ آئے۔ پہلے شیخینؓ کے بارے میں، پھر عثمانؓ کے بارے میں بدگوئی کرنے لگے۔ حضرت نے فرمایا، کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو؟ بولے نہیں۔ فرمایا، پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو، جنہوں نے ٹھکانا پکڑا دارالاسلام میں اور ایمان میں مہاجرین کے آنے سے پہلے۔ بولے، نہیں۔ فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

"اور واسطے ان لوگوں کے، جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا، اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔"

”میرے پاس سے اٹھ جاؤ! اللہ تعالیٰ تمہارا ستیاناس کرے۔ یہ واقعہ
نحاس نے ذکر کیا ہے۔“ (تفسیر قرطبی..... صفحہ ۳۱-۳۲، جلد ۱۸)

قرآن کریم کی ان شہادتوں سے بخوبی واضح ہے کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں سے کوئی منافق نہیں تھا۔ اس لئے آل سبا کا یہ کہنا کہ یہ حضرات منافق تھے (نعوذ باللہ) قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ، حضرات مہاجرین و انصار کے رئیس و امام تھے، اب اگر مہاجرین و انصار اہل ایمان تھے (اور بلاشبہ اہل ایمان تھے) تو خلفائے ثلاثہ رئیس المہاجرین اور امام المسلمین تھے۔ بے شک نصوص سے ان کا مومن عند اللہ ہونا ثابت ہے۔ یہاں بطور نمونہ ایک ایک حوالہ ذکر کرتا ہوں:

ابو بکر رضی اللہ عنہ ”صدیق“ تھے:

رجل کشی میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک طویل منظرہ ام المؤمنین عائشہؓ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک فقرہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا:

اِنَّا جَعَلْنَاكَ لِلْمُؤْمِنِينَ اِمًا وَاَنْتَ بَنْتُ اِمَ رُومَانَ وَجَعَلْنَا اَبَاكَ صَدِيقًا وَهُوَ ابْنُ اَبِي قُحَافَةَ۔
(رجل کشی..... صفحہ ۵۹، روایت ۱۰۸)

ترجمہ: ”ہم نے تجھے کو ام المؤمنین بنادیا، حالانکہ تو ام رومان کی بیٹی تھی اور ہم نے تیرے آباؤ کو ”صدیق“ بنادیا، حالانکہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے تھے۔“

اس روایت سے ثابت ہوا کہ تمام اہل ایمان حضرت عائشہؓ کو ام المؤمنین اور ان کے والد گرامی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ”صدیق“ سمجھتے اور کہتے تھے۔

ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما:

رجل کشی میں بریدہ اسلمیؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت تین شخصوں کی مشاق ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے کہا گیا کہ ”اے ابو بکر! آپ صدیق ہیں اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

یادگار ہیں۔“ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ وہ تین آدمی کون ہیں؟ مگر انہوں نے عذر کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ ”آپ فاروق ہیں، جن کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے۔“

(رجل کشی..... صفحہ ۳۰، روایت ۵۸)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرات صحابہؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق اور ”یار غلہ“ کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ”فاروق“ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرتے ہیں

علامہ کلینی نے ”روضہ کافی“ میں امام صادقؑ سے غزوہ حدیبیہ کا واقعہ نقل کیا ہے، اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

وكان رسول الله ﷺ أراد أن يبعث عمر، فقال: يا رسول الله إن عسبرتي فأبيل، وإني فيهم على ما تعلم ولكنني أدركت علي عثمان بن عفان، فأرسل إليهم رسول الله ﷺ، فقال: انطلقوا إلى قومك من المؤمنين فبشرهم بما وعدني ربِّي من ففتح مكة فلما انطلق عثمان لقي أبا بن سعيد فتأخَّر عن السرح^(۱) فحمل عثمان بن يدبه ودخل عثمان فأعلمهم وكانت المناوشة^(۲) فجلس سهيل بن عمرو عند رسول الله ﷺ وجلس عثمان في عسكر المشركين وباع رسول الله ﷺ المسلمين وضرب باحدى يديه على الأخرى لعثمان^(۳) وقال المسلمون: طوبى لعثمان قد طاف بالبيت وسعى بين الصفا والمروة وأحل قتال رسول الله ﷺ: ما كان ليفعل فلما جاء عثمان قال له رسول الله ﷺ أظننت بالبيت، فقال: ما كنت لأطوف بالبيت ورسول الله ﷺ لم يطف به

(روضة کافی صفحہ ۳۲۵ ج ۸)

ترجمہ: ”اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اہل مکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا چاہا۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہاں میرے قبیلے کے لوگ کم ہیں اور مجھے کفار مکہ میں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ عثمان بن عفانؓ کو بھیجئے۔ چنانچہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا، مکہ میں اپنے اہل ایمان بھائیوں کے پاس چلو اور ان کو اس کی خوشخبری دو کہ میرے رب نے مجھ سے فتح مکہ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عفانؓ گئے تو راستہ میں ان کو ابان بن سعید ملے، انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنی سواری پر اپنے آگے سوار کر لیا اور حضرت عثمانؓ مکہ میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کی تیاری ہونے لگی تو اسمیل بن عمروؓ (کافروں کے نمائندے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور حضرت عثمانؓ کفر کے لشکر میں روک لئے گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا ”یہ میں عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔“

اور مسلمانوں نے کہا کہ عثمانؓ بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کر لیا اور صفا و مروہ کی سعی کر کے احرام سے فارغ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، ”عثمانؓ ایسا نہیں کر سکتے۔“ جب حضرت عثمانؓ واپس آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے بیت اللہ کا طواف کر لیا؟ عرض کیا کہ جس حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہ کیا ہو، میں کیسے طواف کر سکتا تھا؟

یہ حدیث چند اہم فوائد پر مشتمل ہے:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کرنا، ان کے مومن مخلص ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ ایسی نازک سفارت کے لئے کسی مشتبہ آدمی کو بھیجنا کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی کا کام بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ سید العقلاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا وسوسہ کیا جائے۔

دوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دینا اور آپؐ کا ان کے مشورہ پر عملدرآمد کرنا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مشورہ نہایت مخلصانہ تھا، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص مشیر تھے۔

سوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ ”میں اہل مکہ کی نظر میں جیسا ہوں، وہ آپؐ کو معلوم ہے“ اس سے ثابت ہوا کہ اہل مکہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عداوت و دشمنی معروف تھی اور یہ محض ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے تھی۔ اگر وہ سچے مسلمان نہ ہوتے تو اہل مکہ کو ان سے دشمنی کیوں ہوتی؟

چہارم: حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکہ مکرّمہ بھیجنا، اور ان سے یہ فرمانا کہ اہل ایمان کو خوشخبری دو، ان کے اخلاص و ایمان کی شہادت ہے۔

پنجم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”عثمانؓ ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتے“ ان کے ایمان و اخلاص پر کمال اعتماد کی دلیل ہے۔

ششم: یہ ”بیعت رضوان“ اس وقت ہوئی تھی جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، گو یا اس بیعت رضوان کی علت غائیہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینا تھا۔

ہفتم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے دست مبارک سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنا، ان کی ایسی فضیلت و منقبت ہے جس میں ان کا کوئی شریک و ہم نہیں، جو شخص اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہو اس کے بارے میں تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) منافقانہ طور پر بیعت کر رہا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جس کی طرف سے بیعت فرمائیں اس کے بارے میں ایسا خیال کرنا تو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہرکت اور مقدس ہاتھ کی توہین ہے، جو کفر خالص ہے۔

۲۔ صحابہ کرامؓ اور مرتدین

دوسرے نکتے میں آپؐ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتد ہو گئے تھے۔ اور چوتھے نکتے میں ان مرتدین کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ آپؐ نے لکھا ہے کہ حدیث حوض میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ اور آٹھویں نکتے میں بھی حدیث حوض کا ذکر

ہے۔

گویا آپ کے تین نمبروں کا خلاصہ ایک ہے کہ ان میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے، اس ضمن میں چند گزارشات ہیں:

اول: آنجناب نے ان مرتدین کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”ہم انہیں ایسے صحابی رسول نہیں مانتے، جن کے بارے میں ہمارے

آئی ہیں۔“

سوال یہ ہے کہ جب آپ ان مرتدین کو ”صحابی“ نہیں مانتے (اور اہلسنت میں سے بھی کوئی اس کا قائل نہیں کہ مرتدین کو بھی صحابہ میں شامل کیا جائے) تو صحابہ

کی بحث میں مرتدین کا تذکرہ درمیان میں لانے کا کیا مطلب؟

دوم: آپ نے مرتدین کے لئے صحیح بخاری کی حدیث حوض کا حوالہ دیا ہے، اس

حدیث میں جن مرتدین کا ذکر آیا ہے، یہ وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد

جالبیت کی روش پر لوٹ گئے تھے اور جن سے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

اور ان کے رفقاء نے جہاد کیا۔ ان ہی حضرات کے حق میں قرآن کریم کی درج ذیل پیش

گوئی صادق آتی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ، أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

أَعَزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لَا يَخَافُونَ

لَوْمَةً لِآيِهِمْ، ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ

عَلِيمٌ﴾ (سورۃ المائدہ ۵۴)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ

عزیز بادے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں،

انہم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں

اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے، یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے

اور اللہ کشمکش والا ہے خبردار۔“ (ترجمہ شیخ المنجد)

اوپر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے تذکرے میں تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں

کہ اس آیت شریفہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے رفقاء کے وہ فضائل و کمالات

بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی فضیلت متصور نہیں۔ پس صحیح بخاری کی

حدیث حوض، جس کو اندائے صحابہؓ، صحابہؓ کی مذمت میں پیش کرتے ہیں، درحقیقت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اعلیٰ درجہ کی منقبت پر مشتمل ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب

الانبیاء ”باب نزول عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم“ سے قبل مذکور ہے:

”هم المرتدون الذين ارتدوا على عهد أبي بكر،

فقاتلهم أبو بكر رضي الله عنه“ (صحیح بخاری صفحہ ۳۹۰، جلد ۱)

ترجمہ: ”یہ مرتدین (جن کا حدیث حوض میں ذکر ہے) وہی لوگ ہیں جو

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرتد ہو گئے تھے اور جن کے

خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔“

امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

”لم يرتد من الصحابة أحد، وإنما ارتد قوم من

جفافة الأعراب ممن لا نصرة له في الدين، وذلك لا يوجب

قدحا في الصحابة المشهورين، ويدل قوله ”أصحابي“

بالتصغير على قلة عددهم“

(فتح الباری صفحہ ۳۸۵، جلد ۱۱۔ کتاب الرقاق، باب المحشر)

ترجمہ: ”صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا، ہاں! اکثر قسم کے

دینہاتوں کی ایک جماعت ضرور مرتد ہوئی، جن کی دین میں کوئی نصرت نہیں

تھی، اور یہ بات مشہور صحابہؓ میں موجب قدح نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا صیغہ تصغیر کے ساتھ ”اصحابی“ فرمانا ان مرتدین کی قلت

کو بتاتا ہے۔“

جن صحابہؓ نے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا وہ ارتداد سے محفوظ تھے

اوپر امام خطابیؒ کے اس قول میں کہ ”مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کی دین

میں کوئی نصرت نہیں تھی" اس طرف اشارہ ہے کہ جن اکابر نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان و مال کی قربانیاں دیں وہ ارتداد سے محفوظ تھے۔ یہ مضمون قرآن کریم سے مستنبط ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً، وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً، وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿سورۃ النساء: ۹۶، ۹۵﴾

ترجمہ: "برابر نہیں بیٹھ رہے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں، اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، اللہ نے بڑھا، یا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں۔ جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔" (ترجمہ شیخ السد)

اس آیت شریفہ میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں سے عظیم ترین درجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ جبکہ مجاہدین اور قاعدین دونوں کے بارے میں فرمایا:

وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى
"اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا۔"
اور سورۃ الحديد میں ارشاد ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿سورۃ الحديد: ۱۰﴾

ترجمہ: "برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔" (ترجمہ شیخ السد)

اس آیت شریفہ میں دو مضمون ذکر فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جن مقدور والوں نے فتح مکہ (یا بقول بعض حدیبیہ) سے پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا، بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی و مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال و غنائم وغیرہ کی توقعات بست کم تھیں۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عندہ ورضنا اللہ اتباعہم وحبہم آمین۔ (فوائد عثمانی)

دوسرا مضمون یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہؓ سے "الحسنی" کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جن حضرات نے فتح سے قبل انفاق و قتل کیا ان سے بھی اور جنہوں نے بعد میں انفاق و قتل کیا ان سے بھی۔

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَى أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿الأنبیاء: ۱۰۱﴾

ترجمہ: "اور جن کے لئے پہلے سے بھری ہادی طرف سے نیکی وہ اس سے (یعنی دوزخ سے) دور رہیں گے۔" (ترجمہ شیخ السد)

ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن صحابہؓ نے انفاق و قتل فی سبیل اللہ کیا وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ لہذا ان کا خاتمہ بر ایمان یقینی ہے، اگر وہ خدا نخواستہ مرتد ہو جائیں تو وعدہ الہی میں تخلف لازم آئے گا، جو شرعاً و عقلاً مستبعد ہے۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو حضرات اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئے اور انہیں شرف صحابیت حاصل ہو گیا وہ بھی مرتد نہیں ہو سکتے اس لئے ”الحسنی“ کا وعدہ ان کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کا اسلامی خدمات اور جان و مال کی قربانیوں میں کوئی حصہ نہیں تھا اور وہ بچے دل سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ الغرض جن اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جان و مال کی قربانیوں کی سعادت میسر آئی، ان کا مرتد ہونا مندرجہ بالا آیات کی رو سے ناممکن تھا۔ واللہ الموفق لکل خیر وسعادة۔

۳۔ صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے، لیکن محفوظ تھے

تیسرے نکتہ میں آنجناب لکھتے ہیں کہ: ”بیشتر صحابہ“ مومنین صالحین تھے لیکن وہ معصوم نہیں تھے۔ ”آنجناب کا یہ فقرہ نہ اہل سنت کے اصول پر صحیح ہے، نہ اہل تشیع کے اصول پر۔ اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک ”بیشتر“ صحابہ ”نہیں“ بلکہ ”کل“ کے ”مومنین و صالحین“ تھے۔ ”الصحابۃ کلہم عدول“ ان کا طے شدہ اصول ہے۔ اور اہل تشیع کے نزدیک دو چلہ کے سوا باقی تمام صحابہ ”نعموز باللہ مرتد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

رہا یہ کہ صحابہؓ معصوم نہیں تھے، اہل سنت کے نزدیک یہ قاعدہ صحیح ہے۔ لیکن آنجناب نے جس مفہوم میں اس کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے بقول ”کلمۃ حق ارید بہا الباطل“ کے قبیل سے ہے۔ بلاشبہ اہل سنت کے نزدیک تمام صحابہؓ بشمول حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ غیر معصوم تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ وہ فاسق و فاجر تھے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، لیکن اکابر اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔ اور حضرات صحابہؓ تمام اولیاء اللہ کے سربراہ اور مقتدا و پیشوا ہیں۔ اس لئے وہ اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیزگار تھے۔ ارشاد خداوندی ”اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم“ اگر ان کے حق میں نہیں تو امت میں اور کون ہو گا جو اس کا مصداق ہو؟

آنجناب کا یہ ارشاد کہ:

”لہذا ہتفاضانے بشری ان سے گناہ بھی ہوئے اور لغزشیں بھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی ماننے کا حکم دیا، جیسا کہ اکابرین علمائے اہل سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔“

اس میں چند امور لائق توجہ ہیں:

اول: صحابہ کرامؓ اسلام سے قبل جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور اپنے جاہلی ماحول کی وجہ سے وہ فحش ترین جرائم کے عادی تھے، ان کا معاشرہ (فطری خوبیوں اور جوہری صفات اور صلاحیتوں کے باوجود) بدترین معاشرہ شمار کیا جاتا تھا لیکن جب یہ حضرات اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو وحی الہی کے نور سے ان کے قلوب منور اور ”خورشید بدایین“ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت اور نظرِ کیمیا اثر نے ان کی کایا پلٹ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تزکیہ کی برکت سے ان کا معاشرہ ”رشک ملائک“ بن گیا۔ اس قلبِ ماہیت کے بعد ان میں جرائم کی شرح اس قدر حیرت انگیز حد تک کم ہو گئی کہ عقل انگشت بدنداں ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں سے کرید کرید کر لائقِ تعریف واقعات تلاش کئے جائیں تو پورے دورِ نبویؐ میں ایسے واقعات کی تعداد اگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اور بغیر کسی مبالغہ کے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ایسے پاکیزہ معاشرہ اور ایسے فرشتہ خصلت انسانوں کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ الغرض صحابہ کرامؓ میں لائقِ تعریف واقعات اگر پیش بھی آئے تو نہایت شاذ و نادر۔ اور عقلاء کا قاعدہ ہے کہ ”النادر کالمعدوم“ یعنی شاذ و نادر واقعات معدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ اب ان حضرات کے معاشرہ کی پاکیزگی اور اس کی مجموعی کیفیت کو نظر انداز کر کے جرائم کے ان معدودے چند واقعات کو اچھاننا اور ان واقعات سے صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت پر قدح کرنا، جیسا کہ آپ نے کیا ہے، کیا یہ صحت فکر کی علامت ہے؟

دوم: جن حضرات سے ایسے افعال کا صدور ہوا، ان کا شمار مشاہیر صحابہؓ میں نہیں۔

پہلا واقعہ:

رحمہ کا سب سے مشہور واقعہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ صحیح مسلم (صفحہ ۶۸، جلد ۲) میں بروایت بریدہ مروی ہے کہ لوگوں کی ماعز کے بارے میں دو جماعتیں بن گئیں، کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ شخص ہلاک ہو گیا، اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ ماعز کی توبہ سے بڑھ کر کس کی توبہ ہو سکتی ہے، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے کر کہا کہ مجھے پتھروں سے قتل کیجئے۔ لوگ اسی حال میں دو یا تین دن ٹھہرے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، لوگ بیٹھے تھے، آپ نے سلام کیا، پھر تشریف فرما ہوئے۔ پھر فرمایا، ماعز بن مالک کے لئے استغفار کرو۔ لوگوں نے دعا کی، "غفر اللہ لماعز بن مالک" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لوسعهم.

ترجمہ: "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کر دی جاتی تو پوری امت کو کافی ہوتی۔"

نسائی میں بروایت ابو ہریرہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لقد رأيته بين أنهار الجنة ينفس.

(کذا في اللطع (۱۲-۱۳۰) عزوا الى النسيان - وهو عند النسيان في الكبري

(۲۷۷-۲۷۸) بالفاظ مختلفة)

ترجمہ: "میں نے اسے دیکھا کہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے"

مسند احمد میں بروایت ابو ذر رضی اللہ عنہ یہ ارشاد مروی ہے:

غفر له وأدخل الجنة.

(مسند احمد صفحہ ۱۷۹ ج ۵)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔"

ابوداؤد (۲-۲۵۲) مصنف عبدالرزاق (۷-۳۲۲) اور موارد الغمام

اور غالباً ان کو طویل صحبت بھی میسر نہیں آئی۔ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ، جن کے رحم کا واقعہ مشہور ہے، اگر ان کا یہ واقعہ پیش نہ آتا تو شاید کوئی شخص ان کے نام سے بھی آشنا نہ ہوتا۔ اسی طرح جتنے صحابہ کے ایسے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، اکثر اسی قسم کے گناہ صحابہ ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے ان گناہ صحابہ میں بھی پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ جب ان سے نفس کے فوری جذبہ کی بنا پر گناہ کا صدور ہوا تو وہ گناہ ان کے دل کی پھانس بن گیا کہ جب تک ان کی تطہیر نہیں ہو گئی انہیں کسی کروٹ چھین نہیں آیا۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی زبردستی پکڑ کر نہیں لایا بلکہ اپنے ضمیر کے بوجھ سے دب کر وہ از خود آکر اپنے گناہ کے معترف ہوئے۔ انہیں مشورہ دیا گیا کہ جا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کریں، مگر یہ تلقین بھی ان کی بے چینی و بے قراری کو ختم نہ کر سکی جب تک انہوں نے خدا کے راستہ میں جان نہ دے دی۔

اس ناکارہ کے نزدیک یہ ان گناہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم ترین منقبت ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت کا عظیم الشان شاہکار اعجاز ہے۔ اس لئے یہ حضرات، جن سے مختلف قسم کے گناہ صادر ہوئے، اہل حق کے نزدیک بعد کے تمام اولیاء امت سے افضل ہیں۔ کیونکہ کردار کی یہ بلندی اور تقویٰ و طہارت اور پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت، جو ان حضرات کو صحبت نبوی کی برکت سے میسر آئی بعد کے کسی شخص کو نصیب نہیں۔

سوم: یہ گناہ صحابہ جن سے جرائم کا صدور ہوا، انہوں نے ایسی سچی توبہ کی جو ہم سب کے لئے لائق رشک ہے اور گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔

تر دامنی پہ اپنی اے زاہد نہ جانیو
دامن نہ چوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

یہاں تین واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن سے ان حضرات کی توبہ و ثابت ہوئی ہے:

(صفحہ ۳۶۳) میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے سنا کہ ”اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا تھا، مگر اس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کیا گیا۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ آگے ایک مرتبے ہوئے گدھے کے پاس سے گزر ہوا تو آپؐ نے ان دونوں سے فرمایا:

انزلا فکلا من جيفة هذا الحمار.

ترجمہ: ”اگر اس گدھے کی لاش کو کھاؤ۔“

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کو کون کھا سکتا ہے؟ فرمایا:

فلما نلتما من عرض أخیکما آتفا أشد من أکل

المیتة والذی نفسی بیدہ إنه الآن لفی أنہار الجنة ینغمس

فیہا.

ترجمہ: ”جو تم نے اپنے بھائی کی نفیست کی ہے وہ اس مردار کھانے سے بدتر ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔“

صحیح ابو عوانہ میں بروایت جابرؓ یہ الفاظ ہیں:

”فقد رأیتہ ینخضخص فی أنہار الجنة“

(فتح البدر) (صفحہ ۱۳۰، جلد ۱۲)

دوسرا واقعہ:

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرا مشہور واقعہ غادیہؓ کا ہے۔ یہ خاتون بھی بغیر کسی کی نشاندہی کے خود بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئیں۔ صحیح مسلم (۲-۶۸) میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ان کا واقعہ اس طرح منقول ہے:

”عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے مجھے پاک کیجئے۔“

آپؐ نے اسے واپس کر دیا۔ اگلے دن پھر آئی، کہنے لگی یا رسول اللہ! آپ مجھے واپس کیوں کرتے ہیں، شاید آپ مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں جیسے

ماعز کو واپس کرنا چاہتے تھے۔ مگر میں تو بدکاری کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھر رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، تو پھر ولادت کے بعد آنا۔ بچے کی پیدائش کے بعد وہ پھر آئی، تو فرمایا، بچے کی دودھ پھرائی کے بعد آنا۔ دودھ پھرائے کے بعد آئی، اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ کہنے لگی، یا رسول اللہ! اب تو یہ روٹی بھی کھانے لگا ہے۔ آپؐ نے اس کے رجم کا حکم دیا، لوگ رجم کر رہے تھے کہ حضرت خالدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر ملا، جس سے خون کے چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے منہ پر آکرے۔ انہوں نے اس خاتون کو کوئی نامناسب لفظ کہا (نسبہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:

مہلا یا خالد! فوالذی نفسی بیدہ لقد ثابت توبۃ

لو تابہا صاحب مکس لغفر لہ.

ترجمہ: ”خالد! برا بھلا کہنے سے باز رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس وصول کرنے والا کرتا تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی۔“

پھر آپؐ نے اس پر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور اسے دفن کیا گیا۔“

یہی روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ رجم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا نبی اللہ! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، اس نے تو زنا کا ارتکاب کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا:

لقد ثابت توبۃ لو قسمت بین سبعین من أهل

المدينة لوسعتهم وهل وجدت توبۃ أفضل من أن جادت

بنفسها لله تعالى (صحیح مسلم) (صفحہ ۶۹، جلد ۲)

ترجمہ: ”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینے کے ستر گندھاروں پر تقسیم کر دی جائے تو ان کو بھی کفلی ہو۔ کیا تمہیں اس سے افضل توبہ مل سکتی ہے کہ اس نے اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان قربان کر دی؟“

۳: ابو داؤد (۲-۲۵۲-۲۵۳) مسند احمد (۳-۳۷۹) میں ایک اور واقعہ

مذکور ہے:

”حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک عورت بچے کو اٹھائے ہوئے گزری۔ لوگ اس کے ساتھ ہوئے، میں بھی ان میں شریک تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟ عورت خاموش رہی، ایک نوجوان نے کہا، یا رسول اللہ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پھر سوال کیا۔ نوجوان نے پھر کہا، یا رسول اللہ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے تحقیق فرمائی (کہ اس کو جنوں تو نہیں، عرض کیا گیا) یہ تندرست ہے۔ آپ نے اس نوجوان سے فرمایا کہ تم شادی شدہ ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا، آپ نے اس کے رجم کا حکم فرمایا۔ ہم نے اسے سنگسار کر کے لٹھا کر دیا۔ ایک شخص اس مروجہ کے بارے میں پوچھنے آیا، ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ ہم نے کہا، یہ شخص اس خبیث کے بارے میں پوچھنے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

هو أطيب عند الله عز وجل من ریح المسك.

ترجمہ: ”وہ خبیث نہیں۔ بخدا! وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشبو سے زیادہ

پاکیزہ تر ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام کے بارے میں جو کلمات طبیبات ارشاد فرمائے، کون مسلمان اس کی تمنا نہ کرے گا کہ کاش! نبوت کی زبان وحی ترجمان سے یہ دو تئیس اس کو میسر آجائیں!

جس گنہگار کو توبہ کی توفیق ہو جائے، پھر اس کی توبہ قبول بھی کر لی جائے اور پھر اس کی قبولیت کی اطلاع بھی کر دی جائے اس سے بڑھ کر خوش بخت اور کون ہو سکتا ہے؟ التائب من الذنب کمن لا ذنب له ”گنہگار سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا

اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔“

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۰۶)

کافانوں تو ہم گنہگاروں کے لئے ہے، صحابہ کرام جن کے مقبول التوبہ ہونے کی بشارتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے دلائی گئیں، ان کا کیا پوچھنا؟ ان کے ایسے گناہوں پر صد زہد و طاعت قربان! الغرض جبکہ ساری تک و دو اور سعی و عمل سے مقصود رضائے الہی اور قرب عند اللہ ہے اور یہ دولت ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بالقطع حاصل ہے تو یوں کہو کہ یہ برکت فیض صحبت نبویؐ ان حضرات کے گناہ بھی ہم سنگ طاعات ٹھہرے۔ اس کے بعد ان اکابر کے ان مغفور گناہوں کا ذکر کرنا میں نہیں سمجھتا کہ بجز اپنے نامہ عمل کو سیاہ کرنے کے اور کیا فائدہ دیتا ہے؟

صحابہ کرام سے معاصی کے صدور کی تکوینی حکمت

جن حضرات کو حق تعالیٰ شانہ نے حقیقت و معرفت سے بہرہ ور فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ صحابہ کرام کے ان افعال میں بھی، جن کو شریعت نے لائق تعزیر قرار دیا، حق تعالیٰ شانہ کی تکوینی حکمت کار فرما تھی۔ اس لئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ دور میں ایسے واقعات رونما نہ ہوتے تو حدود شرعیہ کا نفاذ کیسے ہوتا؟ اور دین کی تکمیل کے عملی مظاہر کیسے سامنے آتے؟ کارکنان قضا و قدر نے تکمیل دین محمدیؐ کے لئے صحابہ کرام کو پیش کر کے ان پر حدود کا نفاذ کرایا اور ان کے پاک دامن پر گناہ کے جو داغ دھبے آگئے تھے فوری طور پر توبہ و انابت کے ذریعہ ان دھبوں کو صاف کر دیا گیا۔ اور تاکید کر دی گئی کہ خبردار! آئندہ کوئی شخص ان نفوس قدسیہ کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اللہ اللہ فی أصحابی اللہ اللہ فی أصحابی لا

تتخذوهم غرضا من بعدی“

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۳)

ترجمہ: ”اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنا لیتا۔“

مولانا عاشق الہی میرٹھی ”تذکرۃ الخلیل“ میں قطب الارشاد حضرت شاہ
عبدالرحیم رائے پوریؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ محن باغ میں چل پائی پر بیٹھے ہوئے
اور چاروں طرف موبذہوں پر خدام و حاضرین کا ایک کثیر جمع چاند کا بالہ بنا
بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضرات صحابہؒ کی باہمی جنگ ورجش
کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور
فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعتاً حضرت کو جوش
آگیا اور مرسکوت ٹوٹ گئی کہ جھر جھری لے کر حضرت سمیٹے اور فرمایا، راؤ
صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجئے، بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریات
دین و دنیا سے باخبر کرنے کے لئے تشریف لائے تھے اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی
بڑی تعلیم کے لئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے
لئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور
عمل مرتب ہو تو دنیا کچھ کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہئے، پس اصول کے
درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانہ بابرکت میں
حادث نہ ہو جکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے۔ ایک وہ جو منصب نبوت
کے خلاف نہیں، اور دوسرے وہ جو عظمت شان نبوت کے منافی ہیں۔ پس
جو واقعات منصب نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آنے مثلاً
تزوج اور اولاد کا پیدا ہونا، ان کا مرنا و فٹا کھانا وغیرہ تھامی خوشی و غمی کے
واقعات حضرت کو پیش آگئے اور دنیا کو علمایہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے
پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب۔ اور کسی کی
ولادت و خستہ و نکل وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلاف
سنت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمت رسالت کا
خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیم محمدیؐ کا تمام رہے۔ مثلاً زنا و چوری وغیرہ
ہو تو اس طرح حد و تعزیر ہونا چاہئے اور باہم جنگ و قتل یا نفسانی اغراض پر

دنیوی امور میں نزاع و رجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہئے۔ یہ امور ذات
محمدیؐ پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے
کی۔

لہذا حضرات صحابہؒ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام و غلام آخر کس
مصرف کے ہیں، جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں
اور حکم و نتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضرات
صحابہؒ پر وہ سب ہی کچھ پیش آیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے
لئے رشد و ہدایت بنا اور دنیا کے ہر بھلے برے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں
یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب۔
پس کوئی ہو تو ایسا بہت جانتا جو تکمیل دین محمدیؐ کی خاطر ہر ذلت کو عزت اور
غیب کو بھر سمجھ کر نشانی ملامت بننے پر فخر کرے اور بڑبازر حل کئے کہ ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغ

سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمی

شرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چلا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی
عاشق سے پوچھو کہ جاں نثری میں کیا لطف ہے اور کوچہ معشوق کی تنگ و عار
کیا لذت ہے ۔

از تنگ چہ گوئی مرا نام ز تنگ ست

و از نام چہ پرسی کہ مرا تنگ ز نام است

سچے عاشق تو اس طرح ہماری تہمدی اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو
نہہ کریں اور ہم ان کے منصف و ڈپٹی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے
مقدمات کا فیصلہ دینے کے لئے بیٹھیں اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت
گندی کریں، اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہراتِ سنہ کے قدردان نہیں
ہیں تو کم سے کم بد زبانی و طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ،
اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذو ہم من بعدی غرضاً ۔
(تذکرۃ الخلیل ص ۲۳۶ تا ۲۳۸)

جن صاحب نے اپنے اجتہاد سے جس چیز کو عند اللہ حق سمجھا، محض رضائے الہی کی خاطر اس کو اختیار کیا۔

ایک فریق نے یہ سمجھا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے، اس نے آپ کی حمایت میں جانبازی کے جوہر دکھائے۔ دوسرے فریق نے یہ سمجھا کہ مفسدین کا ٹولا، جس نے خلیفہ مظلومؓ کو شہید کر کے خلافت اسلامیہ کے پرچے اڑا دیئے، وہ نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یکمپ میں ہے بلکہ عملاً وہی بالادست ہے یہ ٹولا خلیفہ کے قابو میں نہیں، بلکہ خود ادارہ خلافت اس ٹولے کے قابو میں ہے۔ چنانچہ نبیج البلاغہ میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے حضرت امیرؓ سے ان فتنہ پردازوں کی گوشمالی کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا:

بَا إِخْوَنَاهُ ! إِنِّي لَسْتُ أَخْفِلُ مَا تَفْعَلُونَ . وَتَكِينُ سَيْفٍ لِي بِفُتُونِ
وَالْقَوْمِ الْخُلْبُونِ "عَلَّ حَدَّ شَوْكَتِهِمْ" . يَنْلُكُونَنَا وَلَا نَلُكُهُمْ !
وَعَاثُمٌ هَوْلًا . قَدْ نَأَتْ مِنْهُمْ عَيْنَانُكُمْ . وَالْفَتْحُ إِلَيْهِمْ أَغْرَابُكُمْ
وَقَدْ خِيلَانُكُمْ "يَسْمُونَكُمْ" مَا شَاؤُوا ، وَهَلْ فَرَدُونَ مُوَضِعًا لِفُتُونِهِ
عَلَى شَيْءٍ تَرِبُوتُهُ (منہج البلاغہ ص ۲۴۳)

ترجمہ: "بھائیو، وہ بات تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں، لیکن میرے پاس یہ قوت کہاں ہے؟ (کہ ان لوگوں کی گوشمالی کروں) جبکہ فوج کشتی کرنے والے پوری قوت و شوکت میں ہیں۔ وہ ہم پر مسلط ہیں، ہم ان پر حاوی نہیں، یہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور تمہارے بادشاہ نشین بھی ان کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ تمہارے درمیان (عینہ میں) موجود ہیں، جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی ایسی صورت نظر آتی ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو، اس کی قدرت حاصل ہو؟"

اس دوسرے فریق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، ان کے ظاہر و باطنی کمالات اور ان کے مقبول عند اللہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ ان کو جو مشکل درپیش تھی وہ یہ تھی کہ جب تک ان مفسدوں کو بالادستی حاصل ہے، حضرت علی رضی

پانچویں نکتہ میں آپ نے لکھا ہے کہ:
"حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت امیر معلویہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں، ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کی اس فعل پر پیشانی اور توبہ عیلت ہے۔ یہی اکابرین اہل سنت کا نظریہ ہے۔"
اس بحث میں چند امور قابل ذکر ہیں:

اول: امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو حالات پیش آئے اور جو بالآخر جنگ جمل اور جنگ صفین پر منتج ہوئے، وہ تاریخ میں مدون ہیں۔ یہ حالات ایسے ہو شربا تھے کہ عقل حیران تھی کہ کیا کیا جائے، کیا نہ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان شہیدؓ کے بعد بار خلافت اٹھانے کی جب درخواست کی گئی تو ارشاد فرمایا:

دَعُونِي وَالتَّيْسُوا غَيْرِي ، فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْرًا لَهُ وَجْهُهُ وَالْإِنَانُ ، لَا نَقْدُومُ لَهُ الْقُلُوبُ ، وَلَا نَقْبُتُ عَلَيْهِ الْقُلُوبُ "عَلَيْهِ السَّلَامُ" . وَإِنْ أَلْفَاقٌ فَسَدُ
أَعْمَاتُ "عَلَيْهِ السَّلَامُ" ، وَالْمَحَبَّةُ "عَلَيْهِ السَّلَامُ" قَدْ تَنَكَّرَتْ "عَلَيْهِ السَّلَامُ"
(منہج البلاغہ ص ۱۳۶، خطبہ نمبر ۹۲)

ترجمہ: "مجھے رہنے دو، کسی اور کو تلاش کرو، کیونکہ ہمیں ایسے امر کا سامنا ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں۔ جس کے سامنے نہ دل قائم رہ سکتے ہیں، نہ عقلیں ٹھہر سکتی ہیں۔ افق پر گھٹائیں چھلکی ہوئی ہیں اور راستہ مشتبہ ہو گیا ہے۔"

یہ نہ حالات کا صحیح نقشہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وقت درپیش تھے۔
دوم: ظاہر ہے کہ وحی کا دروازہ تو بند ہو چکا تھا، اب ان سنگین حالات میں ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا اور اس ضمن میں آراء کا اختلاف بھی ایک فطری چیز تھی۔ چنانچہ ان حالات میں حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء میں بھی اختلاف رونما ہوا۔

اللہ عنہ کا ساتھ کیسے دیا جائے؟ ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ ان مفسدین کا قلع قمع کرنا اور خلافت کو ان کے چنگل سے نجات دلانا ضروری ہے۔

تیسرے فریق نے یہ خیال فرمایا کہ اب تک ہم کفار کے مقابلے میں صف آرا تھے اور ہماری تلواریں کافروں کو کاٹ رہی تھیں، لیکن اب مفسدوں کی فتنہ پردازی نے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا ہے۔ جن تلواروں سے ہم نے کافروں پر جہاد کیا انہی کو مسلمانوں کی گردن پر کیسے چلائیں؟ ان حضرات نے ورع و احتیاط کے طور پر اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے کنارہ کشی کی۔ تاکہ کسی مسلمان کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین نہ ہوں جیسا کہ احادیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے منقول ہے۔

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد، جیسا کہ حضرت امیرؓ نے فرمایا، افق پر فتنہ کی گھنائیں چھا گئیں، راستہ مشتبہ اور بے پہچان ہو گیا، اور حالات نے کئی رخ اور کئی رنگ اختیار کر لئے۔ اس لئے جس فریق نے اپنے اجتہاد اور اپنی صوابدید کے مطابق جو پہلو اختیار کیا وہ محض رضائے الہی کے لئے تھا، اور ہر فریق اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا۔ صحابہ کرامؓ کو جو حالات درپیش تھے ان کی حسی مثل ایسی سمجھنی چاہئے کہ ایک قافلہ دن کی روشنی میں سفر کر رہا تھا کہ ادھر آفتاب غروب ہوا، اور ادھر نہایت کالی گھٹا اٹھی اور آندھی کے جھکڑ چلنے لگے کہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اور فضا ایسی تلیک ہو گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہیں دے رہا۔ اسے میں نما کا وقت ہوا۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہو گئے۔ مگر کسی کو معلوم نہیں کہ قبلہ کس طرف ہے۔ اس لئے ہر شخص نے اپنی تحری اور اپنے اجتہاد سے قبلہ کا رخ متعین کیا۔ ان رفقاء میں کسی کا منہ کسی طرف ہے اور کسی کا کسی طرف۔ مگر چونکہ ہر ایک اخلاص و ولایت کے ساتھ قبلہ رخ متوجہ ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ ایسے اشتباہ کی حالت میں ہر شخص اپنی صوابدید اور تحری پر عمل کرنے کا مکلف ہے، اس لئے سب کی نماز صحیح ہے، اور وہ عند اللہ مقبول ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُس فتنہ کی تدبیر کے دور میں صحابہ کرامؓ کا حل سمجھنا چاہئے، کہ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں وہ مختلف نظر آتے ہیں، مگر چونکہ ہر ایک کا مقصد ”قبلہ رضائے الہی“ کی طرف رخ کرنا ہے، اور چونکہ ان میں سے

ہر ایک اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک عند اللہ مقبول اور ”رضی اللہ عنہ ورضوانہ“ کا مصداق ہے۔

سوم: اس سے بھی بڑی مشکل یہ تھی کہ ان فتنہ پرداز مفسدوں کی پروپیگنڈہ مشینری پوری قوت اور شدت کے ساتھ اہل اخلاص کے درمیان منافرت پھیلانے میں مصروف تھی، ایک دوسرے کے خلاف کدورتیں پیدا کرنے کے لئے افواہیں گھڑی چارہی تھیں اور دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ اکابر صحابہ کرامؓ کی پوتیس درہ کی جلدی تھی۔ جیسا کہ امیر المومنینؓ نے مندرجہ بالا اقتباس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

”وہ جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں۔“

حدیث ہے کہ جب جنگ جمل سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمروؓ کو حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بطور سفیر بھیجا اور ان کی گفتگو سے دونوں فریقوں کے درمیان مصلحت پر اتفاق رائے ہو گیا تو ان مفسدین نے رات کی تاریکی میں دونوں فریقوں پر شیخون مارا، ہر فریق نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے بدعہدی کی ہے اور پھر جو ہونا تھا ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ”البدایہ والنہایہ“ میں طبری کے حوالے سے لکھا ہے:

”ثم بعث علی إلى طلحة والزبير يقول: إن كنتم علی ما فارقتم علیہ القعقاع بن عمرو فكفوا حتی ننزل فننظر فی هذا الأمر، فأرسلا إليه فی جواب رسالته: إنا علی ما فارقنا القعقاع بن عمرو من الصلح بین الناس، فأطمأنت النفوس وسكنت، واجتمع كل فریق بأصحابه من الجیشین، فلما أوصوا بعث علی عبد الله بن عباس إليهم، وبعثوا إليه محمد بن طلحة السجاد وبنات الناس بخیر لیلۃ، وبنات قتلة عثمان بشر لیلۃ، وبناتو یتشاورون وأجمعوا علی أن یشيروا الحرب من الفلس، فتهاذوا من

قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَهُمْ قَرِيبٌ مِنْ أَلْفَى رَجُلٍ فَانْصَرَفَ كُلُّ فَرِيقٍ إِلَى قَرَابَاتِهِمْ فَهَجَمُوا عَلَيْهِمْ بِالسِّيُوفِ، فَثَارَتْ كُلُّ طَائِفَةٍ إِلَى قَوْمِهِمْ لِيَمْنَعُوهُمْ، وَقَامَ النَّاسُ مِنْ مَنَامِهِمْ إِلَى السَّلَاحِ، فَقَالُوا طَرَقَتْنَا أَهْلُ الْكُوفَةِ لَيْلًا، وَبِيتُونَا وَغَدَرُوا بَنَا، وَظَنُّوا أَنَّ هَذَا عَنْ مَلَأٍ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ فَبَلَغَ الْأَمْرُ عَلِيًّا فَقَالَ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَقَالُوا، بَيْتَنَا أَهْلُ الْبَصْرَةِ، فَثَارَ كُلُّ فَرِيقٍ إِلَى سِلَاحِهِ وَلَبَسُوا اللَّأَمَةَ وَرَكِبُوا الْخَيْلَ، وَلَا يَشْعُرُ أَحَدٌ مِنْهُمْ بِمَا وَقَعَ الْأَمْرُ عَلَيْهِ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ، وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا وَقَامَتِ الْحَرْبُ عَلَى سَاقٍ وَقَدِمَ! "

(الْبَدَايَةُ وَالنَّهَايَةُ ص ۲۳۹ ج ۷)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ اگر تم لوگ اس گفتگو پر قائم ہو جو عقیق بن عمروؓ سے ملے ہوئی تھی تو کسی مزید کھروائی سے باز رہو، یہاں تک کہ ہم اس معاملہ میں غور کر لیں۔ ان دونوں حضرات نے پیغام کے جواب میں کلمہ بھیجا کہ "عقیق بن عمروؓ سے لوگوں کے درمیان مصالحت کی جو بات ہوئی ہے، ہم اس پر قائم ہیں۔" پس لوگوں کے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوا۔ اور دونوں لشکروں کے لوگ اپنے دوستوں سے ملنے لگے۔ جب شام ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور ان حضرات نے آپ کے پاس محمد بن طلحہ سجاد کو بھیجا، تمام لوگوں نے نہایت سکون و اطمینان اور خیریت سے رات گزاری۔ مگر قاتلین عثمانؓ نے یہ رات نہایت بے سکونی میں گزاری۔ وہ ساری رات مشغور کرتے رہے اور انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ صبح ہونے سے پہلے رات کے اندھیرے میں جنگ کی آگ بھڑکا دیں۔ چنانچہ یہ لوگ صبح صادق سے پہلے اٹھے، جو قریباً دو ہزار آدمی تھے، پس ہر فریق اپنے اہل قربات کے

پاس گیا اور ان پر تلواروں سے حملہ کر دیا۔ پھر ہر گروہ اپنی قوم کی طرف اٹھا تاکہ ان کی حفاظت کرے۔ اور لوگ نیند سے اٹھے تو سیدھے ہتھیاروں کی طرف گئے، اور انہوں نے کہا کہ اہل کوفہ نے ہم پر شیخوں مارا ہے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا؟ ان کو بتایا گیا کہ اہل بصرہ نے ان پر شیخوں مارا ہے، چنانچہ ہر فریق ہتھیاروں کی طرف بھاگا۔ زریں پائیں اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے، اصل قصہ کیا ہوا؟ اس کی کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر نغذہ ہو کر رہی اور جنگ بھڑک اٹھی۔"

چهارم: غلط فہمی کی بنا پر نفوس قدسیہ کے درمیان کشاکشی کا پیدا ہو جانا مستبعد نہیں، قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے، سورۃ اعراف میں ہے:

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا، قَالَ بِئْسَ خَلِيفَتِي يُوسُفُ بْنُ بَعْدِي أَصْلَحْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ، وَالْقَوْمُ الْأَوَاحِ وَآخِذٌ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمٍّ إِنَّ قَوْمَ اسْتَغْنَيْنِي فَيَقْتُلُونَنِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

(الأعراف: ۱۱۰)

ترجمہ: "اور جب موسیٰ اپنی قوم غصہ میں بھر پڑا افسوسناک، بولا کیا بری نیابت کی تم نے میری میرے بعد، کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے؟ اور ڈال دیں وہ تختیں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا، لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف، وہ بولا کہ اے میری ماں کے بچے، لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں، سو مت ہنسنا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں۔" (ترجمہ..... شیخ الحداد)

اور سورۃ طہ میں ہے:

﴿قَالَ يَا هَارُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا، أَلا

تَتَّبِعْنِ، أَلْفَصَيْنِ اٰمَرِي، قَالَ يَا اِبْنِ اُمٍّ لَا تَاْخُذْ بِمِلْعَتَيْنِ
وَلَا بِرَأْسِي، اِنِّي خَشِيتُ اَنْ تَقُوْلَ فِرْقَتَ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ
وَكَمْ تَرْثُ قَوْلِي ﴿﴾ (سورۃ الطہ ۹۲ تا ۹۴)

ترجمہ: ”کہا موسیٰ نے اے ہارون! کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تھا تو
نے کہ وہ ہمک گئے کہ تو میرے پیچھے نہ آیا، کیا تو نے رد کیا میرا حکم؟ وہ بولا
اے میری ماں کے بچے نہ پڑ میری داڑھی اور نہ سر، میں ڈرا کہ تو کہے گا
پھوٹ ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات۔“

(ترجمہ شیخ المنذر)

باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے جو
سلوک کیا، یہ ایک نبی کی صریح توہین تھی اور غیر نبی اگر کسی نبی کی ایسی توہین کرے تو اس پر
جو حکم جاری ہو گا وہ سب کو معلوم ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ
محض للہ فی اللہ تھا، اور اس کا نشانہ غلط فہمی تھا، اس لئے ان کا یہ فعل مدح و ستائش کے طور
پر قرآن کریم میں ذکر کیا گیا۔

ٹھیک یہی حیثیت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان واقعات سے سمجھنی
چاہئے، جن حضرات نے جو موقف اختیار کیا، اگرچہ اس کا نشانہ غلط فہمی تھا تب بھی انہوں
نے جو کچھ کیا چونکہ محض للہ فی اللہ تھا اس لئے ان کا یہ طرز عمل لائق طعن نہیں، بلکہ
موجب مدح و ستائش ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان اکابر کو شرف صحابیت کے ساتھ
مشرف فرمایا ہے اور بغیر کسی مبالغہ کے ان اکابر کے مقابلہ میں ہماری حیثیت وہی ہے جو
شہزادوں کے مقابلہ میں ایک بھنگی کی ہو سکتی ہے۔ شہزادوں کی لڑائی میں اگر بھنگی کسی ایک
پر طعن کرنے بیٹھ جائے تو شہزادوں کی شان میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، البتہ بھنگی کی
رذالت میں اضافہ ہو گا۔

پنجم: لہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے، اولی
الطائفتین بالحق تھے۔ لیکن دوسرے اکابر پر نہ طعن و تشنیع جائز ہے، اور نہ ان کو
قطعیات کے ساتھ لہل باطل کہنا صحیح ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ ہر فریق

اپنے اجتہاد کے مطابق اپنے تئیں حق پر سمجھتے ہوئے محض رضائے الہی کے لئے کوشاں
تھا۔ ان تمام حضرات نے اپنے اجتہاد سے حق کو پانے کی کوشش کی۔ اور مجتہد کبھی
معیب ہوتا ہے اور کبھی اس سے چوک ہو جاتی ہے۔ پہلی صورت میں اس کو دہرا اجر ملتا
ہے اور دوسری صورت میں وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ جو بات
کہی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دہرا اجر ہے، بلکہ ایک روایت
کے مطابق دس گنا اجر ہے اور دوسرے حضرات بھی اپنے اجتہاد کے مطابق معذور و ماجور
ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اجر سے محروم نہیں۔

ششم: مشاجرات کے دوران جو امور غیر ارادی طور پر پیش آئے وہ بہر حال لائق
افسوس تھے۔ ان واقعات کو سن کر آج ہم ایسے سیاہ باطن اور سنگدل لوگوں تک کو صدمہ
ہوتا ہے، جن اکابر کے سر سے یہ واقعات گزرے ان نفوس قدسیہ کے تاثر و تأسف کا کیا
عالم ہو گا؟ اعلیٰ تأسف کے الفاظ حضرت ام المومنین حبیبہ حبیبہ اللہ (صلی اللہ علیہ
وعلیہا وسلم) ہی سے منقول نہیں، بلکہ امیر المومنین ولید بن مسلمین مولانا علی رضی
اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے ”البدایہ والنہایہ“ میں نقل کیا
ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتولوں کے لاشوں میں گھوم رہے تھے
کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبراہ دیکھی، آپ ان کے چہرے سے مٹی
صاف کرنے لگے اور فرما رہے تھے:

”رحمة الله عليك أبا محمد، يعز علي أن أراك
مجدولاً تحت نجوم السماء. ثم قال: إلى الله أشكو حجري
وبجري، والله لو ددت أني كنت مت قبل هذا اليوم
بعشرين سنة“ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۷ جلد ۷)

ترجمہ: ”ابو محمد! تم پر اللہ کی رحمت ہو، مجھ پر یہ بات نہایت شاق گزر رہی
ہے کہ میں تجھے آسمان کی چھت کے نیچے مقتول پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ پھر
فرمایا: میں اپنے غم و حزن کی لذت کے سامنے شکایت کرتا ہوں، بخدا! میں تمنا

کہتا ہوں کہ میں آج کے دن سے میں سہل پہلے برگیا ہوتا۔“

اس واقعہ کو حاکم نے ”مستدرک“ (۳/۳۷۲) میں، حافظ شمس الدین الذہبی نے ”سیر اعلام النبلاء“ (۱-۳۶) میں اور حافظ نور الدین ہبشمی نے ”مجمع الزوائد“ (۹/۱۵۰) میں بھی ذکر کیا ہے، نیز مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالے سے بہ سند جیدہ روایت نقل کی ہے:

”عن قیس بن عباد قال شهدت حلایا یوم الجمل

یقول لابنہ حسن: یا حسن! وددت انی مت منذ عشرين

سنة“ رواہ الطبرانی ولسنادہ جید

(مجمع الزوائد..... صفحہ ۱۵۰، جلد ۹)

ترجمہ: ”قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ کے پاس موجود تھا، آپ اپنے صاحب زادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے، حسن! میں تمنا کرتا ہوں کہ آج سے میں سہل پہلے برگیا ہوتا۔“

الغرض اظہار تأسف کے کلمات دونوں طرف سے منقول ہیں، اس لئے ام المؤمنینؓ کے حق میں توبہ کے الفاظ استعمال کرنا سوء ادب سے خالی نہیں، ہاں! اس کو ”حسنات الابراہیم المقربین“ میں شمار کرنا چاہئے۔

ہفتم: حضرات شیعہ حضرت امیر معلویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔ اور ان کا نام برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ انصاف سے کام لیتے تو جس طرح وہ دیگر صحابہؓ کا نام کم سے کم رسمی طور پر تعظیم کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں، اسی طرح انہیں چاہئے تھا کہ حضرت امیر معلویہؓ کا نام بھی تعظیمی الفاظ میں ذکر کرتے۔ کیونکہ:

اولاً حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معلویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے خلافت ان کے حوالے کر دی تھی۔ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی، جیسا کہ اس سے قبل نقل کر چکا ہوں۔ اگر حضرت معلویہ رضی اللہ

عنہ مومن صلح نہ ہوتے تو نہ خلافت ان کے سپرد کی جاتی اور نہ یہ اکابر ان کے ہاتھ پر بیعت فرماتے۔ روایات کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے شیعوں سے افضل اور بہتر مسلمان سمجھتے تھے، کیونکہ شیعہ مؤمنین نے حضرت امام کو اس قدر ستایا کہ آپ نے تنگ آکر حضرت امیر معلویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۸ میں ہے:

”ع ۱۰ عن زید بن وہب الجہنی قال: لما طعن الحسن بن علیؓ بالمداہن آیتہ وھو متوجع فقلت: ماتری یا ابن رسول اللہ فان الناس متعجزون! فقال: اری واللہ معاویہ خیراً لی من هؤلاء، یزعمون انھم لی شیعة اہتفوا قتلی وانتھبوا ثقلی، واخذوا مالي، واللہ لان آخذ من معاویہ عبداً احقن بہ دمی وامن بہ فی اھلی خیر من ان یقتلونی فتضع اھل بیٹی و اھلی، واللہ لو قاتلت معاویہ لاخذوا یسقی حتی یدفونی إلیہ مسلماً۔“

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۰، جلد ۴۳)

ترجمہ: ”زید بن وہب جہنی سے روایت ہے کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں ان کے پاس گیا اس وقت ان کو زخم کی تکلیف تھی۔ میں نے کہا، اے فرزند رسول! آپ کی کیا رائے ہے، لوگ بہت تمحیر ہو رہے ہیں۔ امام نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں معلویہؓ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں، جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں۔ انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا سبب لوٹا اور میرا مال لے لیا۔ اللہ کی قسم! میں معلویہ سے کوئی معاہدہ کر لوں جس سے میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہو جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کر دیں اور میرے متعلقین ضائع ہو جائیں۔ واللہ! اگر میں معلویہؓ سے لڑتا تو شیعہ میری گردن پکڑ کر مجھے معلویہ کے حوالے کر دیتے۔“

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شیعوں کو اپنے اماموں سے کیسی محبت و عقیدت تھی؟ ان کے گھر کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے اور ان کے قتل تک کے درپے ہوتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو اپنے شیعوں کے ”حسن عقیدت“ کی وجہ سے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ باعزت طور پر معلویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لیں اور یہ بھی

ثابت ہوا کہ حضرت امامؑ، امیر معلویہؑ کو کم سے کم شیعوں سے بہتر مسلمان سمجھتے تھے۔

الغرض جب شیعوں کے دو عالی قدر اماموں (حضرات حسین رضی اللہ عنہما) نے امیر معلویہؑ سے مصالحت کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور خلافت ان کے سپرد کردی تو ان کے تمام شیعوں پر ان کی بیعت لازم ہو گئی۔ اس لئے حضرات شیعہ کو لازم ہے کہ ائمہ کی اقتدائیں اپنے تئیں بیعت معلویہؑ کا پابند سمجھیں اور ان اکابر کی محبت و عقیدت کے تقاضے سے حضرت امیر معلویہؑ کا احترام کریں۔ اب یہ کتنی بری بات ہوگی کہ باپ تو ایک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے اور مخالف بیٹا اس کو گالیں بکے۔ امام ایک شخص کے حلقہ بیعت میں داخل ہو اور مقتدی اس کو برا کہیں۔

ثانیاً: اگر شیعہ امامین، امامین الحسن و حسین رضی اللہ عنہما کی نہیں مانتے تو کم سے کم ان کے پدر بزرگوار اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ارشاد ہی پر کان دھریں:

۱۔ نبی البلاغہ میں ہے کہ حضرتؑ نے جنگ صفین کے بعد اپنے لشکر کے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ اہل شام کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں تو آپ نے ان کو منع فرمایا۔ اہل شام کے لئے دعائے خیر کرنے کا حکم فرمایا:

إِنِّي أَكْرَهُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا سَبَائِينَ ، وَلَكِنَّكُمْ تَوَصَّفْتُمْ أَهْمَالَهُمْ ، وَذَكَّرْتُمْ خَالَئَهُمْ ، كَانَ أَصَوَّبَ فِي الْقَوْلِ ، وَابْلَغَ فِي الْعَمَلِ ، وَقُلْتُمْ مَكَانَ سَبْكُمْ لِإِيَّاهُمْ : اللَّهُمَّ احْفَظْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ ، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنِهِمْ ، وَأَخْلِصْ مِنْ خَلَائِقِهِمْ ، حَتَّى يَتَرَفَّ الْحَقُّ مِنْ جِهَلِهِ ، وَيَرْتَعِي ^(۱۸۱) عَنِ الْفِي وَالْمُنَوَّانِ مَنْ لَيْسَ بِهِ ^(۱۸۲)

(نبی البلاغہ صفحہ ۴۲۳)

ترجمہ: ”بے شک میں تمہارے لئے اس امر کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیں بکنے والے بن جاؤ، لیکن اگر تم ان کے اہل اور ان کے صحیح حالات بیان کرتے تو یہ زیادہ صحیح بات ہوتی۔ اور اس سے حجت بھی تمام ہو جاتی۔ اور تم

ان کے سب و شتم کے بجائے ان کے لئے یہ دعا کرتے کہ: ”یا اللہ! ہمارے اور ان کے خونوں کو محفوظ رکھ، ان کے اور ہمارے درمیان تعلقات کی اصلاح فرما اور ان کو اس گمراہی سے ہدایت فرما“ تو جو شخص حق سے بے خبر ہے وہ حق کو پہچان لیتا اور جو گمراہی و سرکشی کی باتیں کرتا ہے وہ اس سے باز آجاتا۔“

۲۔ حضرت امیرؑ اہل شام کو کافر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کو اپنے بھائی سمجھتے تھے اور یہ کہ انہوں نے اطاعت سے جو سرتابی کی ہے اس کاغشاہ ہے کہ وہ لوگ ہمیں خون عثمانؑ میں مستہم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔ نبی البلاغہ میں ہے کہ جنگ صفین کے بعد حضرتؑ نے اہل امصار کے نام گشتی فرمان جاری فرمایا جس میں اس قضیہ کی تشریح فرمائی:

وَكَانَ بَيْنَهُ أَمْرُنَا أَنَا الْقَبِيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ دِينَنَا وَاحِدٌ ^(۱۸۳) ، وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ ، وَدَعْوَتُنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ ، وَلَا نَسْتَزِيدُهُمْ ^(۱۸۴) فِي الْإِيمَانِ بِاللهِ وَالتَّضْيِيقِ بِرَسُولِهِ وَلَا بِنَسْزِيدُهُمْ : الْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ ، وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءٌ

(نبی البلاغہ صفحہ ۴۲۸)

ترجمہ: ”ہمارے قضیہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہمارا اور اہل شام کا مقابلہ ہوا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے، نبی ایک ہے اور دعوت فی الاسلام ایک ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب کا تعلق ہے، نہ ہم ان سے اس بارے میں کوئی مزید مطالبہ کرتے تھے نہ وہ ہم سے، ہمارا سب کچھ ایک تھا، سوائے اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملہ میں ہمارا اختلاف ہوا اور ہم اس سے بری ہیں۔“

حضرت امیرؑ کے اس نامہ غیر شامہ سے واضح ہے کہ اہل شام بھی ایسے ہی بکے سچے مسلمان ہیں جیسا کہ خود حضرت امیرؑ کے رفقاء۔ اختلاف ہے تو صرف اس نکتہ میں کہ چونکہ حضرت عثمانؑ کے خلاف بلوہ کرنے والوں میں سے بقیۃ السیف حضرت امیرؑ کے

سایہ مخالفت میں پناہ گزین تھے اور حضرتؓ کو ان کے خلاف کسی تادیبی کارروائی کا موقع میسر نہیں آیا تھا اس لئے لیل شام حضرت امیرؓ سے برگشتہ ہو گئے، بلکہ انہیں یہ تک خیال ہوا کہ خون عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ ہے۔ وحاشا جنابہ من ذالک

۳۔ اور جنگ صفین سے واپسی کے بعد لوگوں سے حضرت امیرؓ فرماتے تھے کہ امدت معلویہؓ کو بھی برانہ سمجھو، کیونکہ وہ جس وقت نہ ہوں گے تو تم سروں کو گردنوں سے اڑتے ہوئے دیکھو گے۔

(مقام صحابہؓ..... صفحہ ۱۳۰، بحوالہ عقیدہ واسطیہ..... صفحہ ۳۵۸)

۴۔ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ خون عثمانؓ کے قصاص کی وجہ سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے برسرِ پیکار ہوئے، ورنہ وہ حضرت امیرؓ کے علم و فضل کے دل و جان سے معترف تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ”البدایہ والنہایہ“ میں نقل کیا ہے کہ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ حلفا فرماتے تھے کہ ”علی مجھ سے بہتر اور افضل ہیں“ اور یہ کہ میرا اور ان کا اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے مسئلہ میں ہے۔ اگر وہ خود خون عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا۔

(البدایہ والنہایہ..... صفحہ ۲۵۹، جلد ۷۔ ۱۲۹، جلد ۸)

۵۔ جب حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ رونے لگے، اہلیہ نے پوچھا کہ آپ زندگی میں ان سے لڑتے رہے، اب روتے ہیں؟ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تم نہیں جانتیں کہ ان کی وفات سے کیسی فقہ اور کیا علم دنیا سے رخصت ہو گیا۔“ (البدایہ والنہایہ..... صفحہ ۱۲۹، جلد ۸)

۶۔ ایک مرتبہ حضرت معلویہؓ نے ضرار صدائی سے کہا کہ ”میرے سامنے علیؓ کے اوصاف بیان کرو“ اس پر انہوں نے غیر معمولی الفاظ میں حضرت علیؓ کی تعریف کی، حضرت معلویہؓ نے فرمایا: ”اللہ ابو الحسن (علیؓ) پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔“

۷۔ قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر کے نام

ایک خط لکھا:

”اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھانی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کر لوں گا۔ پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہو گا اس کے پہلے سپاہی کا نام معلویہؓ ہو گا۔ اور میں قسطنطین کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا، اور تمہاری حکومت کو گاجر مولیٰ کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا۔“ (تاج العروس..... صفحہ ۲۰۸، جلد ۷۔ مادہ ”اصطفیٰ“)

۸۔ متعدد مورخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین وغیرہ کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ..... صفحہ ۲۲، جلد ۷)

الغرض جب حضرت امیرؓ اور ان کے رفقاء، حضرت معلویہؓ اور ان کے رفقاء ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں تو جناب امیرؓ کے نام لیواؤں کو یہی لازم ہے کہ ان کو مسلمان سمجھیں اور یہ کہ شبہ کی بنا پر ان حضرات سے چوک ہو گئی اور جیسا کہ حضرت امیرؓ نے عداوت فرمائی اس پر ان کو برا بھلا کہنے کے بجائے ان کے لئے دعائے خیر کریں۔

۹۔ حضرت امیر معلویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو شرف صحابیت حاصل تھا اور جس کثرت و شدت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب ان کے مزایا و خصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افراد امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ان حضرات کا تعلق چونکہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبت رسولؐ ہے اور ان سے بغض، بغض رسولؐ کا شیعہ ہے۔ ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابلِ معافی جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اللہ اللہ فی أصحابی۔ اللہ اللہ فی أصحابی لا

تتخلوهم غرضا من بعدی۔ فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن
أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن

آذاني فقد آذى الله۔ من آذى الله فيوشك أن يأخذه“

(ترمذی ص ۲۲۶ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

ترجمہ: ”اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، مگر
کتاہوں، اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو
میرے بعد بدف تنقید نہ بنانا۔ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت
کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان
کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا
دی۔ اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔“

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی
سے بڑی نیکی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
اس لئے ان پر زبان تشفیغ دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔ چنانچہ
ارشاد ہے:

”لا تسبوا أصحابی، فلو أن أحدكم أنفق مثل

أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه“

(بخاری ص ۵۱۸ ج ۱، مسند ص ۳۱۰، مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

ترجمہ: ”میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ
میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے چنانچہ) تم میں
سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو
نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشر کو۔“

مقام صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا
پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس
کا اظہار کریں۔ فرمایا:

»إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله

(ترمذی ص ۲۲۷ ج ۲)

علی شرکم

ترجمہ: ”جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں
بدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کو تم میں سے (یعنی صحابہ اور عقیدین صحابہ
میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔ (ظاہر ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے
والا ہی بدتر ہوگا)۔“

آج سے تیس سال پہلے اس ناکارہ نے مؤخر الذکر حدیث کے چند فوائد ماہنامہ
چنات محرم الحرام ۱۳۹۰ھ میں ذکر کئے تھے۔ بتصرف یسیران فوائد کو یہاں نقل کرتا
ہوں:

۱۔ حدیث میں ”سب“ سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں، بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ
مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید
اور نکتہ چینی جائز نہیں، بلکہ یہ ایسے شخص کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے۔
(وقد صرح به بقوله فمن آذاهم فقد آذني) اور آپ کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں
حبط اعمال کا خطرہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ: ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون
لأن سب صحابہ میں سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔

۳۔ صحابہ کرام کی بدافت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے۔
(فان الامر للموجوب)

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہ کو ایک ایک بات
کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ
چل نکلے گا، بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ
ہے: لعنة الله علی شرکم

۵۔ ”شرکم“ کے لفظ میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ”شر“ مصدر مضاف ہے فاعل
کی طرف، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تمہارے پھیلانے ہوئے شر پر اللہ کی
لعنت! دوسرا احتمال یہ کہ ”شرکم“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جو مشاکلت کے طور پر
استعمال ہوا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ”تم میں سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم

سے جو بھی بدتر ہو، اس پر اللہ کی لعنت۔ " اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تابدین صحابہ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو بیشک کے لئے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے۔ تم ہوا پر اڑلو، آسمان پر پہنچ چلو، سو ہار کر جی لو۔ مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جاسکے گا، آخر تم وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلمات نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں! تم وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ میحالی محمدیؐ سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوارِ قدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدیؐ سے مس ہوئے اور ساری عمران کی بوئے غمیریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدیؐ میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیاحت جلوہ آرائی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر کے دیئے جاتے اور تشنہ کا مان محبت، "ہل من مزید" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے، جو کافی اری اللہ عیانا کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں کا تھا علی رؤسنا الطیر کا سہل بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشین تخت رسالت کہاں سے لاؤ گے، جس کی طرف هذا الا بیض المتی کے اشارے کئے جاتے تھے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم وہ غیم غمیر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کے گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے؟ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تاج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیلانہ نبوتؐ سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدیؐ سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو "صبغۃ اللہ" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں

کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بیٹو! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی (نعوذ باللہ) میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میں انصاف و حیاء کوئی رمت باقی ہے تو اپنے گریبان میں جما لکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو۔

علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسانؓ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے۔

اتھجوه ولسنت له بکنفوه
فشر کما لخير کما فداء

ترجمہ: "کیا تو آپؐ کی بھولتا ہے جبکہ تو آپؐ کے برابر کا نہیں ہے؟
پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر قرین۔"

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہؓ کا نشانہ قد کا نفسیاتی شر اور حبش و تکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا غشایہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے۔ اب جب کوئی شخص کسی صحابیؓ کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ انداز نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابیؓ کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے، گویا ان میں صحابیؓ سے بڑھ کر صفتِ عدل موجود ہے۔ یہ ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ "حبش" جو تنقید صحابہؓ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی "شر" کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷۔ حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے۔ یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا

چاہئے۔ اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں۔ اب رہا یہ قصہ کہ ”تم دونوں میں برا“ کا مصداق کون ہے؟ خود بتاؤ؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں۔ دونوں کے مجموعی حالات کو سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم بتاؤ؟

۸۔ حدیث میں فقہولوا کا خطاب امت سے ہے، گویا تاقیدین صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں۔ اور یہ تاقیدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر ”فلیس منا“ کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا، اسی طرح ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا۔ کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تاقیدین صحابہؓ کی جماعت بھی ان ”ملاقین“ سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے۔ یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رابعاً: جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ مومن بھی ہیں اور صحابی بھی، اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل ایمان کو خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامت کے دن رسوا نہیں کریں گے بلکہ توبہ کی برکت سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و حرمت کی برکت سے ان کی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا
عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ، تَوْرَهُمْ يَسْتَمِعُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ

لَنَا نُورًا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

(سورۃ التحریم..... ۷۸)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دل کی توبہ، امید ہے تمہارا رب تمہارے گناہ پر سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ، ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے دابنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے! پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور صاف کر ہم کو، بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔“

(ترجمہ شیخ السند)

انشاء اللہ حضرت معلویہؓ اور ان کے رفقاء اس آیت شریفہ کا مصداق ہوں گے۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ پر بے مقصد تنقید کرنے کے بجائے ہمیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے اور ہمیں وہی دعا کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ
رَّحِيمٌ﴾

(سورۃ الحشر..... ۱۰)

ترجمہ: ”اے رب بخش ہم کو، اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بھیر ایمان والوں کا۔ اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔“

(ترجمہ شیخ السند)

خامساً: حضرت امیرؓ اس پر تعجب کا اظہار فرماتے تھے کہ زمانہ کی بوالعجبی اور ستم ظریفی دیکھو کہ ان کا قاتل معلویہؓ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نبی البلاغہ میں ہے کہ حضرتؓ نے امیر معلویہؓ کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا:

”لِیَا حَبِیْبًا لِلدَّهْرِ إِذْ صَبَرْتَ یَقْرُنُ بِي مَنْ لَمْ یَسْعَ

بِقَدَمِي، وَلَمْ تَكُنْ لَهُ كَسَابِقَتِي“

(نبی البلاغہ صفحہ ۳۶۹)

ترجمہ: "وہ کی ہوا العجیبی دیکھو! کہ میرے ساتھ ملایا جاتا ہے اس شخص کو جو مجھ سے قدم ملا کر نہیں چل سکا۔ اور جس کے سوا حق اسلامیہ مجھ جیسے نہیں۔"

مطلب یہ کہ ایک طرف حضرت علیؑ کے فضائل و کمالات، ان کے سوابق اسلامیہ اور دین کی خاطر ان کی جاں فروشی کے واقعات کو رکھو اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہؓ کے حالات کو دیکھو! دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت علیؑ سے کیا مقابلہ؟ یہ السابقون الاولون کے ائمہ میں سے ہیں، اور وہ مسلمۃ الفتح کے لوگوں میں سے، یہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی صف کے آدمی ہیں اور ان کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے، دونوں کو ایک ہی ترازو سے تو لٹا اور ایک ہی پیمانے سے ناپنا ہوا العجیبی اور ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے؟

یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کو حضرات خلفائے راشدینؓ سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ کتنے ہی بلند وبالا ہوں) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں، اگر امیر معاویہؓ خلفائے راشدینؓ کے مقابلہ میں فروتر نظر آتے ہیں تو بعد کے لوگ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں صفر نظر آتے ہیں۔ اگر وہاں آسمان و زمین کا فاصلہ ہے تو یہاں عرش سے تحت الثریٰ تک کا فاصلہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"فلم یکن من ملوک المسلمین خیر من معاویہ، ولا

کان الناس فی زمان ملک من الملوک خیرا منهم فی زمن معاویہ، إذا نسبت أیامہ إلى أیام من بعده، وأما إذا

نسبت إلى أیام أبی بکر وعمر ظهر التفاصل"

(منہاج السنۃ ۱۸۵، صفحہ ۳)

ترجمہ: "جب تم حضرت معاویہؓ کے دور کا بعد کے زمانوں سے مقابلہ کر کے دیکھو گے تب معلوم ہو گا کہ سلاطین اسلام میں کوئی بھی معاویہؓ سے

اچھا نہیں تھا۔ نہ کسی بادشاہ کے زمانے میں لوگ اتنے اچھے تھے، جتنے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں۔ ہاں! ان کے دور کا مقابلہ شیخینؓ کے دور سے کرو گے تو دونوں زمانوں کا فرق ظاہر ہو گا۔"

الغرض جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کا مقابلہ خلفائے راشدینؓ سے کرنا ہوا العجیبی ہے، اسی طرح ناقدین معاویہؓ کا ان کو اپنے اوپر قیاس کرنا بھی کچھ کم ہوا العجیبی و ستم ظریفی نہیں۔ ان ناقدین میں آخر کون ہے جس کو بحالت ایمان زیارت نبویؐ کا شرف حاصل ہوا ہو، اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازیں پڑھنے کی سعادت میسر آئی ہو؟ ایسا کون ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور برادر نسبتی ہونے کا فخر حاصل ہو؟ ایسا کون ہے جس کے حق میں ہادی و مہدی ہونے کی دعا ہو؟

عن عبد الرحمن بن أبی عمیرۃ عن النبی ﷺ أنه

قال لمعاویۃ «اللهم اجعلہ ہادیا مہدیا و اہدیہ»

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ... صفحہ ۵۷۹)

ترجمہ: "عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی: اے اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا، ہدایت یافتہ بنا دیجئے۔ اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دیجئے۔"

سلف صالحین اس فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے تھے اور حضرت معاویہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔ امام قتادہؒ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حضرت معاویہؓ جیسے عمل کرنے لگو تو اکثر لوگ تمہیں مہدی سمجھنے لگیں، امام مجاہدؒ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حضرت معاویہؓ کا زمانہ دیکھ لیتے تو ان کو مہدی سمجھتے۔ امام اعظمؒ کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کا تذکرہ آیا تو فرمانے لگے اگر تم معاویہؓ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ عرض کیا گیا، کیا ان کے علم و بردباری کو دیکھ کر؟ فرمایا نہیں! اللہ کی قسم! ان کے عدل و انصاف کو دیکھ کر۔ امام ابو اہنؒ سبعیؒ فرماتے ہیں اگر تم حضرت معاویہؓ کو اور ان کے زمانہ کو دیکھ لیتے تو یہ کہتے کہ یہ تو

مہدی ہیں۔ امام ابو ابراہیمؑ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کے بعد ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔
(منہاج السنۃ..... صفحہ ۱۸۵، جلد ۳)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کا ارشاد ہے:

"لشہد رجل منهم مع رسول الله ﷺ يغير فيه وجهه، خير من عمل أحدكم عمره، ولو عمر عمرو نوح"

(ابوداؤد کتاب السنۃ..... صفحہ ۶۳۹)

ترجمہ: "ان میں سے ایک آدمی کا کسی ایک موقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا، جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا، تہمت مہر کے اعمال سے بہتر ہے، خواہ کسی کو عمرو نوح نصیب ہو جائے۔"

قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ امام معانی بن عمرانؒ سے عرض کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا درجہ کیا ہے؟ سن کر نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا:

"لا يقاس بأصحاب النبي ﷺ أحد، معاوية

صاحبه، وصهره، وكاتبه، وأمينه على وحى الله"

(تطهير البين: ابن حجر مکی..... صفحہ ۱۰)

ترجمہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے مقابلہ میں کسی کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ معاویہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، آپؐ کے برادر نسبتی ہیں، آپؐ کے کاتب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپؐ کے امین ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

"والله إن الغبار الذي دخل في أنف فرس معاوية

مع رسول الله ﷺ أفضل من عمر بألف مرة، صلى

معاوية خلف رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ:

«سمع الله لمن حمده» فقال معاوية رضي الله عنه: ربنا

لك الحمد، فما بعد هذا الشرف الأعظم؟

(حوالہ ۱۸)

ترجمہ: "اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو غبار حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، وہ بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت معاویہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمده کہا، پیچھے سے حضرت معاویہؓ نے کہا، ربنا لك الحمد پس اس عظیم تر شرف کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟"

انصاف کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت اور صحابیت کا جو شرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میسر آیا کیا بعد کے لوگوں کو اس دولت کا کوئی شائبہ نصیب ہو سکتا ہے؟ تو کیا پھر تقدیر معاویہؓ کو "ایاز! قدر خویش بشناس!" کا مشورہ نہ دیا جائے؟

حضرت معاویہؓ کے لئے تو زبان نبوتؐ سے جنت واجب ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری "باب ما قيل في قتال الروم" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

«أول جيش من أمتي يغزو البحر قد أوجبوا»

(صحیح بخاری..... صفحہ ۴۱۰، جلد ۱)

ترجمہ: "میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا، انہوں نے (جنت کو اپنے لئے) واجب کر لیا۔"

بالاجماع اس "اول جيش" کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اس لئے ان کا جنتی ہونا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ کیا تقدیر میں سے بھی کسی کو جنت کی سند حاصل ہے؟ ﴿وَإِنْ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

۵۔ فتاویٰ عزیزی میں الصحابة کلمہم عدول کی بحث

آنجناب نے چھٹے نکتہ میں فرمایا ہے کہ:

”حضرت شہداء عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں ”الصحابة کلمہم عدول“ کے تحت دو مقالات پر جو تصریحات کی ہیں وہ اس حقیر کے نزدیک درست ہیں، جن سے صحابہ کرام کا غیر معصوم اور ”محدود“ ہونا ثابت ہوتا ہے۔“

حضرت شہداء صاحب نے ”الصحابة کلمہم عدول“ کی بحث میں دو باتیں ذکر

فرمائی ہیں۔

اول: یہ کہ اکابر صحابہ کرام گناہوں سے محفوظ تھے لیکن معصوم نہیں تھے۔ صحابہ نہیں سے بعض پر حدود کا بھی اجرا ہوا۔ اس کے باوجود شرف صحابیت کا مقتضایہ ہے کہ ان پر طعن نہ کیا جائے جس طرح کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذلالت پر طعن جائز نہیں۔

دوم: یہ کہ تمام صحابہ کرام روایت حدیث میں ثقہ اور عادل ہیں۔ شہداء صاحب کی عبارت بقدر حاجت درج ذیل ہے:

”علم عقائد کے متون میں جو مذکور ہے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کرنا چاہئے، تو متون میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجہ طعن سے، خواہ بعض صحابہ کے بارے میں ہو، تو اس روایت سے عقائد کے اس مسئلہ میں کچھ حرج لازم نہیں آتا ہے اور اصحاب متون کی یہ مراد نہیں کہ سب صحابہ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجود طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں اس واسطے کہ کسی صحابی کے بارے میں شرب خمر ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے اور بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے حدود ان پر قائم کیا ہے۔ اور حسان بن ثابت اور مطہ بن ائیم سے تذف کا صادر ہونا ثابت ہوا۔ ان پر حد بھی جاری ہوئی اور ماعز اسلمی سے زنا صادر ہوا اور وہ رجم کئے گئے۔“

”البتہ حضرات صحابہ کرام بحیثیت صحابہ ہونے کے واجب الاحرام

ہیں۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن کی زبان دراز نہ کریں تاوقتیکہ ان میں سے کسی کا نفاق و ارتداد قطعی طور پر معلوم نہ ہو، مثلاً ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

انک امرہ فیک جاہلیۃ

ترجمہ: ”تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے۔“

تو اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت ابو ذرؓ مرد جلیل تھے اور ایسا ہی ابو جہیمؓ کے بارے میں، جو بہترین صحابہ میں سے تھے، صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

لا یضع عصاه عن عاتقہ

ترجمہ: ”اپنے کندھے سے اپنی لٹھ نہیں اتارتا۔“

یہ کنایہ ہے اس سے کہ آپ بہت زور کو ب اور سیاست اپنی عورتوں اور خادموں کی کرتے تھے، اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ابو جہیم مرد ظالم تھے۔ بلکہ اگر ان سے اوپر نظر کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے لفظ عتاب آمیز وارد ہوا، تو امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان الفاظ کے لحاظ سے ان انبیاء علیہم السلام کی شان میں کچھ کلام کریں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے:

وعصى آدم ربه فغوى

ترجمہ: ”اور آدم نے سرکشی کی اور غافل ہو گیا۔“

ملاحظہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عاصی و غوی کہنا کفر ہے اور مثلاً یہ کلام پاک میں ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ

الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: ”میں ہے معیود و مگر سوا تیرے، پاک ہے تو اور میں ظالموں میں سے ہوں۔“

اور یہ کلام پاک میں ہے :-

﴿إِذْ أَتَىٰ إِلَى الْفُلْكِ الشَّخُونُ، فَسَأَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ، فَالْتَقَتَهُ الْخَوْتُ وَهُوَ مُلِيمٌ﴾ (الصفات).

یہ آیتیں شان میں حضرت یونس علیہ السلام کے ہیں۔ حالانکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ”بھگوتا“ اور ظالم و مصلیم کہنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ متون کی عبرت بھی صحیح ہے کہ لحاظ رعایت اوب کے امت کے افراد کو چاہئے کہ کسی صحابی کی شان میں طعن نہ کریں اور حدیث مذکور بھی صحیح ہے وہ باعتبار واقع کے ہے اور یہی صحیح عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ شکر اللہ سميعہم اور کتب اصول میں جو مرقوم ہے کہ :-

الصحابیۃ کلہم عدول

ترجمہ: ”یعنی سب حضرات صحابہ عادل ہیں۔“

تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کے بارے میں معتبر ہیں۔ ہرگز صحابہ سے کذب روایات حدیث میں ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارے میں کسی صحابی نے کچھ دروغ کہا ہے۔ نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب ارکلب بعض کبائر کے محدود ہوئے۔ البتہ صحابہ کبار سے عدا گناہ صادر نہ ہوئے۔ وہ اس سے محفوظ رہے۔“ (فتاویٰ عزیزی اردو صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷)

کاش! کہ حضرات اہل تشیع حضرت شاہ صاحبؒ کی ان دونوں باتوں کو پہلے بندھ لیتے تو سدا جھگڑا ختم ہو جاتا۔

۶۔ مقام صحابہ: از مفتی محمد شفیعؒ

ساتویں نکتہ میں آنجناب نے مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے رسالہ ”مقام صحابہ“ میں ذکر کی گئی بحثوں کی تصویب فرمائی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے رسالہ کے مباحث اوپر ضمناً آچکے ہیں۔ تاہم ”سلف صالحین اور علماء امت کے

ارشادات کا خلاصہ“ کے عنوان سے حضرت مفتی صاحبؒ نے ان مباحث کا جو خلاصہ درج کیا ہے اس کو جناب کی عبرت کے لئے نقل کر دیتا ہوں :-

”۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ کے حق میں فرمایا: ”وہ پاک دل عادات و اخلاق میں سب سے بہتر، اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔ ان کی قدر کرنا چاہئے۔“

”۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے جب حضرت عثمان غنیؓ پر تین الزام لگائے گئے، تو باوجودیکہ ان تین الزاموں میں ایک صحیح بھی تھا مگر حضرت ابن عمرؓ نے مدافعت فرمائی اور الزام لگانے والوں کو ملزم ٹھہرایا۔“

”۳۔ افضل الراعیین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ صحابہ کرام، امت کے سابقین اور ان کے مقتدا ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں۔“

”۴۔ حضرت حسن بصریؒ سے قتل صحابہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ معلوم ایسا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس میں حاضر اور موجود تھے اور ہم غائب، وہ حالات و معلومات کی صحیح حقیقت جانتے تھے، ہم نہیں جانتے۔ اس لئے جس چیز پر وہ متفق ہو گئے ہم نے ان کا اتباع کیا اور جس چیز میں ان کا اختلاف ہوا اس میں ہم نے توقف اور سکوت کیا۔“

”۵۔ حضرت مجاہدیؒ نے فرمایا کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حضرت حسنؒ نے فرمائی کہ ان حضرات صحابہ نے جو عمل اختیار کیا اس میں وہ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ اس لئے ہمارا مسلک یہ ہے کہ جس معاملہ میں ان کا اتفاق ہو تو ہم ان کا اتباع کریں اور جس میں اختلاف ہو وہاں توقف اور سکوت اختیار کریں۔ کوئی نئی رائے اپنی طرف سے قائم نہ کریں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنے لہنتاد کی بناء پر کیا اور ان کا مقصد اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل تھی کیونکہ یہ حضرات دین کے معاملہ میں متنبہ نہیں تھے۔“

”۶۔ حضرت امام شافعیؒ نے مشاہیر اصحابہ میں گفتگو کرنے کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ (کیوں کہ ہم اس وقت موجود نہ تھے) اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنی

زبہنوں کو بھی اس خون سے آلودہ نہ کریں (یعنی کسی صحابیؓ پر حرف گیری نہ کریں اور کوئی الزام نہ لگائیں بلکہ سکوت اختیار کریں)۔

۷۔ امام مالکؒ کے سامنے جب ایک شخص نے بعض صحابہ کرامؓ کی تنقیص کی تو آپ نے قرآن کی آیت، "والذین معہ" سے "لیغیظ بہم الکفار" تک تلاوت فرمائی اور کہا کہ جس شخص کے دل میں کسی صحابیؓ کی طرف سے غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے۔

ذکرہ الخطیب ابو بکرؓ اور حضرت امام مالکؒ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے۔ مگر اس کی جرات نہ ہوتی تو آپ کے صحابہؓ کی برائی کرنے لگے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے آدمی تھے، اگر وہ اچھے ہوتے تو ان کے صحابہؓ بھی صالحین ہوتے۔

۸۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرامؓ کی برائی کا ذکر کرے یا ان پر کسی عیب اور نقص کا طعن کرے۔ اور اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اسے سزا دینا واجب ہے اور فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابیؓ کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے دیکھو تو اس کے اسلام و ایمان کو منہم و مشکوک سمجھو۔

۹۔ امام ابو ایوب بن مسرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود ملّا ہو مگر ایک شخص جس نے حضرت معلیہؓ پر سب و شتم کیا، اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے۔

۱۰۔ امام ابو ذر عرائیؓ، استاذ مسلمؒ نے فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابیؓ کی تنقیص کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندقہ ہے جو قرآن و سنت سے امت کا اعتماد زائل کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کو زندقہ اور گمراہ کہنا ہی حق و صحیح ہے۔

۱۱۔ یہ تو چند اسلاف امت کے خصوصی ارشادات ہیں اس کے علاوہ مذکورہ الصدر روایات و مہلات میں اس کو امت کا ایمانی عقیدہ بتلایا ہے جس سے انحراف کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔

"مشاجرات صحابہ" کے معاملہ میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا عقیدہ اور فیصلہ ہے کہ خواہ اس وجہ سے کہ ہم ان پورے حالات سے واقف نہیں جن میں یہ حضرات صحابہؓ گزرے ہیں یا اس وجہ سے کہ قرآن و سنت میں ان کی مدح و ثناء اور رضوان خداوندی کی بشارت اس کو متفقہ ہے کہ ہم ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سمجھیں، اور ان سے کوئی لغزش بھی ہوئی ہے تو اس کو معاف قرار دے کر ان کے معاملے میں کوئی ایسا حرف زبان سے نہ نکالیں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسر شان ہوتی ہو، یا جو ان کے لئے سبب ایذا ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہے۔ بڑا بد نصیب ہے وہ شخص جو اس معاملہ میں محقق بن کر بہادری کا مظاہرہ کرے اور ان میں سے کسی کے ذمہ الزام ڈالے۔

(مقام صحابہ صفحات ۱۱۶ تا ۱۱۹)

صحابہؓ کی سیرت، سیرت نبویؐ کا جز ہے

اس ناکارہ کے اس فقرہ پر کہ "صحابہؓ کی سیرت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک حصہ ہے" آنجناب نے شدید احتجاج فرمایا، مجھے توبہ کی تلقین فرمائی اور یہ لکھا کہ "ایسا دعویٰ تو کوئی پڑھا لکھا نہیں کر سکتا، کیونکہ اس طرح صحابہ کرامؓ کے سارے گناہ اور لغزشیں بھی آنحضرتؐ کی سیرت کے کھاتے میں چلی جائیں گی۔" اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ مجھے توبہ سے تو عذر نہیں جو شخص بھی اس گنہگار و توبہ کی تلقین کرے وہ اس کا محسن ہے، لیکن آنجناب کی توجہ چند امور کی طرف دلانا چاہتا ہوں:

اولاً: آپ اوپر ساتویں نکتہ میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالہ "مقام صحابہ" سے اتفاق کر چکے ہیں، اور یہ مفتی صاحب کے الفاظ ہیں جن پر مجھے آپ توبہ کی تلقین فرما رہے ہیں: "ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزو ہے۔"

(مقام صحابہ صفحہ ۸)

ثانیاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہؓ سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں ان پر اوپر گفتگو آچکی ہے کہ اول تو وہ معدوم کے حکم میں ہیں۔ پھر ان سے توبہ و امانت ثابت

ہے، جس سے گناہ مٹ جاتا ہے اور اس کی جگہ نیکی لکھ دی جاتی ہے۔
 ”اولئک یدلل اللہ سیناتہم حسنات“ آپ حضرات کے لئے ”یدلہم نبی“ کے
 عیوب مزے لے لے کر بیان کرنا ایک لذیذ مشغلہ ہے، لیکن اس ناکارہ کے لئے ان الفاظ
 کا سننا بھی شدید مجاہدہ ہے، آپ کی نظر صفا ان کی طرح ہمیشہ گندی جگہوں پر ہی جاتی
 ہے اور اس ناکارہ کو حسن محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اب میں اپنی نظر کو کیا
 کروں؟ اور آپ کو اپنی نظر کہاں سے خرید کر لا دوں؟

مثلاً: زبان و محاورہ کی عدالت میں میرا زیر بحث فقرہ پیش کر دیجئے، کیا کوئی خن داں اس
 سے وہ مفہوم کشید کرے گا جو آپ نے کشید کرنا چاہا ہے؟ بندہ خدا! ”سیرت“ کا لفظ
 بول کر گناہ اور لغزشیں کون مراد لیا کرتا ہے؟ آپ نے ”سیرت“ کے لفظ میں گناہوں
 اور برائیوں کا مفہوم ٹھونس کر لفظ ”سیرت“ ہی کی مٹی پلید کر ڈالی۔

رابعاً: اچھا فرض کر لیجئے کہ یہ لفظ برائیوں کو بھی شامل ہے، میں پوچھتا ہوں کہ صحابہ
 کرامؓ سے جو لغزشیں سرزد ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جو عقاب یا
 عقاب فرمایا، کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا حصہ نہیں؟ کیا صحابہ کرامؓ کا
 ذکر کئے بغیر سیرت نبویؐ کی تکمیل ہو سکتی ہے؟ الغرض صحابہ کرامؓ کے کلمات تو
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تربیت کا مرقع ہیں ہی، ان اکابر کی لغزشیں بھی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تادیبی پہلو کو نمایاں کرتی ہیں۔ اور ان سے
 حسن جمال محبوبؐ کی جھلک نظر آتی ہے۔

باب سوم

شیعہ اور قرآن

اس ناکارہ نے اختلاف امت میں ایک مختصر سانچہ لکھا تھا کہ شیعوں کا قرآن
 کریم پر ایمان نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، اس ضمن میں درج ذیل نکات کی طرف اشارہ
 کیا تھا:

- ۱۔ شیعوں کے عقیدہ امامت اور بغض صحابہؓ کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ ان کا
 قرآن کریم پر ایمان نہ ہو۔
- ۲۔ شیعوں کے ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ روایات کتب شیعہ میں موجود ہیں
 کہ ظالموں نے قرآن کریم میں تحریف کر دی۔
- ۳۔ ان روایات کے بارے میں شیعہ علماء کے تین اقرار ہیں:

پہلا اقرار یہ کہ یہ روایات متواتر ہیں۔
 دوسرا اقرار یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن کریم پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں اور
 ان میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

تیسرا اقرار یہ کہ شیعہ کا ان روایات کے مطابق عقیدہ یہی ہے کہ ہمارے ہاتھ
 میں جو قرآن ہے، وہ نعوذ باللہ تحریف شدہ ہے۔

۴۔ تیسری صدی تک شیعوں کے ائمہ، مجتہدین اور علماء اس پر متفق تھے کہ اصل
 قرآن ائمہ کے پاس ہے اور موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ البتہ چوتھی اور پانچویں
 صدی میں کئی کئی ایسے تھے جنہوں نے عقیدہ تحریف قرآن کا انکار کیا۔

۵۔ ان اشخاص کا انکار محض تقیہ پر مبنی تھا۔ ورنہ وہ تحریف قرآن کے خود بھی قائل
 تھے۔

۶۔ یہ چار اشخاص اپنے دعویٰ کی تائید میں اپنے ائمہ معصومین کا قول پیش نہیں کر سکتے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔

۷۔ جن شیعوں نے تحریف کا انکار کیا انہیں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کی بزرگی و عظمت پر ایمان لانا پڑا، جس سے شیعہ مذہب کی جڑ بنیاد اکھڑ کر رہ جاتی ہے۔ اور تشیع کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

ان سات نمبروں سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح ”آتش و پنبہ“ کو جمع کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح شیعہ عقیدہ، ایمان بالقرآن کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو ایمان بالقرآن عزیز ہے تو اس کو لازم ہے کہ شیعہ مذہب سے توپ کر لے اور اگر کسی کو شیعہ مذہب سے عشق ہے تو یہ دولت اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کہ ایمان بالقرآن سے دستبردار ہو جائے۔ اگر کوئی شخص شیعہ مذہب کا بھی دم بھرتا ہے، اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو یا تو وہ اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہے، یا پھر دیدہ و دانستہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے اور اپنے مذہب کو چھپانے کی غرض سے ”دروغ مصلحت آمیز“ سے کام لے کر قیہ کرتا ہے، کیونکہ سید ابو الحسن شریف کے بقول عقیدہ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات میں سے ہے۔

مومن قرآن شدن با رخص دوں

ایں خیال است و محال است و جنوں

مختصر یہ کہ اگر قرآن سچا ہے تو شیعہ مذہب جھوٹا ہے اور اگر شیعہ مذہب سچا ہے تو قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) غلط کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

آنجناب نے میرے ذکر کردہ مندرجہ بالا نکات میں سے نہ کسی پر جرح کی، اور نہ میرے کسی جملہ سے تعرض فرمایا۔ اس کے باوجود ارشاد فرماتے ہیں:

”قرآن مجید کے بارے میں آپ نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔

ہمارے عقیدے کے مطابق یہ وہی قرآن مجید ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آغاز بعثت سے لے کر تا وقت وفات وحی الہی کے ذریعہ نازل ہوتا رہا اور بلا تم و کاست ہم تک لفظ لفظاً پہنچا ہے۔ جہاں تک اس کی ترتیب کا تعلق ہے تو وہ زمینی اعتبار سے مطابق نزول نہ علمائے اہل سنت ملتے ہیں اور

نہ ہم، جس طرح اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اس کی ترتیب مطابق نزول تو نہیں البتہ توقیفی ضرور ہے اسی طرح ہمارے نزدیک بھی اس کی ترتیب توقیفی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم نے فرمائی تھی اور یہ قرآن علیٰ حالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آ رہا ہے۔“

آنجناب کا یہ الزام کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی نہیں کی، یا تو اپنے مذہب سے بے خبری پر مبنی ہے، یا آپ نے قیہ کر کے اپنے مذہب کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال میں نے جو اوپر سات نمبر ذکر کئے ہیں، شیعوں کی مستند کتابوں کے حوالوں سے ان کی شرح و تفصیل کئے دیتا ہوں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی کی تھی، یا آنجناب لیائے تشیع کے حسین چہرے کو قیہ کی سیاہ نقاب میں چھپانے کی کوشش بے سود فرما رہے ہیں۔

واللہ الموفق و ہوا المستعان

کسی شیعہ کا قرآن پر ایمان نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ اس کی تین وجوہ

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کسی شخص کے لئے شیعہ مذہب پر رتبہ ہوئے ایمان بالقرآن ممکن ہی نہیں۔ اس کی ہمت سی وجوہ ہیں۔ ان میں سے یہاں صرف تین وجوہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ: راویان قرآن (نعوذ باللہ) جھوٹے تھے

یہ بات تو ہر خاص و عام بلکہ ہر مسلم و کافر جانتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو قریباً سوا لاکھ افراد اپنی نبوت کے گواہ چھوڑ گئے۔ جن کو صحابہ کرامؓ کہا جاتا ہے۔ دین و ایمان کی ایک ایک چیز بعد کی امت کو صحابہ کرامؓ ہی کی نقل و روایت اور ان ہی کے واسطے سے پہنچی، قرآن کریم بھی انہیں کے ذریعے سے پہنچا۔ شیعہ مذہب کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی تھی۔ کیونکہ شیعوں کے مطابق اس جماعت کے دو گروہ تھے۔ پہلا گروہ خلفاء ثلاثہؓ اور ان

کے ہم نواؤں کا۔ یہی بڑا گروہ تھا اور چار پانچ کے علاوہ باقی تمام صحابہؓ اسی گروہ میں شامل تھے۔ دوسرا گروہ حضرت علیؓ کا اور ان کے رفقاء کا، جس میں گنتی کے کل چار پانچ آدمی شامل تھے اور بس۔ چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیعہ مذہب کے بقول تین چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے مرتد ہو گئے تھے۔

یہاں احتجاج طبری کی روایت کا ایک جملہ مزید ملاحظہ فرمائیے:

”ما من الأمة أحد بايع مكرها غير علي وأربعتنا“

(احتجاج طبری صفحہ ۴۰)

ترجمہ: ”امت میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس نے غوثی سے

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی ہو، سوائے حضرت علیؓ کے اور ہماری چار اشخاص کے۔“

چار اشخاص سے مراد سلمانؓ، ابو ذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ ہیں۔ روایت کا مطلب

یہ ہے کہ ان پانچ اشخاص کے علاوہ پوری امت نے دل و جان سے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی تھی۔ صرف یہ پانچ آدمی تھے، جن کی زبان تو ابو بکرؓ کے ساتھ تھی، مگر دل کسی اور طرف تھے۔ بہر حال حضرت ابو بکرؓ کی (جو بقول شیعہ رئیس المرتدین تھے) بیعت ان پانچ نے بھی کی۔

شیعہ مذہب کہتا ہے کہ پوری امت نے (سوائے ان پانچ افراد کے) دل و جان سے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے ارتداد و نفاق کا راستہ اختیار کیا اور ان پانچ افراد نے بہ امر مجبوری حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے تقیہ کا راستہ اختیار کیا، اس لئے صحابہ کرامؓ کی پوری کی پوری جماعت جھوٹی تھی۔ فرق یہ ہے کہ پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام نفاق ہے۔ اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ جھوٹ کو عبادت نہیں سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ تقیہ کے نام سے جھوٹ کو بہت بڑی عبادت سمجھتا تھا۔ جیسا کہ تقیہ کی بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اب انصاف سے بتائیے کہ جب شیعہ مذہب کی رو سے صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی ٹھہری، تو جو قرآن (نعوذ باللہ) ان جھوٹوں کی نقل و روایت کے ذریعہ بعد کی امت کو پہنچا اس پر شیعوں کو ایمان کیسے ہو سکتا ہے؟ اور نہ صرف قرآن کا

بلکہ دین کی کسی چیز کا شیعوں کو کسی طرح اعتبار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی ہر چیز صحابہ کرامؓ کی نقل و روایت ہی سے بعد والوں کو پہنچی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جھوٹوں اور جھوٹ پر اتفاق کرنے والوں کی نقل و روایت پر کسی طرح یقین و ایمان نہیں ہو سکتا۔

حضرات خلفاء ثلاثہؓ کو برحق نہ ماننے کا یہ بدیہی نتیجہ ہے کہ دین کی کوئی ایک بات بھی لائق اعتبار نہیں رہتی۔ امام السند شہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”ازالة الخفا“ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

”لا حرم نور توفيق الی در دل ایں بندہ ضعیف علمی را مشروح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانست شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواران اصلی مست از اصول دین تا وقتی کہ ایں اصل را محکم نگیرند هیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود“ (ازالة الخفا صفحہ ۱، جلد ۱)

ترجمہ: ”بغیر شک و شبہ کے نور توفیق الہی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک عظیم الشان علم کو کھولا، یہاں تک علم الیقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کا اثبات، اصول دین میں سے ایک اہم ترین اصول ہے۔ جب تک کہ اس اصل کو محکم نہ پکڑیں، تب تک مسائل شریعت میں سے کوئی مسئلہ بھی حلیت نہیں ہو سکتا۔“

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

”بر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ خواہد۔“

ترجمہ: ”جو شخص کہ اس اصل کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ درحقیقت تمام علوم دینیہ کو ہدم کر دینا چاہتا ہے۔“ (ایضاً)

شیعوں کے قرآن پر ایمان نہ ہونے کی دوسری وجہ

یہ وجہ تین مقدمات سے مرکب ہے:

اول: شیعوں کے ائمہ معصومین کی روایات اس پر متفق ہیں کہ یہ قرآن مجید، جو اس

وقت دنیا میں موجود ہے، جو ہمیشہ سے پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور جس کے ہزاروں لاکھوں حافظ دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں، اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ الغرض یہ قرآن مجید جو سینوں اور سینوں میں محفوظ ہے، حضرات خلفائے ثلاثہ کے اہتمام و انتظام سے جمع ہوا اور انہیں کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیلا۔

دوم: شیعوں کے ائمہ معصومین کی طرف سے اس قرآن مجید کی کوئی قلیل اعتناء و توثیق و تصدیق بھی منقول نہیں۔

سوم: خلفائے ثلاثہ کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف بے دین تھے، بلکہ دین کے بدترین دشمن تھے۔ دین کے خلاف سازشیں کرنا ان کا پیشہ تھا۔ اسی کے ساتھ وہ ایسی مافوق الفطرت قوت و طاقت کے مالک تھے جو ناممکن کو ممکن بنا لیتی تھی۔ چنانچہ ہزاروں افراد کے مختلف المزاج اور مختلف الاغراض مجمع کو جھوٹی بات پر متفق کر لینا اور ایک ایسا واقعہ جو ہزاروں آدمیوں نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو، ان سب کو اس واقعہ کے انکار پر متفق کر لینا عقلاً ناممکن ہے، لیکن یہ ناممکن ان کے لئے بڑا آسان تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرات شیعہ کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الوداع سے واپسی پر غدیر خم میں ستر ہزار انسانوں کے عظیم مجمع کے سامنے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب بیان کر کے ان کی خلافت و ولی عہدی کا اعلان فرمایا۔ خطبہ کے بعد تمام حضرات نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ تین دن تک مسلسل بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب نے بیعت کی۔ (ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۸۲، جلد ۲)

لیکن تھوڑے دنوں بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت علیؑ کی خلافت کا وقت آیا تو شیعہ روایات کے مطابق خلفائے راشدینؑ نے ان بے شمار انسانوں کو اس بات پر متفق کر دیا کہ حضرت علیؑ کو خلیفہ نامزد کرنے کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ اور سب سے کہلوا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”علیؑ کی جانشینی“ کا کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کو گدھے پر سوار کیا اور حسنؑ اور حسینؑ کی انگلی پکڑ کر مجاہدین و انصار میں سے ایک ایک کے دروازے پر گئے

مگر خدا جانے خلفائے ثلاثہ نے لوگوں پر کیا جادو کر دیا تھا کہ سوائے تین چار آدمیوں کے ایک فرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ (احتجاج طبری صفحہ ۷۷)

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفا میں حضرت ابو بکرؓ کو امام نماز نہیں بنایا تھا۔ مگر خلفائے ثلاثہ نے خلاف واقعہ اس بات کو تمام صحابہؓ سے منوالیا کہ مرض الوفا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا گویا خلفائے ثلاثہ نے اس جھوٹ کو متواتر بنادیا اور سب کو اس پر متفق کر دیا۔ چنانچہ جب بھی کسی صحابیؓ کے سامنے یہ سوال آیا کہ مرض الوفا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کس کو مقرر فرمایا تھا؟ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ حضرت ابو بکرؓ کو! کسی نے بھی ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا۔

الغرض کسی متواتر واقعہ سے دنیا بھر کے آدمیوں کو کمر اڑنا اور جو واقعہ کبھی پیش نہ آیا ہو اس کو متواتر بنادینا خلفائے ثلاثہ کے لئے، بقول شیعہ، نہایت آسان کام تھا، مزید برآں یہ کہ یہ حضرات بڑی پر شوکت مہم سلطنت اور تاج و تخت کے مالک تھے۔ شیعوں کے بقول دین کے خلاف سازشیں کرنا اور دھونس اور دھاندلی کے ساتھ کسی چیز کو منوالینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

ان تین امور کو سامنے رکھو اور پھر انصاف کرو کہ جو قرآن، شیعوں کے بقول، ایسے مکر و دشمنان دین کے ذریعہ پہنچا ہو اور کسی بلا وثوق ذریعہ سے اس قرآن کی تصدیق بھی نہ ہو سکی ہو، کیا دنیا کا کوئی عقلمند شیعہ ایسے قرآن پر ایمان رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ لکھتے ہیں:

”ان تین باتوں کو غور کرنے کے بعد انصاف سے بتاؤ کہ قرآن مجید کا کیا اعتبار رہ گیا؟ دین کی اتنی بڑی چیز اس دین کے دشمن کے ہاتھ سے ملے اور دشمن بھی کیسا طاقتور اور پھر اس کے بعد کذب و خائن بھی ہو، کسی دوسرے ذریعہ سے اس چیز کی تصدیق بھی نہ ہو۔ تو کیا وہ چیز لائق اعتبار ہو سکتی ہے؟ اور

کس طرح یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس دشمن نے اس میں کچھ تصرف نہ کیا ہو گا؟ حاشا! حاشا ہرگز نہیں!

وہ زمانہ تو بالکل آغاز اسلام کا تھا اس وقت پر یس وغیرہ بھی نہ تھے، آج اگر کوئی یہودی یا آریہ قرآن شریف لکھ کر فروخت کرے تو کوئی مسلمان اس پر اعتبار نہ کرے گا نہ اس کو خریدے گا، ناواقف کسی معتبر حافظ کو دکھا کر یا کسی صحیح نسخہ سے مقابلہ کر کے اطمینان نہ کر لے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا۔
(اہمات البرہان علی ان الشیعۃ لعداء القرآن، مندرجہ یازدہ نجوم صفحہ ۱۵)

شیعوں کے قرآن پر ایمان نہ ہونے کی تیسری وجہ

اس وجہ میں چند امور لائق توجہ ہیں:

۱۔ شیعوں کی نہایت معتبر کتابوں میں جن پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے، اس مضمون کی دو ہزار سے زائد روایتیں ان کے ائمہ معصومین سے مروی ہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن کریم کے جمع کرنے والوں نے قرآن کریم میں تحریف کر دی ہے۔ اور یہ تحریف پانچ قسم کی ہے:

اول: قرآن کریم کی بہت سی آیتیں اور سورتیں نکل دیں۔

دوم: اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر قرآن میں داخل کر دیں۔

سوم: قرآن کے الفاظ بدل دیئے۔

چہارم: حروف تبدیل کر دیئے۔

پنجم: اس کی ترتیب الٹ پلٹ کر دی۔

قرآن کریم میں ترتیب چار قسم کی ہے۔

اول: سورتوں کی ترتیب۔

دوم: آیتوں کی ترتیب۔

سوم: الفاظ کی ترتیب۔

چہارم: حروف کی ترتیب۔

ان چاروں قسم کی ترتیب کے خراب کئے جانے کا بیان شیعہ روایات میں موجود ہے۔

۲۔ علمائے شیعہ نے تحریف قرآن کی ان روایات کے بارے میں تین باتوں کا اقرار کیا ہے

پہلا اقرار: یہ کہ تحریف کی روایات متواتر ہیں اور ان کی تعداد مسئلہ امامت کی روایت سے کسی طرح کم نہیں۔

دوسرا اقرار: یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، ان کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

تیسرا اقرار: یہ کہ شیعہ ان روایات کے مطابق تحریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

میں اپنے رسالہ ”ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر“ میں تحریف قرآن کی روایات اور علمائے شیعہ کے یہ تینوں اقرار نقل کر چکا ہوں۔ یہاں مزید اضافوں کے ساتھ پانچ قسم کی تحریف کی روایات اور علمائے شیعہ کے تینوں اقرار دوبارہ نقل کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں کم کئے جانے کی روایات

۱۔ اصول کافی شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے جس کے مصنف جناب محمد بن یعقوب کلینی ”لقبہ الاسلام“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور وہ بیک واسطہ امام معصوم حضرت امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ یہ کتاب امام غائب کی فہرست صفری کے زمانے میں لکھی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سفیروں کے ذریعہ یہ کتاب امام غائب کی خدمت میں بھیجی گئی۔ امام غائب نے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی تصدیق فرمائی۔ اور فرمایا: ”ہذا کاف لشیعتنا“ یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ اس لئے اس کا نام ”الکافی“ رکھا گیا۔ (مقدمہ اصول کافی، صفحہ ۲۰ جلد ۱۔ مطبوعہ ایران)

اصول کافی کتاب الامامہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

”باب انه لم یجمع القرآن کله الا الانۃ علیہم السلام“
(صفحہ ۲۲۸، جلد ۱)

اس باب کی احادیث میں ثابت کیا گیا ہے کہ پورا قرآن ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ ائمہ کا جمع کیا ہوا نہیں۔ لہذا اس کا ناقص ہونا ثابت ہوا۔

۲۔ اسی کتاب میں ایک باب کا عنوان ہے ”باب فیہ نکت و تنفی من التنزیل فی الولاية“ یعنی، ”یہ باب ہے اس بیان میں کہ امامت کے متعلق قرآن میں قطع و برید کی گئی۔“ اس باب میں ایک روایت یہ ہے:

ابن الحسین بن محمد، عن معلى بن محمد، عن علي بن اسباط، عن علي بن أبي حمزة، عن أبي بصير، عن أبي عبد الله عليه السلام فی قول الله عز وجل: ”وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (فی ولاية علي) [وولاية] الأئمة من بعده“ فقد فاز فوزاً عظيماً (۱)، حکذا نزلت (اصول کافی..... صفحہ ۳۱۲، جلد ۱)

ترجمہ..... ”ابو بصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ”وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ فی ولاية علی و ولاية الائمة من بعده فقد فاز فوزاً عظيماً“ اسی طرح نازل ہوا تھا۔“

اب قرآن مجید میں ”فی ولاية علی و ولاية الائمة من بعده“ کے الفاظ نہیں، ان الفاظ کے بغیر آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا، وہ کامیاب ہوگا۔ مگر ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کامیابی کا وعدہ صرف ان احکامات سے متعلق ہے جو حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ کی امامت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں عبد اللہ بن سنان سے روایت ہے:

عن أبي عبد الله عليه السلام فی قوله ولقد عهدنا إلى آدم من قبل (كلمات فی محمد وعلی و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة من ذریعتهم فنی هکذا و الله أنزلت علی محمد صلی الله علیه وآله۔ (صفحہ ۳۱۲، جلد ۱)

ترجمہ: ”امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول

”ولقد عهدنا إلى آدم من قبل كلمات فی محمد وعلی و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة من ذریعتهم فنی۔“ اللہ کی قسم اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کیا گیا تھا۔“

ف: اب قرآن شریف میں ”کلمات فی محمد و علی و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة من ذریعتهم“ کے الفاظ نہیں، بغیر ان الفاظ کے آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے ہی حکم دیا تھا، مگر وہ بھول گئے۔ اور وہ حکم دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک درخت کے کھانے کی ممانعت کی گئی تھی۔ مگر ان الفاظ کے ساتھ یہ مطلب ہوا کہ آدم علیہ السلام کو محمد و علی و فاطمہ و حسین و دیگر ائمہ کے متعلق کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ حکم کافی کی دوسری روایات میں، نیز اور بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت آدم کو ائمہ پر حسد کرنے کی ممانعت کی گئی تھی مگر انہوں نے حسد کیا اور اسی کی سزا میں جنت سے نکال دیئے گئے۔ (یہ روایات مسئلہ امامت کی چھٹی بحث کے گیلد ہوس غلو کے ذیل میں نقل کر چکا ہوں، وہاں ملاحظہ فرمائیے)۔

۴۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں روایت ہے:

عن أبي جعفر عليه السلام قال: نزل جبریل بهذه الآية علی محمد صلی الله علیه وآله ”بئسما اشتروا به أنفسهم أن يكفروا بما أنزلنا فی علی بنیاً“ (صفحہ ۲۱۷، جلد ۱)

ترجمہ: ”امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جبریل اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر اس طرح لے کر آئے تھے ”بئسما اشتروا به أنفسهم أن يكفروا بما أنزل الله (فی علی) بنیاً“

ف: اب قرآن مجید میں ”فی علی“ کے الفاظ نہیں، بغیر اس لفظ کے اس آیت میں خدا کی ہر نازل کی ہوئی چیز کے انکار کی مذمت تھی، مگر اس لفظ کے ساتھ صرف امامت علیؑ کے انکار کی مذمت ہوئی۔

۵۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں

نے فرمایا:

نزل جبرئیل علیہ السلام بہذہ الآیۃ علی عبدہم کذا: وإن کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (فی علی) فأتوا بسورة من مثله (۱)۔

(صفحہ ۳۱۷ جلد ۱)

ترجمہ: ”جبرئیل اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لے کر آئے تھے، ”ان کستم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (فی علی) فاتوا بسورة من مثله“

ف: اب اس آیت میں ”فی علی“ کا لفظ نہیں ہے۔ اس آیت میں قرآن شریف کا معجزہ ہونا بیان فرمایا ہے کہ اس کے مثل ایک سورت بھی کوئی نہیں بنا سکتا۔ ”فی علی“ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ پورا قرآن مجید معجزہ نہیں تھا، بلکہ اعجاز صرف ان آیتوں میں تھا جو حضرت علی کے متعلق تھیں، مگر افسوس کہ اب وہ آیتیں قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

۶۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

قول اللہ عز و جل: ”کبر علی المشرکین (بولاية علی) ما

تدعوهم إلیہ“ یا عبد من ولایۃ علی“ کذا فی الکتاب مخطوطة (۲)۔

(صفحہ ۳۱۸ جلد ۱)

ترجمہ: ”اللہ عز و جل کا قول ”کبر علی المشرکین (بولاية علی) ما

تدعوهم إلیہ (یا محمد من ولایۃ علی)“ اسی طرح قرآن میں لکھا

ہوا ہے۔“

ائمہ کے قرآن میں اسی طرح ہوگا۔ مگر ہمارے قرآن پاک میں تو اب

”ولاية علی“ اور ”یا محمد من ولایۃ علی“ کہیں نہیں۔ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ مشرکوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین ناگوار ہے، مگر ان انوکھے الفاظ کے ملانے سے مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی کی امامت میں جو لوگ شرک کرتے ہیں، صرف ان کو آپ کی دعوت دین اور وہ بھی فقط امامت علی کے متعلق ناگوار ہے۔ باقی حصہ آپ کی دعوت کا کسی کو ناگوار نہیں، نہ توحید ناگوار ہے، نہ رسالت، نہ اور کچھ۔

لاحول ولا قوة الا باللہ۔

۷۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

قول اللہ تعالیٰ: ”سأل سائل بعداب واقعہ للکافرین (بولاية علی)“

لیس له دافع (۱)۔ ثم قال: کذا واللہ نزل بہا جبرئیل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صفحہ ۳۲۲ جلد ۱)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کا قول ”سأل سائل بعداب واقعہ للکافرین

(بولاية علی) لیس له دافع“ اسی طرح اللہ کی قسم جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے تھے۔“

ف: اب ”بولاية علی“ کا لفظ آیت میں نہیں ہے۔ آیت میں مطلق کافروں کے عذاب کا ذکر تھا کہ اس کو کوئی ٹل نہیں سکتا۔ مگر اس لفظ کے ملانے سے آیت میں صرف امامت علی کے کفر کرنے والوں کا عذاب بیان ہوا کہ اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

۸۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

۵۸۔ أحمد بن مهران، عن عبدالعظیم بن عبداللہ، عن عبد بن الفضل، عن

أبي حمزة، عن أبي جعفر علیہ السلام قال: نزل جبرئیل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہذہ الآیۃ علی عبدہم کذا

”فیدل الذین ظلموا (آل عبد حقہم) قولاً غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا

(آل عبد حقہم) رجزاً من السماء بما كانوا یفسقون (۱)۔“

(صفحہ ۳۲۳ جلد ۱۔ روایت ۵۸)

ترجمہ: ”جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اس طرح لے کر

نازل ہوئے تھے، ”فیدل الذین ظلموا (آل محمد حقہم) قولاً

غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا (آل محمد حقہم)

رجزاً من السماء بما كانوا یفسقون۔“

ف: اب قرآن مجید میں اس آیت میں ”آل محمد حقہم“ کا لفظ دونوں جگہ سے نکلا ہوا ہے، بغیر اس لفظ کے آیت میں بنی اسرائیل کے واقعہ کا بیان ہے کہ ان سے خدا نے فرمایا تھا کہ اس بستی میں جاؤ اور بستی میں داخل ہوتے وقت ”حطۃ“ کہنا، مگر

انہوں نے ازراہ شرارت اس لفظ کو بدل دیا، جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ مگر اس لفظ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذکر بنی اسرائیل کا نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) صحابہ کرام کا حال بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے آل محمد پر ظلم کیا اور اس کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب آیا۔ مگر انہوں نے واقعات سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔ براہ عنایت کوئی مجتہد صاحب بتا دیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کون سا ظلم آل محمد پر کیا تھا اور کون سا عذاب ان پر آسمان سے آیا تھا؟

اسی قسم کی روایات اس کتاب کے باب مذکور میں بکثرت ہیں۔
۹۔ اسی کتاب میں ”کتاب فضل القرآن“ کے باب النواہر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

إن القرآن الذي جاء به جبريل عليه السلام إلى محمد صلى الله عليه وآله سبعة عشر ألف آية.
(صفحہ ۶۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”یہ تحقیق جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لے کر آئے تھے، اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔“

ف: اب قرآن شریف میں علی اختلاف الروایات چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں ہیں۔
لہذا آدھے سے بہت زیادہ قرآن نکل گیا۔

۱۰۔ کتب احتجاج شیعہ مذہب کی بڑی معتبر کتاب ہے، اس کے مصنف شیخ احمد بن ابی طالب طبری نے دیباچہ کتاب میں لکھ دیا ہے کہ اس کتاب میں سو امام حسن عسکری کے اور جس قدر ائمہ کے اقوال ہیں، ان پر اجماع ہے، یا وہ عقل کے موافق ہیں، یا اس قدر سیر وغیرہ کی کتب میں ان کی شہرت ہے کہ مخالف و موافق سب کا ان پر اتفاق ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۹ سے لے کر صفحہ ۱۳۲ تک ایک طویل روایت حضرت علی مرتضیٰ سے منقول ہے کہ ایک زندیق نے آنجناب کے سامنے کچھ اعتراض قرآن پر کئے، اور آپ نے قریب قریب ہر اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ قرآن میں تحریف

ہو گئی ہے۔ اس روایت سے قرآن شریف میں پانچوں قسم کی تحریف ثابت ہوتی ہے۔ کسی کے متعلق جو مضامین اس روایت میں ہیں، وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک اعتراض ایک زندیق نے یہ کیا تھا کہ قرآن مجید میں ”فإن خفتن الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء“ یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو جن عورتوں سے چاہو نکاح کرلو۔ زندیق نے کہا کہ شرط و جزا میں کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا۔ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو تو عورتوں سے نکاح کرلو، ایک بالکل بے جوڑ بات ہے۔ جناب امیر علیہ السلام اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وأما ظهورك على تناكر قوله فإن خفتن الا تقسطوا
فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء ولیس يشبه
القسط فی الیتامی نکاح النساء ولا کل النساء أیتاما فهو
ما قدمت ذكره من أسقاط المنافقين من القرآن وبين القول
فی الیتامی وبين نکاح النساء من اخطاب والقصاص
أكثر من ثلث القرآن وهذا وما أشبه مما ظهرت حوادث
المنافقين فيه لأهل النظر والتأمل ووجد المعلقون وأهل
الملل المخالفين للإسلام مساعدا إلى القدح فی القرآن
(احتجاج صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ: ”اور تجھ کو جو اللہ کے قول ”فإن خفتن الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء“ کے ناپسندیدہ ہونے پر الحاح ہوئی اور تو کہتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرنا عورتوں سے نکاح کرنے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور نہ کل عورتیں یتیم ہوتی ہیں، پس اس کی وجہ وہی ہے جو میں پہلے تجھ سے بیان کر چکا ہوں کہ منافقوں نے قرآن سے بہت کچھ نکل ڈالا۔ ”فی الیتامی“ اور ”فانکحوا“ کے درمیان میں بہت سے احکام اور قصے تھے۔ تہا قرآن (یعنی دس پارے) سے زیادہ وہ

سب نکل ڈالے گئے۔ اسی وجہ سے بے ربطی ہو گئی۔ اس قسم کی منافقوں کی تحریفات کی وجہ سے جو اہل نظر و تامل کو ظاہر ہو جاتی ہیں، بے دینوں اور اسلام کے مخالفوں کو قرآن پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔

جناب امیر اس زندیق کے کسی اعتراض کا جواب نہ دے سکے، اس روایت کو دیکھ کر صاف کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں کی طرح ان کے جناب امیرؑ بھی (نعوذ باللہ) قرآن کے سمجھنے سے عاجز و قاصر تھے۔ حالانکہ آج اہل سنت کے ایک ادنیٰ طالب علم سے پوچھو تو وہ بھی اس آیت کا ربط اچھی طرح بیان کر دے گا۔ آیت میں یتامیٰ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں، بعض لوگ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرتے تھے اور ان کا مہر بھی کم باندھتے تھے، دوسرے حقوق بھی ادا نہ کرتے تھے، کیونکہ ان یتیموں کی طرف سے کوئی لڑنے جھگڑنے والا تو تھا ہی نہیں، لہذا آیت میں حکم دیا گیا کہ اگر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح نہ کرو، بلکہ اور عورتوں سے نکاح کر لو۔

میں نے ”ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر“ میں لکھا تھا کہ قرآن کریم میں ”فان خفتہم“ کا لفظ نہیں بلکہ ”وان خفتہم“ (واؤ کے ساتھ) ہے۔ زندیق تو خیر زندیق تھا، وہ قرآن کریم کو صحیح کیوں پڑھتا؟ تعجب ہے کہ اس روایت کے مطابق جناب امیرؑ نے بھی اپنے جواب میں آیت کو غلط ہی نقل کیا۔ گویا حضرت علیؑ کو (نعوذ باللہ) نہ تو قرآن کے الفاظ صحیح یاد تھے، اور نہ وہ قرآن کریم کے جملوں میں ربط و تعلق سے آگاہ تھے۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؑ نے اس زندیق سے فرمایا:

ولو شرحت لك ما أسقط وحرف وبدل مما يحرى

هذه المجرى لطلال وظاهر ما تحظر التقيية اظہارہ۔

(ایضاً..... صفحہ ۱۲۹)

ترجمہ: ”اگر میں تجھ سے تمام وہ آیتیں بیان کر دوں جو قرآن سے نکل ڈالی گئیں اور تحریف کی گئیں اور بدل دی گئیں جو اسی قسم کی

بکار و ایماں ہوئیں تو بہت طویل ہو جائے اور تقیہ جس چیز کو روکتا ہے، وہ ظاہر ہو جائے۔“

ف: تعجب ہے کہ قرآن کو محرف کہنے اور جامعین قرآن کو منافق کہنے سے تقیہ نے نہ روکا۔ مگر مقالات تحریف معین کرنے سے تقیہ نے روک دیا، کیونکہ مقالات تحریف کے معلوم ہو جانے سے بقیہ قرآن بکرا آمد ہو جاتا، تقیہ کو یہ کب گوارا تھا؟ نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؑ نے اس زندیق سے کہا:

لو علم المنافقون لعنہم اللہ من ترک ہذہ الآيات التی بینت لک تاویلہا لا سقطوا مع ما اسقطوا منہ۔

(احتجاج طبرسی ص ۱۲۹)

ترجمہ: ”اگر منافقوں کو، خدا انہیں لعنت کرے، معلوم ہو جاتا کہ ان آیتوں کے بقی رکھنے میں کیا خرابی ہے جن کی تاویل میں نے بیان کی تو ضرور وہ ان آیتوں کو بھی نکل ڈالتے جس طرح اور آیتیں نکل ڈالیں۔“

۱۱۔ تفسیر برہان اور تفسیر صافی کے مقدمہ میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

إن القرآن قد طرح منه آی كثيرة

(مقدمہ تفسیر البرہان، مقدمہ ثلاث، فصل اول صفحہ ۳۷)

ترجمہ: ”بہ تحقیق قرآن سے بہت سی آیتیں نکل ڈالی گئیں۔“

نیز اسی کتاب میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ

ولو قرئ القرآن كما أنزلنا لا لفیتنا فیہ مسمئین۔

(صفحہ ۳۷)

ترجمہ: ”اگر قرآن اسی طرح پڑھا جائے، جیسا کہ نازل کیا گیا تو یقیناً تم قرآن میں ہمارے نام پاؤ گے۔“

۱۲۔ تفسیر فقی جس کے مصنف علی بن ابراہیم فقی امام حسن عسکری کے شاگرد اور محمد بن یعقوب کلینی کے استاد ہیں، بڑی معتبر کتاب ہے اور روایات تحریف سے لبریز ہے، منجمدہ ان کے ایک یہ ہے کہ:

وأما ما هو محذوف عنه فهو قوله لكن الله يشهد

بما أنزل إليك في علي كذا أنزلت (ثم قال) ومثله كثير

(مقدمہ صفحہ ۱۰ جلد ۱)

ترجمہ: "لیکن وہ آیتیں جو قرآن سے نکل والی تھیں ان کی ایک مثال یہ ہے: "لكن الله يشهد بما أنزل إليك في علي" یہ آیت اس طرح نازل ہوئی (پھر چند مثالوں کے بعد لکھا ہے کہ) اس کے مثل بہت ہے۔"

قرآن شریف میں بڑھائے جانے کی روایتیں

۱۔ کتاب احتجاج مطبوعہ ایران کی اس طویل روایت میں، جس کا ذکر اوپر ہوا، اس زندیق کا ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام نبیوں پر بیان کی ہے۔ حالانکہ جتنی تعریف بیان کی ہے اس سے کہیں زیادہ ان کی برائی اور توہین قرآن میں ہے کہ اس قدر توہین اور کسی نبی کی قرآن میں نہیں ہے۔ زندیق کے اس اعتراض کو بھی شیعوں کے جناب امیر نے تسلیم کر لیا اور تسلیم کر کے حسب ذیل جواب دیا کہ:

والذي بدا في الكتب من الإذراء على النبي صلى

الله عليه وآله من فرية الملحدين

(صفحہ ۱۳۲)

ترجمہ: "کتاب یعنی قرآن میں جو برائی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہے یہ ٹھوس کی افتر کی ہوئی (یعنی جاہلین کی بڑھائی ہوئی) ہے۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے اس زندیق سے کہا:

أنهم أثبتوا في الكتب ما لم يقله الله ليلبسوا على

الخليقة۔

ترجمہ: "ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں درج کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھیں تاکہ مخلوق کو فریب دیں۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے کہا:

وليس يسوغ مع عموم التفتية التصريح بأسماء
المبدلين ولا الزيادة في آياته على ما أثبتوه من تلقائهم
في الكتاب لما في ذلك من تقوية حجج أهل التعميل
والكفر والملل المنحرفة عن ملتنا وإبطال هذا العلم الظاهر
الذي قد استكان له الموافق والمخالف (صفحہ ۲۶)

ترجمہ: "تقید کی ضرورت اس قدر ہے کہ نہ میں ان لوگوں کے نام بتا سکتا ہوں، جنہوں نے قرآن میں تحریف کی، نہ اس میں زیادتی کو بتا سکتا ہوں جو انہوں نے قرآن میں درج کی، جس سے اہل تعطیل و کفر اور مذہب مخالفہ اسلام کی تائید ہوتی ہے اور اس علم ظاہر کا ابطال ہوتا ہے جس کے موافق و مخالف سب قائل ہیں۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ اس زندیق سے جناب امیر نے جمع قرآن کا قصہ یوں بیان کیا:

ثم دفعهم الاضطراب بورود المسائل عما لا يعلمون

تأويله إلى جمعه وتأويله وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به

دعائم كفرهم فصرح منا دهم من كان عنده شيء من
القرآن فليأتنا به ووكلا تأليفه عظمه إلى بعض من وافقهم
إلى معاداة أولياء الله فألفه على اختيارهم۔

(صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

ترجمہ: "پھر جب ان منافقوں سے وہ مسائل پوچھے جانے لگے جن کو وہ نہ جانتے تھے تو مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں، اس کی تفسیر کریں اور قرآن میں وہ باتیں بڑھائیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کریں۔ لہذا ان کے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو، وہ ہمارے پاس لے آئے اور ان منافقوں نے قرآن کی جمع و ترتیب کا کام اس شخص کے سپرد کیا جو دوستانہ خدا کی دشمنی میں ان کا ہم خیال تھا اور اس نے ان کی پسند کے موافق قرآن کو جمع کیا۔"

پھر اسی روایت میں بڑی وضاحت کے ساتھ جناب امیرؑ کا یہ قول بھی ہے:
وَزَادُوا فِيهِ مَا ظَهَرَ تَنَافُرُهُ وَتَنَافُرُهُ (ص: ۱۳۲)۔

ترجمہ: ”اور بڑھادیں انہوں نے قرآن میں وہ عبارتیں جن کا خلاف
فصاحت اور قائل نفرت ہونا ظاہر ہے۔“

ف: احتجاج طبرسی کی ان روایات سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

اول: یہ کہ اس قرآن میں (نعوذ باللہ) جی کی توہین قرآن کے جمع کرنے والوں نے
بڑھائی ہے۔

دوم: یہ کہ قرآن مذہب باطلہ اور مخالفین اسلام کی تائید کرتا ہے، شریعت کو مٹا رہا
ہے، کفر کے ستون اس سے قائم ہوتے ہیں۔

سوم: اس قرآن میں ایسی عبارتیں بڑھا دی گئیں ہیں جو قائل نفرت اور خلاف
فصاحت ہیں۔

چہارم: یہ نہیں معلوم کہ یہ بڑھائی ہوئی عبارتیں کون کون اور کہاں کہاں ہیں۔

پنجم: اس قرآن کے جمع کرنے والے منافق اور کفر کے ستون قائم کرنے والے اور
دوستان خدا کے دشمن تھے۔ انہوں نے اپنی پسند و خواہش کے مطابق قرآن کو جمع
کیا۔

۲۔ تفسیر البرہان اور تفسیر صافی کے مقدمہ میں، تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام
باقر علیہ السلام نے فرمایا:

لَوْ لَا أَنَّهُ زِيدَ فِي الْقُرْآنِ وَنَقَصَ مَا خَفِيَ حَقُّنَا

علی ذی جبعی (مقدمہ ثالث، فصل اول صفحہ ۳۷)

ترجمہ: ”اگر قرآن میں بڑھایا نہ گیا ہوتا اور گھٹایا نہ گیا ہوتا تو ہمارا حق
کسی عقلمند پر پوشیدہ نہ ہوتا۔“

ف: خیر اور کچھ ہو یا نہ ہو، مگر اتنا تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن شریف
مذہب شیعہ کے بالکل خلاف ہے، حتیٰ کہ مسئلہ امامت اور ائمہ کا حق بھی اس سے ثابت
نہیں ہو سکتا، اور یہ قرآن سنیوں کی تائید کرتا ہے، ان کے ستون قائم کرتا ہے۔

قرآن شریف کے حروف و الفاظ کے بدلے جانے کی روایتیں
تفسیر قتی میں ہے:

وَأَمَّا مَا كَانَ خِلَافَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ الْآيَةَ.

قال أبو عبد الله عليه السلام لقاری هذه الآية خیر

أمة يقتلون أمير المؤمنين والحسين بن علي فقیل له فكيف

نزلت يا ابن رسول الله فقال: إنما أنزلت خیر أمة أُخْرِجَتْ

لِلنَّاسِ (صفحہ ۱۰)

ترجمہ: ”اور وہ چیزیں جو قرآن میں موجود ہیں خلاف ما انزل اللہ

ہیں۔ پس وہ (مثلاً) یہ آیت ہے کنتم خیر امة یعنی ”تم لوگ تمام ان

امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں۔“ امام جعفر صادق نے

اس آیت کے پڑھنے والے سے کہا کہ واہ کیا اچھی امت ہے جس نے امیر

المؤمنین کو اور حسین بن علی کو قتل کر دیا۔ پوچھا گیا کہ پھر یہ آیت کس

طرح اتڑی تھی اسے فرزند رسول؟ تو فرمایا کہ یہ آیت اس طرح اتڑی تھی

”کنتم خیر امة“ یعنی ”اے ائمہ اثنا عشر تم تمام امتوں سے بہتر

ہو۔“

ف: معلوم ہوا کہ قرآن میں ”خیر امة“ کا لفظ غلط ہے، ”خیر ائمة“ نازل

ہوا تھا۔ الفاظ تبدیل کر دیئے گئے۔

۲۔ نیز اسی تفسیر میں ہے:

ومثله آية قرأت علی ابی عبد الله ﴿الَّذِينَ

يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا

لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ عليه السلام: لقد سألوا الله عظيمًا أن

يجعلهم للمتقين إمامًا فقیل له يا ابن رسول الله كيف

نزلت فقال: إنا نزلت واجعل لنا من المتقين إماما

(صفحہ ۱۰)

ترجمہ: "امام جعفر صادق کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی "وَالَّذِينَ يَقُولُونَ" یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ "اے رب ہمارے! بخش دے ہم کو۔ ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے ٹھنڈک آنکھوں کی اور بنا دے ہم کو متقیوں کا امام" تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ سے بڑی چیز مانگی کہ ان کو متقیوں کا امام بنا دے۔ پوچھا گیا کہ اے غریب رسول اللہ! یہ آیت کس طرح اتری تھی؟ تو فرمایا کہ اس طرح اتری تھی۔ "واجعل لنا من المتقين" یعنی ہمارے لئے متقیوں میں سے کوئی امام مقرر کر دے۔"

چونکہ امامت کا مرتبہ شیعوں کے یہاں نبوت سے بھی بڑھا ہوا ہے جیسا کہ امامت کی بحث میں گزر چکا ہے، اس لئے امام نے آیت کو غلط کہہ دیا کہ اس میں امامت کی درخواست خدا سے کی گئی۔ اس روایت میں حروف کی تبدیلی ہے۔

۳۔ اصول کافی کتاب الحجۃ "باب فیہ نکت و ننف من التنزیل فی المولایۃ" میں ہے:

۶۲۔ أحمد، من عبد العظيم، عن الحسين بن ميثاق، ممن أخبره قال: قرأ رجلٌ عند أبي عبد الله عليه السلام: «قل أعملوا فسيرى الله مملكم ورسوله المأمونون»^(۵) فقال: ليس مكنهائي، إنساني والمأمونون، فنحن المأمونون^(۶) :

ترجمہ: "ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ "قل أعملوا" یعنی "اے نبی کہہ دو کہ تم لوگ عمل کرو، تمہارا عمل اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے۔" امام نے فرمایا یہ آیت اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے "والمؤمنون" یعنی مومن لوگ دیکھیں گے اور "مؤمنون" ہم ائمہ اثنا عشر ہیں۔"

۴۔ کتاب احتجاج کی اسی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ زندیق نے ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ قرآن میں پیغمبروں کی مذمت تو نام لے کر خدا نے بیان کی ہے، مگر منافقوں

کی مذمت اشادات و کنایات میں ہے، ان کا نام نہیں لیا گیا، یہ کیا بات ہے؟ تو جناب امیرؑ نے جواب دیا کہ:

إن الكناية عن أسماء ذو الحرائر العظيمة من المنافقين ليست من فعله تعالى وإنما من فعل المغيرين والمبدلين الذين جعلوا القرآن عضين واعتاضوا الدنيا من الدين (صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: "بڑے بڑے جرم والے منافقوں کے نام کا کنایات میں ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تو صاف صاف نام ذکر کئے تھے، بلکہ یہ فعل ان تحریف کرنے والوں، بدلنے والوں کا ہے جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور دنیا کے عوض دین کو بیچ ڈالا۔ (انہوں نے ناموں کو ٹکڑ ٹکڑا اور بجائے ان کے کنایہ کے الفاظ رکھ دیئے)۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؑ نے اس زندیق کو یہ نفیس جوابات دے کر فرمایا:

فحسبك في الجواب في هذه الموانع ما سمعت فإن شريعة التقية تحظر التصريح بأكثر منه (صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: "پس ان مقامات میں یہ جواب تجھے کافی ہیں جو تو نے سنے اس لئے کہ تقیہ کی شریعت اس سے زیادہ صاف بیان کرنے کو روکتی ہے۔"

نمونہ کے طور پر تحریف کی چار قسموں کی روایتیں تھوڑی نقل کی گئیں۔ اگر کوئی شخص کتب شیعہ کو دیکھے تو ایک انہماک ان روایتوں کا پائے گا، جن سے ایک بڑا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ اور اس کو معلوم ہو گا کہ بڑا مقصد ان لوگوں کا یہی تھا کہ قرآن کریم کو تحریف شدہ قرار دیا جائے۔

باقی رہی تحریف کی پانچویں قسم یعنی خرابی ترتیب آیات کی اور ترتیب سورتوں

کی وہ تو اس قدر مشہور ہے کہ حاجت کسی حوالہ کی نہیں، علاوہ ازیں روایات منقولہ بالا سے وہ بھی ثابت ہو رہی ہے اور آئندہ بھی اس کے متعلق عبدتیں نقل کی جائیں گی۔ تاہم دو حوالے یہاں بھی پڑھ لیجئے!

۱۔ علامہ نوری طبرسی فصل الخطاب میں چوتھی دلیل کے ضمن میں فرماتے ہیں:

كان لأمر المؤمنين عليه السلام قرآنًا مخصوصًا
جمعه بنفسه بعد وفاة النبي صلى الله عليه وآله وعرضه
على القوم فأعرضوا عنه فحجبه من أمينهم وكان عند
ولده عليهم السلام يتوارثه إمام عن إمام كسائر خصائص
الإمامة وخزائن النبوة وهو عند الحجة جعل الله فرجه،
يظهره للناس بعد ظهوره ويأمرهم بقراءته وهو مخالف
لهذا القرآن الموجود من حيث التأليف وترتيب السور
والآيات بل الكلمات أيضا ومن جهة الزيادة والنقص
وحيث أن الحق مع علي عليه السلام وعلى مع الحق ففي
القرآن الموجود تغير من جهتين وهو المطلوب.

ترجمہ: ”امیر المؤمنین علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص تھا جس کو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود جمع کیا تھا اور اس کو صحابہ کے سامنے پیش کیا، مگر ان لوگوں نے توجہ نہ کی، لہذا اس کو انہوں نے لوگوں سے پوشیدہ کر دیا اور وہ قرآن ان کی اولاد کے پاس رہا، ایک امام سے دوسرے امام کو میراث میں ملتا رہا۔ مثل اور خصائص امامت و خزانہ نبوت کے۔ اور اب وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے، خدا ان کی مشکل جلد آسان کرے۔ وہ اس قرآن کو اپنے ظاہر ہونے کے بعد نکالیں گے لوگوں کو اس کی تلاوت کا حکم دیں گے اور وہ قرآن اس قرآن موجود کے خلاف ہے، سورتوں اور آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب میں بھی، اور کئی جہتی کے لحاظ

سے بھی۔ چونکہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہیں، لہذا اہمیت ہو گیا کہ قرآن موجود میں دونوں حیثیتوں سے تحریف ہے اور یہی (ہم شیعوں کا) مقصود ہے۔“
۲۔ علامہ مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:

پس بخواند قرآن را بخوے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل سانت ہے آنکہ تغیر یافتہ باشد و تبدیل یافتہ باشد چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شد۔

(حق الیقین..... صفحہ ۳۵۸، مطبوعہ تہران ۱۳۵۳ھ)

ترجمہ: ”پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہو، جیسا کہ دوسرے قرآنوں میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔“

علمائے شیعہ کے تینوں اقرار

اب علمائے شیعہ کے تینوں اقرار ملاحظہ فرمائیے، یعنی:

پہلا اقرار یہ کہ تحریف قرآن کی روایات کثیر اور متواتر ہیں۔

دوسرا اقرار یہ کہ یہ متواتر روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔

تیسرا اقرار یہ کہ ان روایات کے مطابق شیعہ تحریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان تینوں اقراروں کے حوالے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ کتاب فصل الخطاب مطبوعہ ایران میں تحریف قرآن کی گیارہویں دلیل کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الأخبار الكثيرة المعتبرة الصريحة في وقوع السقط

ودخول النقصان في الموجود من القرآن زيادة على ما مر في ضمن الأدلة السابقة وأنه أقل من تمام ما نزل إعجازاً على قلب سيد الإنس والجان من غير اختصاصها بآية أو سورة وهي متفرقة في الكتب المتفرقة التي عليها المعول عند الأصحاب جمعت ما عثرت عليها في هذا الباب .
(صفحہ ۲۳۵)

ترجمہ: ”بہت سی حدیثیں جو معتبر ہیں اور قرآن موجود میں کی اور نقصان پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، علاوہ ان احادیث کے جو دلائل سابقہ کے ضمن میں بیان ہو چکیں، اور یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن مقدس نزول سے بہت کم ہے اور یہ کسی آیت یا کسی سورت کے ساتھ مخصوص نہیں، اور یہ حدیثیں ان کتب متفرقہ میں پھیلی ہوئی ہیں، جن پر ہمارے مذہب کا اعتماد اور اہل مذہب کا ان کی طرف رجوع ہے۔ میں نے وہ سب حدیثیں جمع کر دی ہیں جو میری نظر سے گزریں۔“

اس کے بعد بکثرت کتابوں کے نام گنائے ہیں اور روایات تحریف کے انبار لگا دیے ہیں۔

۲۔ نیز اسی کتب میں محدث جزائری کا قول نقل کیا ہے کہ:

قال السيد المحدث الجزائري في الأنوار ما معناه أن الأصحاب قد أطبقوا على صحة الأخبار المستفيضة بل المتواتر الدالة بصرحها على وقوع التحريف في القرآن كلاماً ومادة وإعراباً والتصديق بها (ص: ۳۱)۔

ترجمہ: ”مید محمد جزائری نے کتب انوار میں لکھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اصحاب امامیہ نے اتفاق کیا ہے ان روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ کی صحت پر جو صراحتاً قرآن کے محرف ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ

تحریف قرآن، کلام میں بھی ہے، مادہ میں بھی، اعراب میں بھی۔ اور اتفاق کیا ہے ان روایات کی تصدیق پر۔“

۳۔ اسی فصل الخطاب میں علاوہ محدث جزائری کے اپنے دوسرے علماء سے بھی روایات تحریف کا متواتر ہونا نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وهي كثيرة جدا قال السيد نعمت الله الجزائري في بعض مؤلفاته كما حكى عنه أن الأخبار الدالة على ذلك تزيد على ألفي حديث وادعى استفاضتها جماعة كالمفيد والحقق الداماد والعلامة المجلسي وغيرهم بل الشيخ أيضاً صرح في التبيين بكثرتها بل ادعى تواترها جماعة يأتي ذكرهم (صفحہ ۲۵۱)

ترجمہ: ”روایات تحریف قرآن یقیناً بہت ہیں، حتیٰ کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تالیفات میں لکھا ہے، جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ جو حدیثیں تحریف پر دلالت کرتی ہیں وہ دو ہزار احادیث سے زیادہ ہیں۔ اور ایک جماعت نے ان کے مستفیض ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسے مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم، بلکہ شیخ طوسی نے بھی تبیان میں تصریح کی ہے کہ یہ روایات بکثرت ہیں۔ بلکہ ایک جماعت محدثین نے ان روایتوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔“

پھر بغافلہ چند سطور لکھا ہے کہ:

واعلم أن تلك الأخبار منقولة من الكتب المعتبرة التي عليها معول أصحابنا في إثبات الأحكام الشرعية والآثار النبوية . (صفحہ ۲۵۲)

ترجمہ: ”جانتا چاہئے کہ یہ حدیثیں تحریف کی ان معتبر کتابوں سے نقل کی

گئی ہیں جن پر ہمارے اصحاب کا اعتماد ہے احکام شرعیہ کے ثابت کرنے اور
آئمہ نبویہ کے نقل کرنے میں۔“

۴۔ پھر صاحب فصل الخطاب نے اپنے وعدہ کو پورا کیا ہے اور آخر کتاب میں
ان تمام محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے روایات تحریف کو متواتر کہا ہے۔ ان
ناموں میں علامہ مجلسی کا نام نامی بھی ہے اور ان کی عبارت کا حسب ذیل فقرہ قابل دید
ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وعندى أن الأخبار فى هذا الباب متواترة معنى
وطرح جميعها يوجب رفع الاعتماد عن الأخبار رأساً بل
ظنى أن الأخبار فى هذا الباب لا يقصر عن أخبار
الإمامة فكيف يشبونها بالخبر.

(۳۵۳)

ترجمہ: ”میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں معنات متواتر ہیں، اور
ان سب روایتوں کو ترک کر دینے سے ہمارے تمام فن حدیث کا اعتبار جاتا
رہے گا۔ بلکہ میرا علم یہ ہے کہ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی
روایتوں سے کم نہیں ہیں۔ لہذا اگر تحریف قرآن کی روایتوں کا اعتبار نہ ہو
تو مسئلہ امامت بھی روایتوں سے ثابت نہ ہو سکے گا۔“

۵۔ علامہ محسن کاشی تفسیر صافی کے دہچاچے میں تحریف کی (نجس) روایات نقل
کر کے فرماتے ہیں:

المستفاد من مجموع هذه الأخبار وغيره من
الروایات من طريق أهل البيت عليهم السلام أن القرآن
الذى بين أظهرنا ليس بتمامه كما أنزل على محمد صلى
الله عليه وآله بل منه ما هو خلاف ما أنزل الله ومنه ما هو
مغير ومحرّف وأنه قد حذف منه أشياء كثيرة منها اسم
على فى كثير من المواضع ومنها غير ذلك وأنه ليس أيضا

على الترتيب المرضى عند الله وعند رسوله وبه قال على

بن ابراهيم (تفسير الصافي، المقدمة السادسة صفحہ ۴۹، جلد ۱)

ترجمہ: ”ان تمام حدیثوں کا اور ان کے علاوہ جس قدر حدیثیں اہل بیت
علیہم السلام کی سند سے نقل کی گئی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن
ہمارے درمیان میں ہے وہ پورا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوا
تھا۔ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کچھ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے خلاف ہے،
اور کچھ مغیرہ و محرف ہے، اور یقیناً اس میں سے بہت سی چیزیں نکل ڈالی گئی
ہیں، جیسے علی کا نام بہت سے مقلات سے، علاوہ اس کے ان روایات سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قرآن کی ترتیب بھی خدا اور اس کے رسول کی پسند
کی ہوئی ترتیب نہیں ہے، انہیں سب باتوں کے قائل ہیں علی بن ابراہیم
نہی۔“

۶۔ دور آخر کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب عماد الاسلام میں فرماتے ہیں،
انہم ان کی عبارت ”استقصاء الافہام“ سے نقل کرتے ہیں:

”قال آية الله فى العالمين أحله الله دار السلام فى
عماد الإسلام بعد ذكر نبذ من أحاديث التحريف الماثورة
عن سادات الأئمة عليهم الآف التحية والسلام: مقتضى
تلك الأخبار أن التحريف فى الجملة فى هذا القرآن الذى
بين أيدينا بحسب زيادة بعض الحروف ونقصانه بل
بحسب بعض الألفاظ وبحسب الترتيب فى بعض المواضع
قد وقع بحيث لا يشك فيه مع تسليم تلك الأخبار.“

ترجمہ: ”آیۃ اللہ فی العالمین یعنی مولوی دلدار علی نے عماد الاسلام
میں چند احادیث تحریف کی، جو سرداران خلق یعنی ائمہ اثنا عشر علیہم
السلام سے مروی ہیں، نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان احادیث کا مقتضی یہ

ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف اس قرآن میں، جو ہمارے سامنے ہے، ضرور ہو گئی ہے بلحاظ زیادہ اور کم ہو جانے بعض حروف کے، بلکہ بعض الفاظ کے، اور بلحاظ ترتیب کے بھی بعض مقابلت میں۔ ان احادیث کے تسلیم کر لینے کے بعد اس میں کچھ شک نہیں کیا جاسکتا۔

عبارت منقولہ کے بعد تحریف قرآن کی کچھ صورتیں بھی مولوی دلدار علی صاحب نے بیان فرمائی ہیں، منجملہ ان کے ایک نفیس بات قابل داد یہ لکھی ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی پورا قرآن امت کو دیا ہی نہیں، صحابہ کے خوف سے بہت سی آیتیں آپ نے چھپا ڈالیں، جس قدر قرآن کا ظاہر کرنا آپ کو مصلحت معلوم ہوا اسی قدر آپ نے صحابہ کو دیا، باقی سب قیہ کی نذر ہو گیا۔ اصل عبارت عماد الاسلام کی ہم ازالہ الغین سے نقل کرتے ہیں:

ومنها أنه معلوم من حال النبي كما لا يخفى على المتفحص الذكي ذي الحدس الصائب أنه مع كمال رغبته على تعليفه عليا كان في غاية التقية من قومه، لهذا عندى دلائل وأمارات لا يسع المقام ذكرها، فيحتمل عند العقل أن النبي حفظا لبيضة الإسلام الظاهري أودع القرآن النازل المشتتل على نصوص أسماء الأئمة وأسماء المنافقين مثلا عند محارم أسرارہ كملی بأمر الله، لئلا يرتد القوم بأسرهم لما علم من حالهم عدم احتمال ذلك، وأظهرهم بقدر ما علم المصلحة في إظهاره، ولما كانوا هو الباعثين للنبي على ذلك كان الإسناد إليهم في محله،

(اقامة البرهان على أن الشيعة أعداء القرآن..... صفحہ ۲۸، مندرجہ یازدہ نجوم از امام الحسن مولا عبد الشکور لکھنوی)

ترجمہ: ”منجملہ تحریف کی صورتوں کے ایک یہ ہے کہ نبی کا اصل

معلوم ہے اور سمجھ دار ذہین آدمی جو تلاش کرے اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آپ باوجود یکہ نہایت رغبت اس بات کی رکھتے تھے کہ علی کو اپنا خلیفہ بنائیں مگر اپنی قوم کی طرف سے بہت تقیہ کرتے تھے، اس بات کیلئے میرے پاس دلائل و علامات ہیں۔ پس یہ احتمال قرن عقل کے ہے کہ نبی نے اسلام ظاہری کی حفاظت کے لئے بحکم خدا اصلی قرآن، جس میں ائمہ کے نام اور منافقوں کے نام کی آیتیں تھیں، اپنے محرم راز مثلاً علی کے پاس ودیعت رکھوا دیا، تاکہ تمام لوگ مرد نہ ہو جائیں، کیونکہ آپ کو ان کا اصل معلوم تھا کہ وہ ان آیات کی برداشت نہ کر سکیں گے، اور آپ نے صرف اسی قدر قرآن ان پر ظاہر کیا جس کا ظاہر کرنا آپ کے نزدیک قرن مصلحت تھا، اور چونکہ اصلی قرآن کے چھپا ڈالنے کا سبب صحابہ تھے اس لئے یہ کہنا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کر دی، بالکل صحیح ہے۔“

۷۔ امام الشیعہ مولوی حامد حسین لکھنوی نے اپنی کتاب استقصاء الافہام جلد اول میں جانبا اقرار کیا ہے کہ تحریف قرآن کی روایات کتب شیعہ میں بہت ہیں اور وہ تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ:

الف: صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں:

”ورود روایات تحریف قرآن بطریق لیل حق“

ترجمہ: ”یعنی شیعوں کی کتابوں میں روایات تحریف قرآن کا وارد ہونا۔“

ب: صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں:

”اگر بے چارہ شیعہ بمقتضائی احادیث کثیرہ اہل بیت طاہرین مصرحہ

بوقوع نقصان در قرآن حرف تحریف و نقصان بر زبان آر دہد ہر مسلم

طعن ولام و مورد استہزاء تشفیہ گردد۔“

ترجمہ: ”اگر بے چارہ کوئی شیعہ، اہل بیت طاہرین کی بہت سی احادیث

کے موافق، جو قرآن کے ناقص ہونے کی تصریح کرتی ہیں، تحریف و نقصان

کا لفظ زبان سے نکالے تو طعن و لامت کے تیروں کا نشاندہ بن جاتا

ہے۔“

ج: صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں:

”اگر اہل حق از حلقان اسرار الہی و حلقان آثار جناب رسالت پناہی کہ ہدایۃ اسلام و ائمہ اہل اندروایت کنند احادیثی را کہ دال امت بر آنکہ در قرآن شریف مبطلین و اہل ضلال تحریف نمودند و تصحیفش بعمل آور دند اصل قرآن کما انزل نزد حلقان شریعت موجودست کہ دریں صورت اصلاً بر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نقص و طعن عامد نمی شود فریاد و فغاں آغاز کنند۔“

(اقامة البرهان على ان الشيعة اعداء القرآن صفحہ ۲۹)
ترجمہ: ”اگر اہل حق (یعنی شیعہ) حلقان اسرار الہی اور حلقان آثار جناب رسالت پناہی سے، جو کہ اسلام کے ہادی اور لوگوں کے امام ہیں، ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں باطل پرست اور اہل ضلال (یعنی خلفائے ثلاثہ) نے تحریف کر دی اور اس کے الفاظ میں گڑبڑ کر دی اور اصل قرآن، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا، حلقان شریعت (ائمہ اثنا عشر) کے پاس موجود ہے کہ اس صورت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز کوئی نقص اور طعن عامد نہیں ہوتا، تو سنی لوگ شور و واظلا شروع کر دیتے ہیں۔“

- ۱۔ روایات تحریف قرآن شیعہوں کی ان اعلیٰ ترین معتبر کتابوں میں ہیں، جن پر مذہب شیعہ کی بنیاد ہے۔
- ۲۔ روایات تحریف کثیر و مستفیض بلکہ متواتر ہیں۔
- ۳۔ روایات تحریف رد کردی جائیں تو شیعہوں کا فن حدیث بیکار و بے اعتبار ہو جائے۔

۴۔ تحریف قرآن کی روایتیں کتب شیعہ میں دو ہزار سے زیادہ ہیں۔

۵۔ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ مذہب شیعہ میں جس درجہ ضروری مسئلہ امامت ہے اسی درجہ تحریف قرآن کا عقیدہ بھی ضروری ہے۔ حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ کی امامت کا ماننا جیسا فرض ہے اسی درجہ کا فرض قرآن کو محرف ماننا بھی ہے۔ جو شخص قرآن کو محرف نہ مانے وہ

از روئے مذہب شیعہ ویسای گناہگار و بد دین اور مذہب شیعہ سے خارج ہو گا جیسا ائمہ اثنا عشر کی امامت کا منکر۔

۶۔ یہ روایات، قرآن کے محرف ہونے اور پانچوں قسم کی تحریف سے ملوث ہونے پر ایسی صاف اور واضح دلالت کرتی ہیں کہ اس میں شک نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی کوئی معقول توجیہ و تاویل ہو سکتی ہے۔

ان عبارات میں دو اقرار تو بالکل واضح ہیں۔ یعنی روایات کے کثیر و متواتر ہونے کا اور ان روایات کے تحریف پر صریح دلالت کرنے کا، تیسرا اقرار یعنی معتقد تحریف ہونے کا اس درجہ واضح نہیں ہے، لہذا اس کے لئے اور عبارتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ علامہ محسن کاشانی تفسیر صافی کے مقدمہ سادہ میں لکھتے ہیں:

وأما اعتقاد مشائخنا رحمهم الله في ذلك فالظاهر من ثقة الإسلام محمد بن يعقوب الكليني طاب ثراه أنه كان يعتقد التحريف والنقصان في القرآن، لأنه روى روایات في هذا المعنى في كتابه الكافي، ولم يتعرض لفتح فيها، مع أنه ذكر في أول الكتب أنه كان يثق بما رواه فيه، وكذلك أستاذه علي بن إبراهيم القمي، فإن تفسيره مملوء منه وله غلو فيه، وكذلك الشيخ أحمد بن أبي طالب الطبرسي قدس سره، فإنه نسج على منوالهما في كتاب الاحتجاج،

(تفسیر صافی، مقدمہ سادہ صفحہ ۲۵۔ طبع جدید بیروت)

ترجمہ: ”رہا اہلکے بزرگوں کا اعتقاد اس بارے میں، سو ظاہر یہ ہے کہ ثقہ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی قرآن کی تحریف و نقصان کے معتقد تھے۔ کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی بہت روایتیں اپنی کتاب کافی میں نقل کی ہیں اور ان روایتوں پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ جو دیکھ انہوں نے آغاز کتاب

میں لکھ دیا ہے کہ جتنی روایتیں اس کتاب میں ہیں ان پر مجھے وثوق ہے اور اسی طرح ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کے ان کی تفسیر بھی روایات تحریف سے چڑ ہے اور ان کو اس عقیدہ میں غلو ہے۔ اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی کہ وہ بھی کتاب احتجاج میں انہیں دونوں کے طرز پر چلے ہیں۔

۲..... سید ابوالحسن شریف تفسیر مرآة الأنوار میں (جو مقدمہ تفسیر البرہان کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے) لکھتے ہیں:

الفصل الرابع

فی بیان خلاصة أقوال علمائنا فی تفسیر القرآن
وعدمه وتزئيف استدلال من أنکر التفسیر اعلم أن الذی
یظهر من ثقة الإسلام محمد بن یعقوب الكلینی طاب
ثراه أنه كان یعتقد التحریف والنقصان فی القرآن لأنه
روی روایات كثيرة فی هذا المعنى فی کتاب الکافی
الذی صرح فی أوله بأنه كان شق فیما رواه فیہ ولم
یتعرض لقدح فیها ولا ذکر معارض لها، وكذلك شیخه
علی بن ابراهیم القمی فإن تفسیره مملوء منه وله غلو فیہ،
قال رضی الله عنه فی تفسیره أنا ما كان من القرآن
خلاف ما أنزل الله فهو قوله تعالى..... ثم ذکر من
تفسیر القمی بعض أمثلة أنواع التحریف..... إلى أن
قال: ووافق القمی والکلینی جماعة من أصحابنا المفسرین،
كالعیاشی، والنعمانی، وفراد بن ابراهیم، غیرهم وهو
مذهب اکثر محققین محدثی المتأخرین، وقول الشیخ الأجل
أحمد بن أبی طالب الطبرسی كما ینادی به کتابه
الاحتجاج وقد نصره شیخنا العلامة باقر علوم أهل البیت
وخادم أخبارهم فی کتابه بحار الأنوار، وبسط الکلام فیہ

بما لا مزید علیہ وعندی فی وضوح صحة هذا القول بعد
تتبع الأخبار وتفحص الآثار بحیث یمکن الحكم بكونه من
ضروریات مذهب التشیع وأنه من أكثر مفسد غصب
الخلافه

(مقدمہ تفسیر البرہان مقدمہ جلد الفصل الرابع ص ۳۷)

ترجمہ: ”چوتھی فصل اس مسئلہ میں کہ قرآن میں کوئی تبدیلی ہوئی یا
نہیں؟ ہمارے علامہ شیعہ کے اقوال کا خلاصہ اور منکرین تحریف کے
استدلال کی تردید۔“

”جانتا چاہئے کہ فقہ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے کلام سے جو کچھ
ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ قرآن میں تحریف و نقصان کا عقیدہ رکھتے
تھے۔ اس لئے انہوں نے اس مضمون کی بہت سی روایات کتاب
”الکافی“ میں روایت کی ہیں۔ جبکہ اس کتاب کے شروع میں انہوں نے
تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں جو روایتیں ذکر کی ہیں، ان پر
وثوق رکھتے ہیں۔ اور موصوف نے نہ تو ان روایات کو ذکر کر کے ان پر
کوئی جرح کی ہے اور نہ اس کے معارض کوئی روایت ذکر کی ہے۔ اسی طرح
ان کے شیخ علی بن ابراہیم القمی بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی
تفسیر اس سے بھری پڑی ہے۔ اور ان کو اس عقیدہ میں غلو ہے۔ چنانچہ وہ
اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جو آیتیں ”ما نزل الله“ کے خلاف ہیں، پس وہ یہ ہیں.....“
(یہاں تفسیر قمی سے انواع و اقسام کی تحریف کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد
لکھتے ہیں)

”اور قمی اور کلینی کی موافقت کی ہے ہمارے شیخ مہرکن کی ایک جماعت نے صیغہ
عیاشی، نعمانی، فرات بن ابراہیم وغیرہم۔ اور یہی مذہب ہے اکثر متاخرین،
محققین، محدثین کا، اور یہی قول ہے شیخ اجل احمد بن ابی طالب طبرسی کا۔
جیسا کہ ان کی کتاب ”الاحتجاج“ اس کا اعلان کر رہی ہے۔ اور اسی کی
تائید کی ہے ہمارے شیخ علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب ”بحار الأنوار“

میں۔ اور اس میں کھل کر کلام کیا ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں۔
اور میرے نزدیک ائمہ کی احادیث کے تتبع و تلاش اور آئمہ کی چھان
بین کے بعد اس قول کا صحیح ہونا یہاں تک واضح ہے کہ یہ کتنا بالکل صحیح ہو گا کہ
عقیدہ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات میں سے ہے اور غصب
خلافت کا سب سے بدترین نتیجہ تحریف قرآن ہے۔

۳-

علامہ نورنی طبری فصل الخطاب میں لکھتے ہیں:

الأول وقوع التغير والنقصان فيه وهو مذهب الشيخ
الجليل على بن إبراهيم القمي شيخ الكليني في تفسيره
صرح بذلك في أوله وملاء كتابه من أخباره مع التزامه
في أوله بأن لا يذكر إلا ما رواه مشائخه وثقاته ومذهب
ثقة الإسلام الكليني رحمه الله على ما نسب إليه جماعة
لنقله الأخبار الكثيرة الصريحة في هذا المعنى في كتابه
الحجة خصوصاً في باب النكت والتنف من التنزيل وفي
الروضة من غير تعرض لردّها أو تأويلها واستظهر المحقق
السيد محسن الكاظمي في شرح الوافية مذهبه من الباب
الذي عقده فيه وسماه باب انه لم يجمع القرآن كله إلا
الأئمة عليهم السلام فان الظاهر من طريقة أنه إنما يعقد
الباب لما يرتضيه قلت وهو كما ذكره فان مذاهب القدماء
تعلم غالباً من عناوين أبوابهم وبه صرح أيضاً العلامة
المجلسي في مرآة العقول.

(فصل الخطاب..... صفحہ ۲۶)

ترجمہ: ”پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر و نقصان ہو گیا، اور یہی مذہب

ہے شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی استاذ کلینی کا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے
شروع میں اس کی تصریح کی ہے اور اپنی تفسیر روایات تحریف سے بھر دی
ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی تفسیر کے شروع میں انہوں نے یہ پابندی ظاہر کی ہے
کہ وہی روایتیں ذکر کروں گا جو میرے اساتذہ اور معتبر لوگوں نے روایت
کی ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ثقہ الاسلام کلینی رحمہ اللہ کا، جیسا کہ ایک
جماعت نے ان کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی
ہمت ہی صریح روایتیں کلنی کی کتاب الحجۃ خصوصاً باب ”النکت
والتنف من التنزیل“ میں اور روضہ میں نقل کی ہیں۔ اور ان روایات کو
نہ رد کیا نہ ان کی کچھ تاویل کی، اور محقق سید محسن کاظمی نے شرح وافیہ میں
کلینی کا مذہب اس باب سے طہیت کیا ہے جو انہوں نے کلنی میں منعقد کیا
ہے اور اس کا نام رکھا ہے ”باب انه لم يجمع القرآن كله الا
الائمة عليهم السلام“ کیونکہ ان کے طریقہ سے ظاہر یہ ہے کہ طاسی مضمون
کے لئے باب قائم کرتے ہیں جو مضمون ان کو پسند ہوتا ہے۔ میں کتابوں
کہ محقق کاظمی کا یہ کہنا ٹھیک ہے۔ متقدمین کا مذہب اکثر ان کے بابوں کے
عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اور کلینی کے مذہب کی تصریح علامہ مجلسی نے بھی
”مرآة العقول“ میں بھی کی ہے۔“

اس کے بعد مصنف فصل الخطاب نے پورے سات صفحات میں ان اکابر
شیعہ کے نام گنائے ہیں جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیعوں کے مشائخ اربعہ، جو تحریف کے منکر ہیں

بانیان مذہب شیعہ کا اصل مقصد قرآن کریم کو مشکوک بنانا تھا۔ چنانچہ جب وہ
بزرگ خود عداوت قرآن کا حق ادا کر چکے، راویان قرآن یعنی حضرات صحابہ کرام رضی
اللہ عنہم پر بھی خوب جرح کر لی اور ان کو۔ نعوذ باللہ۔ مرتد اور منافق قرار دینے میں کوئی
کسر نہیں چھوڑی، اس پر بھی صبر نہ ہوا تو تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں

حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کے نام سے تصنیف کر کے شیعوں میں پھیلا دیں۔ وہ سمجھے تھے لوگ قرآن کریم کی طرف سے شک و شبہ میں پڑ جائیں گے اور اسلام کی بنیاد منہدم ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن یہ ان کی بھول تھی، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس آہنی دیوار سے ٹکرا رہے ہیں اور یہ کہ اس کتب مقدس کی شان ”لاریب فیہ“ ہے، اس سے کھیلنے والوں کے اپنے سرپاش پاش ہو جائیں گے۔ مگر وہ اس آہنی دیوار کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ کتب مٹنے کے لئے نہیں، بلکہ رہتی دنیا تک چمکنے کے لئے آئی ہے، اور اس کے بارے میں پہلے دن سے اعلان کر دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّ لَهُمْ لَكِتَابًا

عَزِيزًا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلًا

(حم سجدہ ۳۱-۳۲)

مِنْ حَكِيمٍ حَنِيدٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے جب آئی ان کے پاس اور وہ

کتب بے ثور۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہیں، آگے سے اور نہ پیچھے سے،

انداز ہی ہوتی ہے حکمتوں والے، سب تعریفوں والے کی۔“

(ترجمہ: شیخ الحداد)

بانیان مذہب شیعہ کی ان تمام مکروہ حرکتوں کے باوجود دنیا نے دیکھ لیا کہ حق تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم سے نہ تو اسلام کا کچھ بگڑا، نہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت مسلمانوں کے سینہ بے کینہ سے نکلی۔ اور نہ قرآن کریم ہی کے بارے میں کسی کے دل میں شک و شبہ کا کوئی کاٹا چھا۔ جب شیعوں کو تحریف قرآن کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے تین چار صدیاں گزر گئیں اور کچھ نہ ہوا، بلکہ الٹا لینے کے دینے پڑ گئے اور شیعوں کو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ”کافر“ قرار دیا جانے لگا تو شیعہ اکابر کو بڑی فکر لاحق ہوئی، مگر تقیہ کا ہتھیار موجود تھا۔ اس لئے چار بزرگوں نے ازراہ تقیہ تحریف قرآن کے عقیدہ سے انکار کر دیا۔ یہ پوری بحث امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالحکیم دہلویؒ کے رسالہ ”تنبیہ الخائنین“ سے نقل کرتا ہوں، جو لاہور کے شیعہ مجتہد جناب سید علی حارثی کے رسالہ ”موعظہ تحریف قرآن“ کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ حضرت لکھتے ہیں:

”حقیقت یہی ہے کہ شیعوں کے تمام محدثین اور بڑے بڑے اکابر مذہب شیعہ کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں، نہ کوئی شیعہ تحریف قرآن کا منکر ہوا نہ ہو سکتا ہے، ان کے مذہب کی بنیاد ہی عداوت قرآن پر ہے۔“

”شیعوں میں گنتی کے صرف چار آدمی ازراہ تقیہ تحریف قرآن کے منکر ہو گئے ہیں۔ ۱۔ شریف مرتضیٰ، ۲۔ شیخ صدوق، ۳۔ ابو جعفر طوسی، ۴۔ شیخ ابو علی طبری مصنف تفسیر مجمع البیان۔ جب علمائے شیعہ کو سنیوں کے مقابلہ میں ضرورت پیش آئی ہے یا اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی ہوس خام پیدا ہوتی ہے تو انہیں چار میں سے کسی نہ کسی کا قول پیش کر دیتے ہیں اور بڑی صفائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اوپر بالکل بے جا الزام ہے۔ ہم تو تحریف قرآن کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ حارثی صاحب نے بھی اپنے رسالہ ”موعظہ تحریف قرآن“ میں یہی کارروائی کی ہے۔ ناواقف شخص بے شک اس کارروائی سے دھوکا کھا جاتا ہے، مگر جو لوگ مذہب شیعہ سے واقف ہیں، ان کے سامنے یہ کارروائی نہیں چل سکتی۔“

”اب بغونہ تعالیٰ ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کی حقیقت و اصلیت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جب بانیان مذہب شیعہ عداوت قرآن کا حق ادا کر چکے اور راویان قرآن یعنی صحابہؓ کو بھی بخیر خیال خود خوب مجروح کر لیا تب بھی صبر نہ آیا اور تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ و امام باقرؓ کے نام سے تصنیف کر کے اپنی کتابوں میں درج کر دیں۔ سمجھے تھے کہ اب دین اسلام مٹ چکا۔ مسلمان قرآن مجید کی طرف سے ضرور شک میں پڑ جائیں گے۔ مگر خدا کی قدرت نہ اسلام مٹا، اور نہ قرآن مجید میں کسی کو شک پیدا ہوا، مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں نے بھی ان روایات تحریف کو گوزشتہ سے بدتر سمجھا اور ان کو بھی قرآن شریف کے محرف ہونے کا وہم نہ پیدا ہوا۔ مثلاً سرہلم میور، جو صوبہ متحدہ کے لیفٹننٹ گورنر تھے، باوجود متعصب عیسائی ہونے کے اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کی انجیلوں کو محرف کہا جاتا ہے تو بھی وہ قرآن کو محرف نہ کہے اور اپنی کتاب ”لائف آف محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھ گئے:

ترجمہ: ”یہ بالکل صحیح اور کامل قرآن ہے اور اس میں ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی۔ ہم ایک بڑی مضبوط بنا پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت خالص اور غیر متغیر صورت میں ہے اور آخر کار ہم اپنی بحث کو دن ہیتم صاحب کے فیصلہ پر ختم کرتے ہیں وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن ہے ہم کامل طور پر اس میں ہر لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سمجھتے ہیں، جیسا کہ مسلمان اس کے ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں۔“

”بلکہ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے نفرت و ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور واقعی اس سے بڑھ کر نمک حرامی کیا ہوگی کہ جس دین کا نام لیتے تھے اسی کی جڑ کاٹنا شروع کی۔ اسلام کو کیا مٹاتے خود ہی اسلام سے خارج ہو گئے۔ خدا کے نور کو جو شخص بجھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو یہی پھل ملتا ہے۔“

چراغے را کہ ایزد بر فروزد

ہر آں کو پف زند ریش بسوزد

”بلاخر شریف مرتضیٰ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرح یہ کلنگ کا ٹیکہ مٹانا چاہئے، لہذا انہوں نے تقیہ کر کے تحریف قرآن کا انکار کر دیا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ایک ایسے کام کا ارادہ کیا جس میں کامیابی محال تھی، وہ اپنے قول کی کوئی دلیل مذہب شیعہ کے اصول کے مطابق نہ پیش کر سکے، نہ اپنی تائید میں کوئی روایت ائمہ معصومین کی لاسکے، نہ روایات تحریف کا کوئی جواب دے سکے، بلکہ انکار کی دھن میں وہ باتیں لکھ گئے جو ان کے مذہب کے لئے سم قاتل تھیں، اور وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ قرآن پر ایمان کا دعویٰ بغیر مذہب شیعہ کی بیخ کنی کے ممکن ہی نہ تھا۔“

”طاش و تنیق سے معلوم ہوا کہ کتنی کے چلہ شخص اکابر قدامت شیعہ میں ہیں جنہوں نے ازراہ تقیہ قرآن شریف کی تحریف کا انکار کیا اور ہر قسم کی تحریف سے اس کو پاک بتلایا۔ اول شریف مرتضیٰ، دوم شیخ صدوق، سوم ابو جعفر طوسی، چہدم شیخ ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ ان چلہ کے سوا قدامت شیعہ میں کسی نے ازراہ تقیہ بھی تحریف قرآن کا انکار نہیں کیا۔“

فصل الخطاب صفحہ ۳۲ میں ہے:

الثانی عدم وقوع التفریر والنقصان فیہ وجميع ما نزل علی رسول الله صلی الله علیہ وآلہ ہو الموجود فی أیدی الناس فیما بین الدفتین والیہ ذهب الصدوق فی عقائدہ والسید المرتضیٰ وشيخ الطائفة فی التبیان ولم یعرف من القدماء موافق لهم۔

ترجمہ: ”دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن میں تحریف اور کمی نہیں ہوئی اور یہ کہ جس قدر قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، وہ لوگوں کے ہاتھوں میں اور دفتیوں کے بیچ میں موجود ہے اور اسی طرف گئے ہیں صدوق اپنی کتب عقائد میں، اور سید مرتضیٰ اور شیخ الطائفة (ابو جعفر طوسی) تبیان میں۔ اور حقیقت میں کوئی ان کا موافق معلوم نہیں ہوا۔“

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۳۴ میں ہے:

والی طبقہ (ای المرتضیٰ) لم یعرف الخلاف صریحاً الا من هذه المشائخ الاربعة

ترجمہ: ”شریف مرتضیٰ کے طبقہ تک مسئلہ تحریف قرآن کی صراحتاً مخالفت سوا ان چلہ بزرگواروں کے اور کسی سے معلوم نہیں ہوئی۔“

”یہ چاروں اشخاص اول تو ازراہ تقیہ تحریف کا انکار کر رہے ہیں، ان کے انکار کے ازراہ تقیہ ہونے کی روشن دلیل تین ہیں۔“

”اول: یہ کہ وہ اپنی سند میں کوئی حدیث امام معصوم کی نہیں پیش کرتے، نہ پیش کر سکتے تھے۔ اور نہ ان زائد از دو ہزار احادیث ائمہ کا جواب دیتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ انکار ان کا اصلی عقیدہ نہ تھا۔“

”دوم: یہ کہ وہ قدامتین تحریف کو کافر کیا معنی گمراہ بھی نہیں کہتے۔ اگر واقعی ان چاروں کا اصلی عقیدہ یہی ہوتا جو وہ زبان سے کہہ رہے ہیں تو قرآن پر ایمان رکھنا ضروریات دین میں سمجھتے، اور قائل تحریف کو ہمدی طرح کافر بلکہ اکفر جانتے۔“

”سوم: یہ کہ یہ چاروں صاحبین قرآن شریف کے محفوظ ہونے کو صحابہ کرام کی

مساعی جمیلہ اور ان کی حمیت دینی اور قوت ایمانی سے ثابت کرتے ہیں۔ بھلا اگر انہوں نے تفسیر نہ کیا ہوتا تو صحابہ کرامؓ کے ان اوصاف کا اقرار کرتے؟ کیا اگر کوئی مرزائی کہے کہ میں مرزا غلام احمد کو نہ نبی مانتا ہوں نہ مجدد تو اس کا یہ قول صحیح سمجھا جاسکتا ہے؟ یا کوئی خدیجی کہے کہ میں حضرت علیؓ سے حسن ظن و محبت رکھتا ہوں تو اس کی بات قابل اعتبار ہو سکتی ہے؟

”بہر کیف خواہ ان چار اشخاص کا انکار ازراہ تفسیر ہو یا نہ ہو مگر جبکہ زائد از دو ہزار احادیث ائمہ معصومین کی ان کے قول کے خلاف ہیں اور ان کے موافق ایک ٹوٹی پھوٹی روایت بھی نہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ اگر ان کی دلیل مان لی جائے تو مذہب شیعہ فنا ہوا جاتا ہے، لہذا ان کا یہ انکار ہرگز ہرگز از روئے مذہب شیعہ قابل اعتدائیں ہو سکتا ہے، اس کی بنا پر شیعوں کو منکر تحریف کہنا کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اب ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کے دلائل سننے اور انصاف کیجئے۔“

”تفسیر مجمع البیان کے فن خامس میں ہے :

ومن ذلك الكلام في زيادة القرآن ونقصانه فانه لا يليق بالتفسير، فاما الزيادة فمجمع على بطلانه، واما النقصان فقد روى فيه جماعة من أصحابنا وقوم من حشوية العامة ان في القرآن تنبيها ونقصانا والصحيح من مذهب أصحابنا خلافه وهو الذي نصره المرتضى رحمه الله واستوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء في جواب المسائل الطرابلسيات وذكر في مواضع ان العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان والحوادث الكبار والوقائع العظام والكتب المشهورة وأشعار العرب المسطورة، فان العناية اشددت والدواعي توفرت على نقله وحراسته، وبلغت حدا لم تبلغه فيما ذكرناه لأن القرآن معجزة النبوة ومأخذ العلوم الشرعية

والأحكام الدينية، وعلماء المسلمين قد بلغوا في حفظه وحمايته الغاية حتى عرفوا كل شئ اختلف فيه من اعرابه وقراءته وحروفه، فكيف يجوز أن يكون مغيرا ومنقوصا مع العناية الصادقة والضبط الشديد، وقال أيضا قدس الله روحه أن العلم بتفصيل القرآن وأبعاضه في صحة نقله كالعلم بجملته، وجرى ذلك مجرى ما علم ضرورة من الكتب المصنفة ككتاب سيبويه والمزني، فان أهل العناية بهذا الشأن يعلمون من تفصيلها ما يعلمون من جملتها حتى لو ان مدخلا ادخل في كتاب سيبويه بابا في النحو ليس من الكتاب يعرف ويميز علم انه ملحق وليس من أصل الكتاب وكذلك القول في كتاب المزني، ومعلوم ان العناية بنقل القرآن وضبطه اصدق من العناية بضبط كتاب سيبويه ودواوين الشعراء، وذكر أيضا رضي الله عنه أن القرآن كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله مجموعا مولفا على ما هو عليه الآن واستدل على ذلك بان القرآن كان يدرس ويحفظ جميعه في ذلك الزمان حتى عين على جماعة من الصحابة في حفظهم له وانه كان يعرض على النبي صلى الله عليه وآله ويتلى عليه وان من الصحابة مثل عبدالله بن مسعود وأبي بن كعب وغيرهما ختموا القرآن على النبي صلى الله عليه وآله عدة ختمات وكل ذلك يدل ادنى تأمل على انه كان مجموعا مرتبا غير مبتور ولا مبثوث، وذكر ان من خالف في ذلك من

الإمامية والحشوية لا يمتد بخلافهم فان الخلاف في ذلك مضاف إلى قوم من أصحاب الحديث نقلوا اخباراً ضعيفة ظنوا صحتها لا يرجع بمثلها عن المعلوم المقطوع على صحته. انتہی (ص ۱۵ ج ۱)

ترجمہ: ”اور منجملہ اس کے قرآن میں زیادتی اور کمی کی بحث ہے، مگر یہ بحث تفسیر کی کتابوں میں ذکر کرنے کے لائق نہیں، کیونکہ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر توبہ کا اجماع ہے۔ رہ گئی کی تو اس کے متعلق ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اور حشویہ علم کی ایک قوم نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن میں کچھ تغیر و تبدل اور کچھ کمی ہو گئی ہے مگر ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے۔ اور اسی کی تائید شریف مرتضیٰ نے کی ہے، اور انہوں نے مسائل طرابلسیہ کے جواب میں اس کے متعلق پوری بحث کی ہے، اور انہوں نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے کہ قرآن کے صحت کے ساتھ منقول ہونے کا علم ایسا قطعی ہے جیسا مشرعوں کے وجود اور بڑے بڑے حادثوں اور واقعات اور مشہور کتابوں اور عرب کے لکھے ہوئے اشعار کا علم، کیونکہ قرآن کے نقل و حفاظت کے اسباب بہت تھے۔ اور اس کثرت کے ساتھ تھے کہ مذکورہ بالا چیزوں میں نہ تھے، کیونکہ قرآن معجزہ نبوت ہے اور علوم شرعیہ و احکام دینیہ کا ماخذ ہے۔ اور علمائے مسلمین قرآن کی حفاظت میں انتہائی پہنچ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کے جس جس مقام میں اعراب اور قرأت اور حروف کا اختلاف ہے سب انہوں نے معلوم کر لیا ہے، پس باوجود ایسی جچی توجہ اور سخت توجہ کے کیونکر ممکن ہے کہ قرآن میں تغیر و تبدل اور کمی ہو جائے۔ نیز شریف مرتضیٰ نے کہا ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت اور اس کے ٹکڑوں کے صحیح النقل ہونے کا علم بھی ویسا ہی قطعی ہے جیسا کہ اس کے مجموعہ کے صحیح النقل ہونے کا۔

”اور یہ علم اس درجہ میں ہے جس درجہ میں کتب معتقدہ کا علم جیسے سیبویہ اور مزنی کی کتاب کہ اس فن کے لوگ اس کے ہر ہر جملہ کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اس کے مجموعہ کو، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کتب

سیبویہ میں ایک باب نحو کا بڑھا دے جو اصل کتاب میں نہ ہو تو یقیناً پہچان لیا جائے گا اور امتیاز کر لیا جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ وہ الخلق ہے، اصل کتاب کا نہیں ہے، یہی حل کتاب مزنی کا بھی ہے، اور سب کو معلوم ہے کہ نقل و حفاظت قرآن کی توجہ بہ نسبت کتاب سیبویہ کے اور شعراء کے دیوانوں کے بہت کامل تھی۔

”نیز شریف مرتضیٰ نے لکھا ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں مجموع و مرتب تھا، جیسا کہ وہ اب ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن اس زمانہ میں پورا پڑھایا جاتا تھا اور حفظ کرایا جاتا تھا یہاں تک کہ صحابہ کی ایک جماعت حفظ قرآن میں نامزد کی گئی ہے اور قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور آپ کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ اور یقیناً صحابہ میں مثل عبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب کے بہتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کو کئی کئی قسم قرآن کے سنائے تھے اور یہ سب باتیں ایک ٹھوسے غور کے ساتھ بتا رہی ہیں کہ بے شک قرآن مجموع و مرتب تھا، ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ نہ تھا۔ اور شریف مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ امامیہ اور حشویہ میں اس کے خلاف ہیں ان کا خلاف لائق اعتبار نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں ایک جماعت محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے چند ضعیف روایتیں نقل کر کے ان کو صحیح سمجھ لیا حالانکہ ایسی روایتوں کی بنا پر قطعی چیز نہیں چھوڑی جاسکتی۔“

”تفسیر مجمع البیان کی اسی عبارت کو جناب حاضری صاحب نے درمیان سے قطع و برید کر کے نقل کیا ہے اور ناواقفوں کو فریب دیا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں۔

”یہ لطیفہ بھی قابل تماشائے کہ جناب حاضری صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ ”شیعہ مسلمان قطعاً تحریف قرآن کے قائل نہیں“ دیکھو رسالہ ”موعظہ تحریف صفحہ ۵۶“ مگر آگے چل کر صفحہ ۵۹ میں آپ اقرار کرتے ہیں کہ اکثر اخباری شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں اور اخباری کے معنی آپ اہلحدیث غیر مقلد بیان کرتے ہیں۔ پھر انہیں قائلین تحریف میں اپنے شیخ الاسلام کلینی اور ان کے استاد قمی اور طبرسی مصنف احتجاج کو بھی شمار

کرتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا تناقض نہیں تو کیا ہے؟ کوئی ان سے پوچھے کہ یہ بزرگوار جن کو آپ خود قائل تحریف مان رہے ہیں، شیعہ تھے کہ نہیں؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو آپ کا یہ کہنا کہ شیعہ قطعاً قائل تحریف نہیں، خود آپ کے قول سے غلط ہو گیا۔ ایسی تناقض اور بے علمی کی باتیں اس رسالہ میں بہت ہیں۔

”مجمع البیان کے علاوہ تین کتابوں کی عبارتیں حاضری صاحب نے اور نقل کی ہیں ان عبارتوں میں بھی انہیں منکرین تحریف کا قول ہے لیکن مجمع البیان میں پورے بسط و تفصیل کے ساتھ مع دلائل ہے اور ان میں دلیل نہیں ہے۔ لہذا ہم اپنی عبارت مجمع البیان پر اتنا کر کے شریف مرتضیٰ کے دلائل کا حلال اور ان کا نتیجہ حوالہ قلم کرتے ہیں۔

۱۔ شریف مرتضیٰ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر اپنے فرقہ کا اجماع بتا رہے ہیں یہ ایسا صریح جھوٹ ہے کہ سواشیعوں کے کسی مذہب کا عالم ایسے دروغ بے فروغ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کا جھوٹ ہونا روایات احتجاج وغیرہ کے علاوہ، جو لوہے پر منقول ہوئیں، خود حاضری صاحب کی نقل کردہ عبارت قوانین الاصول سے ظاہر ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

فمن أكثر الأخباريين انه وقع فيه التحريف

والزيادة والنقصان وهو الظاهر من الكليني وشيخه علي بن

إبراهيم القمي والشيخ أحمد بن أبي طالب الطبرسي

صاحب الإحتجاج۔

ترجمہ: ”اکثر محدثین سے منقول ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی۔ بیشی بھی

ہوئی اور کمی بھی۔ اور یہی ظاہر ہے کلینی اور اس کے استاد علی بن ابراہیم قمی

سے اور شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی مصنف احتجاج سے۔“

”پس جب اکثر محدثین اور اتنے بڑے بڑے اکابر شیعہ کو قرآن میں کمی بیشی کئے جانے کا قائل آپ خود مان رہے ہیں تو شریف مرتضیٰ کا یہ کہنا کہ قرآن میں بیشی نہ ہونے پر سب شیعوں کا اجماع ہے، جھوٹ ہوا کہ نہیں؟

۲۔ شریف مرتضیٰ قرآن میں کمی کی روایتوں کا وجود اپنے یہاں مان کر کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے، یہ بھی غلط ہے۔ صحیح ہونے کا کیا مطلب؟ صحیح تو وہی قول

ہو سکتا ہے جس کی تائید معصوم کی حدیث سے ہوتی ہو، نہ کہ وہ قول جو زائد از دو ہزار احادیث معصوم کے خلاف ہو۔

۳۔ شریف مرتضیٰ اپنی روایات تحریف کو لکھتے ہیں کہ ضعیف ہیں۔ محدثین نے ان کو صحیح خیال کر کے ان کے موافق عقیدہ بنا لیا۔ یہ قول بھی کس قدر پُر فریب ہے، ان

روایتوں کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ بیان کرنی چاہئے تھی، باقاعدہ راویوں پر جرح کرتے یا اور کوئی نقص سند میں بتاتے، بغیر اس کے کسی روایت کو ضعیف کہہ دینا کسی کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوتا۔ اچھا بالفرض یہ روایتیں جو دو ہزار سے زائد ہیں سب ضعیف ہیں تو شریف مرتضیٰ کوئی صحیح روایت ایسی پیش کر دیتے کہ فلاں امام معصوم نے فرمایا ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ صحیح نہ سہی، کوئی ضعیف ہی روایت اس مضمون کی اپنی کتابوں میں دکھلا دیتے۔ مگر یہ بات ان کے امکان میں نہ تھی۔

۴۔ شریف مرتضیٰ کہتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت کے اسباب بہت تھے۔ قرآن مجید نبوت اور ماخذ دین تھا۔ صحابہؓ بڑے محافظ دین تھے۔ قرآن کی حفاظت میں بے انتہا اور

بے مثل کوشش کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ مثل عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے پورے قرآن کے حافظ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو کئی کئی بار ختم سنا چکے تھے اور آپؐ کے زمانے میں لوگوں کو درس قرآن دیتے تھے۔ صحابہؓ کے اس بے مثل اہتمام اور کوشش کے سامنے قرآن میں تحریف ہو جانا محال ہے۔

”حضرات شیعہ خصوصاً حاضری صاحب ایمان سے ارشاد فرمائیں کہ کیا واقعی شیعوں کا عقیدہ صحابہ کرامؓ کے متعلق یہی ہے جو شریف مرتضیٰ نے بیان کیا؟ آیا مذہب شیعہ صحابہ کرامؓ کو ایسا ہی دیندار اور دین کا محافظ، قرآن کا نگہبان مانتا ہے؟

”یقیناً شریف مرتضیٰ کی یہ تقریر مذہب شیعہ کے بالکل خلاف ہے۔ شیعہ مذہب تو صحابہ کرامؓ کو (معاذ اللہ) دشمن دین مانتا ہے اور کہتا ہے کہ پورے قرآن کا حافظ سوا ائمہ کے نہ کوئی تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ہرگز قرآن کے نگہبان نہ تھے، اور کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن کے بحرف ہو جانے کے اسباب زیادہ تھے، نہ محفوظ رہنے کے، کیونکہ تمام صحابہؓ دشمن دین تھے اور

صاحب قوت و شوکت تھے۔ مومن صرف چل یا پانچ تھے اور وہ ہر طرح سے عاجز اور کمزور بے دست و پا تھے۔

شریف مرتضیٰ کی یہ تقریر بالکل مذہب اہلسنت کے مطابق ہے۔ صحابہ کرامؓ کے یہ فضائل اہلسنت کا عقیدہ ہیں نہ کہ شیعہوں کا۔ اسی وجہ سے خود علمائے شیعہ نے بھی شریف موصوف کے قول کو رد کیا ہے۔ حجازی صاحب کو لازم تھا کہ اس رد کو بھی نقل کرتے اور اس کا جواب دیتے مگر یہ ایمانداری ان کی وضع کے خلاف تھی۔ خیر اب میں اس کو لکھتا ہوں، حجازی صاحب غور فرما کر ملاحظہ کریں۔

علامہ محمد بن محسن کاشی تفسیر صافی میں شریف موصوف کے قول کو اس طرح رد کرتے ہیں:

أقول لقاتل ان يقول كما أن الدواعي كانت

متوفرة على نقل القرآن وحراسته من المؤمنين كذلك

كانت متوفرة على تغييره من المنافقين المبدلين للوصية

المغيرين للخلافة لتضمنه ما يضاد رأيهم والتغيير فيه ان

وقع فاما وقع قبل انتشاره في البلدان واستقراره على ما

هو عليه الآن والضبط الشديد إنما كان بعد ذلك فلا تنافي

بينهما بل لقاتل انه ما تغير في نفسه وانما التغيير في

كتابهم اياه وتلفظهم به فانهم ما حرقوا الا عند نسخهم

من الأصل وبقي الأصل على ما هو عليه عند العلماء ليس

بمحرف وانما المحرف ما اظهروه لأتباعهم وانما كان ينزل بجموماً

في عهد النبي صلى الله عليه وآله على ما هو عليه الآن

فلم يثبت وكيف كان مجموعاً وانما كان ينزل بجموماً

وكان لا يتم إلا بتمام عمره صلى الله عليه وآله وأما درسه

ونختمه فانما كانوا يدرسون ويختمون ما كان عندهم

لاتمامه.

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی حفاظت کے اسباب ایمان والوں کی طرف سے زیادہ تھے اسی طرح منافقوں کی طرف سے۔ جنہوں نے وصیت رسول خدا کو بدل دیا غایت کو متغیر کر دیا۔ قرآن کے محرف ہو جانے کے اسباب زیادہ تھے، کیونکہ قرآن ان کی رائے کے خلاف تھا، اور قرآن میں اگر تحریف ہوئی ہے تو قبل اس کے کہ وہ شہروں میں پھیلے اور حالت موجودہ پر قرار پکڑے، اور یہ سخت حفاظت بعد اس کے ہوئی ہے، پس اس سخت حفاظت اور تحریف قرآن میں کچھ منافات نہیں، بلکہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اصل قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ تحریف صرف ان کے لکھنے اور تلفظ میں ہوئی، کیونکہ انہوں نے اصل سے نقل کرتے وقت تحریف کی اور اصل قرآن اپنی حالت پر اپنے اہل یعنی علمائے قرآن (ائمہ اہل بیت) کے پاس موجود ہے، پس جو قرآن ائمہ کے پاس ہے وہ محرف نہیں ہے، محرف تو وہ ہے جس کو جامعین قرآن نے اپنے پیروؤں کے لئے ظاہر کیا۔ باقی رہا یہ کہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے وقت میں جمع ہو چکا تھا جیسا کہ اب ہے، یہ بات ثابت نہیں۔ اور اس زمانہ میں کیسے جمع ہو سکتا تھا کیونکہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور اس کا اتمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی عمر کے اتمام پر موقوف تھا۔ رہا قرآن کا درس اور ختم تو جس قدر ان کے پاس تھا اسی کا درس ختم کرتے تھے نہ پورے کا۔“

لیجئے شریف مرتضیٰ کا قول رد ہو گیا جو دلائل انہوں نے پیش کئے تھے، وہ مذہب شیعہ کی رو سے بالکل غلط ثابت ہو گئے۔

علامہ خلیل قزوینی نے بھی صافی شرح کافی میں شریف مرتضیٰ کے اس قول کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

وعمی ایک قرآن ہمیں است کہ در (مصاحف مشہورہ است خلی از اشکال نیست و استدلال نہیں اہتمام اصحاب و اہل اسلام بضبط قرآن بغایت رکبیک است بعد اطلاق بر عمل ابی بکر و عمرو عثمان۔

ترجمہ: ”اس بات کا دعویٰ کرنا کہ قرآن یہی ہے جو مصاحف مشہورہ میں ہے، مشکل ہے اور اس پر صحابہ اور اہل اسلام کے اہتمام سے جو انہوں نے حفاظت قرآن میں کیا، استدلال کرنا نہایت کمزور ہے۔ بعد اس امر کے

معلوم کر لینے کے کہ ابو بکرؓ، وعمرؓ و عثمانؓ نے کیا کیا کام کئے۔

اور علامہ نوری طبرسی نے فصل الخطاب میں
..... مست بسط کے ساتھ مکررین تحریف کے قول کو رد کیا ہے
اور ان کے دلائل کو توڑا ہے۔ خاص کر شیخ صدوق کی توہمت سی چوریاں پکڑی ہیں اور آخر
میں صاف لکھ دیا ہے کہ تحریف کے انکار میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ مذہب شیعہ
کے لئے سم قاتل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قلت إنه لشدة حرصه على إثبات مذهبه يتعلق بكل

ما يحتمل فيه تأييد لمذهبه ولا يلتفت إلى لوازمه الفاسدة

التي لا يمكنه الإلتزام به فان ما ذكره من الشبهة هي

الشبهة التي ذكرها المخالفون بعينها وأوردوا على أصحابنا

المدعين لثبوت النص الجلي على امامة مولينا على عليه

السلام وأجابوا عنها بما لا يبقى معه ريب وقد أحيوها بعد

طول المدة غفلة او تناسيا عما هو مذكور في كتب

الإمامية

(فصل الخطاب صفحہ ۳۵۷)

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ صدوق اپنے مذہب کے ثابت کرنے کا تاخت

حریم ہے کہ جس بات میں ذرا سامی احتمال اپنے مذہب کی تائید کا پاتا ہے

اس کو لے لیتا ہے اور اس کے تنگ فاسدہ کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ ان نتائج

کو تسلیم کرنا اس کے امکان میں نہیں، جو اعتراض اس نے تحریف قرآن پر کیا

ہے بعینہ یہ وہی اعتراض ہے جو مخالفین ہمارے اصحاب پر حضرت علی کی

امامت پر نص جلی موجود ہونے کے متعلق کیا کرتے ہیں، اور ہمارے اصحاب

نے ان کے اعتراض کا جواب ایسے عمدہ دلائل سے دیا ہے کہ پھر کوئی شبہ باقی

نہیں رہتا۔ مگر صدوق وغیرہ نے ایک زمانہ دراز کے بعد پھر اس اعتراض کو

زندہ کر دیا اور جو کچھ کتب امامیہ میں لکھا ہے اس سے غفلت یا فراموشی اختیار

کی۔“

”واقعی علامہ نوری نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اگر مکررین تحریف کی دلیل صحیح ہو اور
صحابہ ایسے کامل، ایماندار اور محافظ دین مان لئے جائیں کہ ان کی دینداری اور حفاظت دین
کے بھروسہ پر قرآن میں تحریف کا ہونا محال ہو تو پھر خلافت کے معاملہ میں بھی ماننا پڑے
گا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا ہو تو ناممکن تھا کہ ایسے
دیندار اور دین کے جانثار حکم رسولؐ کے خلاف کسی دوسرے کو خلیفہ بناتے۔ علیؓ ہذا
ذکر ”اگر حضرت فاطمہؓ کا حق ہوتا تو کبھی یہ دیندار جماعت رسولؐ کی بیٹی کی حق تلفی
نہ کرتی۔ غرض صحابہؓ کے تمام مظالم کے افسانے بے بنیاد ہو جائیں گے۔

”خلاصہ یہ ہوا کہ سنی ہو جاؤ، سنیوں کی طرح صحابہ کرامؓ کی دینداری اور تقدس کا
عقیدہ رکھو اور شیعوں کی تمام روایات کو زور و بستن سمجھو تو قرآن پر ایمان ہو سکتا ہے
ورنہ نہیں۔

مومن قرآن شدن با رفض دوز

اين خيل است و محال است و جنون

”الحمد للہ کہ یہ بحث پوری ہو چکی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ اصلی مذہب شیعوں
کا یہی ہے کہ قرآن شریف محرف ہے۔ کی، بیشی، تغیر و تبدل الفاظ و حروف کا اور
آیات و سور بلکہ کلمات کی ترتیب کا خراب ہونا، غرض ہر قسم کی تحریف اس میں ہے، جو
شیعہ تحریف کا انکار کرتا ہے وہ تقیہ کر رہا ہے۔ حاکمی صاحب اگر شیعوں کی پیشانی سے
اس داغ کو مٹانا چاہتے ہیں تو ہماری اس تحریر کا جواب لکھیں اور اپنا وعدہ پورا کریں اور
جواب میں ان کو تین کام کرنا ضروری ہیں۔

”اول: یہ کہ زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی جو ان کی کتابوں میں
ہیں، جن کو محدثین شیعہ مستحضر و مستفیض کہتے ہیں، ان کے غیر معتبر ہونے کی کوئی ایسی
معقول وجہ بیان کریں جو ان کے اصول حدیث کے مطابق ہو اور ان روایات کے غیر معتبر
ہونے سے کوئی اثر ان کے فن حدیث پر خصوصاً روایات امامت پر نہ پڑنے پائے۔

”دوم: یہ کہ اپنی کتابوں سے کچھ معتبر حدیثیں ائمہ معصومین کی پیش کریں جن
میں اس مضمون کی تصریح ہو کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ اگر کوئی صحیح روایت نہ

دستیاب ہو تو کوئی ضعیف ہی روایت دکھلا دیں۔

”سوم: ایک فتویٰ تیار کریں کہ جو شخص تحریف قرآن کا قائل ہو وہ کافر ہے اور قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ان علماء و اکابر شیعہ کو، جو تحریف قرآن کے قائل تھے، جن میں اصحاب ائمہ و سرفرائے امام غائب بھی ہیں، کافرانہ سہی گمراہ تو لکھ دیں۔ اور اس فتویٰ پر اپنی مہر کر کے شائع کر دیں، اور اچھا ہو کہ دوسرے مجتہدین شیعہ مقیم مکہ وغیرہ سے بھی اس فتویٰ پر تصدیقی مہریں کرا دیں۔“

”دو: بغیر ان تین کاموں کے کئے، صرف یہ کہہ دینا کہ ہم تحریف کے قائل نہیں ہیں، کسی طرح لائق سماعت نہیں ہو سکتا بلکہ بدیہیات کا انکار کرنا اور بے حیائی کی دلیل ہو گا۔“ (تنبیہ المیزان صفحہ ۳۰ تا صفحہ ۵۱)

ان شیعہ اکابر کا انکار تحریف محض تقیہ پر مبنی ہے

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اکابر شیعہ میں سے جن چار بزرگوں (یعنی شیخ صدوق، شریف مرتضیٰ، شیخ الطائف طوسی اور ابو علی طبری صاحب مجمع البیان) نے تحریف کا انکار کیا وہ محض ازراہ تقیہ تھا۔ خود علمائے شیعہ نے بھی ان کے تقیہ کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ سید نعمت اللہ جزائری ”انوار نعمانیہ“ میں لکھتے ہیں:

والظاهر أن هذا القول إنما صدر منهم لأجل مصالح

كثيرة.... كيف وهؤلاء الأعلام رويوا في مؤلفاتهم

أخباراً كثيرة تشتمل على وقوع تلك الأمور في القرآن

وإنما الآية هكذا أنزلت ثم غيبت إلى هذا.

(انوار نعمانیہ..... صفحہ ۳۵، طبع جدید ۱۳۸۹ھ تبریز)

ترجمہ: ”ظاہر یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ انکار محض چند مصلحتوں پر مبنی ہے..... یہ حضرات قرآن کریم کے غیر محرف ہونے کا عقیدہ کیسے رکھ سکتے ہیں، جبکہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں جو بتاتی ہیں کہ قرآن میں یہ یہ تحریفات ہوئی ہیں اور فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی، پھر اس کو یوں بدل دیا گیا۔“

محدث نعمت اللہ جزائری نے جو بات کہی ہے نہایت معقول ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی ایک روایت کو غلط بھی سمجھے اور پھر اس کو استدلال میں پیش کر کے اس پر اپنے عقائد کا محل بھی تعمیر کرے۔

”تحفہ اثنا عشریہ“ میں حضرت شہ صاحبؒ نے امام حسن عسکری کی ایک روایت صدوق کے حوالے سے نقل کی ہے، جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

أعوذ بالله من قوم حذفوا محكمات الكتاب ونسوا

رب الأرباب.

ترجمہ: ”اللہ کی پناہ ان لوگوں سے جنہوں نے کتاب اللہ کے محکمات کو حذف کر دیا اور رب الارباب کو بھول گئے۔“ (یہ روایت اس سے قبل صفحہ ۱۵۵ پر ”ساتویں غلو“ کے ذیل میں باحوالہ نقل کر چکا ہوں)۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ترجمہ: ”شیخ صدوق سے تعجب ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”الاعتقادات“ میں ایمان مغفلہ ذکر کی ہیں اور سخت قسمیں کھائی ہیں کہ اہلسنت ہم پر افتراء کرتے ہیں، ہم ہرگز کتاب اللہ کی تحریف کے اور اس میں سے سورتوں اور آیتوں کے اڑا دیئے جانے کے قائل نہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے یہ جھوٹی روایت، جس کے شروع میں یہی تحریف قرآن کا مضمون ہے، اپنی کتاب میں نقل کر دی۔ یہاں بھی ان حضرات کی طرف سے وہی طے شدہ عذر پیش کرنا چاہئے کہ۔“

”دروغ گو را حفظ نمی باشد“

(تحفہ اثنا عشریہ..... صفحہ ۱۶۲)

علامہ نوری ان بزرگوں کے تقیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: قد عدو فی الشافی والشیخ فی تلخیصہ من مطاعن عثمان ومن عظیم ما أقدم علیہ جمع الناس علی قراءتہ وزید وإحراقہ المصاحف وإبطالہ ما مثک إنه من القرآن، ولو لا جواز کون بعض ما أبطله أو جمیعہ من

القرآن لما کان ذلک طعننا..... (فتاویٰ الخوانساری صفحہ ۳۳)

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ شریف مرتضیٰ نے "شافی" میں اور شیخ الطائف طوسی نے اس کی تلخیص میں حضرت عثمان کے مطاعن اور ان کے عظیم ترین اقدام کو ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "حضرت عثمان نے لوگوں کو اپنی اور حضرت زید کی قرأت پر جمع کر دیا، دیگر مصاحف کو جلا ڈالا۔ اور جن الفاظ کے قرآن ہونے میں شک تھا، ان کو ختم کر دیا۔" اب حضرت عثمان نے جن چیزوں کو تلف کر دیا اگر وہ سب یا ان کا کچھ حصہ قرآن نہیں تھا، تو حضرت عثمان پر کیا طعن ہوا؟

مطلب علامہ نوری کا یہ ہے کہ شریف مرتضیٰ اور شیخ الطائف (اسی طرح دیگر شیعہ اکابر بھی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ دوا کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے امت کو "مصحف امام" پر جمع کر دیا اور دیگر مصاحف کو تلف کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ ان مصاحف میں، جن کو تلف کیا گیا، "مصحف امام" کے علاوہ بھی کچھ قرآن تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیا طعن ہوا؟ اور ان کو بلاوجہ بدنام کرنے کے کیا معنی؟ اور اگر ان مصاحف میں کچھ زائد قرآن بھی تھا تو حضرت عثمان پر طعن تو بجا رہا مگر اس کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا، خالص جھوٹ اور تقیہ نہیں تو اور کیا ہے؟ جو شخص حضرت عثمان "جامع القرآن" پر طعن کرتا ہے وہ ایمان بالقرآن کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے؟ اور جو شخص ایمان بالقرآن کے دعویٰ میں سچا ہو اس کے لئے حضرت عثمان "پر طعن کی کیا گنجائش ہے؟

وجد و منع بادہ اے زائد چہ کافر نعمتی است
منکر مئے بودن وہم رنگ مستان زیستن

علامہ نوری لکھتے ہیں کہ شیخ الطائف کی کتاب "التبیان" تقیہ و فریب دہی کا شاہکار ہے، جس کا اعتراف ان کے خاندان کے اکابر نے بھی بڑی صفائی سے کیا ہے:

ثم لا يخفى على المتأمل في كتاب التبيان أن
طريقته، فيه على نهاية المداورة والمعاينة مع
المخالفين..... وما يؤيد كون وضع هذا الكتاب على

التقية ما ذكر السيد الجليل علي بن طاووس في "سعد
السعود"، وهذا لفظه: ونحن نذكر ما حكاه جدی أبو
جعفر محمد بن الحسن الطوسي في كتاب التبيان.
وحمله التقية على الإقتصار عليه....

(فصل الخطاب ص ۳۵)

ترجمہ: "پھر کتاب التبیان میں غور کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں کہ
شیخ الطائف کا طریقہ اس کتاب میں مخالفین کے ساتھ انتہائی تقیہ پر مبنی ہے۔
اور اس کتاب کی بنیاد ہی تقیہ پر ہے۔ اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی
ہے جو سید جلیل علی بن طاووس نے "سعد السعود" میں لکھی ہے۔ ان
کے الفاظ یہ ہیں:

"اور ہم ذکر کرتے ہیں اس بات کو جو میرے دوا شیخ الطائف ابو جعفر طوسی
نے اپنی کتاب التبیان میں نقل کی ہے اور شیخ کو تقیہ نے مجبور کیا کہ وہ اسی پر
اکتفا کریں۔"

خلاصہ یہ کہ ان چاروں بزرگواروں نے جو دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کی
تحریف سے محفوظ ہے، یہ ان کا اپنے دین و مذہب کے خلاف تقیہ ہے۔ ورنہ اصول تشیع
پر یہ دعویٰ ناممکن ہے۔ چنانچہ خود علمائے شیعہ کو بھی ان کے قول کے مبنی بر تقیہ ہونے کا
اعتراف ہے۔

پاک و ہند کے شیعہ اکابر کا عقیدہ

جس طرح شیعوں کے مندرجہ بالا چار اکابر نے اپنے عقیدہ کے خلاف تقیہ
کرتے ہوئے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ ہم تحریف قرآن کے قائل نہیں، ان کے بعد
کے شیعہ علماء نے یہ روش مستقل طور پر اپنائی اور آج تک اپنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ
جب موقع ملتا ہے برملا اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں اور جب اہل سنت سے گفتگو کا
موقع آتا ہے تو تقیہ کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنے اصل عقیدہ پر "کتمان" کا پردہ
ڈال کر عقیدہ تحریف سے برأت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ پاک و ہند کی خاص فضا اور ماحول

میں عقیدہ تحریف کا اظہار کچھ آسان نہیں، اس لئے یہاں کے شیعہ حضرات عموماً نقابِ نقیہ میں روپوش رہتے ہیں۔ اس کے باوجود شیعہ علماء کو جب بھی موقع ملتا ہے اپنے دل کا بھید ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس لئے پاک و ہند کے اکابر شیعہ کی بھی چند تصریحات درج کرتا ہوں:

ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی

شیعوں کا یہ ترجمہ ۱۳۲۷ھ میں لکھا گیا تھا اور جب سے اب تک برابر پاک و ہند میں شائع ہو رہا ہے۔ میرے سامنے ”افتخارِ بک ڈپو کرشن نگر لاہور، پاکستان“ کا شائع کردہ چھٹا ایڈیشن ہے۔ اور اس پر بارہ اماموں کی تعداد کے برابر ۱۲ مجتہدین اور اکابر شیعہ کی تقریظات اور دستخط موجود ہیں کہ یہ ترجمہ تفسیر اہل بیت کے بالکل مطابق ہے۔ اور مومنین کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہنا چاہئے۔ وہ علماء و مجتہدین شیعہ درج ذیل ہیں:

- ۱- آیت اللہ، اعلم العصر سید احمد علی مفتی۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۸۸ھ
- ۲- شمس الواعظین سید محمد مجتہد۔ دہلی متوفی ۱۳۹۲ھ
- ۳- مجتہد العصر سید کلب حسین عمدة العلماء۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۸۳ھ
- ۴- سرکارِ شریعت مدارِ مجتہد العصر سید نجم الحسن۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۵- استاذِ اہلِ مجتہد العصر سید ظہور حسین۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۶- بحر العلوم مجتہد العصر سید یوسف حسین امرہوی۔ ہند متوفی ۱۳۵۲ھ
- ۷- قمرالاقلام مجتہد سید سبط نبی نوگاہوی متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۸- فقیہ اہل بیت مجتہد سید محمد باقر۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۶۶ھ
- ۹- آقا سید مجتہد محمد ہادی۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۱۰- صدر المحققین مجتہد اعظم سید ناصر حسین۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۶۱ھ
- ۱۱- قدوة العلماء مجتہد سید آقا حسن۔ لکھنؤ متوفی ۱۳۶۸ھ

۱۲- ناصر الشیعہ مجتہد پنجاب سید علی الحائری۔ لاہور متوفی ۱۳۶۰ھ
اس ترجمہ کے حواشی میں، مندرجہ بالا مجتہدین شیعہ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ، جگہ جگہ تصریحات کی گئی ہیں کہ قرآن کریم میں تحریف کر دی گئی، یہاں بطور نمونہ پانچ تصریحات نقل کرتا ہوں:

۱- سورہ آل عمران کی آیت ۳۳ ”ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراہیم و آل عمران علی العلمین“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:
”تفسیر قی میں وارد ہے کہ یہ آیت اس طرح تھی ”ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراہیم و آل عمران و آل محمد علی العلمین“ تو لوگوں نے اصل کتب سے لفظ آل محمد کو گرا دیا۔ تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لفظ آل محمد اس آیت میں موجود تھا لوگوں نے مٹا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اصل آیت یوں تھی ”ال ابراہیم و آل محمد“ بجائے لفظ محمد کے عمران بنادیا گیا۔“ (تفسیر قی..... صفحہ ۱۰۵)

۲- سورہ یوسف کی آیت نمبر ۴۹ ”ثم یاتی من بعد ذالک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون“ کا ترجمہ کیا ہے کہ:
”پھر اس کے بعد ایک ایسا برس آئے گا جس میں لوگ سیراب ہو جائیں گے اور جس میں وہ نہنویں گے۔“ (سورہ یوسف..... ۴۹)
پھر اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ:
”تفسیر قی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے یہ آیت یوں تلاوت کی:
”ثم یاتی من بعد ذالک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون“
یعنی یعصرون کو معروف پڑھا جیسا کہ آپ موجودہ قرآن شریف میں دیکھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: ”وایں ہو تجھ پر وہ کیا نہنویں گے؟ آیا خبر نہنویں گے؟ اس شخص نے عرض کی یا امیر المومنین، پھر میں اسے کیونکر

پڑھوں؟ فرمایا: خدا نے تو یوں نازل فرمایا ہے: ”ثم ياتق
من بعد ذالك عام فيه بغات الناس وفيه يعصرون“ یعنی ”مَعصِرُونَ“
کو بھول بتلایا، جس کے معنی میں یہ فرمایا کہ ان کو بادلوں سے پانی بکثرت دیا
جائے گا اور دلیل اس امر پر خدا کا یہ قول لائے ”وانزلنا من المعصرات
ماءً نرجا“ (اور ہم لوگوں نے بدلوں سے موسلا دھل پانی اتارا۔)
آگے مترجم اور محشی مقبول احمد دہلوی ”قول مترجم“ کا عنوان قائم کر کے
لکھتا ہے:

”معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں اعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور
خلفاء کی خاطر مَعصِرُونَ کو مَعصِرُونَ سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کیا گیا
ہے۔ یا بھول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لئے ان کے کرۂ قوت کی
محرفت آسان کر دی۔ ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تقریر لوگ
کرویں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ
کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن
مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور
ان ہی کے وقت میں وہ حسب تزلزل خدائے تعالیٰ پڑھا جائے گا۔“

(صفحہ ۷۹۷)

۳۔ سورۃ اعراب کی آخری آیت کے آخری کلمات ”وكان الله
غفوراً رحيمًا“ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

”ثواب الاعمال“ میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ سورۃ
اعراب سورۃ بقرہ سے بھی زیادہ طویل تھی۔ مگر چونکہ اس میں عرب کے
مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بد اعمالیوں کا ذکر گئی تھیں اس
لئے اسے کم کر دیا گیا اور اس میں تحریف کر دی گئی ہے۔“

(صفحہ ۸۵۳)

۴۔ سورۃ الرحمن کی آیت ۳۹ ”فيومئذ لا يسئل عن ذنبه انس
ولا جان“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”بشارات الشيعه“ میں ہے: میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام رضا

علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ تم میں سے دو بھی جہنم میں نہ دکھائی دیں گے۔

نہیں واللہ! بلکہ ایک بھی نہیں۔ میں نے عرض کی کہ یہ بات کتب خدا میں
بھی کہیں ہے؟ پس حضرت نے ایک سہل تک جواب نہ دیا۔ میسرہ کہتے ہیں
کہ سہل بھر کے بعد ایک دن میں حضرت کے ساتھ طواف میں تھا کہ ینالیک
فرمایا، اے میسرہ! مجھے تیرے فلاں سوال کے جواب دینے کی اجازت آج ملی
ہے۔ میں نے عرض کی اچھا حضور! وہ مقام قرآن مجید میں کہاں ہے؟ فرمایا
سورۃ الرحمن میں ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے ”فيومئذ لا يسئل
عن ذنبه منكم انس ولا جان“ میں نے عرض کی کہ اس جگہ ”منكم“ تو
نہیں ہے۔ فرمایا پہلی آیت جس میں ابن اروی (عمان بن عفان) نے تغیر
کیا یہی ہے۔“

(صفحہ ۱۰۶۳)

۵۔ سورۃ محمد کی آیت ۹ ”ذالك بانهم سكرهوا ما انزل الله
فاحبط اعمالهم“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”ذالك بانهم سكرهوا ما انزل الله“ ”الخ“ تفسیر قمی میں جناب امام
محمد باقر سے منقول ہے کہ جبرئیل امین نے جناب رسول خدا کو یہ آیت یوں
پہنچائی تھی ”ذالك بانهم سكرهوا ما انزل الله في علي“ مگر
مرتدین نے نام اڑا دیا۔ پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے جو آگے بیان فرمایا ہے۔
”فاحبط اعمالهم“ (صفحہ ۱۰۱۱)

ان لغو ولا یعنی ہفوات کے نقل کرنے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ پاک و ہند کے
شیعہ مجتہدین تحریف قرآن کے قائل ہیں اور اگر کوئی شیعہ عالم یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ
تحریف کا قائل نہیں، تو وہ ازراہ تقیہ جھوٹ بولتا ہے، البتہ یہاں چند امور لائق توجہ
ہیں۔

اول: مولوی مقبول نے تحریف کے جو حوالے نقل کئے ہیں وہ اپنے ائمہ کی من گھڑت
روایات کے حوالے سے نقل کئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک روایت بھی کسی امام کی
نقل نہیں کی کہ یہ قرآن تحریف سے پاک ہے۔

دوم: مولوی مقبول نے پوری جرات سے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، ”قرآن میں

تحریف کر دی گئی۔ ”عثمان بن عفان نے تغیر کیا“، ”شراب خور خلفاء کی خاطر ”بَعْضَرُونَ“ کو ”بَعْصَرُونَ“ سے بدل کر معنی کو زیر و زیر کر دیا گیا۔ ”مرتدین نے نام اڑا دیا، پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے۔“ اس آیت میں فلاں لفظ تھا لوگوں نے اس کو گرا دیا، مٹا دیا اور اس کے بجائے فلاں لفظ بنا دیا۔ ”کیا ان جملات آمیز تصریحات کے بعد یہ کہنا ممکن ہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی اور ان کے ترجمہ کی تصدیق و توثیق کرنے والے مجتہدین قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ تحریف قرآن کے قائل نہیں؟

سوم: مندرجہ بالا حوالوں میں ایک حوالہ ”ثواب الاعمال“ کا بھی آیا ہے۔ چشم بد دور یہ شیعوں کے ”شیخ صدوق“ کی تالیف ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف کے منکر ہیں۔ اس حوالے کو استدلال کے طور پر پیش کرنے کے بعد دنیا کا کون مقلد ہو گا جو یہ بات ماننے کے لئے تیار ہو کہ شیعوں کا شیخ اعظم ”شیخ صدوق“ قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہے اور اس کو تحریف سے پاک اور منزہ سمجھتا ہے؟

ترجمہ سید فرمان علی

جناب سید فرمان علی صاحب کا یہ ترجمہ ہندو پاک میں بار بار شائع ہوا ہے اور اس

پر مندرجہ ذیل اکابر شیعہ کی تصدیقات ہیں:

- ۱- جناب السید نجم الحسن مجتہد متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۲- جناب السید محمد باقر مجتہد متوفی ۱۳۴۶ھ
- ۳- جناب السید ظہور حسین مجتہد متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۴- جناب السید کلب حسین مجتہد متوفی ۱۳۸۳ھ
- ۵- جناب سید ناصر حسین مجتہد متوفی ۱۳۶۱ھ

میرے سامنے ”پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ۔ ۱۳۹ فلران بلاؤسنگ سوسائٹی، حیدر علی روڈ کراچی نمبر ۵“ کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ اس میں مندرجہ بالا مجتہدین کی تصدیق کے ساتھ

اقرار تحریف کے نمونے ملاحظہ فرمائیے:

۱- آیت تطہیر میں تحریف

سورۃ الاحزاب کا چوتھا کوع (آیات ۲۸ تا ۳۴) پورے کا پورا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے متعلق ہے۔ اسی ذیل میں آیت ۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے جو ”آیت تطہیر“ کے نام سے موسوم ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اے (پیغمبر کے) اہل بیت! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔“ (ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ میں ازواج مطہرات کو ”اہل بیت“ سے خطاب کر کے ان کی تطہیر کامل کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات ”اہل بیت“ بھی ہیں اور فیصلہ خداوندی کے مطابق پاک اور مطہر بھی۔

مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو ”اہل بیت“ سے عداوت اور اللہ تعالیٰ کے اس قطعی فیصلے سے انحراف ہے۔ وہ اس آیت کی کوئی ایسی تاویل بھی نہیں کر سکتے جس کے ذریعہ آیت تطہیر کا روئے سخن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بنا کر کسی اور کی طرف پھیرا جاسکے۔ اہل لئے کہ ماقبل و مابعد میں خطاب ازواج مطہرات ہی سے چلا آ رہا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان کا ٹکڑا کسی اور سے متعلق قرار دے دیا جائے۔ جناب مترجم نے اس مشکل کا حل یہ نکالا ہے کہ یہاں قرآن میں تحریف کر دی گئی ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا، جسے (نغوذ باللہ) خود غرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے۔ مترجم کے الفاظ یہ ہیں:

”اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ما قبل وما بعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے جس سے صاف غلط ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں، بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کر دی گئی ہے۔“ (صفحہ ۷۵۶)

مترجم کی اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے، برحق ہے اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہے تو یہ آیت تطہیر لاجلہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے اور وہی قرآنی خطاب ”اہل البیت“ کا مصداق ہیں۔ دوم یہ کہ مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک قرآن کریم تحریف شدہ ہے، اس میں کسی ”خاص غرض“ کی وجہ سے تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔

۲۔ آیت رحمت و برکات میں تحریف

مترجم کی بد قسمتی سے قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی ”اہل البیت“ کا خطاب ”نبی کی بیوی“ کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ سورہ ہود آیت ۷۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ مقدسہ کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ مذکور ہے جس میں فرشتوں نے ان کو ”اہل البیت“ کے لفظ سے خطاب کیا:

﴿قَالُوا اتَّبِعِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةً اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ
عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾

(سورہ ہود ۷۳)

ترجمہ: ”وہ فرشتے بولے (ہائیں) تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت (نبوت) تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ قاتل حمہ (وٹا) بزرگ ہے۔“ (ترجمہ فرمان علی)

چونکہ اس آیت کریمہ میں ”نبی کی بیوی“ کو فرشتوں نے ”اہل البیت“ کے لفظ سے خطاب کیا ہے، جس سے ہر قدر قرآن کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہو گا کہ نبی

کی بیوی بھی اس کے ”اہل بیت“ میں شامل ہے اور یہ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ ان کے اہل بیت میں شامل ہے (جس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے دے رہے ہیں) تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے اہل بیت میں کیوں شامل نہ ہوں گی؟ آیت شریفہ کا یہ مفہوم اور یہ نتیجہ ایسا کھلا ہوا اور بدیہی ہے کہ کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی کو بھی اس کے سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آ سکتی، اور نہ اس میں کسی ادنیٰ تاویل کی گنجائش ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ۔ نعوذ باللہ۔ قرآن کریم کی یہ آیت ہی غلط ہے۔ چنانچہ مترجم نے اہل بیت نبویؐ کی عداوت سے مجبور ہو کر یہی راستہ اختیار کیا۔ مترجم صاحب لکھتے ہیں:

”اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے اہل بیت میں داخل کیا ہے۔ کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں (قبل کی آیت میں نہیں، بلکہ اسی آیت کے پہلے جملہ میں۔ ناقل) جتنا خطاب حضرت سارہ کی طرف ہے، واحد مونث کے صیغہ میں۔ اور اس آیت میں ضمیر ”کم“ جمع مذکر ”حاضر“ کی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کر دی گئی ہے۔“ (صفحہ ۱۱۱)

گویا مصنف کو صاف صاف اقرار ہے کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے اور ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے پاک ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی نص قطعی کی رو سے ”ازواج نبی“ بغیر کسی شک و شبہ کے اہل بیت میں شامل ہیں، اور اگر اس عقیدہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قرآن کریم کو غلط کہا جائے (نعوذ باللہ من الکفر والشقاق)

موصوف کی عبارت سے جملہ یہ معلوم ہوا کہ وہ جس مسلک کے نقیب اور ترجمان ہیں وہ ڈنگے کی چوٹ پر قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ قرار دیتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہو اسے یہ بھی ایمان رکھنا ہو گا کہ

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں شامل ہیں۔ قرآن کریم نے انہی کو ”اہل بیت“ کا نام دیا ہے۔ اہل بیت (ازواج مطہرات) کی کرامت دیکھو کہ ان سے بغض و عداوت کے مریضوں کو اس کے سوا چارہ نظر نہیں آتا کہ وہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہہ کر دین و ایمان سے خارج ہوں اور اپنے کفر کا صاف صاف اعلان کرنے پر مجبور ہوں۔ گویا خدائے عزیز و ذوالانتقام نے اہل بیت (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کے دشمنوں کے مقابلے میں اپنی کتاب عزیز کو پیش کر دیا کہ وہ اس آہنی دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہیں۔

۳۔ سورۃ الم نشرح میں تحریف

سورۃ الم نشرح کی آیت ”فاذا فرغت فانصب“ میں لفظ ”فانصب“ صاد کے فتح کے ساتھ ہے، جس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے یہ کیا ہے:

”پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر۔“

لیکن مترجم اس کو ”فانصب“ صاد کے کسرہ کے ساتھ قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

”تو اب جب کہ تم (تمہارے اکثر کاموں سے) فارغ ہو چکے تو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے۔“

اور حاشیہ میں اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں:

”خدا نے دوسرا احسان بتایا کہ تم پر جو نبوت اور احکام خدا پہنچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا اس کو علی بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کر دیا۔ اور چونکہ اس حکم خدا یعنی حضرت علی کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسولؐ بہت مشکل کلام سمجھتے تھے، اس بنا پر خدا نے جس طرح دوسرے مقام پر دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اسی طرح یہاں بھی یوں فرمایا کہ یہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر وقت مقرر فرما دیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کر دو۔ اس کے بعد پھر خدا کی طرف رجوع کرو، یعنی موت کی تیاری کرو۔“

(صفحہ ۱۰۷۵)

یہ ترجمہ و تشریح اس پر مبنی ہے کہ لفظ ”فانصب“ کو صاد کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے حالانکہ قرآن کریم میں ”فانصب“ کا لفظ زیر کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں۔ قرآن کریم میں تو ”فانصب“ صاد کے زیر کے ساتھ ہے۔ جناب نجم الحسن کراروی نے (جن کی نظر ثانی کے بعد یہ ترجمہ شائع ہوا ہے) اس پر ایک طویل نوٹ لکھا ہے۔ جو بطور ضمیمہ آخر میں ملحق ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ صحیح لفظ ”فانصب“ صاد کے کسرہ سے ہے، فتح کے ساتھ غلط اور تحریف شدہ ہے اور یہ تحریف حجاج بن یوسف ثقفی نے کی تھی۔ کراروی لکھتے ہیں:

”یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید پر اعراب حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے تھے۔

جس کا تعصب ائمہ من الشیخ ہے۔ بروایت منقولہ اس نے پانچ لاکھ انسان

قتل کرائے تھے۔ تواریخ میں ہے کہ شیعیان علی کا قتل اس کی حکومت

کے نصب العین میں شامل تھا۔ قرآن مجید پر اعراب لگانے میں بھی یہ جذبہ

کار فرما تھا۔ حضرات ائمہ اہل بیت نے آیت ”فاذا فرغت فانصب“

کو بکسر صا قرار دیا ہے۔“ (ضمیمہ صفحہ ۳)

قرآن مجید کے الفاظ کی تحریف کو ”ائمہ اہل بیت“ کی طرف منسوب کرنا کراروی صاحب اور مان کے ہم عقیدہ لوگوں کا خاص افتراء ہے اسی وجہ سے علامہ زنجیری صاحب کشف کو اسے رافضیوں کی بدعت و اختراع قرار دینا پڑا۔ جیسا کہ کراروی صاحب نے زنجیری کی عبارت نقل کی ہے:

ومن البدع ما روی عن بعض الرافضة انه قرأ

”فانصب“ ”بکسر الصاد“ ”أی فانصب علیا للإمامۃ۔“

(ضمیمہ صفحہ ۴)

ترجمہ: ”اور من جملہ بدعات کے ہے وہ بات جو بعض رافضیوں

سے نقل کی گئی ہے کہ فانصب، کو بہ کسر صا پڑھ کر یہ مطلب لیا کہ علی کو

امامت کے لئے مقرر کر دو۔“

کراروی صاحب علامہ زنجیری کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تعجب ہے کہ انہوں (علامہ زنجیری) نے اعراب لگانے والے پر کوئی

اعتراض نہیں کیا۔ جس نے ”فانصب“ کے صاد کو مفتوح کر کے مقصود ہدی کو بدل دیا ہے اور اس پر اعتراض کرتے ہیں جس نے اسے مکسور قرار دے کر مقصود ہدی کے مطابق اس کا مطلب بیان کیا ہے۔“

(ضمیمہ صفحہ ۶)

مترجم کے ترجمہ و تشریح اور کراروی صاحب کے طویل ضمیمہ سے یہ امور الم تشریح ہو گئے کہ:

الف: شیعوں کے نزدیک ”فانصب“ بہ فتح صاد غلط ہے۔ یہ دراصل بکسر صاد تھا جسے تحریف کر کے بہ فتح صاد سے بدل دیا گیا۔

ب: یہ تحریف حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے۔
ج: اور اس تحریف سے مقصود ربانی کو بدل دیا گیا۔ اور آیت کا مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔

یہاں میرا مقصود کراروی صاحب کے نظریہ تحریف قرآن کو ذکر کر کے، صرف یہ دکھانا ہے کہ شیعہ، قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہتے ہیں، تاہم مناسب ہو گا کہ کراروی صاحب کے الزام تحریف کا جواب خود ان ہی کے ایک ہم مسلک بزرگ کے قلم سے ہو جائے۔ مشہور شیعہ عالم محمد جواد مغنیہ (جن کو اجتہادی صاحب نے ”آیت اللہ العظمیٰ“ کے وقیع خطاب سے یاد کیا ہے) کی تفسیر ”الکاشف“ میرے سامنے ہے وہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وتجدر الإشارة إلى أن بعض المجاورين للفتنة وبث

النمرات بين أهل المذاهب الإسلامية قد نسب إلى الشيعة

الإمامية أنهم يفسرون كلمة فانصب في الآية الكريمة

بالنصب عليا للخلافة ويكفي في الرد على هذا الافتراء

ما قاله صاحب مجمع البيان وهو من شيوخ المفسرين عند

الشيعة الإمامية قال عند تفسير هذه الآية ما نصه

بالحروف: ومعنى انصب من النصب وهو التبع لا تشتغل

بالراحة.

(الكاشف صفحہ ۵۸۴، جلد ۲۔ طبع بیروت)

ترجمہ: ”یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ بعض کرائے کے ٹو جنہیں فتنہ انگیزی اور اسلامی مذاہب کے درمیان تشویش پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے شیعہ امامیہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ اس آیت کریمہ کے لفظ ”فانصب“ کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ علی کو خلافت کے لئے مقرر کر دو۔ اور اس افتراء کی تردید کے لئے صاحب مجمع البیان کا، جو شیعہ امامیہ کے نزدیک شیوخ مفسرین میں سے ہے، قول نقل کر دینا کافی ہے، وہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”انصب“ کا لفظ ”نصب“ سے ہے۔ جس کے معنی تعب و مشقت کے ہیں، یعنی راحت میں مشغول نہ ہو۔“

غور فرمائیے کہ کراروی صاحب تو ”فانصب“ بہ فتح صاد کو غلط قرار دینے پر چار پانچ صفحے سیلہ کرتے ہیں، اسے حجاج بن یوسف کی کارستانی بتا کر تحریف شدہ ثابت کرتے ہیں اور اس کے بجائے ”فانصب“ بکسر صاد کو صحیح بتاتے ہیں۔ لیکن ان کے ہم مسلک دوسرے صاحب ان کی اس بات کو افتراء و بہتان کہتے ہیں اور جو لوگ ایسی بات کریں انہیں ”فتنہ انگیز“ اور ”کرائے کے ٹو“ کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے اور حضرات اہل بیت کی کرامت ہے کہ جو لوگ پردہ تقیہ سے نکل کر اپنے عقیدہ تحریف قرآن کا کچھ کچھ اظہار کر دیتے ہیں خود انہی کے ہم مسلک لوگ (ازراہ تقیہ) ان کو ”فتنہ انگیز“ اور ”کرائے کے ٹو“ کہہ کر ان کی بات کو بہتان اور افتراء قرار دیتے ہیں۔ ”وكنفى الله المؤمنين القتال“ واقعی اس مسلک کے بزرگوں نے صحیح فرمایا تھا کہ:

۳۔ علی بن ابراہیم، عن أبیه، عن ابن ابي عمیر، عن یونس بن عمار، عن سلیمان ابن خالد قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: يا سلیمان إنکم علی دین من کتمہ أعزہ الله من أذاہم لذلک الله (اصول کافی، باب الکتمان صفحہ ۲۲۲، جلد ۲)

ترجمہ: "تحقیق تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا اور جو محض اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔"

افسوس ہے کہ یہ حضرات "امام" کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور اپنے اصل عقائد کا اظہار کر کے یہاں تک ذلیل ہوتے ہیں کہ اپنے ہی ہم مسلک لوگوں کی زبان سے "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے ٹٹو" کا خطاب پاتے ہیں۔

تنبیہ: محمد جواد مغنیہ صاحب "الکاشف" کا یہ کہنا کہ "فانصب" کی یہ تشریح شیعہ امامیہ پر افتراء ہے صحیح نہیں، کیونکہ کراروی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں شیعوں کے امام المفسرین علی بن ابراہیم القمی (متوفی ۳۲۹ھ) سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

قال إذا فرغت من حجة الوداع فانصب أمير

المؤمنين على بن أبي طالب.

(تفسیر قمی جلد ۲ ص ۴۳۹ طبع نجف اشرف ضمیمہ کراروی ص ۱۲)

ترجمہ: "اے رسول تم اب جبکہ حجتہ الوداع سے فراغت کر چکے تو علی کے نصب خلافت کا اعلان کر دو۔"

شیعہ مفسرین میں ابن ابراہیم قمی چوتھی صدی کے ہیں اور علامہ کلینی مصنف "الکافی" کے استاد ہیں۔ جبکہ تفسیر مجمع البیان کے مصنف فضل بن حسن بن فضل طبری (متوفی ۵۲۸ھ) چھٹی صدی کے ہیں۔ اس لئے طبری کے حوالے سے یہ کہنا تو غلط ہے کہ یہ شیعہ امامیہ پر افتراء ہے، البتہ اگر موصوف یہ کہہ دیتے کہ یہ شیعہ امامیہ کا ائمہ پر افتراء ہے تو یہ واقعہ کی صحیح ترجمانی ہوتی۔

۴۔ تحریف شدہ قرآن کی تلاوت کرو۔ امام کا حکم

کراروی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں ایک طرف تو "فانصب" بہ فتح صاد کو غلط اور تحریف شدہ ثابت کرنے پر پورا زور قلم صرف کر دیا ہے اور اس کے لئے بڑی تقطیع کے چار پانچ صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ لیکن بحث کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ:

"لیکن ہم حکم امام کے مطابق اسی طرح تلاوت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح موجودہ قرآن میں مرقوم ہے۔" (صفحہ ۵)

"حکم امام" سے موصوف کا اشارہ اصول کافی کی درج ذیل روایت کی طرف ہے:

۲۳۔ محمد بن یحییٰ، عن محمد بن الحسین، عن عبدالرحمن بن ابی ہاشم، عن سالم بن سلمة قال: قرأ رجل على أبي عبد الله عليه السلام وأنا أستمع حروفاً من القرآن ليس على ما يقرؤها الناس، فقال أبو عبد الله عليه السلام: كف عن هذه القراءة اقرأ كما يقرأ الناس حتى يقوم القائم فإذا قام القائم عليه السلام قرأ كتاب الله عز وجل على حدة، وأخرج المصحف الذي كتبه علي عليه السلام وقال: أخرجه علي عليه السلام إلى الناس حين فرغ منه وكتبه فقال لهم: هذا كتاب الله عز وجل كما أنزل الله عليه السلام وقد جمعته من اللوحين فقالوا: هو ذا عندنا مصحف جامع فيه القرآن لا حاجة لنا فيه، فقال أما والله ما ترونه بعد يومكم هذا أبداً، وإنما كان علي عليه السلام أن أخبركم حين جمعته لتقرؤوه.

(اصول کافی، صفحہ ۲۳۳، جلد ۲۔ مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ: "سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام جعفری خدمت میں قرآن کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں، جسے لوگ پڑھتے ہیں۔ امام نے فرمایا! ابھی اس قرآن کے پڑھنے سے باز رہو۔ بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام مہدی کا ظہور ہو، جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ کتاب اللہ کو اپنی حد پر پڑھیں گے۔"

اور امام نے وہ مصحف نکالا جس کو حضرت علیؑ نے لکھا تھا۔ اور فرمایا کہ حضرت علیؑ جب اس کی تکمیل سے فدا ہوئے تو اس کو صحابہؓ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ ہے جو "ما انزل اللہ" کے مطابق ہے۔ میں نے اس کو دو دنیوں کے درمیان جمع کر دیا ہے، ان لوگوں نے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس جامع مصحف موجود ہے جس میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ سنو! اللہ کی قسم! آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے، جب میں نے اس کو جمع کیا تھا تو میرا فرض تھا کہ تم

کو اس کی خبر کر دیتا تاکہ تم اس کو پڑھ لو۔ (سو میں نے فرض ادا کر دیا)۔

کراروی صاحب کے اس فقرہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: ان کے نزدیک قرآن دو ہیں۔ ایک ”موجودہ قرآن“ جس پر ان کا ایمان نہیں، بلکہ وہ اسے قول امام کی بنا پر تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔ دوسرا اصلی قرآن جو ان کے نزدیک تحریف سے پاک ہے، مگر امام غائب کے ساتھ وہ بھی دنیا سے غائب ہے، گویا جو قرآن دنیا میں موجود ہے اس پر ان کا ایمان نہیں اور جس قرآن پر ان کا ایمان ہے وہ دنیا میں موجود نہیں۔

دوم: ان کے امام کے بقول موجودہ قرآن غلط اور تحریف شدہ ہے، اس کے باوجود اس کا پڑھنا فرض ہے۔ اس لئے کہ امام نے ان سے کہا ہے کہ غلط اور تحریف شدہ قرآن کو بس اسی طرح پڑھتے رہو۔

سوم: یہ ظاہر ہے کہ تحریف شدہ الفاظ کلام الہی نہیں ہو سکتے۔ اس کو کلام الہی کہنا اور کلام الہی کی حیثیت سے پڑھنا افتراء علی اللہ ہے۔ مگر کراروی صاحب کے بقول امام نے شیعوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ ہمارے خیال میں امام نے ایسا حکم کبھی نہ دیا ہو گا، بلکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ ثابت کرنے کے لئے شیعوں کے مقدس راویوں نے امام پر افتراء کیا ہے۔ ورنہ اگر ”امام“ اس کو تحریف شدہ سمجھتے تو اس کے پڑھنے کا حکم ہرگز نہ دیتے۔

چہلدم: کراروی صاحب کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ”امام“ کی طرف منسوب روایات پر کتنا مضبوط ایمان رکھتے ہیں کہ ان روایات پر اعتماد کر کے قرآن متواتر کو نعوذ باللہ غلط اور تحریف شدہ مان لیتے ہیں اور انہی روایات کی بنا پر وہ ”امام“ کے ایسے مطیع فرمانبردار ہیں کہ امام کی طرف خواہ کیسی ہی مہمل اور خلاف عقل و شرع بات منسوب کی گئی ہو وہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اگر روایات کے مطابق امام حکم دے کہ قرآن کو غلط کہو (جو صریح کفر ہے) تو یہ اس کی تعمیل کے لئے حاضر۔ اور اگر امام کہے کہ قرآن کو غلط پڑھو (جو افتراء علی اللہ ہے) تو یہ اس کے لئے بھی ہر طرح تیار ہیں۔

شیعہ راویوں نے جو روایات گھڑ کر ”امام“ کی طرف منسوب کر دی ہیں کراروی صاحب اور ان کے گروہ کو ان راویوں پر اور ان کی روایات پر ایسا ایمان ہے کہ ان کے بھروسے سے وہ قرآن کو غلط اور تحریف شدہ قرار دینا واجب سمجھتے ہیں۔ ان روایتوں سے انحراف ان کے نزدیک جائز نہیں۔

پنجم: ان شیعہ روایات نے ”ائمہ“ کی جو تصویر پیش کی ہے، سوال یہ ہے کہ وہ ”ائمہ ہدیٰ“ کی ہے؟ یا نعوذ باللہ ”ائمہ ضلالت“ کی؟ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہنا، پھر حرف قرآن کو پڑھنے کا حکم دینا کسی ”امام ہدیٰ“ کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر شیعہ روایات یہ کہتی ہیں کہ ”امام“ قرآن کریم کو غلط بھی کہتے تھے اور اس کے پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے۔ نعوذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۵۔ آیت ”وَأَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ میں تحریف

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ الذِّكْرُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

(سورہ الحجر..... ۱۹)

ترجمہ: ”بے شک ہم نے ہی تو قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی تو اس کے

حفاظت میں ہیں۔“

یہ آیت کریمہ مترجم (سید فرمان علی) کے عقیدہ تحریف قرآن کی جڑ کاٹ دیتی ہے، مگر چونکہ ان کو قرآن کریم کے بجائے امام کی طرف منسوب روایات تحریف پر ایمان ہے، اس لئے ترجمہ نے اس آیت کی ایسی تاویل کر ڈالی جس سے ان کے امام کے عقیدہ تحریف پر کوئی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔

تب اس کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد ہونے نہ دیں

گے۔ پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو

تب بھی یہ کمنائج ہو گا کہ وہ محفوظ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے۔ کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر ہر لفظ کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس زمانے میں چھاپہ خانوں کی طرف سے روزانہ سیکڑوں ہزاروں اور اوراق قرآن کے برباد کئے جاتے ہیں۔ دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب مطلب یہ ہو گا کہ کفر کے شر سے خدا آپ کو محفوظ رکھے گا۔“ (حاشیہ صفحہ ۴۹۹)

مترجم (سید فرمان علی) کی اس تاویل سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

اول: یہ کہ ان کے نزدیک حفاظت قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن جو شرقا و غریبا مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کے لاکھوں حافظ ہر زمانے میں رہے ہیں، یہ ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے، بلکہ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک صحیح نسخہ دنیا میں موجود رہے گا۔

”ایک صحیح نسخہ“ سے ان کی مراد وہی نسخہ ہے جو امام غائب کے پاس ہے۔ جیسا کہ اصول کافی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو قرآن کا ”صحیح نسخہ“ اپنے ساتھ لائیں گے اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں گے۔

شیعہ روایات کے مطابق یہ ”صحیح نسخہ“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، مگر کسی نے اسے قبول ہی نہیں کیا، وہی ”صحیح نسخہ“ یکے بعد دیگرے اماموں کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ تا آنکہ امام غائب کے ساتھ وہ بھی غائب ہو گیا۔ جیسا کہ اصول کافی کے حوالے سے ابھی گزرا ہے۔ مابقی مجلسی لکھتے ہیں:

”پس بخواند قرآن را بنحو سے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ ہے آنکہ تغیر یافتہ باشد۔ چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شد“

ترجمہ: ”پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ بغیر اس کے کہ اس

میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہو جبکہ دوسرے قرآنوں میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔“ (حق الیقین صفحہ ۳۵۸۔ مطبوعہ تہران ۱۳۵۴ھ) مترجم صاف صاف لکھتے ہیں کہ:

”اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس (قرآن مجید) میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے ہیں۔“

مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ یہ ایک ایسی صداقت ہے جسے انصاف پسند غیر مسلم بھی ماننے پر مجبور ہیں۔ جو شخص کتاب اللہ میں تغیر و تبدل تسلیم کرتا ہے وہ کتاب اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ فرض کر لینے کے بعد نہ قرآن کریم کے کسی حرف پر اعتماد رہ جاتا ہے نہ دین اسلام کی کسی بات پر۔ چنانچہ اصول کافی کے محشی علامہ علی اکبر غفاری لکھتے ہیں:

لأنه لو كان تطرق التحريف والتغيير في ألفاظ

القرآن لم يبق لنا اعتماد على شيء منه، اذ على هذا

يحتمل كل آية منه أن تكون محرفة ومغيرة وتكون على

خلاف ما أنزله الله فلا يكون القرآن حجة لنا، تستفي

فائدته، وفائدة الأمر باتباعه والوصية به وعرض الأخبار

المتعارضة عليه

(حاشیہ اصول کافی ص ۶۳۱ ج ۲، مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ: ”کیونکہ اگر قرآن کے الفاظ میں تحریف اور تغیر و تبدل فرض کر لیا

جائے تو ہمارے لئے اس کے کسی حرف پر بھی اعتماد نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ اس

صورت میں قرآن کریم کی ہر آیت میں یہ احتمال ہو گا کہ وہ محرف و مبطل اور

ما نازل اللہ کے خلاف ہو، پس اندر میں صورت قرآن ہمارے لئے حجت نہیں

رہ جاتا۔ اس کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی پیروی کی تاکید و وصیت

اور متغیر روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا اصول یہ سب باطل اور بیکار ہو جاتے ہیں۔

لیکن مترجم کے نزدیک قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے بلکہ بہت سے تغیرات ہو چکے ہیں۔ (نعوذ باللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد) مترجم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن میں کیا کیا تغیرات ہو چکے ہیں۔ صرف یہ کہا ہے کہ:

”کم از کم اس میں تو شک نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی۔“

موصوف کے اس عقیدہ کی تشریح و وضاحت ان کے مسلک کی کتابوں کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) درج ذیل تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔

- ۱۔ قرآن کریم کا بہت سا حصہ ساقط کر دیا گیا۔
- ۲۔ بہت سی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملا دی گئیں۔
- ۳۔ اس کے الفاظ بدل دیئے گئے۔
- ۴۔ حروف تبدیل کر دیئے گئے۔
- ۵۔ سورتوں، آیتوں، بلکہ کلمات کی ترتیب بدل دی گئی۔

۶۔ آیت ہذا صراط علی مستقیم میں تحریف

سورۃ الحجر کے تیسرے رکوع میں ہے:

هَذَا صِرَاطٌ عَلٰی مُسْتَقِيمٍ (الحجر۔ ۳۱) اس آیت کریمہ میں لفظ علی (عین، لام اور یائے مشدد تینوں کے فتح کے ساتھ) ہے۔ سید فرمان علی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ”یہی راہ سیدھی ہے کہ مجھ تک (پہنچتی ہے)“ اس کے حاشیہ میں قرآن کریم کے ان الفاظ کو (نعوذ باللہ) غلط، بھونڈے اور خرابی کے حامل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ ترجمہ قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے۔ لیکن اس میں علاوہ

بھونڈے معنی ہونے کے ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس صورت میں

ایک نیا جملہ محذوف مانا پڑے گا۔“

قرآن کریم کے ظاہری الفاظ کو غلط قرار دینے کے لئے مترجم ایک دوسری قرات نقل کرتے ہیں:

”بعض قراء نے ”هَذَا صِرَاطٌ عَلٰی مُسْتَقِيمٍ“ پڑھا ہے۔“

مترجم کے نزدیک یہ قرات بھی غلط ہے کیونکہ:

”اس بنا پر علیٰ فعیل کے وزن پر بلند کے معنی میں ہو گا اور آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ بلند راستہ ہے حالانکہ یہ توجیہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ راستہ کی خوبی سیدھا ہونا ہے، نہ بلند ہونا۔“

قرآن مجید کی ان دونوں متواتر قراتوں کو غلط قرار دے کر مترجم اپنی طرف سے ایک نئی قرات تصنیف کر کے اس کے ذریعہ قرآن کریم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

صِرَاطٌ عَلٰی مُسْتَقِيمٍ کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس میں نہ کوئی لفظی خرابی لازم ہے نہ معنوی۔ اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ”یہ علی کی راہ سیدھی ہے۔“ اور اس میں خدا کی طرف سے حضرت علیؑ کے نام کی تصریح اور اعلان عام ہے کہ حضرت ہی کا دین سیدھا اور مستقیم ہے اور انہی کے پیرو جنت میں پہنچیں گے اور آپ کا شرف عظیم اور فخر جسیم ہے اور یہی تقاضا اہل بیتؑ کا بھی مشا ہے۔“

(صفحہ ۴۷۳-۴۷۴)

واضح رہے کہ صراط علی قرآن کریم کے الفاظ نہیں، بلکہ مترجم نے یہ لفظ خود تصنیف کر کے انہیں قرآن کریم میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مقام پر مترجم نے دو جرائم کا ارتکاب کیا ہے:

- ۱۔ قرآن کریم کے الفاظ کو غلط قرار دینا اور اس کے لئے سوقیانہ الفاظ استعمال کرنا، جو کفر صریح ہے۔
- ۲۔ اپنے تصنیف کردہ الفاظ کو قرآن کریم میں داخل کر کے تحریف لفظی کا

ار تکلب کرنا۔

مترجم کی یہ تحریف ان کے اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم میں تحریف کردی گئی۔ قرآن کے اصل الفاظ ”صراط علی“ ہونے چاہئیں مگر تحریف کرنے والوں نے اس کی جگہ ”صراط علی“ لکھ دیا۔

ترجمہ فرمان علی کے اقتباسات کا خلاصہ

ترجمہ فرمان علی اور اس کے حواشی کے جو اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج بالکل ظاہر ہیں۔

۱۔ مترجم اور ان کے گروہ کے نزدیک یہ قرآن کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، بعینہ وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا بلکہ اس میں بہت سی تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔

۲۔ یہ تبدیلیاں خود غرض لوگوں نے ”کسی خاص غرض“ کی بنا پر کی ہیں۔

۳۔ ان تبدیلیوں سے مراد الہی کو بدل دیا گیا۔ اور نعوذ باللہ بھونڈے الفاظ قرآن میں داخل کر دیئے گئے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ایک ”صحیح نسخہ“ اپنی اصلی حالت پر رہے گا۔

۵۔ اور یہ ”صحیح نسخہ“ حضرت علی نے مرتب کیا تھا جو یکے بعد دیگرے ائمہ کے پاس محفوظ چلا آتا تھا اور اب وہ ”صحیح نسخہ“ امام غائب کے پاس غار میں محفوظ ہے۔

۶۔ اس ”صحیح نسخہ“ کے علاوہ اب روئے زمین پر قرآن کریم کا کوئی ”صحیح نسخہ“ موجود نہیں۔ چنانچہ مترجم کے مندرجہ بالا اقتباسات میں قرآن کریم کے تمام موجودہ نسخوں کی غلطیاں اور تبدیلیاں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

کیا ان تمام تفصیلات کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ موجودہ دور کے

شیعہ مجتہدین اور علماء کا قرآن کریم پر ایمان ہے؟ ہرگز نہیں۔!!!

قرآن کریم میں شیعہ کی باطنی تاویلات اور تحریف معنوی

شیعہ مذہب کا تمام تر مدار ان روایات پر ہے جو شیعہ راویوں نے ائمہ اہل بیت نام سے تصنیف کی ہیں۔ ان روایات میں جہاں بغیر کسی جھجک کے قرآن کریم کی تحریف لفظی کو ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے (جس کا مختصر سا خاکہ گزشتہ مباحث میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں) وہاں بے شمار روایات ایسی بھی ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں جن میں کلام الہی کو غیر مراد پر ڈھالا گیا ہے۔ اور پیٹ بھر کر قرآن کریم کی تحریف کی گئی ہے۔ اس تحریف کو ”بطن قرآن“ اور ”تاویل قرآن“ کا نام دیا گیا۔ اس ”تاویل قرآن“ کے ذریعہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن میں کسی قسم کی مدح و ثناء مذکور ہے ان کو ائمہ اور ان کے اتباع پر ڈھال دیا گیا۔ اور جہاں کہیں کفار و مشرکین کی مذمت و نکوہش بیان کی گئی ہے ان کو بلا تکلف خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ پر چسپاں کر دیا گیا۔

چنانچہ عقیدہ امامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدہ کے ذیل میں، میں علامہ مجلسی کی کتاب بحار الانوار کتاب الامامة سے باب ۲۱ کا یہ عنوان نقل کر چکا ہوں:

الباب الواحد والعشرون

تأويل المؤمنين والایمان والمسلمين والاسلام بهم و بولايتهم عليهم الصلاة والسلام ، والكفار والمشرکين والكفر والشرك والنجس والطاغوت واللات والعزى والاصنام بأعدائهم ومخائفيهم ، وفيه : ۱۰۰ - حدیث

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۳ جلد ۲۳)

یعنی: ”قرآن کریم میں جہاں ایمان و اسلام اور مومنین و مسلمین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی ولایت ہے۔ اور جہاں کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزی اور اصنام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے ائمہ کے دشمن اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدین اور صحابہ)۔“

علامہ مجلسی کے اس عنوان ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں اہل ایمان کی مدح و ستائش کی گئی ہے اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی امامت و ولایت ہے۔ اور جہاں کہیں کافروں اور مشرکوں کا، منافقوں اور مرتدوں کا، ابلیس و شیطان کا، فرعون و ہامان کا، جبت و طاغوت کا، لات و عزی کا اور اصنام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہیں خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ..... گویا پورا قرآن بس عقیدہ امامت کی مدح اور صحابہ کرام کی مذمت میں ہے۔ درگچ۔

علامہ باقر مجلسی کے ایک نامور شاگرد جناب ملا ابو الحسن شریف ہیں۔ انہوں نے ان باطنی روایات کو سامنے رکھ کر ”مرآة الانوار و مشکوٰۃ الاسرار“ کے نام سے ایک مبسوط کتب تالیف فرمائی، جو سید ہاشم بحرانی کی تفسیر ”البرہان“ کے مقدمہ کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے، اس کی ابتدا ہی میں فرماتے ہیں:

مقدمة الكتاب

”اما بعد يقول العبد الضعيف الراجي لطف ربه اللطيف خادم كلام الله ابو الحسن الشريف حشره الله مع مواليه وجعل مستقبله خيرا من ماضيه، ان من اين الاشياء واضهرها و اوضح الامور واشهرها ان لكل آية من كلام الله المجيد وكل فقرة من كتاب الله الحميد ظهرا وبطنا وتفسيرا وتاويلا، بل لكل واحدة منها كما يظهر من الاخبار المستفيضة سبعة بطون وسبعون بطنا، وقد دلت احاديث متكاثرة كادت ان تكون متواترة على ان بطونها وتاويلها بل كثيرا من تنزيلها وتفسيرها في فضل شان السادة الاطهار، واطهار رجالة حال القادة الاخبار اعنى النبي المختار وآله الائمة الابرار، عليهم صلوات الله الملك الغفار، بل الحق المتين والصدق العمين كما لا يخفى على البصير الخبير، باسرار كلام العليم القدير، المرتوى من عيون علوم ابناء الحكيم الكبير ان اكثر آيات الفضيل والانعام والمدح والاكرام بل كلها فيهم وفي اوليائهم نزلت وان جل فقرات التوبيخ والتشنيع والتهديد والتفطيع بل جعلتها في

مخالفهم واعدائهم وردت، بل التحقيق التحقيق كما سيظهر عن قريب ان تمام القرآن انما انزل للارشاد اليهم والاعلام بهم وبيان العلوم والاحكام لهم والامر باطاعتهم وترك مخالفتهم وان الله عز وجل جعل جملة بطن القرآن في دعوة الامة والولاية كما جعل جل ظهره في دعوة التوحيد والنبوة والرسالة۔“ (تفسير مرآة الانوار صفحہ ۳)

اس طویل عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:

”یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت کے لئے بلکہ اس کے ہر فقرہ کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ایک تفسیر ہے اور ایک تاویل۔ بلکہ اخبار مستفیضہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے ایک ایک فقرہ کی ۷۷۔۷۷ تاویلیں ہیں۔ اور بہت سی احادیث، جو قریب قریب متواتر ہیں، اس پر ولایت کرتی ہیں کہ قرآن کی تاویل، بلکہ بیشتر تنزیل و تفسیر بھی اماموں کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ فضل والنعیم اور مدح و اکرام کی اکثر آیات بلکہ تمام کی تمام آیات صرف ائمہ اور ان کے اولیاء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور توبیخ و تشنیع اور تہدید و تفطیع کی بیشتر بلکہ تمام تر آیات ان کے مخالفین اور اعداء کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ کمال تحقیق یہ ہے کہ پورے کا پورا قرآن صرف ائمہ کی طرف رہنمائی کرنے، ان کا پتہ بتانے، ان کے علوم و احکام کو بیان کرنے، ان کی اطاعت کا حکم دینے اور ان کے مخالفین کو ترک کر دینے کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کا تمام بطن قرآن امامت و ولایت کی دعوت میں رکھا ہے۔ جیسا کہ ظاہر قرآن کا بیشتر حصہ توحید اور نبوت و رسالت کی دعوت میں رکھا ہے۔“

اسی کتاب کے مقدمہ اولیٰ میں لکھتے ہیں:

”ان الاصل في تنزيل القرآن بتاويلها انما هو الارشاد الى ولاية النبي والائمة صلوات الله عليهم، واعلام عز شانهم، وذل حال شانهم، بحيث لا خير خبر به الا وهو فيهم وفي اتباعهم، ولا سوء ذكر فيه الا وهو

صادق علی اعدائهم وفی مخالفتهم - ” (صفحہ ۳)
ترجمہ..... تاویل کی روشنی میں تزلزل قرآن کا اصل مقصد صرف نبی اور ائمہ
صلوات اللہ علیہم کی طرف رہنمائی کرنا، اور ان کی عزت شان اور ان کے
دشمنوں کی ذلیل حالت کو بتانا ہے اور بس۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس خیر کی بھی خبر دی ہے وہ صرف ائمہ میں اور ان کے
پیروں میں پائی جاتی ہے۔ اور جس برائی کا بھی قرآن میں ذکر آیا ہے وہ ان
کے دشمنوں اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام) پر صادق
آتی ہے۔“

گویا قرآن کریم کی ان باطنی تاویلات سے صرف ایک ہی دعا ہے اور وہ یہ کہ
قرآن کریم کے بطن (پیٹ) سے ایسے معنی نکالے جائیں کہ پورا قرآن۔ عبد اللہ بن
سبا کے ایجاد کردہ۔ عقیدہ امامت و ولایت کا داعی اور نقیب بن جائے۔ اور اس کے
ذریعہ حضرات خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کو خوب پیٹ بھر سب و شتم کیا جائے
اور دنیا بھر کے عیوب ان اکابر پر چسپاں کئے جائیں۔

رہا یہ کہ قرآن کریم کی اس باطنی تاویل کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟ اس کا
جواب دیتے ہوئے علامہ ابوالحسن شریف نے بڑی دلچسپ اور نفیس باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ
لکھتے ہیں:

اعلم ان الحق الذی لا یحصى عنه بحسب الاخبار المتواترة الآتية وغيرها
ان هذا القرآن الذی فی یدینا قد وقع فیہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم شیئی من التفسیرات واسقط الیقین جموعہ بعدہ کثیرا من الکلمات
والآیات وان القرآن المحفوظ عما ذکره الموافق لما انزلہ اللہ تعالیٰ
ما جمعه علی علیہ السلام وحفظہ الی ان وصل الی ابنہ الحسن علیہ السلام
وهكذا الی ان انشأ الی القائم علیہ السلام وهو الیوم عنده صلوات
اللہ علیہ ولهذا کما قد ورد صریحا فی حدیث سند کرمہ لما ان کان
اللہ عز وجل قد سبق فی علمہ الکامل صدور تلك الافعال الشنیعة

من المفسدین فی الدین وانهم یحیث کلما اطلعوا علی تصریح بما یضرهم
ویزلف شان علی علیہ السلام وذریئہ الطاهرین حاولوا اسقاط ذلك راسا
او تغییرہ محرفین وکان فی مشیتہ الکاملة ومن الطاقة الشاملة
محافظة اوامر الامامة والولاية ومحاربة مظاهر فضائل النبی
صلی اللہ علیہ وسلم والائمة یحیث تسلیم عن تغییر اهل التضعیف والتحریف
وبقی لاهل الحق مفاد هائم بقاء التکلیف لم یکنف بما کان مصرحاً به
منہا فی کتابہ الشریف بل جعل جل بیانہا بحسب البطون وعلی
نهیج التاویل (مرآة الانوار صفحہ ۳۶)

ترجمہ..... ”جتنا چاہئے کہ وہ حقیقت، جس سے احادیث متواترہ کی رو سے
مجمل انکار نہیں، یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کچھ تبدیلیاں کر دی گئیں۔ اور جن
لوگوں نے آپ کے بعد قرآن کو جمع کیا انہوں نے اس میں سے بہت سے
کلمات و آیات نکال دیں۔ اور جو قرآن کہ اس رد و بدل سے محفوظ رہا یہ وہ
قرآن تھا جو حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا، آپ نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا
(کسی شیعہ اور غیر شیعہ کو اس کی ہوا تک لگنے نہ دی) یہاں تک کہ آپ
کے بعد آپ کے صاحب زادہ حضرت حسنؑ تک پہنچا، اسی طرح یکے بعد
دیگرے اماموں کو منتقل ہوتا ہوا امام غائب تک پہنچا۔ اور اب وہ ان کے پاس
ہے۔ ہم آگے چل کر صریح حدیث (حدیث ذہبی) ذکر کریں گے
(جس میں بتایا گیا ہے کہ) چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں پہلے سے تھا کہ
دین کے بگاڑنے والوں (جامعین قرآن) سے ایسے افعال شیعہ سرزد ہوں
گے اور یہ کہ یہ مفسدین دشمنان دین جہاں ایسی تصریح دیکھیں گے جو ان
کے خلاف ہوگی اور علیؑ اور ان کی ذریت طاہرہ کی شان میں اضافہ کرے گی یہ
اس کو قرآن سے نکال دیں گے یا اس میں تبدیلی کر کے تحریف کر دیں
گے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کاملہ اور طاقت شملہ میں تھا امامت
و ولایت کے اوامر کو محفوظ رکھنا، اور نبی کریم اور ائمہ کے فضائل کے مظاہر کی
حفاظت کرنا، ایسے طور پر کہ وہ اہل تحریف کی دستبرد سے محفوظ رہیں، اور اہل

حق کے لئے ان کا مفاد مع بقائے تکلیف کے باقی رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب شریف میں ان امور کی تصریح پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس کا بیشتر مضمون قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا، اور اس کو نکالنے کے لئے تاویل کا راستہ مقرر کر دیا۔

موصوف کی یہ عبارت بڑے دلچسپ فوائد پر مشتمل ہے:

اول: حضرت علیؑ نے جو قرآن جمع کیا تھا، اور جو بغیر کسی رد و بدل کے مازلل اللہ کے مطابق تھا، وہ دنیا میں کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔ حضرت علیؑ سے گیارہویں امام تک وہ ہمیشہ ان کے پاس محفوظ رہا۔ امام اس کی خود تلاوت فرماتے ہوں تو معلوم نہیں۔ ورنہ کسی سنی یا شیعہ کی اس تک رسائی نہ ہوئی۔ بارہویں امام، جب غار میں روپوش ہوئے تو اس ”قرآن علیؑ“ کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ چنانچہ اب وہ ان کے پاس غار میں محفوظ ہے۔ اور ایسا محفوظ کہ نہ دنیا کو اس کی ہوا لگے۔ نہ اس کو دنیا کی ہوا لگے۔

دوم: حضرات خلفاء راشدینؑ نے قرآن کریم کا جو نسخہ مرتب فرمایا تھا، وہ جب سے اب تک دنیا میں ایسا مشہور ہے کہ چار دانگ عالم میں اسی کا شہرہ ہے۔ کلام الہی کی حیثیت سے ہمیشہ اسی کی تلاوت کی جاتی رہی۔ ہر زمانے میں لاکھوں اور کروڑوں اسی کے حافظ رہے۔ وہ ہمیشہ پوری دنیا کے سامنے رہا۔ عام و خاص اسی سے استفادہ کرتے رہے۔ اسی کے الفاظ و معانی کی خدمت میں اہل علم نے عمریں صرف کر دیں، اور ہمیشہ اسی سے مسائل و احکام کا استنباط ہوتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ جو قرآن کہ مازلل اللہ کے مطابق تھا، موصوف کے بقول، وہ کبھی منصفہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوا۔ اور کبھی دنیا کو اس کی ایک جھلک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ اور جو قرآن جامعین قرآن نے مرتب کیا تھا، اور جس میں اپنی خواہش کے مطابق پیٹ بھر کر رد و بدل کر دیا تھا خدا کی شان دیکھو! کہ آج تک دنیا میں اسی کا سکہ جاری ہے۔

سوم: اس قرآن میں امامت و ولایت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت اور ائمہ کی شان میں جتنی آیات نازل کی تھیں جامعین قرآن نے جن جن کر ان کو قرآن سے نکال دیا۔ یا ان میں ایسا رد و بدل کر ڈالا کہ قرآن کریم سے عقیدہ

امامت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ (شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک کوئی شخص بھی عقیدہ امامت و ولایت کا نام نہیں لیتا تھا۔ سب سے پہلا شخص عبداللہ بن سبا سودی تھا، جس کو اس عقیدہ کا انکشاف ہوا، اور اس نے اس عقیدہ کی تبلیغ شروع کی) الغرض قرآن کریم کی کسی آیت میں عقیدہ ولایت و امامت کو تلاش کرنا کار عبث ہے۔

چہل م: یہ تو ظاہر ہے کہ جب، موصوف کے بقول، جامعین قرآن نے قرآن میں رد و بدل کر کے (نعوذ باللہ) اس میں کفریہ مضامین بھر دیئے، اور امامت اور ائمہ سے متعلقہ مضامین اس میں سے نکال دیئے تو اس تحریف اور کتر بیونت کے بعد یہ کتاب، کتاب ہدایت نہ رہی۔ بلکہ (نعوذ باللہ) یہ کتاب ضلالت بن گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کتاب ہدایت کے طور پر نازل فرمایا تھا۔ اور اس کو رہتی دنیا تک دائم و قائم اور باقی رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا تھا۔ مگر افسوس کہ، موصوف کے بقول، نہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ہدایت کی حفاظت فرمائی، اور نہ اپنے دو ٹوک وعدہ کا ایفا فرمایا، نہ حضرت علیؑ کے معصوم اور مقدس ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب ہدایت کو دنیا میں رائج کرنے کا انتظام فرمایا، حتیٰ کہ حضرت علیؑ اپنے دور خلافت میں بھی اس کو منظر عام پر نہ لاسکے۔

موصوف، ائمہ کی طرف منسوب کی گئی متواتر (مگر خالص جھوٹی) احادیث کی روشنی میں جو نتیجہ لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس پر بشرط فہم و انصاف غور کیا جائے تو واضح ہو گا کہ ان روایات کے تصنیف کرنے والے نہ خدا کو مانتے تھے۔ نہ رسولؐ کو، نہ قرآن کو۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ کتاب ہدایت کو تو علیؑ اور اولاد علیؑ کے ہاتھوں دنیا سے گم کر دیا جائے، اور منافقوں کی جمع کی ہوئی کتاب ضلالت پوری دنیا میں رائج ہو جائے، یہاں تک کہ حضرت علیؑ اور ائمہ اطہر بھی اسی تحریف شدہ کتاب ضلالت کی ”تلاوت“ پر مجبور ہوں، علمائے شیعہ اسی کی تفاسیر لکھیں، اور شیعہ مومنین بھی اسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے پر مجبور ہوئے۔ کیا کوئی اونی عقل و فہم کا شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اس شیعہ نظریہ کو قبول کر سکتا ہے؟ یا ایسا نظریہ رکھنے والوں کو مسلمان تسلیم کر سکتا ہے؟ کلا و رب الکعبہ۔

پنجم: یہ تو پہلے معلوم ہو چکا کہ حضرت علیؑ سے لے کر آخری امام تک تمام ائمہ ہمیشہ روئے تقیہ میں روپوش رہے۔ حتیٰ کہ آخری امام تو شدت تقیہ کی وجہ سے روئے زمین ہی سے غائب ہو گئے۔ اوپر مولوی دلدار علیؑ کی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کبار سے بہت تقیہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو قرآن من جانب اللہ نازل ہوتا تھا وہ بھی تقیہ کے مارے ان حضرات کے سامنے نہیں پڑھتے تھے۔ اور اب جناب علامہ ابوالحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان حضرات سے بہت تقیہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر قرآن کریم کے ظاہری الفاظ میں امامت و ولایت کو بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا تو یہ حضرات ایسے الفاظ کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطون قرآن (قرآن کے پیٹ) میں امامت و ولایت کو بھردیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ سے تقیہ تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بھی اماموں کی طرح تقیہ کیا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کا اللہ تعالیٰ نے شیعوں کے دل میں کیمارعب ڈالا ہے، کہ ان کے خیال میں علیؑ شیر خدا بھی ان سے ڈرتے تھے، بعد کے ائمہ معصومین بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ اور نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ بھی..... لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ششم: جناب علامہ ابوالحسن شریف بتاتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو عقیدہ امامت و ولایت اور شان ائمہ کی حفاظت منظور تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ قرآن کے پیٹ میں ان مضامین کو بھر کر امامت و ولایت کو محفوظ کر دے، اس لئے اس نے یہی کیا کہ عقیدہ امامت کو قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا۔ مگر شاید ابوالحسن شریف کے نزدیک ائمہ کی ولایت و امامت، اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم سے بڑھ کر عزیز تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو دشمنان دین کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کا تو انتظام نہ کر سکا، لیکن ائمہ کی ولایت و امامت کو قرآن کے پیٹ میں بھر کر اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔

ہفتم: جناب ابوالحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کی

باطنی تاویلات بھی در حقیقت ان کے عقیدہ تحریف قرآن پر مبنی ہیں، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی ہوتی، اور اس کو منافقوں اور بددینوں کی دستبرد اور رد و بدل سے محفوظ رکھنے کا انتظام فرمایا ہوتا تو امامت کے مضامین کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس خطرہ کو محسوس کر لیا تھا کہ دشمنان دین اس کی کتب مقدس کا حلیہ بگاڑ دیں گے لہذا اس نے مضامین ولایت کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھر دیئے کا انتظام فرما دیا، اور شیعہ راویوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ اماموں کے نام پر جھوٹی روایات تصنیف کر کے قرآن کے پیٹ میں سے ان مضامین کو (جو خالص کفر و زندقہ ہیں) اخذ کریں۔ سبھا تک ہذا بہتان عظیم۔ مندرجہ بالا فوائد سے معلوم ہوا کہ ان باطنی روایات کے تصنیف کرنے والے در حقیقت باطنی زندیق تھے۔ جو نہ خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے قائل تھے، نہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اطہار سے عقیدت و محبت تھی، نہ وہ دین اسلام کو برحق سمجھتے تھے۔ ولایت و امامت کے نعرہ کی آڑ میں ان کا ایک ہی مقصد تھا، یعنی دین اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنا، اس کے لئے انہوں نے عقیدہ امامت و ولایت تصنیف کیا، اور پھر ائمہ اطہار کے نام پر حضرات صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کے لئے انہوں نے ہزاروں روایات گھڑ کر جامعین قرآن کے کافر و منافق اور دشمنان اہل بیت ہونے کے افسانے تراشے۔ دو ہزار سے زائد روایات اس مضمون کی گھڑ لیں کہ قرآن میں ان دشمنان دین نے تحریف کر ڈالی، اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی ان تمام مساعی مذمومہ کے باوجود نہ مسلمانوں کے ایمان بالقرآن میں تزلزل آیا، اور نہ اکابر صحابہؓ سے ان کی محبت و عقیدت میں کوئی فرق آیا، بلکہ مسلمانوں نے ان کے خود تراشیدہ افسانوں کو گود شتر سمجھا تب انہوں نے قرآن کی ”باطنی تاویل“ کا راستہ اپنایا، اور اس کے لئے روایات کے دفاتر تصنیف کر ڈالے۔ گویا ”تاویل باطنی“ سے بھی در حقیقت عداوت قرآن کا اظہار مقصود تھا۔ کیونکہ جب قرآن کی باطنی تاویل کے ذریعہ یہ سمجھایا جائے کہ جامعین قرآن کافر تھے، منافق تھے، مرتد تھے، خدا اور رسول کے دشمن تھے، تو ان کے ذریعہ جو قرآن امت کو پہنچا اس کا کیا اعتبار

رہا؟ نعوذ باللہ استغفر اللہ۔

اب بطور مثال شیعوں کی اس ”باطنی تاویل“ کے چند نمونے پیش کرتا ہوں، جن سے واضح ہو گا کہ خالص کفریہ عقائد کو کس طرح قرآن کریم میں ٹھونسنے کی جدت کی گئی ہے۔

”مرآة الانوار“ سے باطنی تاویل کے چند نمونے

جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں علامہ ابوالحسن شریف کی کتاب ”مرآة الانوار“ بطور خاص ”باطنی تاویل“ کے موضوع پر لکھی گئی ہے، اور موصوف نے شیعوں کی ان باطنی تاویلات کا خلاصہ خیرہ اس میں جمع کر دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید قرآن کریم کی ایک آیت کو بھی نہیں چھوڑا گیا جس کے پیٹ (باطن) میں تاویل کا شتر نہ لگایا ہو، اور اس سے باطنی معنی نہ نکلے گئے ہوں۔

موصوف لکھتے ہیں:

”احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد مقلات میں بطن قرآن کی رو سے اللہ

تعالیٰ کے پاک نام ”اللہ“ کا، اللہ کا اور رب کا لفظ امام پر بولا گیا ہے۔“

(صفحہ ۵۷)

یعنی قرآن کریم میں کئی آیات میں جہاں ”اللہ“ ”الہ“ اور ”رب“ کا لفظ آیا ہے اس سے حضرت علیؑ مراد ہیں۔ اور اس کے ذیل میں موصوف نے اس کی بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

۱..... وقال اللہ لاتخذوا النہین الثنین، انما ہوا لہ واحد

(سورۃ النحل: ۵۱)

ترجمہ: ”اور کما اللہ نے، مت پکڑ معبود دو، وہ معبود ایک ہی ہے۔“

(ترجمہ شیخ السند)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو امام نہ بنائے، امام تو بس ایک ہی ہے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۵۷)

گویا اس آیت میں ”معبود“ سے امام مراد ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

۲..... اِلٰہ مع اللہ بل اکثر ہم لا یعلمون

(سورۃ النمل: ۶۱)

ترجمہ: ”کیا کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ کوئی نہیں، بہتوں کو ان میں

(ترجمہ شیخ السند)

سمجھ نہیں“

آیت سے مراد یہ ہے کہ کیا ایک وقت میں امام ہدایت کے ساتھ امام ضلالت ہو سکتا ہے؟

گویا اللہ سے امام مراد ہے۔

۳..... ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونہم کحب اللہ

(البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: ”اور بعض لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، ان کی

محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی“

(ترجمہ شیخ السند)

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے امام برحق کو چھوڑ کر فلاں اور فلاں (ابو

مکر و عمرؑ) کو امام بنالیا۔

یعنی آیت میں اللہ سے مراد علیؑ ہیں، انداد سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں، اور انہیں سے مراد

صحابہ کرامؓ ہیں، جنہوں نے حضرت علیؑ کے بجائے حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کو خلیفہ بنا

لیا۔ (نعوذ باللہ)۔

۴..... هنالک الولاية لله الحق

(الکف: ۴۳)

ترجمہ: ”وہاں سب اعتقاد ہے اللہ کے“

(ترجمہ شیخ السند)

آیت میں ولایت سے ولایت علیؑ مراد ہے

یعنی آیت میں ”اللہ برحق“ حضرت علیؑ کو کہا گیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

۵..... ولا یشرک بعبادة ربہ احداً۔ (الکف: ۱۱۰)

ترجمہ: ”اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔“

(ترجمہ شیخ السند)

یعنی ولایت آل محمدؐ کے ساتھ دوسروں کو امام نہ بنائے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۵۸)

گویا ”اپنے رب“ سے مراد ”امام“ ہے۔ عبادت سے مراد ہے ان کی ولایت، اور بندگی میں شریک کرنے کا مطلب ہے کسی اور کو امام بنانا۔

۶..... وسقاهم ربهم شراباً طهوراً (الدھر: ۲۱)

ترجمہ: ”اور پلائے گا ان کو ان کا رب، شراب جو پاک کرے دل کو۔“ (ترجمہ شیخ الندّ)

یہاں ”ان کے رب“ سے حضرت علیؑ مراد ہیں یعنی علیؑ شراب پلائیں گے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۵۹)

(الفرقان: ۵۵)

۷..... وكان الكافر على ربه ظهيراً

ترجمہ: ”اور کافر ہے اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

آیت میں ”اپنے رب“ سے حضرت علیؑ مراد ہیں۔ اور ”کافر“ سے مراد وہ لوگ جنہوں نے علیؑ کے بجائے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ (مرآة الانوار صفحہ ۵۹)

۸..... قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم يرد الى ربه فيعذبه عذاباً نكراً (الكهف: ۸۷)

ترجمہ: ”بولو (یعنی ذوالقرنین) جو کوئی ہو گا بے انصاف! سو ہم اس کو سزا دیں گے، پھر لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس، وہ عذاب دے گا اس کو بڑا عذاب۔“

”اپنے رب“ سے مراد علیؑ ہیں (نعوذ باللہ) یعنی علیؑ اس کو عذاب دیں گے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۵۹)

۹..... وانا لما سمعنا الهدىٰ امنا به فمن يؤمن بربه فلا يخاف بخساً ولا رهقاً

(الحج: ۱۳)

ترجمہ: ”اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اس کو مان لیا، سو جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ نہ ڈرے گا نقصان سے، نہ زبردستی سے۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم مولا علیؑ پر ایمان لائے۔ سو جو کوئی اپنے مولا علیؑ کی ولایت پر ایمان لائے اس کو کسی نقصان اور زبردستی کا اندیشہ نہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۹۸)

گویا اس آیت میں بھی ”اپنے رب“ سے حضرت علیؑ مراد ہیں اور ”ہم اپنے رب پر ایمان لائے“ سے مراد ہے حضرت علیؑ پر ایمان لانا۔ نعوذ باللہ۔

۱۰..... وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً (الحج: ۱۸)

ترجمہ: ”اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ امام، آل محمدؑ سے ہے، لہذا کسی اور کو امام نہ بناؤ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۷۶)

گویا یہاں ”اللہ“ سے مراد امام ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

۱۱..... انهم اتخذوا الشياطين اولياء من دون الله

(الاعراف: ۳۰)

ترجمہ: ”انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

یعنی انہوں نے امام برحق کو چھوڑ کر دوسروں کو امام بنالیا۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۰۴)

گویا آیت شریفہ میں ”اللہ“ سے مراد ہے امام برحق، اور شیاطین سے مراد ہیں

ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ (نعوذ باللہ)۔

۱۲..... الذين يحملون العرش ومن حوله

(المومن: ۷)

ترجمہ: ”جو لوگ اٹھارے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

عرش سے مراد علم الہی ہے۔ اور عرش کے اٹھانے والے امام ہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۰)

(المرسلات: ۴۸)

۱۳..... واذا قيل لهم اركعوا لا يركعون

ترجمہ: ”اور جب کہیے ان کو کہ جھک جاؤ، نہیں جھکتے۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

یعنی جب ان سے کہا جائے کہ علیؑ کو امام بناؤ تو نہیں بناتے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۱)

۱۴..... انا لما طغيا الماء حملناكم في الجارية

(الحاقة: ۱۱)

ترجمہ: ”ہم نے، جس وقت پانی اُجا، لا دیا تم کو چلتی کشتی میں۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

”چلتی کشتی“ سے امیر المومنینؑ اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۱۹)

۱۵..... فكاين من قرية اهلكتها هاو هي ظالمة فهي خاوية على عروشها، وبئر معطلة

(الحج: ۳۳)

ترجمہ: ”سو کتنی ہی بستیوں ہم نے غارت کر ڈالیں، اور وہ گنہگار تھیں، اب

وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر، اور کتنے کنوئیں کتے پڑے، اور کتنے محل سرخ

کاری کے۔“

یہاں بئر معطلہ (کتنے کنوئیں کتے پڑے) سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۹۳)

حضرت علیؑ سے نادان کی دوستی کا کیا اچھا مظاہرہ ہے!

۱۶..... وفي اموالهم حق للسائل والمحروم

(الذاریات: ۱۱)

ترجمہ: ”اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے

کا“

(ترجمہ شیخ الحداد)

سائل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور محروم حضرت علیؑ ہیں (نعوذ

باللہ)۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۱)

۱۷..... واذا وقع القول عليهم اخرجنا لهم ذابحة من الارض (النمل: ۸۵)

(النمل: ۸۵)

ترجمہ: ”اور جب پڑچکے گی ان پر بات، نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک

جانور زمین سے۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

یہاں ”زمین کے جانور“ سے مراد حضرت علیؑ ہیں (نعوذ باللہ استغفر اللہ)

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۶)

۱۸..... وانزلنا اليكم نوراً مبيناً

(الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: ”اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح“

(ترجمہ شیخ الحداد)

آیت میں ”نور مبین“ سے مراد علیؑ ہیں، اسی طرح جن جن آیات میں ”نور“ کا لفظ

آیا ہے۔ اس سے ”امام“ یا ”ولایت امام“ مراد ہے۔ مثلاً:

(الحديد: ۲۸)

الف: ويجعل له لكم نوراً تمشون به

ترجمہ: ”اور رکھ دے گا تم میں روشنی، جس کو لئے پھرو۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

یعنی تمہارے لئے امام بنا دے گا جس کی تم اقتدا کرو گے۔

(النور: ۳۰)

ب: ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور

ترجمہ: ”اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی، اس کے واسطے کس روشنی

نہیں۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

یعنی جس کا کوئی امام نہیں اس کے لئے قیامت کے دن کوئی امام نہیں ہو گا جس کی روشنی

میں چلے۔

(التحریم: ۸)

ج: نورهم يسعي بين ايديهم وبأيمانهم

ترجمہ: ”ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے دایرے۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

یہاں نور سے مراد ائمہ ہیں، جو قیامت کے دن مومنین کے آگے اور دائیں چلیں

گے۔

(الاعراف: ۵۷)

د: واتبعوا النور الذي انزل معه

ترجمہ: ”اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس (نبیؐ) کے ساتھ اترا۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

یہاں بھی نور سے مراد علیؑ ہیں۔

الغرض ایسی تمام آیات جن میں نور کا لفظ آیا ہے اس سے ”امام“ اور

(مرآة الانوار صفحہ ۳۱۵)

”ولایت امام“ مراد ہے۔

۱۹..... فيها انهار من ماء غير آسن، وانهار من لبن لم يتغير طعمه، وانهار

من خمر لذة للمشاربين وانهار من غسل مصفى

(سورہ محمد: ۱۵)

ترجمہ: ”اس میں سرس ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا، اور سرس ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا، اور سرس ہیں شراب کی، جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے، اور سرس ہیں شمد کی، جھاگ اٹا ہوا۔“

(ترجمہ شیخ الہند)

ان تمام سرسوں سے ”امام“ مراد ہے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۳۱۵)

۲۰..... وما جعلنا اصحاب النار الا ملأناهم (المدثر: ۳۱)

ترجمہ: ”اور ہم نے جہنم کا تمکبان تو بس فرشتوں کو بنایا ہے۔“

(ترجمہ فرہان علی)

یہاں ”الہند“ (جہنم) سے مراد امام قائم ہے، ”اصحاب النار“ سے مراد شیعہ ہیں، اور فرشتوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم آل محمد کے مالک ہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۳۱۴)

یہ چند مثالیں شیعوں کی باطنی تاویلات کے دریائے موج میں سے ایک قطرو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کو کس بے دردی کے ساتھ مذموم عقائد پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی، اور آیات کے سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے کس طرح قرآن کے معنی و مفہوم کو مخ کیا گیا ہے۔

شیعوں کی ”باطنی تاویل“ کی تصویر نامکمل رہے گی اگر یہ نہ دکھایا جائے کہ قرآن کی باطنی تاویل کی آڑ میں خلفائے راشدین اور حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے خلاف کس طرح زہر اگلا گیا ہے؟ اس لئے چند نمونے اس کے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

۱..... سورۃ البینہ کی آیت ۶ میں کفار و مشرکین کا ذکر ہے۔ جس کے آخر میں ان کو ”شر البریۃ“ (بدترین خلاق) فرمایا گیا ہے۔ شیعوں کی باطنی تاویل میں کہا گیا ہے کہ اس آیت کا مصداق اعدائے علیؑ اور غاصبین خلافت ہیں۔ (یعنی بزعیم شیعہ خلفائے

راشدینؑ اور حضرات مہاجرین و انصارؑ مراد ہیں) کیونکہ یہ سب مرتد ہو گئے تھے، اور ان کا یہ فعل (حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ بنانا) تمام کفار و مشرکین کے اعمال و افعال سے بدتر تھا۔ اس لئے یہ حضرات کفر میں تمام کفار سے بدتر تھے۔ نعوذ باللہ استغفر اللہ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۹۸)

۲..... قرآن کریم میں جہاں خمر، خنزیر اور لحم خنزیر کا ذکر آیا ہے باطنی تاویل کے لحاظ سے اس سے مراد اعدائے ائمہ ہیں یعنی، نعوذ باللہ، حضرات خلفائے راشدینؑ اور مہاجرین و انصارؑ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۸)

۳..... قرآن کریم میں جہاں شیطان، ابلیس، فرعون، ہامان کا ذکر آیا ہے، باطنی تاویل کی رو سے، اس سے مراد خلفائے راشدینؑ ہیں، خصوصاً خلیفہ ثانیؑ، کہ شیعہ عقیدے کے مطابق وہ ابلیس الابالہ اور فرعون القراعہ تھے۔ نعوذ باللہ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۹۸-۲۰۳-۲۶۳-۳۳۱)

۴..... قرآن کریم میں جہاں کہیں زنا، فاحشہ، فواحش، منکر، بغی، میسر، انصاب، ازلام، اوٹان، جبت و طاغوت، میتہ، دم اور لحم خنزیر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ہے ائمہ جور، یعنی خلفائے راشدینؑ۔ نعوذ باللہ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۵۸)

۵..... قرآن کریم میں جہاں رات کے چھا جانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض کیا جانا اور دشمنوں کا خلافت پر مسلط ہو جانا۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۹۵)

۶..... قرآن کریم میں جہاں ظلمت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے ائمہ کے دشمن، یعنی خلفائے راشدینؑ (ابو بکرؓ و عمرؓ) اور معاویہ، یزید اور بنو امیہ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۲۸)

۷..... قرآن کریم میں ظلم اور ظالموں کا ذکر آیا ہے۔ باطنی تاویل کی رو سے اس سے مراد ہے خلیفہ اول، خلیفہ ثانی، بنو امیہ اور قاتلین حسینؑ اور ان سے سرزد ہونے والے اعمال۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۲۸)

۸..... قرآن کریم میں جہاں کفر اور کافروں کا ذکر آیا ہے اس کی تاویل ہے رؤساء مخالفین، خصوصاً خلفائے ثلاثہ۔ کیونکہ ان کا کفر و انکار سب سے بڑھ کر تھا۔ اور اہم سابقہ کے کفر کا جو ذکر قرآن میں آیا ہے وہ بھی اذروئے تاویل، انکار ولایت کی وجہ سے تھا۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۲۸)

۹..... قرآن کریم میں جہاں انداد کا ذکر آیا ہے (جن کو کافروں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا) اس سے مراد خلیفہ اولؓ و ثانیؓ ہیں، اور ان کو خلیفہ بنانے والے مشرک ہیں۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۰)

۱۰..... قرآن کریم میں جہاں نفاق اور منافقین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے مخالفین اور ان کے رؤسا (یعنی حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم)۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۵)

۱۱..... قرآن کریم میں جہاں مرتدین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے فلاں اور فلاں اور فلاں (یعنی خلفائے راشدینؓ) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ولایت علیؓ کا انکار کر کے ایمان سے نکل گئے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۱۵۸)

۱۲..... قرآن کریم میں آٹھ جگہ گوسالہ، سامری کا ذکر ہے، جس کی بنو اسرائیل نے پرستش کی تھی، باطنی تاویل کی رو سے عجل (گوسالہ) سے مراد ہیں ابو بکر۔ سامری سے مراد ہیں حضرت عمرؓ، اور گوسالہ کے پجاریوں سے مراد ہیں حضرات مہاجرین و انصار جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی (نعوذ باللہ)۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۲۳۹)

۱۳..... قرآن کریم کی ایک آیت میں اس عورت کی مثال بیان ہوئی ہے جو سوت کات کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالتی تھی۔ (النحل: ۹۲) اس سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، جنہوں نے اپنے ایمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا (نعوذ باللہ من الہفوات والہذیان)۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۸)

ان چند مثالوں سے واضح ہوا ہو گا کہ ”تاویل باطنی“ کی آڑ میں کیسی کیسی خرافات و کفریات کو قرآن کریم میں ٹھونسنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کس طرح حضرات

خلفائے راشدین اور مہاجرین و انصارؓ کو کافر و بے ایمان کہہ کر ان کے ذریعہ مٹنے والے قرآن اور دین اسلام کی ایک ایک چیز کے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ شیعوں کی تمام تفاسیر (مثلاً تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر البرہان وغیرہ) اس قسم کی روایات سے بھری پڑی ہیں، لیکن اردو تراجم و تفسیر میں ان کا اظہار بہت کم ہوتا ہے تاکہ عام اہل سنت کو شیعوں کے ”باطن“ پر اطلاع نہ ہو، تاہم اردو تراجم میں بھی ایسی تاویلات کے نمونے سامنے آ جاتے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ چند مثالیں ترجمہ مقبول سے بھی پیش کر دی جائیں۔

ترجمہ مقبول سے تاویل باطنی کی چند مثالیں

۱۔ سورۃ فاتحہ آیت: ۶..... ایک روایت میں آیا ہے ”الصرط المستقیم“ سے ہم (ائمہ) مراد ہیں۔ قل مترجم الصراط المستقیم بظاہر تعداد میں چودہ حروف ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ چودہ کا جو راستہ ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ (صفحہ ۲)

۲۔ سورۃ البقرہ آیت: ۱..... ذالک الکتاب..... تفسیر عیاشی میں ہے، جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں اور کتاب کا اطلاق انسان کامل پر کرنا اہل اللہ اور خواص اولیاء کے محاورے میں داخل ہے۔ (صفحہ ۳)

۳۔ سورۃ البقرہ آیت: ۸..... ومن الناس..... اس سے مراد ہیں ابن ابی اور اس کے اصحاب یا اول و ثانی اور منافقین میں سے جو ان کے ہم سر ہیں۔ (شیعہ اصطلاح میں اول و ثانی سے مراد حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہوا کرتے ہیں)۔ (صفحہ ۳)

۴۔ سورۃ النساء آیت: ۱۵۱..... للمکفرین..... تفسیر قمی میں ہے کہ یہاں کافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کا اقرار کیا اور جناب امیر المومنین کا انکار۔

۵۔ سورۃ آل عمران: ۱۵۷..... فی سبیل اللہ..... معنی الاخیار و تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ سبیل اللہ سے مراد علی

اور ائمہ اولاد علی ہیں، جو شخص ان کی دوستی میں قتل ہو جائے وہ راہ خدا میں قتل ہوا اور جو شخص ان کی دوستی میں مرجائے تو وہ راہ خدا میں مرا۔ (ترجمہ مقبول..... صفحہ ۱۳۸)

۶۔ سورۃ التوبہ آیت: ۴۰..... لا تحزن ان اللہ معنا..... ”کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا خدا میں جناب ابو بکر سے فرما رہے تھے چپ رہ بے شک اللہ میرے اور علی کے ساتھ ہے۔“ (صفحہ ۳۸۴)

نیز سورۃ التوبہ آیت: ۴۰..... کلمۃ الذین کفروا السفلی..... ”تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جو بڑے میاں کرتے تھے۔ تفسیر قتی میں بھی یہی ہے۔“ (”بڑے میاں“ سے مراد ہیں نعوذ باللہ۔ ابو بکر صدیق..... ناقل) (صفحہ ۳۸۵)

۷۔ سورۃ الرعد آیت: ۲۸..... الذین آمنوا وتطمئن قلوبہم بذكر اللہ..... ”تفسیر قتی میں ہے کہ اس آیت میں الذین آمنوا تو شیعہ ہیں اور ذکر اللہ امیر المومنین اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔“ (صفحہ ۵۰۲)

۸۔ سورۃ ابراہیم آیت: ۲۲..... وقال الشیطن..... ”تفسیر قتی اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں وقال الشیطن آیا ہے وہیں مٹائی مراد ہے۔“ (اور ”مٹائی“ سے مراد ہیں۔ نعوذ باللہ۔ حضرت عمر..... ناقل) (صفحہ ۵۱۲)

۹۔ سورۃ نحل آیت: ۸۳..... یعرفون نعمت اللہ..... ”کافی میں امام جعفر صادق سے روایت اپنے آباء واجداد کے منقول ہے کہ جب آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وهم راکعون (ماندہ..... ۵۵) نازل ہوئی تو اصحاب رسول خدا میں سے کچھ لوگ مسجد مدینہ میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے کہ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس پر انہی میں سے ایک بولا کہ اگر اس آیت کا ہم انکار کرتے ہیں، تو سارے ہی قرآن کے ہم منکر ٹھہرتے ہیں۔ اور اگر ایمان لاتے ہیں تو یہ ذلت ہے کہ اس حالت میں ابو طالب کا بیٹا

ہم پر مسلط ہو گا۔ اس پر اوروں نے کہا کہ یہ تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ محمد اپنے قول میں سچا ہے لیکن نہ ہم کبھی اس کے دوستدار بنیں گے اور نہ کبھی علی کی اطاعت کریں گے۔ خواہ وہ اس بارے میں ہم کو کچھ ہی حکم دیا کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسی واقعہ پر نازل ہوئی۔“ (کافی..... صفحہ ۵۴۹)

۱۰۔ سورۃ نحل آیت: ۸۸..... الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ..... ”تفسیر قتی میں ہے کہ یہ آیت ان حضرات کی شان میں ہے۔ جو بعد جناب رسول خدا کافر ہو گئے تھے، اور راہ خدا سے یعنی حضرت امیر المومنین علی ابن طالب کی اطاعت سے خود بھی باز رہے تھے اور دوسروں کو بھی روکا کرتے تھے۔“ (صفحہ ۵۵۰)

۱۱۔ سورۃ طہ آیت ۱۲۳..... من اعرض عن ذکری..... ”کافی میں ہے خدا تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں منقول ہے کہ ذکری سے مراد ولایت علی بن ابی طالب ہے۔“ (صفحہ ۶۳۸)

۱۲۔ اب ایک حوالہ تفسیر قتی کا بھی ملاحظہ فرمائیے:

سورۃ بقرہ: آیت ۲۶ ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقہا: ”امام ابو عبد اللہ (جعفر صادق) سے مروی ہے کہ یہ مثل اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کے لئے بیان فرمائی ہے۔ پس پھر سے مراد (نعوذ باللہ) امیر المومنین (حضرت علی) ہیں اور ما فوقہا (یعنی پھر سے بھی حقیر) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“ (تفسیر قتی..... صفحہ ۳۵، جلد ۱)

ان چند مثالوں سے اندازہ فرمائیے کہ یہ حضرات ائمہ کے نام سے روایات تصنیف کر کے قرآن کریم پر کیسی مشق تحریف کرتے تھے؟

ہمیں یقین ہے کہ یہ باطنی تاویل کی تمام خاند ساز روایات شیعہ راویوں نے تصنیف کر کے ائمہ اطہار کے نام منسوب کر دی ہیں، جس سے مقصود قرآن کریم کے حسین چرے کو مسخ کرنا تھا۔ ان مقبولان الہی کا دامن ان خرافاتی روایات سے یکسر پاک ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ان خرافاتی روایات کو ”علوم ائمہ“ اور ”علوم اہل بیت“ کا نام دیتے ہیں، اور فخریہ دعوئی کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ان روایات

کی روشنی میں کی جائے۔ چنانچہ جناب سید نجم الحسن کراروی ”ترجمہ فرمان علی“ کے شروع میں ”سرفظ“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ہمارے اصول کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ حضرات محمدؐ و آل محمدؑ کی تفسیر اور ان کے ارشادات کے تابع ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ترجمہ جو ارشادات و توضیحات حضرات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں نہ کیا گیا ہو وہ تفسیر ہارائے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلعم فرماتے ہیں:

”من فسر بآیۃ من کتاب اللہ کفر“ جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید کی ایک آیت کی بھی تفسیر کی وہ کافر ہو گیا۔

(وسائل الشیعہ صفحہ ۷۶ بحوالہ تفسیر عیاشی۔ ترجمہ فرمان علی ص ۱)

اس طرز فکر پر سوائے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھنے کے کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔

جناب اجتہادی صاحب کے چند لطائف

شیعوں کے عقیدہ تحریف کی بحث خاصی طویل ہو گئی۔ تاہم بے انصافی ہوگی اگر آنجناب کی تحریر کے ”چند لطائف“ سے ہم لطف اندوز نہ ہوں۔ اس لئے پہلے آنجناب کی پوری عبارت درج کرتا ہوں بعد ازاں اس کے لطائف ذکر کروں گا۔ آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”یہ قرآن علیٰ حالہ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آ رہا ہے۔ البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس بارے میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے میں اس پر اعزاب اور نقطے وغیرہ بھی لگوا دیئے تھے۔ تاریخ جمع قرآن جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے تو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ”الافتان“ بڑھ کر کوئی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ رہا تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات تو یہ امر آپ جیسے عالم پر مخفی نہیں ہو گا کہ ”الافتان“ اور ”البرہان“ وغیرہ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں اسی طرح شیعہ کتابوں میں بھی ایسی بہت سی روایات موجود ہیں۔ لیکن جس طرح علمائے اہل سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خداج

از اسلام ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی ایسا ملعون خداج از دین ہے۔ ہم اسی قرآن مجید کو اصلی اور الہامی قرآن تسلیم کرتے ہیں جو اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا قائل نہیں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ چودہ صدیوں میں علمائے امامیہ نے جو تفاسیر لکھی ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے، سب اسی قرآن کی تفاسیر ہیں۔ اور ان تفاسیر میں جو متن قرآنی موجود ہے وہ وہی ہے جو ہمارے یہاں تلاوت کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ اس قرآن کے سوا کسی دوسرے قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفاسیر لکھنے میں عمریں کیوں بسر کر دیتے، جن کو وہ مانتے ہی نہیں تھے؟ اسی طرح قرآن مجید کے اردو اور انگریزی ترجموں کا حال ہے آپ کوئی بھی ترجمہ اٹھا کر دیکھ لیں متن قرآنی وہی نظر آئے گا جو تلاوت کیا جاتا ہے۔

اگر شیعہ آپ کے دعوے کے مطابق کسی دوسرے قرآن کو مانتے تو اس کی تفاسیر بھی موجود ہوتیں اور ترجمے بھی، جبکہ ایک سطر بھی ایسی نہیں دکھائی جاسکتی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں ہلراہی عقیدہ ہے جو علمائے اہل سنت کا ہے۔ ایک امر کی طرف آپ کی توجہ اور مبذول کروادوں۔ وہ یہ کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے الدر المنثور میں ۱۱۳ سورتوں کی بجائے ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر دی ہے یعنی دو اضافی سورتیں درج کی ہیں جو کبھی ہوئی تحریف ہے، جبکہ علمائے شیعہ کے معصنات میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے۔“

اب مندرجہ بالا عبارت کے ”لطائف“ ملاحظہ فرمائیے:

پہلا لطیفہ:

”یہ قرآن علیٰ حالہ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آ رہا ہے۔“

گزشتہ مباحث سے عیاں ہے کہ آنجناب کا یہ دعویٰ خالص تقیہ اور کتمان ہے۔ کیا آپ اپنے اس دعویٰ پر کوئی عقلی دلیل اصول شیعہ کے مطابق پیش کر سکتے ہیں؟ کیا اس پر ”امام معصوم“ کا کوئی صریح قول پیش کر سکتے ہیں؟ کیا آپ ائمہ

کی دو ہزار سے زائد روایات متواترہ و مستفیضہ کی کوئی تاویل کر سکتے ہیں؟ جن میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ ظالموں نے قرآن میں تحریف کر کے اسے بدل ڈالا۔ دوسرا لطیفہ:

”بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس باب میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے میں اس پر اعراب اور نقطے وغیرہ بھی لگوا دیئے تھے۔“

سبحان اللہ! ماشاء اللہ!! ائمہ پر تو خیر وحی نازل ہوتی ہوگی۔ لیکن کیا آنجناب پر بھی وحی کا نزول ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو آنجناب کا یہ عقیدہ کس حدیث میں آیا ہے؟ اور کس امام نے اس عقیدہ کی تصریح فرمائی ہے؟ اوپر کراروی صاحب کا قول نقل کر چکا ہوں کہ اعراب لگانا حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔ تیسرا لطیفہ:

”البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی۔“

الحمد للہ! اہل سنت تو قرآن میں کتابت کی غلطی نہیں مانتے، بلکہ خط قرآن کو بھی توقیفی مانتے ہیں اور قرآن کریم کے رسم الخط کو بدلنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ الغرض قرآن کریم کے کسی لفظ کے غلط ہونے کے عقیدے کو کفر سمجھتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں اس مضمون کی کوئی روایت مروی ہو تو قرآن کریم کو غلط کہنے کے بجائے خود اس روایت کو غلط اور راوی کا وہم بلکہ زنادقہ کی جعل سازی سمجھتے ہیں۔ البتہ قرآن کی غلطیاں نکالنا اور قرآن کریم کے حاملین و ناقلین کی عدالت کو مجروح کرنا حضرات شیعہ کا محبوب مشغلہ ہے اور اس کے لئے انہوں نے روایات کے دفاتر کے دفتر تصنیف کئے ہیں جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ہاں! ابھی تو آنجناب نے لطیفہ دوم میں فرمایا تھا کہ قرآن کے اعراب اور نقطے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں خود لگوائے تھے۔ اس کے باوجود قرآن کریم میں کتابت کی غلطی بھی تسلیم فرماتے ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب نہ ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قرآن۔ نعوذ باللہ۔ غلط لکھوایا تھا؟ استغفر اللہ!

چوتھا لطیفہ:

”تاریخ جمع قرآن جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے شکوک

وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔“

ماشاء اللہ! معصوم اماموں کی دو ہزار روایات، جو علمائے سبائیہ نے تصنیف کی ہیں اور جن میں کھل کر کہا گیا ہے کہ یہ قرآن غلط ہے، ان سے آنجناب کو شکوک و شبہات تو کجا؟ کبھی ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا ہوگا۔

الحمد للہ! تاریخ جمع قرآن سے ایک سلیم الفطرت کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر نعوذ باللہ تاریخ جمع قرآن سے شکوک و شبہات پیدا ہونے کی گنجائش ہوتی تو منصف بلکہ متعصب غیر مسلم بھی اس اقرار پر مجبور نہ ہوتے کہ یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ (اس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے) لیکن جن لوگوں کے دل میں نفاق کا روگ پہلے سے موجود ہوں کو فریاد ہم اللہ۔ نہ خنثا کے سوا اور کیا حاصل ہو گا؟ اچھا، چلے! فرض کر لیجئے کہ علمائے اسلام کی تاریخ جمع قرآن سے تو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، آنجناب اس کے مقابلہ میں ائمہ معصومین سے ”تاریخ جمع قرآن“ کا حوالہ دے دیجئے جس سے ادنیٰ سے ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہ ہو، کیا آپ نے ایسا کیا ہے؟ یا کر سکتے ہیں؟

پانچواں لطیفہ:

”تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات الاقان اور البرہان وغیرہ میں

بھی بہت ہیں۔ اسی طرح شیعہ کتابوں میں بھی بہت سی روایات موجود

ہیں۔“

پہلے گزر چکا ہے کہ:

- ۱۔ شیعہ کتابوں میں دو ہزار سے زائد متواتر روایات ہیں۔
- ۲۔ یہ روایات، روایات امامت سے جس پر شیعہ مذہب کا مدار ہے، کسی طرح کم نہیں۔
- ۳۔ یہ روایات قطعی طور پر تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں اور ان کا مفہوم ایسا واضح ہے کہ ان کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔

۴۔ پھر اکابر علمائے امامیہ ان روایات پر دین و ایمان رکھتے ہوئے قرآن کریم کو قطعی طور پر تحریف شدہ مانتے ہیں۔ جب علمائے امامیہ چاروں طرف سے راستہ بند پاتے ہیں تو خفت منانے کے لئے یہ الزام اہل سنت کی کتابوں پر بھی جڑ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی روایات نہ صحاح میں ہیں، نہ کسی معصوم کا قول ہیں، نہ تحریف پر صریح دلالت کرتی ہیں، نہ اہل سنت ان روایات کی بنا پر تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے علمائے امامیہ کا ضمیر خود بھی گواہی دیتا ہے کہ وہ اہل سنت کو یہ الزام دینے کے لئے محض فریب کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ چنانچہ آجنگاہ کو بھی معلوم ہے کہ آپ اہل سنت کی جن روایات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بشرط صحت ان کا تعلق تحریف سے نہیں، بلکہ نسخ و تلاوت یا اختلاف قرات سے ہے۔ اس لئے آجنگاہ کا ان کو ”تحریف پر دلالت کرنے والی روایات“ کہنا خالص تقیہ اور ہمتان ہے۔ چونکہ آپ نے کسی خاص روایت کا نام نہیں لیا، اس لئے میں بھی اسی جمل بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

چھٹا لطیفہ:

”جس طرح اہل سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خلع از اسلام

ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی ایسا ملعون خلع از دین ہے۔“

شبابش! آفرین!! آج تک تو کسی شیعہ عالم کو اس کی جرأت نہ ہوئی تھی کہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں پر کفر کا فتویٰ صادر کرے، ورنہ تمام ضنادید شیعہ کو کافر قرار دینا پڑتا، جبکہ اہل سنت ہمیشہ سے ”تحریف قرآن“ کے عقیدہ کو کفر قرار دیتے رہے ہیں۔ لیکن! مردست اہل سنت کا ایک حوالہ نقل کئے دیتا ہوں کہ ”تحریف قرآن کا قائل خلع از اسلام ہے۔“ حافظ ابن حزمؒ نے نصرانی کا یہ الزام نقل کیا ہے کہ:

وأيضا فان الروافض يزعمون أن أصحاب نبیکم

بدلوا القرآن واسقطوا منه وزادوا فيه

(کتاب الفصل ص ۷۰ ج ۲)

ترجمہ: ”نیز روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے نبیؐ کے اصحاب نے

قرآن کو بدل دیا اور اس میں کمی بیشی کر دی۔“

اس کے جواب میں ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

”وأما قولهم في دعوى الروافض تبديل القرءات،

فإن الروافض ليسوا من المسلمين، إنما هي فرق حدث

أولها بعد موت النبي ﷺ بخمس وعشرين سنة، وكان

مبدأها إجابة ممن خذله الله تعالى لدعوة من كاد

الإسلام، وهي طائفة تجرى مجرى اليهود والنصارى في

الكذب والكفر“

(کتاب الفصل ص ۷۸ ج ۲)

ترجمہ: ”ربانصرانی کا یہ کہنا کہ روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے

قرآن کو تبدیل کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روافض کا شمار مسلمانوں

میں نہیں۔ یہ وہ فرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس

سال بعد پیدا ہوئے۔ اور ان کا آغاز اس شخص (یعنی ابن سبا) کی دعوت کو

قبول کرنے کے نتیجے میں ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف

سازشیں کرنے والوں کا داعی ہونے کی وجہ سے مخذول و ملعون کر دیا تھا۔

اور روافض کا یہ گروہ جھوٹ اور کفر میں یہود و نصرانی کی راہ پر گامزن

ہے۔“

الحمد للہ! کہ اہل سنت کا فتویٰ تو اتنا واضح ہے کہ خود علمائے شیعہ بھی اس کو نقل

کرنے پر مجبور ہیں، چنانچہ آجنگاہ نے خود اعتراف فرمایا ہے کہ ”اہل سنت کے نزدیک

قرآن میں تحریف کا قائل خلع از اسلام ہے۔“ اور آپ سے پہلے

امام الشیخ محمد مولانا خالد حسین نے بھی یہی اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب

استقصاء الافہام“ جلد اول کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں

”صحیف عثمانی کہ اہل سنت آنرا قرآن کامل اعتقاد کنند و معتقد نقصان آن

را ناقص الایمان، بلکہ خلع از اسلام پندارند“

ترجمہ ”صحیف عثمانی کہ جس کو اہل سنت ”قرآن کامل“ اعتقاد کرتے

ہیں اور جو شخص اس کے نقصان کا قائل ہو اس کو ناقص الایمان بلکہ خلع از

اسلام سمجھتے ہیں۔“

اس عبارت میں جناب مولانا خالد حسین صاحب نے دو باتوں کا صاف صاف اقرار

کیا ہے۔ ایک یہ کہ اہل سنت کے عقیدہ میں یہ قرآن کامل ہے اور ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ دوم یہ کہ جو لوگ تحریف فی القرآن کے قائل ہیں وہ اہل سنت کے نزدیک خارج از اسلام ہیں۔

اگر آنجناب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ بھی اپنے متقدمین علمائے امامیہ کا فتویٰ نقل کر دیجئے کہ جو لوگ تحریف قرآن کے قائل ہیں، وہ سب کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ آپ کے چار بزرگ ازراہ تقیہ تحریف قرآن کے منکر ہوئے ہیں۔ لیکن آج تک ان چاروں سمیت کسی شیعہ عالم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ تحریف قرآن کے قائلین کے خلاف فتویٰ تکفیر جاری کرے کی جرأت کرے؟ اگر آنجناب اس مضمون کا ایک فتویٰ جاری کر دیں اور دیگر مجتہدین زمانہ کی تصدیقات بھی اس پر ثبت کرادیں کہ ”وہ تمام لوگ جو تحریف فی القرآن کے قائل ہوئے ہیں سب کافرو مرتد اور زندیق تھے“ تو آنجناب شیعہ مذہب پر بڑا احسان کریں گے۔ پھر ہم بھی دیکھیں گے کہ اس فتویٰ کے بعد شیعہ مذہب میں کیا باقی رہ جاتا ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے (اور ہرگز نہیں کر سکیں گے) تو میں گزارش کروں گا کہ تقیہ چھوڑ کر اس مذہب سے توبہ کر لیجئے۔ واللہ الموفق۔

سوائس لطیفہ:

”ابتدائے اسلام سے آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا قائل نہیں

ہوا۔“

یا سبحان اللہ! گزشتہ انکشافات میں شیعہ مذہب کی مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں کہ ابوالائمہ سے گیلرہوئیں امام تک، شیعہ روایات کے مطابق تمام ائمہ یہی شکوہ کرتے آئے ہیں کہ ظالموں اور غاصبوں نے قرآن میں تحریف کر دی، ادھر عبداللہ بن سبا سے لے کر آج تک کے بڑے بڑے شیعہ مجتہدین بھی خلفائے راشدین کے مطاعن میں تحریف فی القرآن کو نمایاں طور پر ذکر کرتے آئے ہیں۔ ان تمام شیعوں کا تحریف فی القرآن کا قائل ہونا خود ان کی اپنی کتابوں میں درج ہے، اس کے باوجود آنجناب کا یہ کہنا کہ کوئی شیعہ کبھی تحریف فی القرآن کا قائل ہی نہیں ہوا وہ پھر کے

وقت آفتاب کو جھٹلانے کے ہم معنی ہے۔ اگر کوئی شخص کھلی آنکھوں آفتاب یں روز کا انکار کر دے تو اس کو کس دلیل سے قائل کیا جائے؟ بہر حال گزشتہ مباحث میں اکابر شیعہ کے نام بھی ذکر کر چکا ہوں جو ڈنگے کی چوٹ پر تحریف قرآن کے قائل تھے اور ان کی عبارتیں بھی نقل کر چکا ہوں ان کو پڑھ کر اہل بصیرت خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ آنجناب کا یہ فقرہ کس قدر خلاف واقعہ اور کیسا شاندار تقیہ ہے جو شیعہ مذہب میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اور ائمہ معصومین نے جس کو اپنا دین و ایمان بنایا ہے۔

آنکھوں لطیفہ:

”چودہ صدیوں سے علمائے شیعہ اسی قرآن کو پڑھ رہے ہیں اور اس کی تفسیریں لکھ رہے ہیں۔ اگر شیعہ اس قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفسیریں کیوں لکھتے؟ اصل قرآن کی تلاوت و تفسیر کیوں نہ کرتے؟“

ماشاء اللہ! شیعوں کے ایمان بالقرآن کی کیا زبردست دلیل پیش فرمائی؟ جان من! شیعوں کا ”قرآن موجود“ کی تلاوت کرنا اور اس کی تفسیریں لکھنا ان کے ایمان بالقرآن کی دلیل نہیں، بلکہ ان کی بے بسی اور مجبوری ہے کیونکہ:

اولاً: ان کے ”امام غائب“ نے ان پر یہ ظلم ڈھایا کہ خود تو ڈر کے مارے غار میں روپوش ہوئے ہی تھے، جاتے جاتے اصل قرآن کو بھی غائب کر گئے۔ اب شیعوں کے پاس اصل قرآن ہے کہاں؟ کہ بے چارے اس کی تلاوت کیا کریں اور اس کی تفسیریں لکھا کریں؟ ناچار ان کو اسی قرآن کی تلاوت کرنا پڑی جس کو ”مصحف عثمانی“ کہا کرتے ہیں۔ شیعہ صاحبان لوگوں کو بتاتے تھے کہ ہمارے مذہب کا مدار ”ثقلین“ پر ہے، ایک قرآن صامت، دوسرا قرآن باطوق، یعنی امام۔ لیکن شیعوں کی بد قسمتی یہ کہ یہ دونوں صفحہ ہستی سے ناپید ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ قرآن باطوق ہے، نہ قرآن صامت۔ اب بے چارے قرآن کے نام سے اسی قرآن کو، جو خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے ذریعہ امت کو ملا ہے، نہ پڑھیں تو کیا کریں؟ اگر اللہ تعالیٰ نے قسم و بصیرت عطا فرمائی ہوتی تو ان امور پر غور کر کے تائب ہو جاتے مگر مشکل یہ ہے کہ

اول: آنجناب نے حافظ سیوطیؒ کی ”الائقان“ کے حوالے زیب رقم فرمائے ہیں۔ اسی الایقان کی ”۷۴ویں نوع قرآن کریم کے ناسخ و منسوخ“ کے ذیل میں یہ عبارت نظر سامی سے گزری ہوگی:

ترجمہ: ”حسین بن المغاری اپنی کتاب ”الناسخ و النسخ“ میں لکھتے ہیں کہ سجدہ ان چیزوں کے جن کی کتابت و تلاوت قرآن سے اٹھائی گئی، لیکن دلوں سے ان کی یادداشت نہیں اٹھائی گئی۔ وعائے قنوت کی دو سورتیں ہیں جو وتر میں پڑھی جاتی ہیں اور وہ ”سورة الخلع“ اور سورة الحنفد“ کہلاتی تھیں۔“

در منشور کے خاتمہ میں حافظ سیوطیؒ نے انہی دو منسوخ شدہ سورتوں کے بارے میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ” ذکر ما ورد فی سورة الخلع و سورة الحنفد“ یعنی ”ان روایات کا ذکر جو ان دو منسوخ شدہ سورتوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں“ اور اس کے ذیل میں ان دو سورتوں کی تفسیر نہیں دی بلکہ ایسی روایات ذکر کی ہیں جن میں ان دعویٰ کا غماز و ترغیر میں پڑھنا مذکور ہے۔ اب میں آنجناب ہی

ثانیاً: شیعہ قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر اس کو غلط سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی مقبول احمد اور نجم الحسن کراروی کے حوالے سے امام کا قول نقل کر چکا ہوں کہ ”قرآن کو غلط ہی پڑھو۔“ جب شیعہ اپنے امام کے قول سے ”مجبور“ ہو کر قرآن کو غلط سمجھتے ہیں تو انصاف کیا جائے کہ ان کا قرآن کو پڑھنا اور اس کی تفسیریں لکھنا کیا ان کے ایمان بالقرآن کی دلیل ہو سکتا ہے؟

ثالثاً: شیعوں نے قرآن کریم کی جو تفسیریں لکھی ہیں (اگر ان کو تفسیر کہنا صحیح ہو) وہ خود اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ان کے لکھنے والوں کا قرآن کریم پر ایمان نہیں۔ بلکہ وہ قرآن کے تحریف شدہ ہونے کا اعلان و اقرار کر رہے ہیں۔ تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر صافی، تفسیر البرہان، ترجمہ مقبول اور ترجمہ فرمان علی کا حال آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کسی اور تفسیر کا نام لیجئے اور قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے۔

خامساً: یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے بھی قرآن کریم کی تفسیریں لکھی ہیں (اگر ان کو تفسیر کا نام دینا صحیح ہو) کیا ان کے اس طرز عمل کو ان کے "ایمان بالقرآن" کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! یہی حال شیعہ مفسرین کا بھی سمجھ لیا جائے۔

نواں لطیفہ: ”حافظ سیوٹی نے ”درمنثور“ میں ۱۱۳ سورتوں کے بجائے ۱۱۶ سورتوں

کے فہم و انصاف کو منصف بناتا ہوں کہ کیا اس کا نام ”تحریف“ رکھنا شرعاً و عقلاً و عرفاً و اخلاقاً جائز ہے؟

میں آنجناب کے پانچویں لطیفے کے ذیل میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرات شیعہ کو جب اپنی خفت مٹانے کے لئے اہل سنت پر تحریف کا الزام لگانے کا شوق چراتا ہے تو وہ نسخ یا اختلاف قرأت کی روایات نقل کر کے اپنا دل خوش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنجناب نے بھی یہی کیا کہ حافظ سیوطی ”تو ان دو سورتوں کے منسوخ الیسم والتلاوت ہونے کی تصریح کر رہے ہیں اور آنجناب ان پر تحریف کا الزام لگا رہے ہیں۔ انصاف کیجئے کہ کیا دین و دیانت اسی کا نام ہے۔

دوم: یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جب کہ ان روایات کی صحت و قطعیت کو تسلیم کر لیا جائے، حالانکہ یہ روایات اول تو اخبار آحاد ہیں۔ پھر ان میں سے اکثر و بیشتر مرسل، مقطوع اور مجہول ہیں۔ جن سے یہ مفروضہ قطعی طور پر ثابت ہی نہیں ہوتا کہ یہ دو سورتیں بطور قرآن نازل بھی ہوئی تھیں، جن کی تلاوت بعد میں منسوخ کر دی گئی۔

چنانچہ حافظ سیوطی نے مذکورہ بالا عبارت کے متصل لکھا ہے:

”تنبیہ: حکمی القاضي أبو بكر في الانتصار عن قوم إنكار هذا الضرب، لأن الأخبار فيه أخبار آحاد، ولا يجوز القطع على إزال القرآن ونسخه بأخبار آحاد، لا حجة فيها“ (الاتقان ص: ۲۶ ج: ۲)۔

ترجمہ: ”آجھو کرنے کی ایک بات یہ ہے کہ قاضی ابو بکر نے اپنی کتاب ”الانتصار“ میں علماء کی ایک جماعت سے صحیح کی اس قسم کا انکار نقل کیا ہے۔ کیونکہ روایتیں اس بارے میں اخبار آحاد ہیں۔ اور جائز نہیں ہے یقین کرنا قرآن کے نازل ہونے، پھر منسوخ ہو جانے کا اخبار آحاد کی بنا پر، جو کسی طرح سند نہیں ہو سکتیں۔“

حافظ سیوطی ”کی اس عبارت کو پڑھ کر اپنے ضمیر سے داد انصاف طلب کیجئے کہ

آنجناب کا ان پر یہ الزام کہ وہ ”در منثور“ میں ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر لکھ رہے ہیں، عقل و منطق کی میزان میں کتنا وزن رکھتا ہے؟

سوم: آنجناب فرماتے ہیں کہ ”علمائے شیعہ کے مصنفات میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی جاسکتی۔“ غالباً آنجناب کو علمائے شیعہ کے دفاتر کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا، ورنہ یہ دعویٰ آنجناب کی زبان قلم سے سرزد نہ ہوتا۔ میں آنجناب کو کسی طویل کتاب کے پڑھنے کی زحمت نہیں دوں گا، علامہ باقر مجلسی کے چھوٹے سے رسالہ ”مذکرۃ الائمہ“ کے مطالعہ کی فرمائش ضرور کروں گا۔ اس میں آنجناب کو ”سورة النورین“ اور ”سورة الولایت“ دو سورتوں کا پورا متن ملے گا، جن کے بارے میں مجلسی کا دعویٰ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مصحف امام سے سنا کر دیا تھا۔ اسی میں یہ عبارت بھی ملے گی کہ امیر المؤمنین اور اہل بیت کی فضیلت کی آیات اور مذمت قریش اور مذمت منافقین کی آیات حضرت عثمانؓ نے مصحف امام سے نکل دیں۔ نیز یہ کہ سورة فرقان کی آیت: ”لم اتخذ فلاناً خلیلاً“ دراصل یوں تھی: ”لم اتخذ ابابکر خلیلاً۔“ حضرت عثمانؓ نے ”ابابکر“ کے لفظ کو ”فلاناً“ میں بدل دیا۔ اسی میں حضرت امام صادقؑ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سورة الاحزاب بڑی طویل سورت تھی اور اس میں قریش کے لوگوں کے فضائل تھے۔ ”ایشان تحریف وادند و کم کردند“ (جامعین قرآن نے اس میں تحریف کر دی اور اسے کم کر دیا)۔

اس بحث کے خاتمہ پر میں آنجناب کی اس دعا پر بعد اخلاص والاحاح آمین کہتا ہوں کہ: ”اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے۔“ کریم آقا کے کرم سے کیا بعید ہے کہ وہ اس مخلصانہ دعا کو شرف قبول بخشیں۔

باب چہارم

اس باب میں آنجناب کے متفرق سوالات و مناقشات کا جواب لکھتا ہوں:

۱۔ حدیث ”اصحابی کالنجوم“

آنجناب نے حافظ ابن حزمؒ کی کتاب الاحکام کے حوالے سے حدیث ”اصحابی کالنجوم“ کی تضعیف نقل کی ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس حدیث کا مضمون صحیح ہے اور اہل سنت کی کتابوں کے علاوہ اہل تشیع کی مستند کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی بحار الانوار کی کتاب العلم کے ”باب علل اختلاف الاخبار“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

۱۔ قال الشيخ الطبرسي في كتاب الاحتجاجات: روي عن الصادق عليه السلام: أن رسول الله ﷺ قال: ما وجدتم في كتاب الله عز وجل فالعمل به لازم ولا عند لكم في تركه، وما لم يكن في كتاب الله عز وجل وكان في سنة مني^(۱) فلا عند لكم في تركه مني، وما لم يكن فيه سنة مني فما قال أصحابي فقولوا به^(۲) فإنا مثل أصحابي فيكم كمثل النجوم بآبائها أخذ امتي^(۳) وبآبائي أقاديل أصحابي أخذتم امتديتم، واختلاف أصحابي لكم رجة.

أقول: روى الصدوق في كتاب معاني الأخبار، عن ابن الوليد، عن الصادق، عن الغائب، عن ابن الكلوب، عن إسحاق بن عمار، عن الصادق، عن آبائه عليه السلام إلى آخر ما نقله درواه الصفار في البصائر.

(بحار الانوار صفحہ ۲۲۰، جلد ۲)

ترجمہ: ”شیخ طبری کتاب الاحتجاجات میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پاؤ اس پر عمل لازم ہے۔ اور اس کے چھوڑنے میں تمہارے لئے کوئی عذر نہیں۔ اور جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور میری سنت میں ہو اس کے چھوڑنے میں بھی تمہارے لئے کوئی عذر نہیں۔ اور جو میری سنت میں بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہؓ نے فرمایا ہو اس پر عمل کرو۔ کیونکہ تم میں میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کو بھی پکڑا جائے راستہ مل جائے گا۔ اسی طرح میرے صحابہؓ میں سے جس کے قول کو بھی اختیار کر لو گے ہدایت پاؤ گے اور میرے صحابہؓ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے الخ“

”شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں اپنی سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد آخر تک نقل کیا ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد بن حسن الصفار نے بھی اپنی کتاب ”بصائر الدرجات“ میں روایت کیا ہے۔“

نیز علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی کتاب العلم ”باب ثواب المہدایۃ والتعلیم، وفضلہما وفضل العلماء“ کے ذیل میں ”منیۃ المرید“ کے حوالے سے اسی مضمون کی ایک اور حدیث نبویؐ نقل کی ہے:

۸۵۔ وقال علی بن ابي طالب: إن مثل العلماء، في الأرض كمثل النجوم في السماء، يهتدى بها في ظلمات البر والبحر، فإذا طلعت أوشك أن تفضل الهداة.

(بحار الانوار صفحہ ۲۵، جلد ۲)

ترجمہ: ”فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں علماء کی مثل ایسی ہے جیسے آسمان میں ستارے، جن سے پروہ کر میں راہ پائی جاتی ہے۔ جب ستارے بے نور ہو جائیں تو راہ پانے والوں کے بھٹکنے کا اندیشہ قوی ہے۔“

۲۔ حدیث ”اختلاف امتی رحمۃ“

میں نے ”اختلاف امتی رحمۃ“ کا حوالہ دیا تھا، آنجناب نے اس پر یہ مناقشہ کیا

کہ ”یہ حدیث محدثین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں،
کما نقل المناوی عن السبکی، الخ۔“

جواباً گزارش ہے کہ جہاں سے آنجناب نے مناوی کی یہ عبارت نقل کی تھی،
وہیں یہ عبارت بھی موجود تھی:

”نصر المقدسی فی الحجة والبیہقی فی الرسالة

الأشعرية بغیر سند، وأورده الخلیمی والقاضی حسین

وامام الحرمین وغیرہم ولعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ

التي لم تصل إلینا“ (فیض التقدیر صفحہ ۲۰۴، جلد ۱)

ترجمہ: ”اس حدیث کو نصر مقدسی نے ”الحجۃ“ میں اور بیہقی نے ”رسالۃ

اشعریہ“ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور خلیمی، قاضی حسین، امام الحرمین اور

دیگر حضرات نے بھی اس کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ شاید بعض حفاظ کی

کتابوں میں اس کی تحریف کی گئی ہوگی جو ہم تک نہیں پہنچیں۔“

الغرض علامہ مناویؒ نے اس حدیث کے مضمون کو تسلیم کیا ہے اور اس سلسلہ

میں متعدد اکابر کے نام ذکر کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اوپر ”اصحابی کالنجوم“

کے ذیل میں شیعوں کی مستند کتابوں سے جو روایت نقل کر چکا ہوں، اس کا ایک ٹکڑا

”اختلاف اصحابی لکم رحمۃ“ بھی ہے۔ جس کا مضمون بعینہ یہی ہے۔

امام غزالیؒ نے ”احیاء العلوم“ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور حافظ عراقی نے

تحریج احیاء میں اس کے لئے بیہقی کی مدخل کا حوالہ دیا ہے:

”ذکرہ البیہقی فی رسالته الأشعرية تعلیقاً،

وأسنده فی المدخل من حدیث ابن عباس إسناده

ضعیف“ (حاشیہ احیاء صفحہ ۲۷، جلد ۱)

ترجمہ: ”اس حدیث کو بیہقی نے رسالہ اشعریہ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے

اور اسوں نے ”المدخل“ میں ابن عباس کی حدیث سے اس کو سند کے

ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند کمزور ہے۔“

حافظ شمس الدین سخاویؒ نے ”المقاصد الحسنۃ“ میں بیہقی کی سند بھی نقل کر دی
ہے اور پورا متن بھی جو حسب ذیل ہے:

حدیث: اختلاف أمتی رحمة، البیہقی فی

المدخل من حدیث سلیمان بن أبی کریمۃ عن جویبر عن

الضحاک عن ابن عباس، قال قال رسول الله ﷺ: «مہما

أوتیتہم من کتاب الله فالعمل به لا عذر لأحد فی ترکہ،

فإن لم یکن فی کتاب الله فسنة منی ماضیة، فإن لم

تکن سنة منی فما قال أصحابی، إن أصحابی بمنزلة

النجوم فی السماء، فأیما أخذتم به اهتدیتم، واختلاف

أصحابی لکم رحمة» ومن هذا الوجه أخرجه الطبرانی

والدیلمی فی مسنده بلفظه سواء، وجویبر ضعیف جداً

والضحاک عن ابن عباس منقطع، وقد عزاه الزرکشی إلی

کتاب الحجۃ لنصر المقدسی مرفوعاً من غیر بیان لسنده

ولا صحابیه وكذا عزاه العراقی لأدم بن أبی أیاس فی

کتاب العلم والحکم بدون بیان لفظ: اختلاف أصحابی

رحمة لأمتی. قال: وهو مرسل ضعیف، وبهذا اللفظ

ذکرہ البیہقی فی رسالته الأشعرية بغیر إسناد.

چونکہ حدیث کے الفاظ قریباً وہی ہیں جو اوپر شیعہ کتابوں کے حوالے سے نقل

کر چکا ہوں، اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ محدثین اہلسنت نے تو اس حدیث کو سند

ضعیف کہا ہے لیکن علامہ مجلسی نے بحار الانوار کتاب العلم کے باب نمبر ۷

”آداب طلب العلم واحکامہ“ میں امام صادق کی زبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو:

۱۹ - مع ، ج ۱ ، ع : الدقاق ، عن الأسدي ، عن صالح بن أبي حماد ، عن أحد ابن هلال ، عن ابن أبي عمير ، عن عبد المؤمن الأنصاري ، قال : قلت لأبي عبد الله عليه السلام : " إن قوماً يردون أن رسول الله ﷺ قال : اختلاف أمتي رحمة فقال : صدقوا .

(بحار الانوار صفحہ ۲۲، جلد ۱)

ترجمہ : "صدق نے معانی الاخبار میں ، طبری نے کتاب الاحتجاج میں اور صدوق نے علل الشرائع میں اپنی سند سے عبد المؤمن انصاری سے نقل کیا ہے . وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا : "اختلاف امتی رحمت" امام صادق نے فرمایا ، "یہ لوگ ٹھیک روایت کرتے ہیں۔"

اس کے بعد امام سے اس کی تاویل نقل کی ہے ، مگر مجھے تو اس سے غرض ہے کہ امام نے اس حدیث کی تصحیح و تصدیق فرمائی ہے۔ تاویل خواہ کچھ بھی ہو۔ تعجب ہے کہ آنجناب نے السبکی وغیرہ علمائے اہل سنت کی تقلید میں اس کو بے سند کہہ دیا۔ مگر اپنے امام معصوم کی مستند تصحیح و تصدیق کی کوئی پروا نہیں کی۔ "ان هذا الشئ عجاب" رہا آپ کا ابن حزم کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ :

لو كان الاختلاف رحمة لكان الاتفاق سخطا ،

وهذا ما لا يقوله مسلم ، لأنه ليس اتفاق أو اختلاف .

ترجمہ : "اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق غضب ہو گا اور کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دو ہی صورتیں ہیں ، یا اتفاق ہو گا یا اختلاف ہو گا۔ لہذا اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق غضب ہو گا۔"

(الاحکام فی اصول الاحکام ص ۶۳ ج ۵)

حافظ ابن حزم کا یہ شبہ ان کی عقلیت و ذکاوت کا شاہکار ہے۔ انہوں نے حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ، اول تو ہمارے نزدیک مفہوم مخالف حجت نہیں۔ علاوہ ازیں مفہوم مخالف کے قائلین کے نزدیک بھی ہر جگہ مفہوم مخالف سے استدلال جائز نہیں۔ حافظ ابن حزم اگر غور و تأمل سے کام لیتے تو انہیں نظر آتا کہ یہاں مفہوم مخالف سے استدلال کی گنجائش نہیں ، کیونکہ حدیث میں امت مرحومہ کی فضیلت کا

اظہار مقصود ہے کہ اس امت کا اتفاق و اتفاق ، اس کا اختلاف بھی رحمت ہے اور اس میں بھی حکمت الہیہ کار فرما ہے۔ امام دارمی نے "باب اختلاف الفقہاء" میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے نقل کیا ہے کہ ان سے عرض کیا گیا کہ کاش ! آپ لوگوں کو ایک بات پر جمع کر دیتے ، جواب میں حضرت نے فرمایا :

ما يسرنى أنهم لم يختلفوا ، ثم كتب إلى الآفاق أو

إلى الأمصار ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاءهم

(سنن دارمی - صفحہ ۲۲، جلد ۱ - مطبوعہ نشر السنۃ لبنان)

ترجمہ : "مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ لوگوں کے درمیان اختلاف نہ ہو۔ پھر شہروں میں بخشی فرماں جاری فرمایا کہ ہر قوم کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے جس پر وہاں کے فقہاء جمع ہوں۔"

حافظ شمس الدین سخاوی "مقاصد حسنہ" میں لکھتے ہیں :

وفى المدخل له من حديث سفیان عن أفلح بن

حميد عن القاسم بن محمد قال : اختلاف أصحاب محمد

ﷺ رحمة لعباد الله ، ومن حديث قتادة أن عمر بن عبد

العزیز كان يقول : ما سرنى لو أن أصحاب محمد ﷺ لم

يختلفوا لأنهم لو لم يختلفوا لم يكن رخصة .

(مقاصد الحسنہ صفحہ ۲۹)

ترجمہ : "یہی ہی کتاب المدخل میں امام قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف بندوں کے لئے رحمت ہے"

نیز عمر بن عبد العزیز کا قول نقل کیا ہے کہ "اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی کیونکہ اس صورت میں امت

کے لئے رخصت و گنجائش نہ رہتی۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد اور حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے اکابر اختلاف امت کو رحمت قرار دے رہے ہیں ، علم و فہم ، طہارت و تقویٰ اور رموز دین سے واقفیت میں ان اکابر کا جو مرتبہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ غور فرمائیے کہ ان کے

مقابلہ میں حافظ ابن حزمؒ کے قول میں کتنا وزن رہ جاتا ہے؟
اس ضمن میں علامہ سخاویؒ نے ”مقاصد حسن“ میں ایک عجیب بات یہ نقل کی ہے

ذکرہ الخطابی فی غرب الحدیث مستطردا

”فقال: اعترض هذا الحدیث رجلا: أحدهما

ماجن والآخر ملحد، وهما: إسحاق الموصلي وعمرو بن

بحر الجاحظ وقالوا: لو كان الاختلاف رحمة لكان

الاتفاق عذابا، ثم تشاغل الخطابی برد كلاميهما، ولم

يشف فی عزو الحدیث، لكنه أشعر بأن له أصلا عنده

(مقاصد حسن ص ۵۰)

ترجمہ: ”اس حدیث کو امام خطابیؒ نے ”غریب الحدیث“ میں نمنا ذکر

کر کے کہا ہے کہ اس حدیث پر دو شخصوں نے اعتراض کیا۔ ایک فحش گو ہے

اور دوسرا ملحد۔ اور یہ دونوں اسحاق موصلی اور جاحظ ہیں۔ دونوں نے یہ کہا

کہ اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق عذاب ہوگا۔ اس کے بعد امام خطابی ان

دونوں کی بات کے رد کرنے کے درپے ہوئے، مگر حدیث کی سند ذکر کرنے

میں کوئی شفا بخش بات نہیں کہی۔ تاہم یہ معلوم ہوا کہ امام خطابی کے نزدیک

اس حدیث کی اصل ہے۔“

میں نے یہ حوالہ یہ دکھانے کے لئے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو طعن و تشنیع کا
نشانہ بنانا کس قماش کے لوگوں کا مشغلہ رہا ہے؟ بہر حال میں نے دونوں پہلو آپ کے
سامنے رکھ دیئے ہیں ایک طرف صحیح اور مستند حوالوں کے ساتھ امام صادقؒ کا ارشاد کہ یہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور دوسری طرف اس حدیث پر ماجن اور ملحد
قسم کے لوگوں کی تنقید اور طعن و تشنیع۔ اب یہ آنجناب کی صوابدید ہے کہ امام صادقؒ کی
تصحیح کو قبول فرماتے ہیں یا ملحد و ماجن لوگوں کی تشنیع کو۔

۳۔ نظریاتی اختلاف

میں نے ”اختلاف امت اور صراطِ مستقیم“ میں لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور شیخینؒ کے بارگاہ دور میں امت میں نظریاتی اختلاف کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس
کی ابتدا حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے آخر میں ہوئی۔ آنجناب نے اس کو ”تجاہل
عارفانہ“ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ مسئلہ خلافت سمیت، جس کی کارروائی متنبہ

بنو ساعدہ میں ہوئی، نیز شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد کے فقہی اور نظریاتی

اختلافات پر آپ مطلع نہ ہوں۔“

اور پھر ان اختلافات کو ثابت کرنے کے لئے آنجناب نے چند کتابوں کا حوالہ دیا ہے

مجھے افسوس ہے کہ آپ ”نظریاتی اختلاف“ کا مطلب ہی نہیں سمجھے۔ اس لئے

فقہی اختلافات کو ”نظریاتی اختلافات“ کے ساتھ گڈڈ کر دیا، حالانکہ میں نے پوری

وضاحت اور صفائی سے لکھا تھا کہ:

”دوسری بات جس کا سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ امت میں دو قسم کے

اختلافات ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں قسم کے

اختلافات سے مطلع بھی کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے

بارے میں امت کو ہدایات بھی عطا فرمائیں، پہلی قسم کا اختلاف وہ ہے جو

اہلحدیث مسائل میں صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان رونما ہوا اور

جو آج حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اختلاف کے نام سے مشہور ہے، یہ اختلاف

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبداء دور میں بھی کبھی کبھی رونما

ہو جاتا تھا۔“

آج اس اختلاف کی تشریح کرتے ہوئے میں نے اسی کو رحمت قرار دیا تھا۔ اس

کے بعد دوسری قسم کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

”دوسری قسم کا اختلاف ”نظریاتی اختلاف“ کہلاتا ہے۔ (اور یہی اختلاف

آپ کے سوال کا موضوع ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

اختلاف کی بھی پیش گوئی فرمائی اور اس اختلاف میں حق و باطل کو جانچنے کا

معیار بھی مقرر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے: ”الحق“

اسی دوسری قسم کے اختلاف کے بارے میں میں نے لکھا کہ اس کا وجود دورِ نبویؐ

اور دورِ شیخینؒ میں نہیں تھا، بلکہ یہ عہد عثمانیؓ کے آخر میں پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ فقہی

اختلافات تو صحابہؓ کے دور میں بھی تھے لیکن عقائد و نظریات اور بدعات و اہوا کا اختلاف ان میں نہیں تھا۔ اس کا آغاز آخر دور عثمانیؓ میں ہوا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:

لم يحدث في خلافة عثمان رضي الله عنه بدعة ظاهرة، فلما قتل وتفرق الناس حدثت بدعتان متقابلتان، بدعة اطوارج المكفرين لعلي، وبدعة الرافضة المدعين لإمامته وعصمته أو نبوته أو إلهيته،

(منہاج السنۃ صفحہ ۱۸۳، جلد ۳)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوئی بدعت ظاہرہ پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی شہادت کے بعد جب لوگوں میں الفراق ہوا تو دو بدعتیں، جو باہم متقابل تھیں، پیدا ہوئیں۔ ایک خوارج کی بدعت، جو نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے تھے، دوسری رافضیوں کی بدعت، جو ان کی امامت و عصمت یا نبوت یا الوہیت کے قائل تھے۔“

شیخ الاسلامؒ کی عبارت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بدعت ظاہرہ پیدا نہیں ہوئی، مطلب یہ کہ بدعت رفض کی خفیہ تحریک عہد عثمانیؓ کے اواخر میں شروع ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا اعلانیہ ظہور نہیں ہوا تھا۔ اس کا ظہور ان کی شہادت کے بعد ہوا۔

۴۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق اقی تھے

میں نے شیعہ کے نظریہ امامت کی تردید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ شیعہ مذہب کا نقطہ نظریہ یہ ہے کہ:

”حضرت علی کرم اللہ وجہہ، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و قریب ہیں اس لئے وہی آپ کی خلافت و جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ نظریہ بظاہر سادہ اور خوش نما ہونے کے باوجود اسلام کی دعوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس سالہ تعلیم کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ اسلام نے

نسلی امتیاز اور خاندانی غرور کے سلسلے بتوں کو پاش پاش کر کے عزت و شرافت اور سیادت و بزرگی کا مدار ”تقویٰ“ پر رکھا تھا۔ اور تقویٰ کی صفت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سب سے فائق اور سب کے سر تاج تھے، (چنانچہ قرآن مجید کی سورہ واللیل میں انہی کو ”الائقی“ یعنی سب سے زیادہ متقی فرمایا گیا ہے) اس لئے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔“ (اختلاف امت اور صراط مستقیم صفحہ ۱۹)

آنجناب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

”آپ کی تحریر (صفحہ ۱۹) سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو بحیثیت خلیفہ کے انتخاب کرتے وقت صفت تقویٰ کو ملحوظ رکھا تھا اور نسلی امتیاز اور آنحضرتؐ سے قرب کو نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ تاریخ و حدیث کا ہر طالب علم اس امر سے واقف ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکرؓ کی سفید بنی ساعدہ میں بیعت کرتے وقت صرف دو ہی دلیل پیش کی تھیں۔ ایک تو قریش کی عمومی عزت اور نسلی امتیاز جسے تمام قبائل عرب تسلیم کرتے تھے اور دوسرے آنحضرتؐ سے قربت و درینہ تعلق۔ وہاں تقویٰ کی کوئی بحث نہیں تھی۔ اور نہ ہی اسے کسی مستند کتاب سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے متقی ہونے میں کلام نہیں، لیکن ”الائقی“ کی جو بحث آپ نے اٹھائی ہے اور بحیثیت اصول کے جس طرح آپ نے اسے بیان کیا ہے وہ عمل نظر ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل اثبات ہے۔ یعنی سفید بنی ساعدہ میں ”متقی ہندار خلافت“ کی بحث نہ چھڑی تھی اور نہ اس اصول پر حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ یہ انتخاب انہیں اصول پر عمل میں آیا تھا جن کی آپ نے نفی کی ہے۔“

یہاں دو مقام ہیں، ایک یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ”الائقی“ تھے۔ قرآن کریم میں ”الائقی“ انہی کے حق میں فرمایا گیا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی ان کو ”خیر ہذہ الامۃ“ سمجھتے تھے۔ دوم یہ کہ ان کے استخفاف کے موقع پر ان کی افضلیت کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔

مقام اول: سورۃ اللیل کی آیت کریمہ وسیجنہا الاتقی میں "الاتقی" انہی کو فرمایا گیا ہے۔ اس پر قریباً تمام مفسرین کا اجماع ہے:

۱۔ حافظ جمال الدین سیوطی "اپنے رسالہ "الحبل الوثیق فی نصرة الصدیق میں لکھتے ہیں:

"وقد تواردت خلافت من المفسرين لا يحصون

على أنها نزلت في حق أبي بكر رضي الله عنه، وكذا

أصحاب الكتب المولفة في المبهمات" (الجاوی للفتاویٰ صفحہ ۳۲۸)

ترجمہ: "بہ شکر مفسرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسی طرح جن حضرات نے "مبہمات" پر کتابیں لکھی ہیں انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے۔"

۲۔ تفسیر مظہری میں ہے:

"لا اتفاق المفسرين على أن الآية نزلت في أبي

بكر الصديق فالغرض منه توصيف الصديق بكونه اتقي

الناس أجمعين غير الأنبياء" (تفسیر مظہری صفحہ ۲۷۹، جلد ۱۰)

ترجمہ: "کیونکہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، پس آیت کا دعایہ بتانا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو چھوڑ کر وہ باقی تمام انسانوں میں سب سے زیادہ متقی ہیں۔"

۳۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"وقد ذكر غير واحد من المفسرين أن هذه الآيات

نزلت في أبي بكر الصديق رضي الله عنه حتى أن بعضهم

حكى الإجماع من المفسرين على ذلك"

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۲۱، جلد ۲)

ترجمہ: "بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، یہاں تک کہ بعض حضرات نے اس پر مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے۔"

۴۔ تفسیر زاد المسیر میں ہے:

(الاتقی) یعنی: أبا بكر الصديق في قول جميع

المفسرين"

(تفسیر زاد المسیر صفحہ ۱۵۲، جلد ۹)

ترجمہ: "الاتقی" سے تمام مفسرین کے قول میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔"

۵۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

"والأكثر أن السورة نزلت في أبي بكر رضي الله

عنه، وروى ذلك من ابن مسعود وابن عباس وعبد الله بن

الزبير وغيرهم"

(تفسیر قرطبی صفحہ ۹۰، جلد ۲۰)

ترجمہ: "اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ بات صحابہ کرام میں سے ابن مسعود، ابن عباس اور عبد اللہ بن زبیر اور دیگر حضرات سے مروی ہے۔"

۶۔ تفسیر ابو السعود میں ہے:

"والآيات نزلت في حق أبي بكر الصديق رضي

الله عنه حين اشترى بلالا في جماعة كان يؤذيهم

المشركون فاعتقهم" (تفسیر ابو السعود جلد ۱۶۸، ج ۹)

ترجمہ: "یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ جب انہوں نے حضرت بلالؓ اور ایک جماعت کو خرید کر، لوچہ اللہ آزاد کر دیا، جن کو مشرکین ایذا میں دیتے تھے۔"

۷۔ تفسیر روح العالیٰ میں ہے:

"وهذه الآيات على ما سمعت نزلت في أبي بكر
رضي الله عنه... فقد أخرج ابن أبي حاتم عن عروة أن أبا
بكر الصديق رضي الله عنه اعتق سبعة كلهم يعذب في
الله عز وجل بلال وعامر بن فهيرة والنهدية وابنتها وزليخة
وأم عبيس وأمة بنى المؤمل وفيه نزلت **﴿وَسَيَجْزِيهَا﴾**
الاتقى **﴿﴾** إلى آخر السورة واستدل بذلك الإمام على أنه
رضي الله عنه أفضل الأمة" (تفسير روح العالیٰ... صفحہ ۱۵۲، ج ۳۰)
ترجمہ: "اور یہ آیات، جیسا کہ تم سن چکے ہو، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
کے بارے میں نازل ہوئیں..... چنانچہ ابن ابی حاتم نے عروہ سے روایت نقل
کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات افراد کو، جنہیں اللہ کی
راہ میں جتنا عذاب کیا جا رہا تھا، خرید کر آزاد کر دیا۔ یعنی حضرت بلالؓ،
عامرؓ بن فہیرہ، نہدیہ، ان کی صاحب زادی، زہیرہ، ام عبیس اور بنو
مؤمل کی ایک لونڈی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں
"وَسَيَجْزِيهَا الْاَتَقَى" سے آخر سورۃ تک نازل ہوئی۔ اور امام رازیؒ نے
اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ امت میں سب سے افضل
تھے۔"

۸۔ امام رازیؒ نے اس آیت شریفہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا
"افضل الخلق بعد الانبياء" ہونا ثابت کیا ہے۔ ان کی تقریر طویل ہے۔ اس لئے
صرف اس کے حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ اہل علم اصل کتاب کی طرف مراجعت
فرمائیں۔

الغرض اس آیت شریفہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "الاتقى" فرمایا
ہے۔ اس آیت شریفہ اور دیگر بے شمار نصوص کی روشنی میں حضرات صحابہ کرامؓ حضرت

صدیق اکبرؓ کو سب سے افضل جانتے تھے۔ چنانچہ جامع الاصول میں ہے:

۶۳۹۴۔ (خ د ت۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ

عنہما) قال: "كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله

ﷺ، نخير أبا بكر، ثم عمر، ثم عثمان" (اخرجه البخاري)

وله في رواية قال: "كنا زمن النبي ﷺ لا

نعدل بأبي بكر أحدا، ثم عمر، ثم عثمان ثم نترك

أصحاب رسول الله ﷺ، لا نفاضل بينهم، وأخرج أبو

داود الثانية ولأبي داود كنا نقول ورسول الله ﷺ.

حي: أفضل أمة النبي ﷺ بعده: أبو بكر، ثم عمر، ثم

عثمان. وفي رواية الترمذی: «كنا نقول ورسول الله

ﷺ حي: أبو بكر، وعمر، وعثمان».

(جامع الاصول ج: ۸، ص: ۵۷۹)

ترجمہ: "بخاری، ابو داؤد، ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام

کے درمیان ترجیح دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو ترجیح

دیتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کو، پھر حضرت عثمانؓ کو۔ یہ بخاری کی روایت

ہے۔

"اور بخاری کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابو بکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے

تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کے، پھر حضرت عثمانؓ کے۔ پھر باقی صحابہؓ میں کسی کو

دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ امام ابو داؤد نے یہ دوسری روایت نقل کی

ہے۔

"اور ابو داؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حیات میں یہ کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

آپ کی امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ۔ اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں (صحابہؓ کی ترتیب بیان کرتے ہوئے) کہا کرتے تھے (اولیٰ)

ابو بکرؓ، (دوم) عمرؓ، (سوم) عثمانؓ۔

رہا دوسرا مقام: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی افضلیت کی بنا پر کیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرات انصارؓ سے فرمایا کہ قریش کے دو بزرگ تمہارے سامنے موجود ہیں، (یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح) ان سے بیعت کر لو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بل نبايعك أنت، فأنت سيدنا وخيرنا وأحبنا إلى

رسول الله ﷺ (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۵۱۸)۔

ترجمہ: "نہیں! بلکہ ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے افضل ہیں، اور ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔"

اور صحیح بخاری میں دوسری جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری خطبہ منقول ہے، جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے استخفاف کا واقعہ مفصل بیان فرمایا۔ اسی میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انصارؓ سے فرمایا کہ ان دو بزرگوں میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

فلم أكره مما قال غيرها، كان والله! إن أقدم

فتضرب عنقي لا يقربني ذلك من إثم أحب إلى من أن أتامر على قوم فيهم أبو بكر، اللهم إلا أن تسول لي نفسي

عند الموت، لا أبجده الآن. (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۱۰۱۰، جلد ۲)

ترجمہ: "حضرت ابو بکرؓ کی تقریر میں بس یہی ایک بات مجھے بری لگی۔ بخدا! آگے بڑھا کر میری گردن اڑا دی جاتی، بشرطیکہ یہ چیز مجھے گناہ کی قریب نہ کرتی، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب تھا کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر ہوں،

جن میں ابو بکرؓ موجود ہوں۔ الّا یہ کہ خدا خواست میرا نفس موت کے وقت مجھے (ابو بکرؓ سے افضلیت) کا خیل دلائے۔ جواب تک میرے دل میں نہیں ہے۔"

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر کے آخر میں ان دو بزرگوں میں سے کسی ایک سے بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فوالله ما بقى شيء كنت أحب أن أقوله إلا وقد

قاله يومئذ غير هذه الكلمة، فوالله لأن أقتل ثم أحيأ (ثم

أقتل ثم أحيأ) في غير معصية أحب إلى من أن أكون

أميراً على قوم فيهم أبو بكر، قال: ثم قلت: يا معشر

الأنصار، يا معشر المسلمين! إن أولى الناس بأمر رسول

الله صلى الله عليه وسلم من بعده ثانی اثنين إذ هما في

النار أبو بكر السابق المجين، ثم أخذت بيده وبادرتني

رجل من الأنصار فضرب على يده قبل أن أضرب على

يده، ثم ضربت على يده وتتابع الناس"

(مصنف ابن ابی شیبہ..... صفحہ ۵۲۶، جلد ۱۳)

ترجمہ: "پس بخدا! جتنی باتیں میں اس موقع پر کہنا چاہتا تھا وہ سب حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہہ ڈالیں۔ سوائے اس آخری بات کے۔ پس بخدا!

مجھے قتل کروایا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا، پھر قتل کیا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا۔ بغیر گناہ

کے۔ مجھے زیادہ محبوب تھا اس بات سے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر ہوں

جن میں ابو بکرؓ موجود ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ اے جماعت انصار! رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؓ کی جانشینی کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو آپؓ کا رفیق خدا تھا۔ اور وہ ابو بکرؓ ہیں، جو واضح طور پر سبقت

کرنے والے ہیں۔ پھر میں نے بیعت کے لئے ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور انصار کے

ایک صاحب نے مجھ سے سبقت کر کے ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اس سے قبل کہ میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔

نیز نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ اور طبقات ابن سعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"قال: لما قبض رسول الله ﷺ قالت الأنصار: من أمير ومنكم أمير، قال: فأتاهم عمر فقال: يا معاشر الأنصار! أستم تعلمون أن رسول الله ﷺ أمر أبا بكر أن يصلي بالناس؟ قالوا: بلى، قال: فأيكم تطيب نفسه أن يتقدم أبا بكر، فقالوا: نعم، بالله أن نتقدم أبا بكر، (نسائی ج: ۱، ص: ۱۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۱۴، ص: ۵۶۷، مستدرک حاکم ج: ۳، ص: ۶۶، طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۷۹)۔

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو انصار نے کہا کہ ایک امیر ہمارا ہو گا، اور ایک تمہارا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے جماعت انصار! کیا آپ حضرات کو علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟ انہوں نے کہا، بے شک! فرمایا، پھر تم میں سے کس جتنی چاہے گا کہ وہ حضرت ابو بکرؓ سے آگے ہو؟ کہنے لگے، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابو بکرؓ کے آگے ہوں۔"

نیز مصنف ابن ابی شیبہ اور طبقات ابن سعد میں امام محمد بن سیرینؒ کی روایت ہے:

"قال: لما توفي النبي ﷺ أتوا أبا عبيدة، فقال أتأتوني وفيكم ثالث ثلاثة؟ قال أبو عون: قلت: لعمري ما

ثالث ثلاثة؟ قال: ألم تر إلى تلك الآية ﴿وَإِذْ هَمَّ فِى الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾

(مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۱۴، ص: ۵۷۰،

طبقات ابن سعد ج: ۳، ص: ۱۸۱ واللفظ له)۔

ترجمہ: "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو لوگ بیعت کے لئے ابو عبیدہؓ کے پاس آئے، انہوں نے فرمایا، تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں "تین میں سے تیسرا" موجود ہے؟ ابو عون کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرینؒ سے کہا کہ "تین میں سے تیسرا" کا کیا مطلب؟ فرمایا، تم نے اس آیت کو نہیں دیکھا: "جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب نبیؐ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے، غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

مطلب یہ کہ غار میں یہ دونوں حضرات تھے۔ تیسرا ان کے ساتھ اللہ تھا، لہذا ابو بکرؓ "ثالث ثلاثہ" یعنی "تین میں سے تیسرے" ہوئے۔

ان تمام روایات سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے ان کے احق بالخلافت ہونے پر استدلال کیا، اور ان کا استخفاف ان کی افضلیت اور سوابق اسلامیہ و خدمات جلیلہ کے پیش نظر عمل میں آیا تھا، محض نسبی قربت کی وجہ سے نہیں۔

۵۔ حضرت علیؓ کا ارشاد: خیر هذه الامة بعد نبیہا ابو بکر ثم عمر

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

"صفحہ ۱۹ میں آپ نے حضرت علیؓ کے جس خطبہ کا حوالہ دیا ہے اس کا کوئی "مستند" آپ نے بیان نہیں کیا۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے حضرت علیؓ سے یہ الفاظ کسی معتبر کتاب میں منقول نہیں ہیں۔ اگر آپ کتاب کا حوالہ اور اعتبار بھی دیتے تو بات صاف ہو جاتی۔"

یہ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو اتر کے ساتھ منقول ہے، جناب کی اطلاع

کے لئے چند حوالے نقل کئے دیتا ہوں۔ حافظ ابن کثیرؒ ”البدایہ والنہایہ“ میں لکھتے ہیں:

”وقد ثبت عنه بالتواتر أنه خطب بالكوفة في أيام

خلافته ودور إمارته، فقال: أيها الناس! إن خير هذه

الامة بعد نبينا أبو بكر، ثم عمر، ولو شئت أن اسمي

الثالث سميت، وعنه أنه قال وهو نازل من المنبر: ثم

عثمان ثم عثمان“ (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۳۰)۔

ترجمہ: ”اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ

آپ نے اپنے دور خلافت میں اور اپنے دار الخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں

فرمایا کہ لوگو! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں

سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ اور اگر میں تیسرے کا نام لینا چاہوں تو

لے سکتا ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ، منبر سے اترتے ہوئے

فرمایا، پھر عثمانؓ، پھر عثمانؓ۔“

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ”منہاج السنۃ“ میں اور حافظ شمس الدین

الذہبیؒ ”المنتقى“ میں لکھتے ہیں:

”وقد تواتر عن أمير المؤمنين علي بن أبي طالب

رضي الله عنه إنه قال: خير هذه الأمة بعد نبينا أبو بكر،

ثم عمر، وقد روى هذا عنه من طرق كثيرة، قيل إنها تبلغ

ثمانين طريقا، وقد روى البخاري عنه في

صحيحه..... عن محمد بن الحنفية قال قلت:

لأبي: يا أبت من خير الناس بعد رسول الله ﷺ؟

فقال: يا بني أو ما تعرف؟ فقلت: لا، قال: أبو بكر،

فقلت: ثم من؟ قال: عمر، وهذا يقوله لابنه بينه وبينه،

ليس هو مما يجوز أن يقوله تقيه، ويرويه عن أبيه خاصة،

وقاله علي المنبر“ (منہاج السنۃ ج ۴، ص ۱۶۲، المنتقى ص ۳۶۱)۔

ترجمہ: ”حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے تواتر کے

ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ۔“ آپ کا یہ ارشاد

بہت سی اسناد کے ساتھ مروی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ اسناد ایسی کی تعداد کو

پہنچتی ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے اپنی ”صحیح“ میں آپ کا یہ ارشاد آپ کے

صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے

ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا، ابا جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا، بیٹا! تم نہیں

جانستے؟ میں نے کہا، نہیں! فرمایا، سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں۔ میں نے کہا،

پھر ان کے بعد کون؟ فرمایا، عمرؓ۔“

”اور یہ بات آپ اپنے صاحب زادے سے فرما رہے ہیں، جس میں تقیہ

کی گنجائش نہیں اور صاحب زادہ ہی اس کو بطور خاص اپنے والد سے روایت

کر رہے ہیں۔ اور یہی بات آپ نے برسر منبر بھی ارشاد فرمائی۔“

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”ازالة الخفا“ میں لکھتے ہیں:

”اما بیان فضیلت شیخین پس ازوے متواتر شدہ، مرفوعاً و موقوفاً۔ ہر چند اس

مسئلہ مذہب جمیع اہل حق است، اما کسی از صحابہ آں را مصرح ترو محکم تر

چوں علی مرتضیٰؓ نیاورد۔“ (ازالة الخفا..... صفحہ ۶۶، جلد ۱)

ترجمہ: ”رہا شیخین کی فضیلت کو بیان کرنا، پس آپؐ سے یہ مضمون

تواتر کے ساتھ وارد ہے۔ مرفوعاً اور موقوفاً بھی۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ تمام اہل

حق کا مذہب ہے۔ تاہم صحابہؓ میں سے کسی نے اس کو اتنی تصریح کے ساتھ

اور ایسے محکم انداز میں بیان نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نے بیان فرمایا۔“

اور چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

”ومن موقوفہ خیر هذه الامة ابو بكر ثم عمر“، و آں را

بہت سے روایت کردہ اند۔“

ترجمہ: "اور حضرت علیؑ کا یہ ارشاد کہ "اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ۔" اس کو ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔"

اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اس حدیث کے متعدد طرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز اسی سلسلہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

اما استدلال بر خلافت صدیق از جہت تفویض

امامت صلاۃ باو،

«فأخرج أبو عمر في الاستيعاب عن الحسن

البصري عن قيس بن عباد قال قال لي علي بن أبي طالب

رضي الله عنه، أن رسول الله ﷺ مرض ليالي وأياما

ينادي بالصلوة فيقول مروا أبا بكر يصلي بالناس، فلما

قبض رسول الله ﷺ نظرت فإذا الصلوة علم الإسلام

وقوام الدين، فرضينا لدنيانا من رضي رسول الله ﷺ

لدنيا، فبايعنا أبا بكر» (ازالة الخفا..... صفحہ ۶۸، جلد ۱)

ترجمہ: "ابا حضرت علیؑ کا حضرت صدیقؓ کی خلافت پر اس سے استدلال کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت ان کے سپرد فرمائی تھی، تو حافظ ابن عبد البر نے "الاستيعاب" میں حسن بصریؒ سے انہوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن بیمار رہے، نماز کے لئے بلایا جاتا تو فرماتے تھے "ابو بکرؓ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو میں نے غور کیا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ نماز، اسلام کا شعار اور دین کا مدار ہے۔ پس ہم نے اپنی دنیا کے لئے اس شخص کو پسند کر لیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا تھا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے "الاستيعاب" کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس کے لئے "الاستيعاب" بر حاشیہ "الاصابة" صفحہ ۲۵۱، جلد ۲ کی مراجعت کی جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "المطالب العالیہ" میں یہ حدیث مفصل نقل کی ہے۔ چونکہ یہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے اس لئے طویل ہونے کے باوجود یہاں پوری حدیث درج کرتا ہوں:

۴۴۵۸- الحسن يقول: لما قدم على البصرة في أمر طلحة

وأصحابه

قام عبد الله بن الكواء وابن عباد فقالا: يا أمير

المؤمنين! أخبرنا عن مسيرك هذا، أوصية أوصاك بها

رسول الله ﷺ أم عهدا عهدك، أم رأيا رأيته حين

تفرقت الأمة واختلفت كلمتها؟ فقال: ما أكون أول

كاذب عليه، والله ما مات رسول الله ﷺ موت فجأة،

ولا قتل قتلا، ولقد مكث في مرضه كل ذلك يأتيه

المؤذن، فيؤذنه بالصلاة، فيقول: مروا أبا بكر، فليصل

بالناس، ولقد تركني وهو يرى مكاني، ولو عهد إلي

شيئا لقمته به. حتى عارضت في ذلك امرأة من نسائه،

فقال: إن أبا بكر رجل رقيق إذا قام مقامك لم يسمع

الناس، فلو أمرت عمر أن يصلي بالناس، فقال لها: إنكن

صواحب يوسف: فلما قبض رسول الله ﷺ نظر المسلمون

في أمرهم، فإذا رسول الله ﷺ قد ولي أبا بكر أمر

دينهم، فولوه أمر دنياهم، فبايعه المسلمون وبايعته معهم،

فكنت أغزو إذا أغزاني، وأخذ إذا أعطاني، وكنت سوطا

بین یدیه فی إقامة الحدود، فلو كانت محابة عند حضور موته، لجعلها فی ولده، فأشار بعمر، ولم یألُ فبايعه المسلمون وبايعته معهم، فكننت اغزوا إذا اغزانی، وأخذ إذا أعطانی، وكننت سوطا بین یدیه فی إقامة الحدود، فلو كانت محابة عند حضور موته لجعلها فی ولده، وكره أن یتخیر منا معشر قریش، فیولیہ أمر الأمة، فلا تكون إساءة من بعده إلا لحقت عمر فی قبره، فاخترنا من امتنا أنا فیهم لنختار للأمة رجلا، فلما اجتمعنا وثب عبد الرحمن بن عوف فوهب لنا نصيبه منها علی أن نعطيه مواثیقنا علی أن یختار من الجماعة رجلا، فیولیہ أمر الأمة، فأعطیناه مواثیقنا، فأخذ بید عثمان فبايعه، ولقد عرض فی نفسی عند ذلك، فلما نظرت فی أمری فإذا مهدی قد سبق بیعتی، فبايعت وسلمت، فكننت أغزو إذا أغزانی وأخذ إذا أعطانی، وكننت سوطا بین یدیه فی إقامة الحدود، فلما قتل عثمان، نظرت فی أمری، فإذا الوثيقة التي كانت فی عنقی لأبی بكر وعمر قد انحلت، وإذا العهد لثمان قد وفیت به، وأنا رجل من المسلمین لیس لأحد عندی دعوی، ولا طلبه، فوثب فیها من لیس مثلی (یعنی معاویة) لا قرابته قرابتی، ولا علمه کعلمی، ولا سابقته کسابقتی، وكننت أحق بها منه، قالوا: صدقت، فأخبرنا عن مالك هذين الرجلین

(یعنیان طلحة والزبیر) صاحبك فی الهجرة، وصاحبك فی بیعة الرضوان، وصاحبك فی المشورة، فقال: بايعانی بالمدينة، وخالفانی بالبصرة، ولو أن رجلا ممن بايع أبا بكر خلعه لقاتلناه، ولو أن رجلا ممن بايع عمر خلعه لقاتلناه. (الإسحاق). (الطالب العلیه ص ۲۹۳ ج ۴) ترجمہ: ”حسن بصری“ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ، حضرت طلحہؓ اور ان کے رفقاء کے معاملہ میں بصرہ تشریف لائے تو عبد اللہ بن الکواء اور قیس بن عباد نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ہمیں اپنی تشریف آوری کے بارے میں بتائیے! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کی وصیت فرمائی تھی؟ یا آپ سے اس بارے میں کوئی تاکید فرمائی تھی؟ یا یہ آپ کی لیک رائے ہے جو آپ نے امت کے اختلاف اور اس کے معاملہ کے متفرق ہوجانے کے وقت اختیار فرمائی؟ آپ نے فرمایا، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جھوٹ بولنے والا نہ ہوں گا۔ اللہ کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اچانک نہیں ہوئی تھی، نہ آپ کو قتل کیا گیا، بلکہ آپؐ اپنی بیلری میں کئی دن رہے، اس عرصہ میں مؤذن آپؐ کے پاس آتا، آپؐ کو نماز کی اطلاع دیتا، آپؐ فرماتے کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری موجودگی کو دیکھ رہے تھے، اس کے باوجود آپؐ نے مجھے چھوڑ دیا (اور حضرت ابوبکرؓ کو الہام مقرر فرمایا) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ولی عہد بنایا ہوتا تو میں اس کام کو کرتا، اور آپؐ کی ازواج مطہراتؓ میں سے ایک بی بی نے آپؐ سے یہ گزارش بھی کی کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں، جب وہ آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکیں گے، اگر آپؐ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمادیتے تو بہتر تھا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم ان زمان مصر کی طرح ہو، جنہوں نے یوسف علیہ السلام سے زینا کی سفارش کی تھی۔

بین یدیه فی إقامة الحدود، فلو كانت محاباة عند حضور
موته، لجعلها فی ولده، فأشار بعمر، ولم یألُ فبايعه
المسلمون وبايعته معهم، فكننت اغزوا إذا اغزانی، وأخذ
إذا أعطانی، وكننت سوطا بین یدیه فی إقامة الحدود،
فلو كانت محاباة عند حضور موته لجعلها فی ولده، وكره
أن يتخير منا معشر قریش، فیولیہ أمر الأمة، فلا تكون
إساءة من بعده إلا لحقت عمر فی قبره، فأختار منا ستة
أنا فيهم لنختار للأمة رجلا، فلما اجتمعنا وثب عبد
الرحمن بن عوف فوهب لنا نصيبه منها على أن نعطيه
موثيقنا على أن يختار من الجماعة رجلا، فیولیہ أمر
الأمة، فأعطيناه موثيقنا، فأخذ بيد عثمان فبايعه، ولقد
عرض فی نفسی عند ذلك، فلما نظرت فی أمری فإذا
عهدي قد سبق بيعتی، فبايعت وسلمت، فكننت اغزو إذا
اغزانی وأخذ إذا أعطانی، وكننت سوطا بین یدیه فی
إقامة الحدود، فلما قتل عثمان، نظرت فی أمری، فإذا
الموثقة التي كانت فی عنقی لأبي بكر وعمر قد
انحلت، وإذا المهد لعثمان قد وفيت به، وأنا رجل من
المسلمين ليس لأحد عندي دعوى، ولا طلبه، فوثب فيها
من ليس مثلي (يعني معاوية) لا قرابته قرابتي، ولا
علمه كعلمي، ولا سابقته كسابقتي، وكننت أحق بها
منه، قالوا: صدقت، فأخبرنا عن مالك هذين الرجلين

(يعنيان طلحة والزبير) صاحبك في الهجرة، وصاحبك
في بيعة الرضوان، وصاحبك في المشورة، فقال:
بايعاني بالمدينة، وخالفاني بالبصرة، ولو أن رجلا ممن
بايع أبا بكر خلع لقاتلناه، ولو أن رجلا ممن بايع عمر
خلعه لقاتلناه. (لإسحاق). (الطلاب العاليه ص ۲۹۳ ج ۴)
ترجمہ: ”حسن بصری“ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور
ان کے رفقاء کے محلہ میں بصرہ تشریف لائے تو عبداللہ بن الکواء اور قیس بن
عباد نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے امیر المومنین! آپ ہمیں اپنی تشریف آوری
کے بارے میں بتائیے! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کی
وضیت فرمائی تھی؟ یا آپ سے اس بارے میں کوئی تاکید فرمائی تھی؟ یا یہ آپ
کی لیک رائے ہے جو آپ نے امت کے اختلاف اور اس کے محلہ کے
متفرق ہو جانے کے وقت اختیار فرمائی؟ آپ نے فرمایا، میں آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جھوٹ بولنے والا نہ بنوں گا۔ اللہ کی قسم!
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اچانک نہیں ہوئی تھی، نہ آپ کو قتل
کیا گیا، بلکہ آپ اپنی بیماری میں کئی دن رہے، اس عرصہ میں مؤذن آپ
کے پاس آتا، آپ کو نماز کی اطلاع دیتا، آپ فرماتے کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ
لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری موجودگی کو نہ دیکھ
رہے تھے، اس کے باوجود آپ نے مجھے چھوڑ دیا (اور حضرت ابو بکرؓ کو امام
مقرر فرمایا) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ولی عہد بنایا ہوتا تو میں
اس کام کو کرتا، اور آپ کی ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے آپ
سے یہ گزارش بھی کی کہ ابو بکرؓ نرم دل آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ
کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکیں گے، اگر آپ
حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم فرما دیتے تو بہتر تھا۔ آپ نے ان سے
فرمایا کہ تم ان زمان مصر کی طرح ہو، جنہوں نے یوسف علیہ السلام سے زینا
کی سفارش کی تھی۔

”پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو مسلمانوں نے اپنے معاملہ میں غور کیا، انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کو ان کے دین کا کام سپرد کر چکے ہیں، لہذا انہوں نے اپنے دنیا کے امور بھی ان کے سپرد کر دیئے، پس مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کر لی، پس جب حضرت ابوبکرؓ مجھے جملہ کے لئے بھیجے تو میں جہاد میں جاتا۔ اور جب مجھے ملنے میں سے عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور میں ان کے سامنے حدود قائم کرنے کے لئے کوڑا بین جاتا۔

”پھر اگر ان کو اپنی وفات کے وقت خویش پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے حوالے کر جاتے، لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کا طے کر دیا، اور انہوں نے امت کی خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے بیعت کر لی، اذان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کی، پس جب وہ مجھے جہاد پر بھیجے تو میں جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور ان کے سامنے حدود کے قائم کرنے میں کوڑا بین جاتا۔ اب اگر حضرت عمرؓ کو موت کے وقت خویش پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے سپرد کر جاتے۔ مگر انہوں نے تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ وہ ہم گروہ قریش میں سے ایک آدمی کو نامزد کر کے امت کا معاملہ اس کے حوالے کر جائیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بعد کوئی برائی ہو تو اس کا وبال حضرت عمرؓ کو ان کی قبر میں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے ہم میں سے چھ آدمیوں کو، جن میں سے ایک میں بھی تھا، منتخب کیا کہ ہم اپنے میں سے ایک کو امت کے لئے خلیفہ منتخب کر لیں۔ پھر جب ہم انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے پبل کرتے ہوئے کہا کہ وہ خلافت میں سے اپنا حصہ ہمیں دینے کے لئے تیار ہیں اس شرط پر کہ ہم ان سے یہ عہد کریں کہ وہ جماعت میں سے ایک صاحب کو منتخب کر کے امت کا معاملہ اس کے سپرد کر دیں گے۔ چنانچہ ہم نے ان سے معاملہ کر لیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے بیعت کر لی، اس وقت میرے دل میں کچھ خیل سا پیدا ہوا،

لیکن میں نے غور کیا تو دیکھا کہ میرا معاملہ میری بیعت سے سبقت کر چکا ہے۔ لہذا میں نے بیعت کر لی اور ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ چنانچہ وہ جب مجھے جہاد پر بھیجے تو میں جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں قبول کرتا، اور ان کے سامنے حدود کے قائم کرنے میں کوڑا بین جاتا۔

”پھر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا تو دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی بیعت کا عہد بیان جو میری گردن میں تھا اس کی گروہ کھل چکی ہے، اور حضرت عثمانؓ کے لئے کیا گیا عہد بیان بھی پورا ہو چکا ہے، اور میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، کسی کا نہ مجھ پر کوئی دعویٰ ہے، اور نہ کوئی مطالبہ۔ اب اس میں وہ شخص کود پڑا ہے جو مجھ جیسا نہیں (یعنی حضرت مغلوہؓ) نہ اس کی قرابت میری قرابت جیسی ہے، نہ اس کا علم میرے علم کے برابر ہے، نہ اس کے کلام میرے کلاموں جیسے ہیں، اس لئے میں اس خلافت کا اس سے زیادہ مستحق ہوں۔

”ان دونوں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ نے بجا ارشاد فرمایا، لیکن ہمیں ان دو صاحبوں کے برے میں بتائیے (یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ) وہ دونوں ہجرت میں بھی آپ کے ساتھی ہیں، بیعت رضوان میں بھی آپ کے ساتھ تھے، اور شوریٰ میں بھی آپ کے رفیق تھے۔

”فرمایا، ان دونوں صاحبوں نے مدینہ میں مجھ سے بیعت کی تھی اور بصرہ آکر وہ میرے مخالف ہو گئے۔ اور اگر کوئی شخص، جس نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کی تھی، آپ کو خلافت سے معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے قتل کرتے اور اگر کوئی شخص حضرت عمرؓ سے بیعت کر کے آپ کو معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے بھی قتل کرتے۔ یہ مسند اسحاق بن راہویہ کی روایت ہے۔“

اس روایت کے حاشیہ میں لکھا ہے:

”امام ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام اسحاق بن راہویہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور ابو داؤد و نسائی نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔“

شیعہ کلمہ اور اذان

۶۔

میں نے کلمہ شریف میں شیعوں کی پیوند کاری کی شکایت کرتے ہوئے لکھا تھا:

”آپ نے سنا ہو گا کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمہ پر راضی نہیں، بلکہ اس

میں ”علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفہ مافصل“ کی پیوند کاری کرتا

ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلمہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلمہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلمہ صحیح نہیں ہے۔

نہ ہو تو کس چیز کی کس بلی رہ جاتی ہے؟
آنجناب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

”سب سے آخر میں اس بات کی مختصر وضاحت کر دوں کہ علمائے شیعہ کے نزدیک اگر کوئی کافر مسلمان ہونا چاہے تو اس کے لئے کلمہ پڑھنا ضروری ہے۔ جو یہ ہے: ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اور بس، اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ (اس کے لئے شیخ جعفر کاشف الغطا کی کتاب کشف الغطا ”باب الاجتناب“ صفحہ ۳۹۸ کا حوالہ دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں) آپ نے تو ہمارے کلمہ اسلام ہی ہم سے چھین لیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کلمہ ہے جو اسلام لانے کے لئے پڑھنا ضروری ہے۔“
اس ضمن میں چند گزارشات ہیں:

اول: شیخ جعفر کاشف الغطا کی تصریح کے مطابق اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کافی ہے۔ لیکن آپ حضرات کے نزدیک شیعہ مذہب میں داخل ہونے کے لئے ”علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفہ بلا فصل“ کی پیوند کاری لازم ہے۔ چنانچہ آپ حضرات نے پاکستان کے اسکولوں کی نویں اور دسویں جماعت کے نصاب اسلامیات میں اس کو باصرار و احتجاج داخل کرایا۔ کیا ایک غیر جانبدار شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں ہو گا کہ شیعہ مذہب اسلام سے ماوراء کوئی دین ہے، جس میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمہ اسلام کافی نہیں، بلکہ ”علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفہ بلا فصل“ کی پیوند کاری لازم ہے؟

خصوصاً اس نکتہ کو پیش نظر رکھیے کہ حضرات امامیہ کے نزدیک جس طرح ”محمد رسول اللہ“ کے منکر پر کفر کا فتویٰ ہے، اسی طرح ”علی ولی اللہ“ کا منکر بھی کافر ہے۔ مسئلہ امامت کے ذیل میں اس نکتہ کو کتب امامیہ کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں۔ اگر شیعہ مذہب، مسلمان ہونے کے لئے کلمہ اسلام کو کافی سمجھتا تو ”ولایت امہ“ کے منکروں پر کفر کا فتویٰ کیوں دیتا؟

الغرض آپ حضرات کا باصرار و تکرار ”علی ولی اللہ“ کو سرکاری طور پر کلمہ شریف میں داخل کرنا اور اس شیعہ کلمہ کے منکروں پر کفر کا فتویٰ جاری کرنا کیا اس امر کا صاف صاف اعلان نہیں کہ آپ حضرات کا کلمہ بھی مسلمانوں سے الگ ہے؟

دوم: آپ حضرات یہی اضلی کلمات ”علی ولی اللہ۔ الخ“ اذان میں بھی لاؤ ڈالیں گے دہراتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے شیخ صدوق ابو جعفر قتی نے ”من لا یحضرہ الفقیہ“ میں اس اضافہ کو ملعون مفوضہ کی من گھڑت بدعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ اذان کے کلمات ماثورہ نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

وقال مصنف هذا الكتاب : هذا هو الاذان الصحيح لا يزداد فيه ولا ينقص منه والمفوضة (۲) لعنہم اللہ قد وضعوا أخباراً وزادوا في الاذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين ، وفي بعض رواياتهم بعد أشهد أن محمداً رسول الله ، أشهد أن علياً ولي الله مرتين ومنهم من روى بئذ ذلك أشهد أن علياً أمير المؤمنين حقاً مرتين ، ولا شك في أن علياً ولي الله وأنه أمير المؤمنين حقاً وأن محمداً وآله صلوات الله عليهم خير البرية. ولكن ليس ذلك في أصل الاذان، وإنما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتبهمون بالتغويض الدلسون أنفسهم في جملتنا .

ترجمہ: ”مصنف کتب فرماتے ہیں کہ یہی صحیح اذان ہے، اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا، نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ اور فرقہ مفوضہ نے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ کچھ روایتیں گھڑی ہیں۔ اور انہوں نے اذان میں ”محمد وآل محمد خیر البریہ“ کے الفاظ دو مرتبہ پڑھائے ہیں۔ اور ان کی بعض روایات میں ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ کے بعد ”اشہد ان علیاً ولی اللہ“ (دو مرتبہ) کے الفاظ ہیں۔ اور بعض نے ان الفاظ کے بجائے ”اشہد ان علیاً امیر المؤمنین“ (دو مرتبہ) کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

”اور کوئی شک نہیں کہ علی ولی اللہ ہیں، اور یہ کہ وہ واقعی امیر المؤمنین ہیں، اور یہ کہ محمد وآل محمد خیر البریہ ہیں، لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں۔ میں نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس زیادتی کے ذریعہ وہ لوگ پہچانے جائیں جن پر ”تغویض“ کی تہمت ہے اور جو اپنے عقیدے کو چھپا کر ہماری جماعت کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے شیخ صدوق تاکید شدید فرماتے ہیں کہ اذان کے ماثورہ کلمات میں کمی بیشی نہ کی جائے اور یہ کہ ”اشہد ان علیاً ولی اللہ“ کے کلمات کا اضافہ بد بخت اور ملعون مفوضہ کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ لیکن آج کل آپ ان ملعونوں کی

بدعت پر بھی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں کہ آپ حضرات اذان میں یہ کلمات بڑھاتے ہیں: ”اشہد ان امیرالمومنین، و امام الملتین، علیاً ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفۃ بالافضل“ اور غریب مؤذن ایک سانس میں ان الفاظ کو ادا نہیں کر پاتا اور اس طویل بدعی عبارت کو ادا کرنے کے لئے اسے درمیان میں کئی جگہ سانس لینا پڑتا ہے۔ جب شیخ صدوق کے زمانے میں ”اشہد ان علیاً ولی اللہ“ کے الفاظ بدعت اور موجب لعنت تھے تو انصاف فرمائیے کہ ان طویل الفاظ کے بڑھانے سے یہ بدعت اور لعنت کتنے گنا بڑھ گئی ہوگی؟ کیا آپ کی جماعت میں کوئی دانشمند ایسا نہیں جو اس پر غور کرے؟ ”الیس منکم رجل رشید؟“

سوم: میں مسئلہ امامت کی بحث میں ”رجال کشی“ اور ”مجلد الانوار“ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ ”ولایت علی“ کے عقیدہ کا اظہار سب سے پہلے عبداللہ بن سبالمعون نے کیا تھا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعادت میں اور خلفائے راشدین کے بابرکت زمانے میں ”علی ولی اللہ“ کے الفاظ ”کلمہ اسلام“ میں شامل نہیں تھے۔ اسی طرح شیخہ اذان میں جو کلمات دہرائے جاتے ہیں، (اور جن کو شیخ صدوق نے منصوصہ لعنہم اللہ کی بدعت کہا ہے) وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان میں شامل تھے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک خلافت راشدہ کے دور میں، بلکہ شیخ صدوق کے زمانے تک خود شیعوں کی اذان میں بھی نہیں تھے۔ اب خود انصاف فرمائیے کہ کلمہ اور اذان میں ان الفاظ کا اضافہ کرنا، دین محمدی کے علاوہ ایک نئے دین کی تصنیف نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر اگر میں شکایت کرتا ہوں کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمہ پر بھی راضی نہیں، تو آنجناب اپنی اصلاح کرنے کے بجائے التامیج پر خفا ہوتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آنجناب اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

”بلی رہا ”علی ولی اللہ“ تو یہ ایسی بات ہے جس کو علمائے اہلسنت بھی مانتے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ اس آیت سے ماخوذ ہے: ”انما ولیکم اللہ ورسولہ... و ہم راکعون“ جو اتفاق مفسرین حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ تو بنحوانے آیت کریمہ حضرت علیؑ علیہ السلام ولی اللہ ہیں اور یہ آپ بھی مانتے ہوں گے، اس کا انکار تو آپ کر ہی نہیں کر سکتے۔“

آنجناب کی یہ مختصر سی عبارت چند در چند مغالطوں پر مشتمل ہے:

اول: یہ کہ ”علی ولی اللہ“ کو اہل سنت بھی مانتے ہیں۔ ”یہ محض مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ شیعوں کے کلمہ اور اذان میں ”علی ولی اللہ“ کے ایک خاص معنی مراد ہیں، جس کی تفسیر ”وصی رسول اللہ و خلیفۃ بالافضل“ کے الفاظ سے کی جاتی ہے۔ آنجناب کو معلوم ہے کہ اہل سنت ”علی ولی اللہ“ کے اس مفہوم کو نہ صرف غلط سمجھتے ہیں، بلکہ اس کو ابن سبکی ملعون بدعت قرار دیتے ہیں اور اس عقیدہ کو ہدم اسلام کی سازش سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود آنجناب کا یہ فرمانا کہ ”علی ولی اللہ“ کے سبکی مفہوم کو اہل سنت بھی مانتے ہیں، محض مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اگر ”علی ولی اللہ“ سے یہ مراد ہے کہ حضرت علیؑ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے ہیں، تب بھی اہل سنت کے نقطہ نظر سے یہ فقرہ غلط ہے۔ کیونکہ امت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوة و تسلیعات) میں کروڑوں افراد ”اولیاء اللہ“ ہیں۔ اس میں حضرت علیؑ کی کیا تخصیص؟ اور کلمہ و اذان میں ان الفاظ کے ٹانگنے کے کیا معنی؟ آنجناب کو علم ہے کہ اہل سنت کے نزدیک امت کے اولیاء اللہ میں سب سے افضل صحابہ کرامؓ ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ میں چار بزرگوار علی الترتیب افضل امت ہیں، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ لہذا امت کے اولیاء اللہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ چوتھے نمبر پر ہیں، پس ”علی ولی اللہ“ کا فقرہ اس مفہوم میں بھی عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آنجناب ان باتوں سے بے خبر نہیں، لیکن مجھے بے حد تعجب ہے کہ آنجناب جیسا نفیم اور سمجھدار آدمی بھی مغالطوں سے کام چلانے پر مجبور ہے۔

دوم: یہ کہ آنجناب کا قول کہ ”یہ عقیدہ آیت شریفہ انما ولیکم اللہ ورسولہ... و ہم راکعون“ سے ماخوذ ہے، نہایت غلط ہے۔ اس آیت سے کوئی غافل شیعوں کا عقیدہ ”ولایت علیؑ“ نہیں نکال سکتا، نہ آیت کے الفاظ سے یہ عقیدہ کشید کیا جاسکتا ہے، اور نہ سیاق و سباق ہی اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن آنجناب اس کو میرے سامنے اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ گویا میرے نزدیک یہ ایک مسلمہ چیز ہے، جس میں اختلاف رائے کی بھی گنجائش نہ ہو۔ فرمائیے ایک خالص وہبی چیز کو، جس کا واقعہ نفس الامر میں کوئی وجود ہی نہ ہو، ایک مسلمہ چیز کی حیثیت سے پیش کرنا نرا مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟

سوم: آنجناب کا یہ ارشاد کہ ”یہ آیت باتفاق مفسرین حضرت علیؑ کی شان میں نازل

ہوئی ” دروغ بے فروغ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ ” منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں :
” قوله: قد اجمعوا انها نزلت فی علی من اعظم

الدعاوی الکاذبة، بل اجمع اهل العلم بالنقل علی انها لم
تنزل فی علی بخصوصه، وأن علیا لم يتصدق بخاتمه فی
الصلوة، وأجمع اهل العلم بالحديث علی أن القصة المروية
فی ذلك من الکذب الموضوع ” (منہاج السنۃ صفحہ ۴۳، جلد ۳)

ترجمہ: ” شیخ علی کا یہ دعویٰ کہ یہ آیت باتفاق مفسرین حضرت علیؑ کی شان
میں نازل ہوئی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس کے برعکس اہل علم بالنقل کا
اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت بطور خاص حضرت علیؑ کے حق میں نازل نہیں
ہوئی۔ اور یہ کہ حضرت علیؑ نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ نہیں کی۔
اور اہل علم بالحديث کا اجماع ہے کہ اس سلسلہ میں جو قصہ نقل کیا جاتا ہے وہ
من گھڑت جھوٹ ہے۔“

حافظ شمس الدین الذہبی ” المنتقى ” میں لکھتے ہیں :

والجواب أن قولك أجمعوا إنها نزلت فی علی من
أعظم الدعای الکاذبة، بل أجمعوا علی أنها لم تنزل فی
علی بخصوصه، وأن الخبر کاذب، وفی تفسیر الثعلبی
من الموضوعات ما لا یخفی، وکان حاطب لیل، وکذا
تلمیذہ الواحدی ”۔ (المنتقى من: ۱۹۹)۔

ترجمہ: ” جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ
آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی، سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس
کے برعکس ان کا اجماع اس پر ہے کہ یہ بطور خاص حضرت علیؑ کے حق میں
نہیں نازل ہوئی، جو روایت تم نے نقل کی ہے یہ جھوٹی ہے۔ اور تفسیر ثعلبی
میں ایسے جھوٹے افسانے موجود ہیں جو اہل علم پر بخفی نہیں، اور یہ شخص
حاطب لیل تھا، اسی طرح اس کا شاگرد واحدی بھی۔“

حافظ ابن کثیرؒ اس انگوٹھی کے قصہ کو طبرانی اور ابن عساکر کے حوالے سے نقل
کر کے لکھتے ہیں :

” وهذا لا یصح بوجه من الوجوه لضعف أسانیده،

ولم یُنزل فی علی شیء من القرآن بخصوصته ”
(البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۵۷، جلد ۷)

ترجمہ: ” یہ روایت کسی طریق سے بھی صحیح نہیں، کیونکہ اس کی تمام اسنادیں
کمزور ہیں۔ اور حضرت علیؑ کے حق میں خصوصیت سے قرآن کی کوئی آیت
نازل نہیں ہوئی۔“

اہام السنۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ” ازالة الخفا ” میں لکھتے ہیں :
” وسبب نزول وصدق آیت صدیق اکبر است نہ چنانکہ شیعہ
گمان بردارند قصہ موضوعہ روایت کنند۔“

(ازالة الخفا صفحہ ۳۷۷، جلد ۱)

ترجمہ: ” اس آیت کا سبب نزول وصدق حضرت صدیق اکبرؑ ہیں۔ نہ
جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں اور ایک من گھڑت قصہ روایت
کرتے ہیں۔“

چند لم : آنجناب نے دعویٰ کیا ہے کہ ” مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار
کیا ہے۔“ حالانکہ یہ دعویٰ صریح مغالطہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مفتی
صاحبؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے :

” اس روایت کی سند میں علماء و محدثین کو کلام ہے۔ لیکن روایت کو صحیح قرار
دیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہو گا کہ مسلمانوں کی گہری دوستی کے لائق نماز و
زکوٰۃ کے پابند عام مسلمان ہیں۔ اور ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت
علیؑ کرم اللہ وجہہ، اس دوستی کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری صحیح
حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ” من كنت
مولا فاعلی مولاہ “ (رواہ احمد از مظہری) یعنی ” میں جس کا
دوست ہوں، تو علیؑ بھی اس کے دوست ہیں۔“

” ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :
” اللهم وال من والاه وعاد من عاداه “ یعنی ” یا اللہ! آپ محبوب
بنالیں اس شخص کو جو محبت رکھتا ہو علی مرتضیٰؑ سے اور دشمن قرار دیں اس
شخص کو جو دشمنی کرے علی مرتضیٰؑ سے۔“

” حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو اس خاص شرف کے ساتھ غلبہ اس لئے
نوازا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آئندہ پیش آنے والا وقت
مشکوٰۃ میں گواہ کہ اگر اہل حق و علیؑ کے ساتھ ہو جائے گا۔“

رکھیں گے اور ان کے مقابلہ پر علم بنکوت اٹھائیں گے، جیسا کہ خوارج کے فتنہ میں اس کا ظہور ہوا۔

بہر حال آیت مذکورہ کا نزول خواہ اسی واقعہ کے متعلق ہوا ہو، مگر الفاظ آیت کے عام ہیں، جو تمام صحابہ کرامؓ اور سب مسلمانوں کو شامل ہیں۔ از روئے حکم کسی فرد کی خصوصیت نہیں، اسی لئے جب کسی نے حضرت امام باقرؑ سے پوچھا کہ اس آیت میں ”الذین آمنوا“ سے کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ، وہ بھی مومنین میں داخل ہونے کی حیثیت سے اس آیت کے مصداق ہیں۔

(معارف القرآن..... صفحہ ۱۷۹، جلد ۳)

اس اقتباس سے واضح ہے کہ اول تو مفتی صاحبؒ اس قصہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ثانیاً: بفرض تسلیم آیت کو عام اہل ایمان کے بارے میں قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ خصوصیت ہے تو یہ کہ خوارج ان سے عداوت و دشمنی رکھتے ہیں، بلکہ ان کی تکفیر کر کے اپنا نامہ عمل سیاہ کرتے ہیں اس لئے اہل ایمان کو ان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ سے بالخصوص دوستی رکھنی چاہئے، ایسی ”دلی“ کے معنی محبوب اور دوست کے ہیں، نہ کہ بزعم شیعہ ”متولی امر خلافت“ کے۔

ثالثاً: مفتی صاحبؒ تصریح کرتے ہیں کہ آیت کا حکم تمام صحابہؓ کو اور سب مسلمانوں کو شامل ہے، کسی فرد کی خصوصیت نہیں۔

رابعاً: حضرت مفتی صاحبؒ امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ تمام اہل ایمان کے بارے میں ہے، حضرت علیؑ بھی بحیثیت مومن ہونے کے اس آیت میں شامل ہیں۔ بطور خاص ان کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

کیا ان تصریحات کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ بھی شیعوں کے کلمہ ”علی ولی اللہ“ کی تائید کر رہے ہیں؟

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ،
أُستَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ